قصص الاولین و الموعظۃ الآخرین

تاریخ امروہہ

مؤلفہ

محمود احمد الہاشمی العباسی

مرتب و ناشر

ڈاکٹر حکیم سراج الدین ہاشمی

قصص الاولین موعظۃ الآخرین

تاریخ امروہہ

مؤلفہ

محمود احمد الہاشمی العباسی

مرتب و ناشر

ڈاکٹر حکیم سراج الدین ہاشمی

کوائف

نام کتاب	:	تاریخ امروہہ (عکسی ایڈیشن)
مصنف	:	مؤرخِ امروہہ محمود احمد عباسی
مرتب و ناشر	:	حکیم ڈاکٹر سراج الدین ہاشمی
زیرِ نگرانی	:	ڈاکٹر مصباح احمد صدیقی
سن اشاعت بار اوّل	:	۱۹۳۰ء
سن اشاعت بار دوم	:	۲۰۰۵ء
سن اشاعت بار سوم	:	۲۰۱۴ء
تعداد	:	۵۰۰
مطبع	:	نیو پرنٹ سینٹر، نئی دہلی ۔ ۲
قیمت	:	۵۰۰/روپئے

کتاب ملنے کے پتے:

ڈاکٹر حکیم سراج الدین ہاشمی، ہاشمی دواخانہ، محلّہ قاضی زادہ، امروہہ

دفتر انجمن ترقی اردو، محلّہ ملانہ، امروہہ

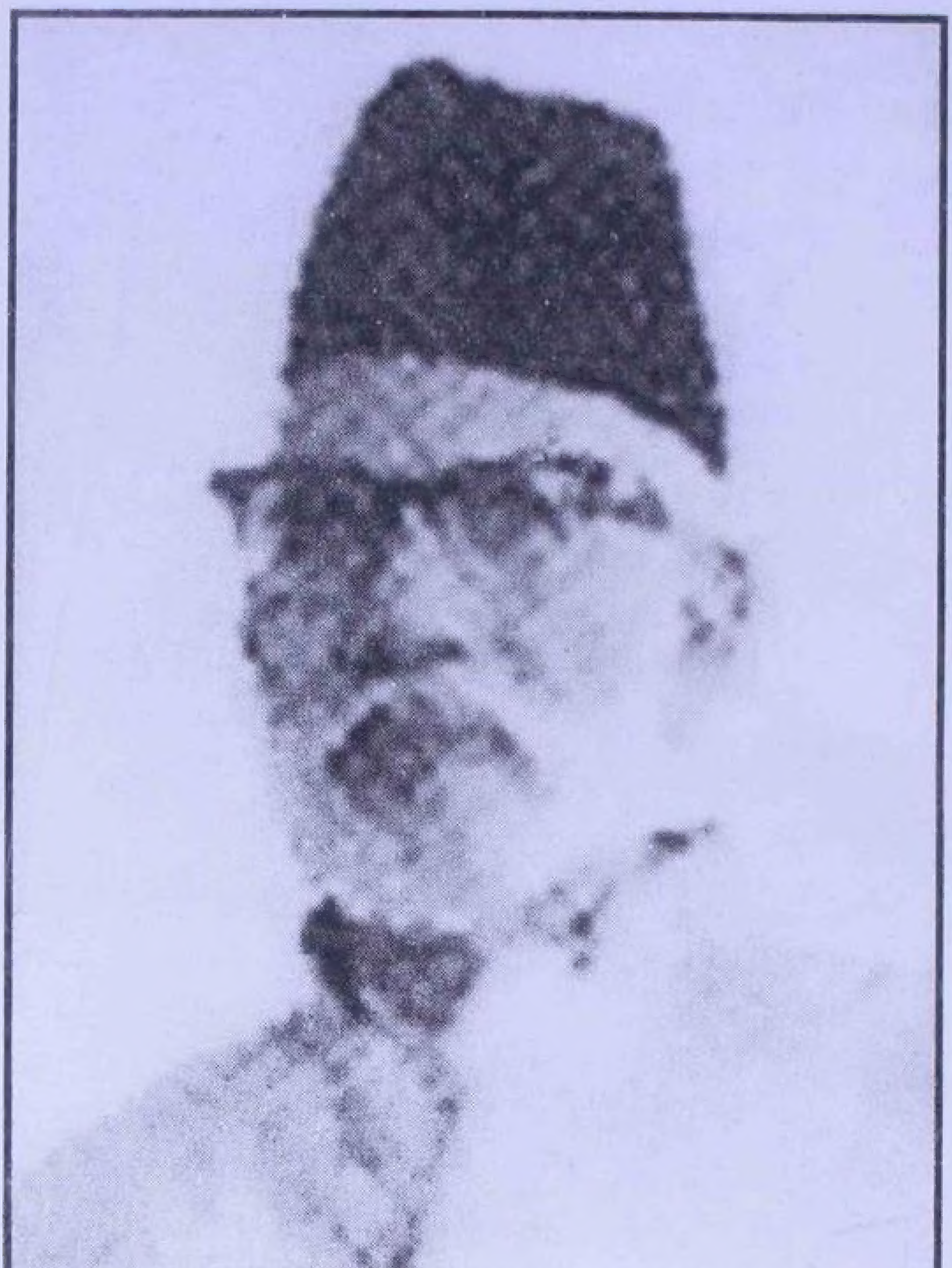

محمود احمد عباسی

۳۱؍مارچ ۱۸۸۵ء/۱۴؍مارچ ۱۹۷۴ء

انتساب

میں اپنی اس کاوش کو سرزمین امروہہ کے معروف عالم دین

بے مثال شاعر اور صاحب طرز ادیب ونقاد

حضرت مولانا مفتی نسیم احمد صاحب فریدی رحمۃ اللہ علیہ

کے

نام

معنون کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں۔

سراج الدین ہاشمی

محمود احمد عباسی

امروہہ کے نادرِ روزگار مشاہیر میں علامہ محمود احمد عباسی مشہور بہ ''مورخِ امروہہ'' کی شخصیت بھی بہت اہم و معتبر مقام و مرتبہ کی حامل ہے۔ تاریخ امروہہ اور تاریخ اسلام پر ان کی نادر تحقیقات ہمیشہ آنے والی نسلوں کے لیے مشعل راہ کا کام دیتی رہیں گی۔

محمود احمد عباسی ایک علمی اور صاحبِ ثروت گھرانے کے چشم و چراغ تھے۔ آپ کا شجرۂ نسب خلیفۂ عباسی امیر المومنین امین الرشید ابن ہارون الرشید کے واسطے سے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس ابن عبد المطلب سے ملتا ہے۔

امروہہ میں آپ کے مورثِ اعلیٰ مولانا رکن الدین عباسی ابن مولانا نظام الدین ہیں جو سلطان سکندر لودی کے زمانہ میں امروہہ آئے آپ جامع علوم و فنون، صاحبِ تصانیف اور اپنے عہد کے اکابر فضلاء میں سے تھے۔ محمود احمد عباسی کے دادا مولوی احمد علی شاہ بھی اپنے وقت کے بڑے لوگوں میں ہوئے۔ علوم عربی فارسی کے فارغ التحصیل، صوفی منش انسان اور حافظ موسیٰ مانک پوری کے مرید و خلیفہ تھے۔ صاحبِ ''انوار العارفین'' و صاحبِ ''نخبۃ التواریخ'' نے آپ کے کمالات باطنی کا بڑے عقیدت مندانہ انداز میں ذکرِ خیر کیا ہے۔ آپ نے ۲۹ رشوال ۱۲۹۷ھ/ ۴ را کتوبر ۱۸۸۰ء کو امروہہ میں وفات پائی اور اپنے قدیم خاندانی قبرستان میں حضرت شاہ علاول کے پہلو میں مدفون ہوئے۔

آپ کے والد گرامی مولانا سید علی محمد عباسی (متوفی ۱۸۹۷ء) اپنے وقت کے ذی علم عالم دین اور عمائدین شہر میں سے تھے۔ ایک عرصہ تک طالبانِ علوم دینی کو اپنے گھر ہی بلا کسی معاوضہ کے فیض یاب کیا بعد میں وکالت کی سند حاصل کر کے مختلف مقامات پر نیک

نامی کے ساتھ وکالت کی آخر عمر میں کافی عرصہ تک امروہہ میں پریکٹس کی۔ ''نخبۃ التواریخ'' کے مصنف مولانا آل حسن نخشبی آپ کے بارے میں لکھتے ہیں:

''مولوی علی محمد از علوم بہرہ وافر گرفتہ و ممتز روزگار است[1]۔''

ترجمہ: مولوی علی محمد نے بہت زیادہ علم حاصل کیا اور وہ اپنے زمانہ کے معزز لوگوں میں تھے۔

ان ہی علی محمد عباسی کے گھر ۱۴ر جمادی الثانی ۱۳۰۲ھ/ ۳۱ر مارچ ۱۸۸۵ء کو بوقت صبحِ صادق محمود احمد عباسی صاحب نے آنکھ کھولی۔ رواجِ زمانہ کے مطابق قرآنِ کریم کے بعد عربی فارسی درسیات میں کامل دستگاہ بہم پہنچائی۔ بعد میں گورنمنٹ انٹر کالج امروہہ اور دیگر دیار و امصار کے مختلف اسکول اور کالجز میں ہندی انگریزی کی بھی تعلیم حاصل کی۔ زمانہ طالب علمی ہی سے تصوف و تاریخ اسلامی و دیگر علوم وفنون کے مطالعہ کا بے حد شوق تھا بلکہ اسی وقت سے مطالعہ ان کی طبیعتِ ثانیہ بن گیا۔ جو آخر دم تک قائم رہا۔ اپنے والد کے انتقال کے بعد بڑے بھائی ڈاکٹر محمد احسن عباسی کے پاس اناؤ اور رائے بریلی میں تعلیم حاصل کی جہاں آپ کے بھائی میڈیکل افسر کی حیثیت سے تعینات تھے۔ اس کے بعد لکھنؤ گئے مگر آپ کالج کے ہوسٹل میں نہ رہ کر ایک ذاتی مکان میں رہتے تھے۔ نواب وقار الملک آپ کے والد کے قریبی دوست تھے اسی وجہ سے آپ کی نگرانی کی ذمہ داری نواب صاحب نے لکھنؤ کے ایک دوست کے سپرد کردی تھی، ان صاحب کے ذریعہ عباسی صاحب کا لکھنؤ کے ادیب و شعراء اور دیگر عمائدین شہر سے تعارف ہوگیا۔ جس میں علامہ شبلی نعمانی اور عبدالحلیم شررؔ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ اسی سبب عباسی صاحب ادبی ہنگامہ آرائیوں میں پڑکر کوئی خاص ڈگری حاصل نہ کرسکے۔ علامہ شبلی نعمانی اور عبدالحلیم شررؔ صاحب کے زیر اثر آپ کا زیادہ وقت تاریخ و ادب اور سیرت کی کتابوں، سیاسی اور قومی لٹریچر کے مطالعہ میں صرف ہونے لگا۔ نتیجتاً امتحان میں ناکام ہوئے اور تعلیم چھوڑ کر مسلم اسکول بریلی میں مدرس ہوکر آگئے۔ یہاں خواجہ الطاف حسین حالؔی اپنے ایک نواسے

---

[1] نخبۃ التواریخ ص ۱۰۰ مؤلفہ مولانا آل حسن نخشبی، مطبوعہ ۱۸۸۰ء۔

عبدالوالی کے علاج کے سلسلے میں بریلی کے مشہور و معروف حکیم، حکیم مختار احمد صدیقی ساکن امروہہ کے یہاں آئے ہوئے تھے۔ جس طرح لکھنؤ میں شبلی نعمانی اور شرر نے آپ کے علمی ذوق کی حوصلہ افزائی کی تھی اسی طرح یہاں خواجہ الطاف حسین حالؔی نے ان کے ادبی و تاریخی ذوق و انہماک کو دیکھتے ہوئے ان پر لطف و مہربانی کی۔ مولانا حالؔی نے عباسی صاحب پر جس طرح لطف و عنایت فرمائی اس کا اندازہ کچھ ان کے خطوط سے بھی ہو سکتا ہے (جو ''مکتوباتِ حالی'' میں شامل ہیں) آخر میں مولانا حالی کی ہی سفارش پر عباسی صاحب ۱۹۰۸ء میں آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرس علی گڑھ کے دفتر میں بطور نجی معاون (پرسنل اسسٹنٹ) ملازم ہو گئے۔ عباسی صاحب یہاں چودہ سال رہے اور تقریباً دس سال صاحب زادہ آفتاب احمد خاں جوائنٹ سکریٹری (متوفی ۱۰ ر جنوری ۱۹۳۰ء) کے ماتحت کام کیا۔ آپ نے عباسی صاحب کو ترقی دے کر ادبی معاون اور پھر صدر دفتر کا قائم مقام سپرنٹنڈنٹ بنا دیا۔ آخر میں بعض مخالفین کی ریشہ دوانیوں کے سبب آپ اس ملازمت سے استعفیٰ دے کر امروہہ آ گئے۔ اسی زمانہ میں مولانا محمد علی جوہر (متوفی جنوری ۱۹۳۱ء) نے دہلی سے اپنا مشہور زمانہ اخبار ''ہمدرد'' جاری کیا تو عباسی صاحب کو اس روزنامہ کے مدیر کی حیثیت سے دعوت دی جو عباسی صاحب نے قبول کر لی اور صرف ایک سال ''ہمدرد'' کے مدیر رہے۔ عباسی صاحب خود لکھتے ہیں:

''اسی اثناء میں مولانا محمد علی مرحوم کی خاص خواہش پر ان کے روزنامہ ''ہمدرد'' کی ادارت کے سلسلے میں تقریباً ایک سال تک دہلی میں قیام رہا [۱]''

اس کے بعد آپ مستقل امروہہ آ کر اپنے ذوق کے مطابق علمی کاموں میں مصروف و مشغول ہو گئے۔ اور ایسے کارہائے نمایاں انجام دیئے کہ رہتی دنیا تک ان کا نام باقی رہے گا، کام باقی رہے گا۔ امروہہ کے دورانِ قیام عملی سیاست میں بھی بھرپور حصہ لیا اور کانگریس پارٹی میں شامل ہو کر امروہہ کانگریس کمیٹی کے صدر منتخب ہوئے۔ کچھ عرصہ تک میونسپل بورڈ امروہہ کے صدر اور آنریری مجسٹریٹ بھی رہے۔ ۱۹۴۷ء کے بعد جب ملک کی

---

۱ تذکرۃ الکرام ص ۳۵۸ مؤلفہ محمود احمد عباسی۔

فضا خراب ہوئی تو آپ امروہہ میں اپنی تمام جائیداد واملاک کو خیر باد کہہ کر ۱۹۵۱ء میں مستقلاً پاکستان ہجرت کر گئے۔ اب مختصر حال ان کے علمی مشاغل اور علمی و تاریخی کارناموں کا عباسی صاحب نے امروہہ کے دوران قیام امروہہ کی علمی سرزمین پر وقیع کام انجام دیا جس میں آپ کی تین معرکۃ الآرا تصانیف ''تاریخ امروہہ (مطبوعہ ۱۹۳۰ء) ''تذکرۃ الکرام'' (مطبوعہ یکم مئی ۱۹۳۲ء) اور ''تحقیق الانساب'' (مطبوعہ ۱۹۳۲ء) ہیں یہ تینوں تصانیف امروہہ کے مستند تاریخی حالات، مشائخ وصوفیہ، علماء کرام اور امروہہ میں مقیم خاندانوں کی تاریخ اور نسب ناموں سے متعلق بیش بہا معلومات کے علمی خزانے ہیں۔ ''سادات عباسیہ امروہہ'' کے مرتب جناب ریحان احمد عباسی اپنے مقدمہ میں لکھتے ہیں:

> ''اللہ پاک مولوی محب علی عباسی مرحوم اور عالمی شہرت یافتہ محقق وادیب محمود احمد عباسی مرحوم کو کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے یہ دونوں حضرات بالترتیب ''آئینہ عباسی'' اور ''تحقیق الانساب'' نام سے ایسی تالیفات ہمیں دے گئے ہیں جو معلومات کا خزانہ اور خاندانوں اور نسبتوں کے مستند حوالوں کے ساتھ ہماری رہنمائی کے لیے موجود ہیں[۱]۔''

خدومی پروفیسر خلیق احمد نظامی سابق وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ نے ایک گفتگو کے دوران عباسی صاحب کے علمی کارناموں پر بحث کرتے ہوئے ڈاکٹر مصباح احمد صدیقی سے فرمایا تھا کہ:

> ''امروہہ سے اگر یہ تینوں کتابیں (تاریخ امروہہ، تذکرۃ الکرام، تحقیق الانساب'') نکال دی جائیں تو امروہہ کے پاس بچتا کیا ہے۔''

''تاریخ امروہہ'' سے متعلق کتاب ''البیرونی'' کے مصنف سید حسن صاحب وکیل، بلند شہر لکھتے ہیں:

> ''ہمارے ملک میں ابھی تک تاریخی تحقیقات کا معیار عام طور پر بہت زیادہ بلند نہیں ہے، لیکن جن اصول کو پیش نظر رکھ کر آپ نے ''تاریخ امروہہ'' لکھی ہے وہ ہر آئینہ قابل ستائش ہیں حتی الامکان آپ نے

---

۱ ''سادات عباسیہ امروہہ'' ص ۴ مؤلفہ ریحان احمد عباسی۔

ایک مورخ کے حقیقی فرائض کو جس میں صداقت، غیر جانبداری اور حریت سب سے مقدم ہیں نظر انداز نہیں کیا[۱]۔''

مولوی سید نہال احمد نقوی سب ڈویژنل مجسٹریٹ ریاست حیدر آباد دکن ان الفاظ میں خراج تحسین پیش کرتے ہیں:

''سب سے نمایاں اور جلی خصوصیت جو اس کتاب (تاریخ امروہہ) میں مجھے نظر آئی وہ یہ ہے کہ واقعات نویسی میں بلا خوف ملامت و بلا شائبہ تعلقاتِ ذاتی وصفاتی حقیقت نگاری کی گئی ہے..... میں اپنے ذاتی علم و یقین کی بنا پر تصدیق کر سکتا ہوں کہ اس موضوع پر اس رتبہ کی جامع خصوصیات کوئی کتاب اب تک عرصہ ظہور و معرضِ طبع میں نہیں آئی[۲]۔''

گرامی قدر پروفیسر وقار رضوی اپنی تالیف ''مولانا سید احمد حسن محدث امروہوی احوال و آثار'' میں لکھتے ہیں:

''مولانا محمود احمد عباسی عظیم مورخ، محقق اور اہل علم تھے، امروہہ پر ان کی ''تاریخ امروہہ'' استفادہ کا درجہ رکھتی ہے۔ تین جلدوں میں اتنی ضخیم تاریخ اب تک امروہہ کی نہیں لکھی گئی[۳]۔''

پروفیسر نثار احمد فاروقی ''تحفۃ الانساب'' کے پیش لفظ میں لکھتے ہیں:

''امروہہ کی خوش نصیبی تھی کہ اسے محمود احمد عباسی جیسا مورخ ملا۔ انھوں نے تاریخ امروہہ کا بڑا وسیع منصوبہ تیار کیا۔ اس کی صرف تین جلدیں شائع ہوسکیں۔ پہلی جلد (تاریخ امروہہ) میں امروہہ کی تاریخ بیان کی گئی ہے۔ تیسری جلد (تحقیق الانساب) میں یہاں کے ممتاز خاندانوں کے انساب جمع کر دیے ہیں دوسری جلد (تذکرۃ الکرام) میں امروہہ کے اولیاء اللہ کا تذکرہ آیا ہے[۴]۔''

لیکن محمود احمد عباسی صاحب کے ان ممتاز ترین تاریخی دستاویزات سے بھی زیادہ

۱۔ تذکرۃ الکرام ص ۳۸۷ ۲۔ تذکرۃ الکرام ص ۳۸۶ ۳۔ ''مولانا احمد حسن محدث امروہوی احوال و آثار'' ص ۲۸۳ مؤلفہ پروفیسر وقار رضوی کراچی۔ ۴۔ ''تحفۃ الانساب'' ص ۱۳ ڈاکٹر مصباح احمد صدیقی

اہم اور وقیع کام وہ ہے جو انھوں نے تاریخ اسلام سے متعلق کیا۔ آپ نے تاریخ اسلام کی تحقیق و تنقیح کر کے اسلامی تاریخ پر احسانِ عظیم کیا ہے یہ آپ کا انتہائی عظیم کارنامہ ہے اس سے لوگوں کی ذہن و فکر میں عظیم انقلاب پیدا ہوا اور لوگ تاریخ اسلام کو درایت کے معیار پر پرکھنے لگے پاکستان میں آپ کو 'امام اہل سنت'' کے معزز و محترم خطاب سے نوازا گیا۔

تاریخی تحقیق و تنقید میں محمود احمد عباسی صاحب کی نظر بہت گہری تھی اپنی بات کو بڑے مدلل مثبت انداز میں بیان کرنے کا ملکہ حاصل تھا۔ انداز تحریر بھی نہایت آسان اور دلچسپ ہے۔ آپ کی بصیرت افروز تحقیقات دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے گویا خداوندِ عالم نے اس دور میں آپ کو اسی اہم کام کے لیے پیدا کیا تھا۔ اسی واسطہ عقل سلیم، ذہن رسا اور دقت نظر عطا فرمائی تھی۔ مطالعہ کا شوق آپ کو بچپن سے ہی تھا۔ اپنے ذوق مطالعہ کے بارے میں خود رقم طراز ہیں:

''اپنے ساتھیوں اور دوسرے نوجوانوں کے برخلاف میری طبیعت تفریحی مشاغل کھیل وغیرہ کی طرف کبھی مائل نہ تھی۔ عمدہ کتابیں پڑھنے اور نامور و ذی علم حضرات سے فیض صحبت حاصل کرنے کا شروع ہی سے شوق تھا............ ان ہی صحبتوں میں کتب تاریخ و سیر خصوصاً قومی لٹریچر کے مطالعہ اور اخبار و رسائل کا شوق پیدا ہو گیا درسیات کی طرف توجہ کم ہوئی۔ تاریخ میرا خاص مضمون تھا، ادبیات اور عام معلومات میں اپنے ساتھیوں بلکہ ہم عصروں سے بمراتب فائق تسلیم کیا جاتا[1]''

آگے لکھتے ہیں:

''علی گڑھ کے دوران قیام، مطالعہ کا دائرہ بہت وسیع ہو گیا تھا۔ کام سے جو وقت بچتا نیز تعطیلات کا سارا وقت مطالعہ کی نذر ہوتا۔ ہزار ہا کتابیں جو زیادہ تر تاریخ و سیر و سفرناموں و ادبیات کے علاوہ علوم نفسیات و فلسفہ و الٰہیات پر مشتمل تھیں زیر مطالعہ رہیں[2]''

یہ آپ کے وسیع تر مطالعہ اور تحقیقی و علمی ذہن کی ہی کرامات تھیں کہ آپ نے اس

---

[1] تذکرۃ الکرام ص ۳۷۵ [2] تذکرۃ الکرام ص ۳۸۰

طرح کی زندہ جاوید تصانیف اپنی یادگار چھوڑیں۔ عباسی صاحب کی یہ تصانیف نسلوں تک مشعل راہ کا کام دیں گی۔ خوشی کی بات ہے کہ جس تحقیقی معیار کی آپ نے بنیاد ڈالی تھی آج اس نہج پر اچھا کام ہو رہا ہے جو سب آپ کا ہی مرہونِ منت ہے۔ اسلامی تاریخ کو عقل و درایت اور تاریخی اصولوں پر پرکھنے کی بنیاد محمود احمد عباسی صاحب نے ہی ڈالی ہے۔ پاکستان کے عالمی شہرت یافتہ اسلامی اسکالر جناب عزیز احمد صدیقی، محمود احمد عباسی اور ان کی تصانیف کے بارے میں لکھتے ہیں:

> ''اللہ عز و جل کا لاکھ لاکھ احسان ہے جس نے 'پاکستان' میں علامہ محمود احمد عباسی کو ستر اسّی سال کی عمر میں تاریخ اسلام کے چہرے سے گندگی کا گرد و غبار دور کرنے اور معصیت کے داغ دھبے دور کرنے کی توفیق بخشی۔ موصوف نے پندرہ سال کے عرصہ میں نہ صرف ''خلافت معاویہ و یزید'' ''تحقیق مزید'' ''حقیقت سید و سادات'' ''حقیقت خلافت و ملوکیت'' ''مقتل حسین'' اور ''ام ہانی'' جیسی ایمان افروز تخلیقات پیش کیں بلکہ اپنے شاگردوں کا ایک بڑا حلقہ تیار کر دیا[۱]۔''

اب ان کی چند تصانیف کے نام بلا کسی تبصرے کے یہاں لکھتا ہوں۔

۱ تاریخ امروہہ، ۲ تذکرۃ الکرام، ۳ تحقیق الانساب، ۴ حقیقت قوم کنبوہ، ۵ خلافت معاویہ ویزید[۲]، ۶ تحقیق مزید[۳]، ۷ تحقیق سید سادات، ۸ تبصرات محمودی بر ہفوات مودودی، ۹ حقیقت خلافت وملوکیت، ۱۰ مقتل حسین، ۱۱ امِ ہانی۔ ان کے علاوہ آپ نے ''حکمائے امروہہ'' ''مشاہیر امروہہ'' اور ''شعرائے امروہہ'' کے مسودات بھی تیار کیے تھے جو اپنی دیگر علمی مصروفیات کے سبب شائع نہیں کر سکے۔ اس سلسلے میں پروفیسر نثار احمد فاروقی تحریر فرماتے ہیں:

> ''چوتھی جلد شعرائے امروہہ اور پانچویں جلد اطبائے امروہہ پر ترتیب دی جا رہی

---

۱ ''محمود احمد عباسی اپنے عقائد و نظریات کے آئینے میں'' جمع و ترتیب سید علی مطہر نقوی امروہوی (پاکستان) ص ۵۴ ناشر مکتبہ اعجاز پاکستان ۲ عباسی صاحب کی زندگی میں ہی اس کتاب کے تین ایڈیشن شائع ہوئے طبع اول مئی ۱۹۵۹، طبع دوم جولائی ۱۹۵۹، طبع سوم دسمبر ۱۹۶۰ء ۳ ''تحقیق مزید'' کے بھی دو ایڈیشن شائع ہوئے ہیں، پہلا پاکستان میں، دوسرا میرے والد گرامی حکیم مہتاب الدین ہاشمی مرحوم و مغفور نے امروہہ سے شائع کرایا۔

تھی اور اس کا بہت کچھ مواد محمود احمد عباسی صاحب نے جمع کر لیا تھا، مگر اس
کے شائع ہونے کی نوبت نہیں آئی اور اب کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ دفتر
پریشان کیا ہوا[۱]۔"

جناب مالک رام آپ کے مسودے "شعرائے امروہہ" کے بارے میں لکھتے ہیں:

"انھوں نے شعرائے امروہہ کا ایک تذکرہ بھی مرتب کیا تھا۔ دراصل یہ ان
کی تاریخ امروہہ ہی کا ایک حصہ تھا۔ وہ یہ کام مکمل کر چکے تھے اور اس کا
مسودہ بھی اپنے ساتھ لیتے گئے تھے لیکن یہ کتاب آج تک شائع نہیں
ہوئی۔ اگر ان کے پسماندگان ان کے مسودات کی چھان بین کر کے اسے
الگ کر لیں اور شائع کر دیں، تو یہ ادب کی مستقل خدمت ہوگی[۲]۔"

افسوس امروہہ کا یہ مہر جہاں تاب اپنی تمام تر ضوفشانیوں کو خیر باد کہہ کر ۱۴ر مارچ ۱۹۷۴ء کو اپنے مالک حقیقی سے جا ملا۔ اور اپنے وطن عزیز امروہہ سے سیکڑوں میل دور، طارق روڈ کراچی میں سوسائٹی کے قبرستان میں تدفین ہوئی۔ پروفیسر نورالحسن نقوی مرحوم سابق صدر شعبہ اردو مسلم یونیورسٹی علی گڑھ نے اپنے ایک مقالہ میں عباسی صاحب کا حلیہ کچھ اس طرح لکھا ہے

"ہمارا مختصر سا قافلہ کئی میل کی مسافت طے کر کے ایک چھوٹی سی دو منزلہ عمارت کے سامنے ٹھہر گیا۔ یہ کراچی کی کوئی خوبصورت بستی ہے، منور حسن نقوی آہنی دروازے پر ہلکی سی دستک دیتے ہیں۔ دروازہ میں قد آدم اونچائی پر کوئی چھ انچ لمبا چوڑا شگاف بنا ہوا ہے۔ ذرا دیر میں کسی کے آہستہ آہستہ زینے سے اترنے کی آواز سنائی دیتی ہے۔ پھر شگاف میں دو بوڑھی آنکھیں نمودار ہوتی ہیں جن پر گھنی ابرو کی سفید جھالر لٹکی ہوئی ہے۔ ملاقاتیوں کو پہچان لینے کے بعد دروازہ کھول دیا جاتا ہے۔ ایک بہت بوڑھے، بے حد کمزور، میانہ قد بزرگ سفید شال لپیٹے ہمارے سامنے ہیں۔ دل کہتا ہے جن سے ملاقات کی آرزو یہاں لائی ہے یہ وہ تو ہو نہیں سکتے۔ یادیں الٹے پاؤں چلتی ہوئی تیس پینتس برس پیچھے جا پہنچی ہیں اور ذہن کے پردے پر ایک

۱۔ تحفۃ الانساب ص ۱۳ مولفہ ڈاکٹر مصباح احمد صدیقی۔

۲۔ فکر و نظر کا "نامورانِ علی گڑھ" نمبر ص ۱۸۲

تصویر اُبھر آئی ہے۔ دراز قد، توانا بدن، سرخ و سفید رنگت، چھوٹی سی خوبصورت داڑھی اور چہرے پہ وہ جلال کہ نظر کا ٹھہرنا دشوار۔ پھر اس تصویر کے تنے ہوئے چہرے پر تصوراتی چنٹیں چن دیتا ہے جتنی تین دہائیاں چن سکتی ہیں اور قامت کو اتنا خم کر دیتا ہے تیں پینتس برساتیں کسی پرشکوہ عمارت کو جتنا خم کر سکتی ہیں۔ میں دل سے پوچھتا ہوں بولو اب تو یہ تصویر سامنے والی صورت سے کچھ ملتی جلتی ہے۔ اندر سے جواب آتا ہے اونہوں، ہم نہیں مانتے لیکن ہمراہی ادب سے دُہرے ہو جاتے ہیں تو ماننا پڑتا ہے کہ مولوی محمود احمد عباسی یہی ہیں[۱]"

مؤرخ امروہہ محمود احمد عباسی ایک قادر الکلام اور شعری نموز و نکات سے بھرپور واقفیت رکھنے والے شاعر بھی تھے۔ آپ نے تذکرۃ الکرام کے آخر میں اپنے سوانحی حالات لکھتے ہوئے تاریخ امروہہ لکھنے میں جو پریشانیاں آئیں اور ان کے چھوٹے بھائی جناب مسعود احمد عباسی نے آپ کی جو مدد و معاونت کی اس کے اظہار تشکر میں برجستہ چھبیس اشعار پر مشتمل ایک عمدہ نظم لکھی جو یہاں نقل کی جاتی ہے۔

لکھی میں نے تاریخ اپنے وطن کی
ہوئی جس سے حق کی طرف رہنمائی

صداقت سے جرأت سے کی اس میں ظاہر
سب اہل وطن کی برائی بھلائی

ہوا میں نہ مرعوب ہرگز کسی سے
نہیں کی رعایت کچھ اپنی پرائی

جو ہے ایک سچے مؤرخ کا مسلک
اُدھر اشہب خامہ کی باگ اُٹھائی

ہوئے آئینہ حائل پتھر ہزاروں
مگر شکر ہے میں نے ٹھوکر نہ کھائی

ثبات و اولوالعزمی مدعا نے
بس اک آگ سی حاسدوں میں لگائی

بنایا میرے دوستوں کو بھی دشمن
گھٹا سر پہ میرے مصائب کی چھائی

کیا شہر والوں کو میرا مخالف
مقابل میرے اک جماعت بنائی

ہوا ہر طرف شور و غل ایک برپا
غرض مجھ سے منسوب کی ہر بُرائی

ہوئے کتنے درپردہ مد مقابل
مگر میں نے ہر اک پر فتح پائی

اگرچہ زمانہ مخالف تھا میرا
خدا نے مگر شان اپنی دکھائی

کہ ایسے بُرے وقت میں ایک ہستی
مری ذات بن کر مرے کام آئی

خداوند عالم نے اپنے کرم سے
عنایت کیا ہے جو مسعود بھائی

وہ بھائی رہا جو ہمیشہ معاون
اگر کوئی آفت میرے سر پہ آئی

۱۔ "سادات عباسیہ امروہہ" ص ۱۸، مرتبہ ریحان احمد عباسی

وہ دلدادۂ خدمت قوم و ملت — وہ تاریخ و علم و ادب کا فدائی
وہ میری حمایت رفاقت کو اُٹھا — ہوئی جب خلاف اپنے ساری خدائی
یہ سب اس کی امداد کا ہے نتیجہ — اسی نے مری اتنی ہمت بڑھائی
کہ میں اپنی تاریخ کے سلسلے میں — درِ صدق پر کر سکا جبہ سائی
درایت کے تحقیق کے موتیوں سے — عروسِ نگارش کی صورت سجائی
قلم نے تصویر کھینچی وطن کی — عیاں اُس میں ہر کیفیت کر دکھائی
نہ مالی ہی نقصان کا کچھ ہوا غم — نہ فکرِ معیشت مرے پاس آئی
رہا مجھ کو تالیف سے اس کی مطلب — میں کیا جانوں کیسی لکھائی چھپائی
غرض میں نے اخلاقی علمی و مالی — ہر اک قسم کی اس سے امداد پائی
نہ کیونکر ہوں اس کا ممنونِ احساں — کہ اُس نے مری بات بگڑی بنائی
بجا لاؤں کس منھ سے شکر اُس خدا کا — مری جس نے یوں پار کشتی لگائی
کہ اک اپنے مسعود بندے کے ہاتھوں — تمنائے محمود پوری کرائی

آج میرے لیے انتہائی خوشی اور مسرت کا مقام ہے کہ اللہ رب العزت نے مجھے یہ سعادت بخشی کہ میں امروہہ کی ایک اہم ترین دستاویز ''تاریخ امروہہ'' مصنفہ مؤرخ امروہہ جناب محمود احمد عباسی جواب بالکل کمیاب بلکہ نایاب ہو چکی تھی، کو دوبارہ شائع کر رہا ہوں، اس سلسلے میں محترم ڈاکٹر مصباح احمد صدیقی نے جو میرا تعاون کیا ہے، میں ان کا بیحد ممنون و مشکور ہوں اور ان شاء اللہ تعالیٰ جلد ہی عباسی صاحب کی دوسری تصنیف ''تحقیق الانساب'' بھی منظر عام پر آ رہی ہے۔

حکیم ڈاکٹر سراج الدین ہاشمی
ہاشمی ہاؤس، قاضی زادہ،
امروہہ

قصص الاولین موعظۃ الآخرین

تاریخ امروہہ

مؤلفہ

محمود احمد الہاشمی العباسی

سابق سپرنٹنڈنٹ آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس علیگڑھ

مترجم تاریخ التعلیم و مؤلف "ذکر الادیب" و مرتب "نالۂ شبلی" و "لحن داودی" وغیرہ

[illegible]

انتساب

وطن عزیز کی بہار خزاں، عروج و زوال کی داستان کا اب آخری صفحہ بھی لکھ چکا، قلم کا مسافر تاریخی حالات کے تجسس و تلاش میں مدتوں سرگرداں رہا، سات آٹھ صدیوں کی مسافت طے کرنیکے بعد اب قلمدان میں آ گرا ہے کہنہ اور بوسیدہ کاغذات کا انبار سامنے ہے پھٹے پرانے ٹکڑوں کو جو برسوں دن کی روشنی اور رات کی تاریکی میں رفیقِ کار رہا حسرت بھرے دل سے رخصت کر رہا ہوں، بار بار یہ خیال ستاتا ہے کہ اب تک جو ہوا سو ہوا آئندہ کیا ہونا ہے؟ ساتھ ہی ساتھ ملہمِ غیبی کی آواز بھی سنائی دیتی ہے کہ عزیزانِ وطن سے کہدو کہ شہرت و ناموری، عزّ و وقار کے دربار میں اگر انھیں اپنی موروثی جگہ حاصل کرنی ہے تو سستی و کاہلی تعصب و تنگ خیالی دنائت و پستی کی ردائے کہنہ اتار کر پھینکیں، علم و ہنر، عالی ہمتی و

روشن خیالی محنت جفاکشی کا نیا لباس زیب تن کریں۔ قوم و وطن کی آئندہ فلاح و بہبود کی جو کچھ توقع ہے وہ آئندہ نسل ہی سے ہے اس لئے

اے میرے ہموطن نوجوانو!

میں اپنی اس ناچیز تالیف کو جس میں تمہارے وطن کے گذشتہ تاریخی حالات بے کم و کاست بیان کرنے کی کوشش کی ہے اس توقع اور امید پر تمہارے نام معنون کرتا ہوں کہ اسکی روشنی میں تم اپنا فرض اور اپنی ذمہ داریاں پہچانو اور

وہ باتیں جن سے قومیں ہو رہی ہیں نامور سیکھو! اٹھو! تہذیب سیکھو، صنعتیں سیکھو، ہنر سیکھو!
بڑھاؤ تجربے اطراف دنیا میں سفر سیکھو! خواص خشک و تر سیکھو، علوم بحر و بر سیکھو!
خدا کیواسطے اے نوجوانو ہوش میں آؤ! دلوں میں اپنے غیرت کو جگہ دو، جوش میں آؤ!

اچھا اب رخصت!

تم سے تھے تو تھا سو عزت کو قوم کی کچھ اپنے تو قافلے اب پا در رکاب ہیں

فہرستِ مضامین

نمبر	مضمون	صفحہ
۱	مقدمہ و انتساب وغیرہ	
۲	امروہہ کب بسا	۱
۳	وجہ تسمیہ	۲
۴	امروہہ ہندوؤں کے عہد حکومت میں	۳
۵	راجپوتوں کا راج	۴
۶	کایستھوں کا راج	۵
۷	تگوں کی حکومت	۵
۸	ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد	۷
۹	سلطان محمود غزنوی کے حملے	۸
۱۰	اسلامی سلطنت کی بنیاد	۸
۱۱	امروہہ پر مسلمانوں کا تسلط	۱۰
۱۲	امروہہ کی قدیم آبادی	۱۳
۱۳	امروہہ مسلمانوں کے ابتدائی دورِ حکومت میں	۱۴
۱۴	ہندو رعایا کی بغاوتیں	۱۵
۱۵	بغاوت کا خوفناک انتقام	۱۷
۱۶	ملک امیر حاتم خان امروہہ کا پہلا جاگیردار	۱۹
۱۷	ملک اعزالدین حاکم امروہہ	۲۰
۱۸	ملک عنبر سلطانی حاکم امروہہ	۲۰
۱۹	ملک تجوہی نواح امروہہ میں جنگ	۲۱
۲۰	علاءالدین خلجی کی سخت گیری کا اثر	
۲۱	غلہ و کپڑے کی ارزانی کے ضوابط	۲۲
۲۰	شرح اجناس کا موازنہ	۲۳
۲۳	ولایت امروہہ میں مغلوں سے جنگ	۲۶
۲۴	امروہہ میں شاہی فوج کی چھاؤنی	۳۱
۲۵	شہزادہ خضر خان کا امروہہ میں قیام	۳۲
۲۶	حضرت شاہ ولایتؒ کی تشریف آوری	۳۶
۲۷	مشہور سیاح ابن بطوطہ کی آمد	۳۷
۲۸	عزیز خمار حاکم امروہہ	۳۸
۲۹	تین سیدوں کے قتل کا خوفناک انتقام	۳۹
۳۰	ملک محمود بک شیر خان حاکم امروہہ	۴۰
۳۱	ملکی بدنظمی اور فساد	۴۱
۳۲	امروہہ کے ابتدائی جاگیردار	۴۲
۳۳	سلطان علاءالدین عالم شاہ کا قیام امروہہ میں	۴۳
۳۴	امروہہ اور سنبھل علم و فضل کے مرکز	۴۴
۳۵	امروہہ عہد مغلیہ میں	۴۴
۳۶	قطب الدین خان قناق خان حاکم امروہہ	۴۵
۳۷	عہد اکبری و جہانگیری کے جاگیردار	۴۵
۳۸	امروہہ کی ناموری و شہرت	۴۶

نمبر	عنوان	صفحہ	نمبر	عنوان	صفحہ
۳۹	امروہہ کا ضلع مراد آباد سے تعلق	۴۷	۵۹	آثار قدیمہ اہل ہنود	۹۲
۴۰	روہیلوں کا تسلط	۴۹	۶۰	آثار قدیمہ عہد اسلامی (مساجد)	۹۳
۴۱	مرہٹہ گردی اور امروہہ کی حفاظت کا انتظام	۵۲	۶۱	مزارات خانقاہیں اور مقبرے	۱۰۹
			۶۲	مزارات شہداء	۱۰۹
۴۲	نوابان اودھ کی حکومت	۵۳	۶۳	مزارات اولیاء	۱۱۰
			۶۴	خانقاہیں	۱۲۵
۴۳	نتھے خانی کا حادثہ	۵۴	۶۵	مقبرے	۱۲۸
			۶۶	متفرق عمارتیں	۱۲۹
۴۴	انگریزوں کا تسلط	۵۴	۶۷	شیخ صندو	۱۳۳
			۶۸	اسلامی مدارس	۱۳۸
۴۵	امروہہ میں انگریزی فوج کی چھاؤنی	۵۵	۶۹	امروہہ کی مصنوعات	۱۳۹
۴۶	غدر ۱۸۵۷ء کے حالات	۵۶	۷۰	امروہہ کے باشندے	۱۵۲
۴۷	امروہہ پر جاٹوں کا حملہ	۶۰	۷۱	ہندو باشندے	۱۵۳
۴۸	اسلامی سلطنت دوبارہ قائم کرنے کا خیال	۶۱	۷۲	امروہہ کے مسلمان	۱۶۸
۴۹	اہل امروہہ کی شاہ معزول کو درخواستیں	۶۲	۷۳	عربی النسل	۱۶۹
۵۰	عرضداشتوں کی نقول	۶۳	۷۴	امروہہ کے ہاشمی خاندان	۱۸۰
۵۱	عرضداشتوں کے جواب میں شاہی شقہ	۶۹	۷۵	شیوخ قریشی	۱۹۱
			۷۶	شیوخ انصاری (۷۷) عجمی النسل	۱۹۵
۵۲	باغیوں کی چند روزہ حکومت	۷۲	۷۸	ہندی الاصل	۱۹۷
			۷۹	مسلمان پیشہ ور اقوام	۱۹۸
۵۳	نواب صاحب رامپور کا انتظام	۷۴	۸۰	پیشہ ور اقوام کا نسبی تعلق	۱۹۹
			۸۱	امروہہ کی مسلم پیشہ ور اقوام	۲۰۰
۵۴	انگریزی حکومت کا دوبارہ تسلط	۷۶	۸۲	ہندی مسلمان اور عرب نژادگی	۲۱۳
			۸۳	عرب نژادگی کا ادعا	۲۱۷
			۸۴	میراثی	۲۲۰
۵۵	باغیوں کو عبرتناک سزائیں	۷۹	۸۵	قصاب یا قصائی	۲۲۳
			۸۶	نداف و نور باف	۲۴۸
۵۶	مسلمانوں کی تباہی کی دردناک داستان	۸۵	۸۷	آفاقی لوگ	۲۵۶
			۸۸	مجہول النسب (۸۹) امروہہ کے شیعہ و سنی	۲۵۸
۵۷	خیر خواہان حکومت کو انعامات	۸۷	۹۰	امروہہ کی معافیات	۲۸۳
			۹۱	اسلامی اوقاف	۳۵۰
۵۸	۱۸۵۷ء کے بعد سے	۹۰	۹۲	میلے اور تہوار	۳۸۶

نامہ آغازم بنامِ ذو الجلال   آنکہ بیرون است از وہم و خیال

مُقدمہ

ابتداءً میرا یہ خیال ہرگز نہ تھا کہ امروہہ کے تاریخی حالات میں کوئی کتاب مدوّن کروں، وطن کے ارباب کمال اور سلف صالحین کے سوانح حیات مرتّب کرنے کا البتہ مدّت سے شوق دامن گیر تھا۔ یہ شوق بھی اسلاف پرستی کی بنا پر نہیں بلکہ اس خیال اور اس یقین سے پیدا ہوا تھا کہ کوئی قوم و ملّت اپنے ماضی سے قطعاً بے تعلق و بیگانہ نہیں ہو سکتی۔ زمانہ کتنے ہی پلٹے کھائے اور انقلاب زمانہ کچھ سے کچھ ہو جائے یہ ممکن نہیں کہ **حال** کے چہرہ پر **ماضی** کے خط و خال کا عکس نہ پڑے اور **مستقبل حال** کے آغوش تربیت کا شرمندۂ احسان نہ ہو۔

افراد کی طرح قوموں کی زندگی میں بھی مختلف دور آتے، بچپن، جوانی اور بڑھاپے کے آثار اُن پر بھی نمایاں ہوتے ہیں۔ کبھی ترقی کا دور ہے تو کبھی تنزل کا۔ بہار کا دامن ہمیشہ خزاں سے وابستہ رہتا ہے۔ تنزل و انحطاط کی بلائیں تو صدیوں سے مسلمانان ہند پر مسلّط ہیں، فصل بہار کا انتظار کیسا اس کا تو وہم و خیال بھی اب باقی نہیں لیکن گذشتہ نصف صدی سے قوم و ملّت میں قحط الرجال نہایت شدید ہے، گلستان ہند میں ہمارے قومی چمن کی پامالی اندوہناک ہے۔ پرانی تعلیم و تربیت، اسلامی تہذیب و معاشرت اور علوم مشرقی کے جو چند ممتاز نمونے دستبرد زمانہ سے کچھ مدت پیشتر باقی تھے وہ بھی ایک ایک کر کے رخصت ہو چکے ؎

لے گئی اُن کو آخر کار   بحرِ فنا کی موج بہا

دوسری طرف انقلاب زمانہ انیسویں صدی کی ستم ظریفی ملاحظہ ہو کہ اسے شروع ہوئے کچھ زیادہ مدت نہیں گذری، ابھی تو ایک صدی کا صرف تہائی حصّہ اسکے دامن میں آسودہ ہوا ہے، باایں ہمہ مغربی تہذیب و تمدّن کی برقی روشنی کی کرنیں ایوانخانوں سے گذر کر محلسراؤں کے تاریک

گوشوں تک پہنچ چکی ہیں انسان ضعیف البنیان نے آب و خاک اور ہوا تینوں کروں پر قبضہ و تسلط جما رکھا ہے۔ مشرق کی خفتہ اقوام کی آنکھیں اہل مغرب کے محیر العقول کارناموں اور سائنس کی برق پاش صناعیوں سے خیرہ ہو رہی ہیں۔ ترقی یافتہ قوموں کی دیکھا دیکھی خفتگان ہند نے بھی بیداری کی کروٹیں بدلنی شروع کی ہیں، تہذیب میں، تمدن میں، معاشرت میں، حتیٰ کہ معتقدات میں انقلاب عظیم بپا ہو رہا ہے۔ اقبالمند قوموں کی تقلید بلکہ نقالی کا جذبہ خیال سے گذر کر عملی صورت اختیار کر چکا ہے۔ ان حالات کے اندر محض اس خیال سے کہ دور ماضی کے واقعات اور اسلاف کرام کے سوانح حیات موجودہ نسل کے لئے شاید کچھ مفید اور کار آمد ثابت ہوں تذکرۂ سلف لکھنا شروع کیا، اس کی ترتیب و تدوین کے دوران میں ہزارہا کہنہ و دیرینہ کاغذات اور کرم خوردہ کتابوں کے مطالعہ کا اتفاق ہوا۔ نیز ان کتابوں کے بھی غور سے پڑھنے کا پہلی مرتبہ موقع ملا جو امروہہ کے تاریخی حالات میں اب تک شایع ہو چکی ہیں۔

ان میں سب سے قدیم کتاب مولوی محب علی خان عباسی کی تالیف آئینۂ عباسی ہے جو سنہ ۱۸۶۸ء میں طبع ہوئی تھی۔ اس مختصر کتاب میں، جو ایک رسالہ سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی، سادات و شرفاء امروہہ کے خاندانوں کا اجمالی تذکرہ ہے، کہیں کہیں چند جملے تاریخی حالات سے بھی متعلق ہیں۔ آئینۂ عباسی کی اشاعت سے دو برس بعد مولانا آل حسن بخشی نے فارسی زبان میں تحفۃ التواریخ نام ایک کتاب تالیف کی جس میں اہل امروہہ کے خاندانی حالات ذرا تفصیل کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں لیکن اس قدیم بستی کے تاریخی حالات و واقعات کے متعلق ایک حرف بھی نہیں لکھا گیا۔ خاندانی تذکروں میں بھی تحقیق سے مطلق سروکار نہیں رکھا گیا۔ تیسری کتاب سید اصغر حسین نقوی کی مؤلفہ تاریخ اصغری ہے جو مسٹر اسٹینن اس زمانہ کے اسسٹنٹ کلکٹر مراد آباد کی منشا اور حکیم نیاز علی خان مرحوم کے ایماء سے ۱۸۹۹ء میں لکھی گئی تھی۔ یہ کتاب اس لحاظ سے سابقہ تالیفات سے کچھ بہتر ہے کہ تمہ

سے متعلق بعض تاریخی حالات کا اس میں اجمالی تذکرہ کیا گیا ہے مگر افسوس ہے مؤلف تاریخ اصغری نے بھی تاریخی واقعات و حالات لکھتے وقت روایتوں کی تحقیق و تنقید سے مطلق کام نہیں لیا، غلط اور مہمل روایتیں بھی درج کر دی ہیں۔ سب سے آخر لیکن سب سے بدتر تالیف **تاریخ واسطیہ** ہے جو ۱۳۳۲ھ میں شایع ہوئی تھی۔ یہ کتاب امروہہ کے سادات فاطمیہ کے چند خاندانوں بالخصوص اولاد حضرت شرف الدین شاہ ولایتؒ اور قاضی زادگان کے تذکرے پر مشتمل ہے۔ یہ خاندانی تذکرے بھی زیادہ تر مہمل و مضحکہ انگیز روایتوں پر مبنی ہیں۔[1]

انسان کی طبیعت عجائبات اور مافوق العادت باتوں کی شیفتہ واقع ہوئی ہے اس لئے تاریخ و تذکرہ کی عام کتابوں میں سراپا لغو، مہمل، مضحکہ خیز اور وضعی روایتوں اور قصص و حکایات کا موجود ہونا کوئی غیر معمولی واقعہ نہیں ہے۔ **علامہ ابن خلدون** نے مورخین کے "**خرافات واہیہ**" کا تفصیلی تذکرہ اپنے مشہور "مقدمہ تاریخ" میں کیا ہے اور لکھا ہے کہ :-

> "نا اہلوں نے اس فن (تاریخ) کو اپنی رخنہ انداز بیہودہ روایات سے خلط ملط کیا، لغو قصے کہانی اِدھر اُدھر سے لیکر اور خود وضع کر کے بھر دیئے، آنے والی نسلوں نے ان کے بعد ان کے آثار و اخبار کی پیروی کی اور جیسا سنا سلسلہ بہ سلسلہ ہم تک پہنچا دیا، نہ واقعات کے اسباب کی جانچ پڑتال کی، نہ ان بیہودہ روایتوں کو ترک کیا، نہ ان کی تردید کی۔ یہی وجہ ہے کہ اس زمانہ کی موجودہ تاریخیں اکثر تحقیق سے خالی ہیں، تنقیح کا کہیں پتہ نہیں لگتا، روایتیں اغلاط و موہومات سے بھری پڑی ہیں، تقلید عام طور سے پھیلی ہوئی ہے،

---

[1] ان چار کتب تاریخ کے علاوہ بعض خاندانوں کے حالات میں چند اور کتابیں بھی قبضۃً

ناأہل علوم وفنون کے مدعی بنے ہوئے ہیں۔ ..... لیکن حق ہمیشہ غالب ہے، کوئی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ باطل مردود و نامقبول ہے ناقلین رطب و یابس جو چاہیں لکھیں اور نقل کریں مبصر دیکھتے ہی کھوٹا کھرا پرکھ لیتے ہیں۔[1]

امروہہ کی کتب تاریخ کے صفحات بھی اس قسم کی بہت سی مہمل اور بے سروپا روایتوں اور افسانوں سے پُر ہیں۔ تاریخ واسطیہ کے اوراق پر تو "خرافات واہیہ" کا ایک انبار لگا ہوا ہے اس کے مؤلف نے بعض جگہ قصداً اور عمداً غلط بیانی سے بھی گریز نہیں کیا ہے[2]

ان حالات وواقعات کو پیش نظر رکھکر باوجود اپنی بے بضاعتی اور ناقابلیت کے میں نے اس کتاب کے لکھنے کا قصد کیا تاکہ اس قدیم بستی کے صحیح تاریخی حالات سے موجودہ اور آیندہ نسلیں باخبر ہو سکیں اور جو مہمل اور بے سروپا افسانے تاریخی واقعات کا درجہ حاصل کر چکے ہیں ان کی حقیقت ناظرین پر منکشف ہو جائے۔

آٹھ نو صدیوں کے گذشتہ تاریخی حالات کی تلاش وتجسس، روایتوں کی تحقیق وتنقید، اغلاط وموہومات کی تردید وتکذیب جس درجہ کٹھن اور مشکل کام ہے اسکا پورا اندازہ وہ ہی حضرات

(بسلسلۂ گذشتہ)

فوقتاً شایع ہوئیں یعنی شمس التواریخ مؤلفہ حکیم نواب علی خان جو سنہ ۱۳۱۶ھ میں شایع ہوئی لیکن اسکا ایک خلاصہ کنز المعرفت مصنفہ حکیم امجد علی خان کے ساتھ اس سے قبل شایع کیا گیا تھا نیز منشی سبط نبی بن شیخ معشوق علی نے تلخیص التواریخ نام سے اسی کتاب کا خلاصہ شایع کیا تھا۔ یہ کتابیں خاندان حضرات کمبوہ سے متعلق ہیں۔ علاوہ ازیں خاندان حضرت ڈریگہ کے اظہار سیادت نسبی میں ایک رسالہ شجرۂ مبارکہ مؤلفہ مولانا حکیم محمد حسن مرحوم سنہ ۱۳۲۳ھ میں طبع ہو کر شایع ہوا اور شاہ ضیاء الدین احمد نے بھی اپنی تالیف مرآۃ الانساب مطبوعہ سنہ ۱۳۲۵ھ میں امروہہ کے مختلف خاندانوں کے انساب درج کئے ہیں۔ [1] مقدمۂ تاریخ ابن خلدون [2] ملاحظہ ہو

کر سکتے ہیں جن کو اس قسم کی تصانیف پر قلم فرسائی کا موقع حاصل ہوا ہو۔ اگرچہ اس تالیف میں واقعات کے اظہار و بیان کا پورا حق تو ادا نہیں ہوا تاہم یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے کہ ہجوم مشکلات میں جس قدر ہو گیا اس کی بھی امید نہ تھی۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَالشُّكْرُ لَهٗ

اس کتاب کے لکھنے میں علاوہ اس کے کہ بعض اُن نایاب قلمی کتابوں کے مُطالعہ و اخذِ مطالب کی غرض سے جو مُلک کے مشہور کتب خانوں میں محفوظ ہیں، مجھے متعدد بار طویل سفر اختیار کرنے پڑے کہنہ و دیرینہ کاغذات و دستاویزات کے مطالعہ و حصول کے لئے امروہہ میں مہینوں در بدر پھرنا ہوا۔ اہل شہر میں سے معدودے چند حضرات نے میرے مقصد سے کسی قدر علمی دلچسپی کا اظہار کیا اور بخندہ پیشانی کاغذات دکھائے اس سلسلہ میں قاضی سید علی حسن صاحب خصوصیت سے قابل تذکرہ ہیں جنھوں نے کہنہ کاغذات کے اس انبار کو، جو قضاۃ امروہہ کے دفتر کے جزوی حصہ کے طور سے دستبرد زمانہ سے محفوظ رہ گیا تھا، میرے حوالہ کر دیا ورنہ بالعموم لوگوں نے کاغذات دکھانے میں بخل سے کام لیا اور کاغذات مطالعہ کرائے بھی تو بار بار کے تقاضوں اور حاضری کے بعد، کچھ کاغذات قیمتاً بھی حاصل کئے گئے، غرضکہ اسطرح تقریباً **دس ہزار** کاغذات مُطالعہ ہوئے جن سے بعض تاریخی حالات پر بڑی حد تک روشنی پڑی۔

امروہہ کے قدیم خاندانوں میں جو کاغذات نسلاً بعد نسلٍ محفوظ چلے آتے تھے ان کا بہت بڑا حصہ تو انقلاب سلطنت اور غدر ۱۸۵۷ء کی قیامت خیز ہنگامہ کی تباہیوں میں ضائع ہو گیا، جو حصہ آفات زمانہ سے محفوظ و مصئون رہا اس میں سے اسناد و فرامین کا معقول حصہ ایک ایسے بزرگوار کے دست تطاول کی نذر ہوا جو وطن کی ان یادگاروں کو مختلف تدابیر سے حاصل کرتے ہیں اور ان کی خرید و فروخت کو انھوں نے اپنی معاش کا ذریعہ بنا لیا ہے باایں ہمہ تلاش و جستجو سے ایسے کہنہ کاغذات بھی حاصل ہو گئے جن سے بعض تاریخی

(گذشتہ سے پیوستہ) صفحات نمبر ۲۱، لغایت ۲۲۰ کتاب ہٰذا۔

گتھیوں کے سلجھانے میں مدد ملی۔

ان مشکلات و موانعات کے ساتھ ساتھ خاکسار مؤلف کو بعض حضرات کے سوءِ ظن کی بنا پر ہدفِ ملامت بننا پڑا، نسبی و خاندانی حالات کے اظہار کا تعلّق جہانتک اس تاریخ سے ہے اس کے اظہار میں نہ دھمکیوں کا ڈر رہا اور نہ لالچ کا اثر، صدق بیانی کا جو مسلک بتوفیقِ ایزدی اختیار کیا تھا اس سے قدم کو لغزش نہ ہوئی۔ بعض گمنام تحریرات تو وقتاً فوقتاً موصول ہوتی رہیں ذیل میں ایک مکتوب کی نقل درج کرتا ہوں جو حال ہی میں موصول ہوا ہے، اس میں دھمکی بھی ہے اور لالچ بھی، فرستندہ مکتوب سے کیا عرض کروں کہ خاکسار مؤلف نے کسی تجارتی مقصد کو پیشِ نظر رکھکر یہ محنت شاقّہ اختیار نہیں کی، صداقت بیانی میں نہ صلہ و تحسین کی آرزو ہے اور نہ نفرت و دشنام کا خوف۔ "تین سو سے زائد" جلدین خریدنے اور مالی منفعت کا لالچ دینے سے آپ کا مقصد کیا ہے؟ اگر آپ مجھکو خریدنا چاہتے ہیں تو یقین کیجئے اس کے لئے یہ بھی بہت ہے، میں تو اپنی قیمت میں خس و خاشاک کے ایک ٹوکری کو بھی گراں سمجھتا ہوں لیکن اگر اس سے میری رائے اور میرا ضمیر خریدنا مقصود ہے تو باادب عرض ہے کہ چند جلدوں کی قیمت یا چند خزف ریزہائے طلائی کی تو کیا حقیقت ہے ایک صداقت پرست ضمیر کو تو دنیا کی کوئی دولت بھی نہیں خرید سکتی!

Serohi stat (?) [1]

Rajputana,

15-2-30.

مکرمی بندہ جناب ماسٹر محمود احمد صاحب عبّاسی کرمفرما (؟)

السّلام علیکم۔ میں اپنا تعارف خود ہی عرض کرتا ہوں کہ مجھکو قدرۃ العارفین

---

[1] اس تحریر میں جہاں جہاں کتابت کی غلطیاں ہیں وہاں علامت استفہامیہ بنا دیگئی ہے لیکن خط کی نقل بجنسہٖ درج کر دیگئی ہے۔

زبدۃ السالکین حضرت مخدوم سید عبد اللہ ابو الفتح المعروف بہ شیخ ابن بدر چشتی امروہوی قدس سرہ السامی کی اولاد میں ہونے کا فخر حاصل ہے۔ نیز کچھ عرصہ سے معتمد عرس (سکریٹری) بھی ہوں۔ میرا نام ...... ہے خانقاہ کے متصل ہی غریب خانہ ہے۔

آمدم برسر مطلب۔ گذشتہ سال جبکہ ذالحجہ کے مہینہ میں امروہہ حاضر ہوا تھا۔ اس وقت میں نے سنا تھا کہ آپ نے کسی تاریخ کے لکھنے کا کام شروع کر دیا ہے اور جس میں قریب قریب امروہہ شریف کے کل خاندانوں کا حال بالتحقیق اور باالترتیب (؟) لکھا ہے۔ وغیرہ وغیرہ میں صرف چند را (؟) روز امروہہ قیام کر سکا اور عرس حضرت بدر چشتیؒ کی مشغولیت کے سبب سے آپ سے نیاز حاصل نہ کر سکا۔

مجھکو یہ عرض کرنا ہے کہ کتاب جو آنجناب نے لکھی ہے وغالباً ضخامت پوری رکھتی ہوگی اسلئے ہر شخص کو اس کی خریداری مشکل ہے۔ لہذا تیار ہونے پر آپ مجھکو مطلع فرماویں تاکہ متعدد جلدیں میں اُس کی اپنے خاندانی حضرات کی خدمت میں بھجوا سکوں۔ انشاء اللہ آپ کو مالی فائدہ کثیر پہونچ جائے گا لیکن ہمارا سلسلہ نسب حکیم ...... یا مولوی ...... سے لیکر درج فرماویں۔ اوسکی تصدیق اور بحث مذکورہ حضرات سے کرلی جاوے بصورت اختلاف ہم کو اس تاریخ سے اختلاف ہوگا۔ اور آپ کی محنت وجانفشانی کی داد جیسی کہ چاہئے نہ مل سکے گی بلکہ یہ بھی ممکن ہے کہ اوس کی خریداری ہی نہ ہوسکی جس سے آپ کو مبلغی نقصان پہونچنے کا اندیشہ ہوگا اور مذکورہ حضرات ہی مخالفت کریں گے

میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ اگر میرے خاندان میں اختلاف نہ ہوا تو دو سو بلکہ تین سو جلدیں یا کم و بیش میں فروخت کرادوں گا۔ انشاءاللہ تعالیٰ۔ زیادہ کیا عرض کروں۔ والسّلام فقط

آپ کا نیاز مند

.... ؎۱

ریاست سروہی۔ راجپوتانہ

تاریخ نویسی میں صداقت بیانی کو اگر خاص اہمیت نہ دی جائے، واقعات و حالات کے اظہار میں مورخ کے قلم کو خارجی اثرات سے لغزش ہو یا وہ تعصب یا بیجا طرفداری کا اثر قبول کرے تو نہ وہ تاریخ تاریخ کہلائی جانے کی مستحق ہے اور نہ ایسی تالیفات کچھ مفید و کارآمد ہو سکتی ہیں۔ خاکسار مؤلف نے ہر قسم کے اثرات سے بالاتر ہو کر تاریخی حالات و واقعات کے راست راست و بے کم و کاست بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔

اس کتاب کو سہولت کے لحاظ سے تین حصّوں پر منقسم کیا گیا ہے :-

پہلا حصّہ **تاریخ امروہہ** ہے جو اس وقت ناظرین کے سامنے ہے۔ اس حصہ میں اس قدیم بستی اور یہاں کے قدیم خاندانوں اور عام باشندگان شہر کے حالات گزیٹیر کے طرز پر مرتب کیے گئے ہیں۔ اس میں ہند و مسلمانوں کی بعض قوموں کے نسب پر بھی تاریخ اور علم انساب کی روشنی میں اجمالی بحث کی گئی ہے۔ اس بحث کا تعلق بھی صرف تاریخی مسائل سے ہے، میں اپنے ذاتی خیالات کے اعتبار سے نسب کو شرافت و رذالت کا معیار نہیں سمجھتا افراد اور اقوام کی عزت و ذلت خود ان کی اپنی حالت سے وابستہ ہے۔ اور سچ تو یہ ہے کہ ہندوستان کے مسلمان، جو اپنے شاندار ماضی کے ماتم گسار اور ایک غیر قوم کے محکوم و غلام ہیں، عزت و شرافت

؎۱ فرستندۂ خط کے نام کے اظہار کو میں نے مناسب نہیں سمجھا۔

کا آج کس منہ سے دعویٰ پیش کر سکتے ہیں۔ غلاموں کی کیا عزت اور محکوموں کو کیا دعویٰ شرافت!
شریف وہی ہے جس کی ذات میں شرافت کا جوہر موجود ہو۔ کسی عربی شاعر نے سچ کہا ہے ؎

إنَّ الفتیٰ من یقولُ ھا انا ذا   لیسَ الفتیٰ من یقول کانَ ابی

بیشک وہی بہادر ہے جو یہ کہہ سکے کہ دیکھو میں ایسا ہوں   وہ بہادر نہیں جو یہ کہے کہ میرا باپ ایسا تھا

دوسرا حصّہ **تذکرۃ الکرام** ہے جس میں امروہہ کے مشاہیر اولیا و علما و حکما و امرا و شعرا کے سوانح حیات اور ان کے خاندانوں کے تفصیلی تذکرے ہیں۔ یہ حصّہ زیر طبع ہے۔

تیسرا حصّہ **تحقیق الانساب** ہے۔ اس میں سادات و شرفار امروہہ کے نسبی حالات پر تاریخی لحاظ سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ یہ حصّہ زیر ترتیب ہے۔

ان تین حصوں میں سے ابھی صرف پہلے حصّہ کو طبع کرانے کا موقع ملا ہے اور اس میں بھی گوناگون موانعات کی وجہ سے تاخیر ہوتی رہی، زندگی کی مشکلات اور مصائب کا سلسلہ ہمیشہ غیر منقطع رہا، ناگہانی حوادث کے پیہم حملوں نے کبھی دم لینے کی مہلت نہ دی، علائق کی زنجیریں چند سال سے اور بھاری ہو گئیں تاہم کسی نہ کسی طرح اس کام کو پورا کیا۔ احباب کو انتظار کی زحمت ضرور ہوئی مگر اس تاخیر سے بعض مباحث پر تفصیلی بحث کرنے کا موقع مل گیا ؎

گر دیر بر آئیم ز گرداب میندیش   کاندر طلب گوہر نایاب نشستیم

اس حصّہ کی ترتیب اور طباعت میں معقول رقم صرف ہو چکی ہے، دل تو یہ چاہتا تھا کہ امروہہ کی تمام قدیم عمارتوں کے ہاف ٹون بلاکس کی تصویریں شامل کروں لیکن اہل وطن کے ذوق قدردانی کے بھروسہ پر مزید صرف زر کی ہمت نہ ہوئی مجبورًا خاص خاص عمارتوں کے فوٹو وں پر اکتفا کرنا پڑا، اس میں سے بھی محبی میر رئیس الدین احمد اور مولانا احمد حسین خان نے اپنے خاندانی بزرگوں کے روضوں کے فوٹو کے مصارف خود برداشت کئے۔ اہل وطن جس قدردانی کا اظہار فرمائیں گے اسی اعتبار سے دوسرے حصّوں کی اشاعت کا موقع ملے گا ؎

ابھی تو دیکھتا ہوں ظرف بادہ خواروں کا   سبو و خُم کی بھی ٹھیرے گی دور جام کے بعد

اردو کے بعض الفاظ اور بعض محلوں کے ناموں کی کتابت میں روش عام کی پیروی نہیں کی گئی
مثلاً لفظ **قسائی** کو حرف **س** سے لکھا گیا ہے' اس کی تشریح موقع پر کردی گئی ہے یا مثلاً
محلّہ **صدو** کا املا گو روش عام کے خلاف ہے لیکن قدیم تحریرات کے مطابق ہے۔ سابق میں
اس محلّہ کا نام محلّہ "**مسجد جامع**" تھا' اب نہ وہ مسجد جامع رہی اور نہ محلّہ کا نام باقی رہا۔
اسی طرح محلّہ **شیخ زادگان** کے بجائے محلّہ **جھنڈا شہید** مشہور ہوگیا ہے
محلّہ **ملّانہ** کا نام عہد اکبری کی تمام دستاویزات میں محلّہ **مولانا** درج ہے' اس کے بعد
عہد عالمگیری تک عام طور سے محلّہ **مولانہ** لکھا جاتا تھا۔ ممکن ہے کچھ لوگ اس طرز
املا پر معترض ہوں' میں نے اس معاملہ میں متقدمین کی تقلید کی ہے۔

اس کے علاوہ سید العارفین حضرت سید **شرف الدین** شاہ ولایت قدّس
سرّہ العزیز کے اصلی نام کے معلوم کرنے کا بھی اس بندۂ ناچیز کو شرف حاصل ہوا **فیضی**
نے جب تفسیر سواطع الالہام لکھنا شروع کی تو زر کثیر خرچ کرکے لغت کی کتابیں خریدیں
کسی نے کہا کہ آپ کو لغات خریدنے کی کیا ضرورت تھی' آپ کی ذات تو خود لغات ہے۔ **فیضی** نے
جواب دیا کہ مجھے ان کتابوں میں ایک لفظ ایسا ملا ہے جس کے معنی معلوم نہ تھے اور اسی کو میں
اپنی کل محنت اور صرف کا معاوضہ سمجھتا ہوں۔ چنانچہ میں بھی صرف اسی ایک انکشاف کو اپنی
چند سالہ تفتیش و تحقیق کی دیوانگی کا نسخہ سمجھتا ہوں کہ حضرت شاہ ولایتؒ کے صحیح اسم مبارک
اور آپ کے خاندانی حالات کے معلوم کرنے کا مجھے شرف بخش گیا۔

مگر آہ! میں اس بے چین دل کو کیا کہہ کے سمجھاؤں اور کس طرح تسکین دوں کہ
جس بزرگ ہستی کے انکشاف اسم و دریافت حالات کو میں باعث فخر و مباہات سمجھتا ہوں اسی
بزرگ کے اخلاف آج کس دورِ تنزّل و گرداب بلا میں پھنسے ہوئے ہیں۔

امروہہ! اے وطن! اے آغوش و اولاد کی ا... ... ... بستی!

اس بستی کو اپنی تشریف آوری سے شرف بخشا تھا۔ ہاں، پیارے وطن! اپنے اوج و عروج کے زمانہ سے جاہل اور ہمیں ایک نظر وہ منظر وہ سماں دکھا دے، وہ غازیوں کے گھوڑوں کی ہنہناہٹ، وہ ان کے ٹاپوں کی صدا، وہ نعرۂ تکبیر کی آوازیں، وہ دامنِ گرد چیر کر مجاہدین کے گروہ کا باطل کو پامال کرتے آگے بڑھ آنا، امروہہ میں پڑاؤ ڈالنا، وہ ان کے غازیانہ ولولے وہ ان کا عربی لب و لہجہ، وہ ان کی ہاشمی شجاعت، وہ **حاتم خان** کی بہادر فوج اور مسلم نبرد آزماؤں کی چھاؤنی، وہ شہزادہ **خضر خان** کی قیامگاہ، وہ سلطان **فیروز تغلق** کی مجاہدانہ ترکتاز کا مقام، وہ **ابن بطوطہ** کی سیاحت گاہ، خدا کے لئے یہ سماں ہمیں بھی ایک نظر دکھا دے!۔

سُن! او گردشِ ایّام سُن! اس دلِ صد پارہ، اس جگر خستہ کی التجا سُن!

تغلقوں کا زمانہ نہ سہی، خلجیوں کا عہد نہ سہی، سیدوں کا نہ سہی، لودیوں کا نہ سہی، خلجیوں کا اور صرف مغلوں کا زمانہ ہی دکھا دے۔ وہ **عہدِ اکبری** میں امروہہ کے علما و فضلا **میر سید محمد میر عدل، مولانا سید امیر علی، مولٰنا الہ داد عباسی، مولٰنا ابن عباسی، مولٰنا عبدالملک نخشبی وغیرہ** کے علم و فضل اور ان کے علمی کارنامے، وہ حضرت **شاہ ابن** بدر چشتی قدس سرہٗ اور دوسرے مشائخ کرام کے افادات روحانی کے مناظر، وہ **سید ابوالمعالی و سید ابوالقاسم** اور دوسرے شجاعان زمان کے جنگی فتوحات، ومعرکوں کے حالات ہی کا کوئی سماں دکھا دے۔

یہ نہ سہی تو اب چند صدی پیشتر کے بزرگوں کے وہ امیرانہ ٹھاٹھ وہ ہاشمیانہ مہمان نوازی، وہ **سیدانہ** پاکیزہ خصالی، وہ ان کے **حیدری** دل گردہ کے کارنامے وہ ان کی **نقوی** خوبو، وہ ان کے **حجازی** خط و خال، خدا کے لئے ایک بار اور صرف ایک بار ہی دکھا دے!!

مگر آہ! اے زمانے! اے گردشِ ایّام! ہم جانتے ہیں کہ تو اب نہ تغلقیہ عہد

واپس لاسکتا ہے اور نہ دورِ سلیہ، اچھا یہ نہیں تو اس دورِ مصیبت میں اپنی حالت کا ہمیں **صحیح احساس** ہی عنایت کر!

یارب! دلِ مسلم کو وہ زندہ تمنّا دے — جو قلب کو گرمادے جو روح کو تڑپادے!

احساس عنایت کر آثارِ مصیبت کا — امروز کی سوزش میں اندیشۂ فردا دے!

میں بلبلِ نالاں ہوں اک اُجڑے گلستاں کا

تاثیر کا سائل ہوں، محتاج کو داتا دے

خاکسار

محمود احمد

یکم اپریل ۱۹۳۰ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حامداً و مصلیاً

مشاطہ را بگو کہ بر اسباب حسن یار ۔۔۔ چیزے فزوں کند کہ تماشا بما رسید

امروہہ کے تاریخی حالات

امروہہ کب بسا امروہہ کب سے آباد ہے، کب بسا، کس نے بسایا، ان سوالوں کا ٹھیک ٹھیک اور صحیح جواب محال نہیں تو دشوار ضرور ہے۔ اسلامی عہد سے قبل کی کوئی مستند تاریخ موجود نہیں اور ہوتی کیسے؟ ہندوؤں میں تاریخ نویسی کا رواج ہی نہ تھا۔ کتب تاریخ سے قطع نظر امروہہ یا اسکے نواح میں ہندوؤں کے عہد کے آثار قدیمہ بھی ایسے باقی نہیں جن سے بعض اہم تاریخی حالات و واقعات کا کچھ پتہ نشان ملتا، البتہ اس بستی کے سنسکرت نام سے اتنا پتہ ضرور چلتا ہے کہ یہ نگری کسی ایسے زمانہ میں بسی تھی جب سنسکرت زبان بول چال میں مروج یا کم از کم شہروں اور بستیوں کے نام رکھنے میں مستعمل تھی۔ ایسے زمانہ کی کم سے کم مدت تقریباً پانسو سال قبل مسیح شمار ہو سکتی ہے، اس اعتبار سے امروہہ کو تقریباً ڈھائی ہزار برس سے آباد سمجھنا چاہیے۔

روایت مخصص المقام سے بھی اس خیال کی تائید ہوتی ہے، جس میں اس بستی کا بسانا ہستناپور کے ایک راجہ امر جودہ سے منسوب کیا جاتا ہے[1]۔ امروہہ کے مغرب میں پانچ کوس کے

---

[1] ۱۴۳۵ قبل مسیح سے ۱۲۱۴ ق م تک ہستناپور راجدھانی رہا۔ یہاں کے راجاؤں میں راجہ پانڈو کا بیٹا راجہ یدھشٹر پہلا

فاصلہ پر گجستھل (गजस्थल) ایک موضع ابتک آباد ہے۔ مشہور ہے کہ یہاں امروہہ کے راجہ کا ہاتھی خانہ تھا۔ اس موضع کا نام سنسکرت زبان کے الفاظ (گج) गज (بمعنی ہاتھی) اور استھل अस्थल (بمعنی تھان) سے مرکب ہے جو اس امر کی بیّن دلیل ہے کہ اس نواح میں بستیوں کی آبادی ضرور اُس زمانہ میں ہوئی جب سنسکرت زبان بول چال میں مستعمل تھی۔

وجہہ تسمیہ "امروہہ" اصلاً سنسکرت زبان کے ایک مرکب لفظ अमरोवनम "امروانم" Amrovanam سے مشتق ہے جسکے معنی ہیں "آموں کی جگہ"۔

آریَن قوم کے زمانہ عروج میں شمالی ہند کی اکثر قدیم بستیوں کے نام مختلف اقسام کے کارآمد درختوں، دریاؤں، اناج کے پودوں، مفید اور کارآمد جانوروں وغیرہ کی مناسبت سے اُس زمانہ کی مروّج زبان سنسکرت میں رکھے جاتے تھے چنانچہ صوبجات متحدہ میں متعدد بستیوں کے نام، جہاں آم اور مہوہ کے درختوں کی روئیدگی بکثرت تھی یا ان درختوں کے خودرو جنگل موجود تھے، اسی مناسبت سے رکھے گئے ہیں۔ مثلاً ضلع کانپور و بستی میں امرودہ و آمورہا وغیرہ۔

بمرور ایام ان ناموں کے شروع و آخر کے حرفوں میں تبدیلی ہوتی رہی، "امروانم" سے "اَمرُوَہا" ہوا اور "آمروہا" سے امروہہ رہگیا۔[1] اسلامی عہد کے فارسی نویس بھی "انبہ دام"

(بقیہ صفحہ ۱) حکمراں تھا، اس نے ۴۰ سال راج کیا۔ کرشن جی مہاراج کی وفات کے بعد راج چھوڑ کر ہمالیہ پہاڑ میں اس نے اپنے تئیں برف میں ڈالکر گلا دیا۔ اس راجہ کے بعد ارجن کا پوتا گدی پر بیٹھا جسکی نسل میں عرصہ دراز تک راج قایم رہا۔ اسکی چھٹی پشت میں راجہ دشٹ دآن ہوا، جس نے ۱۲۱۲ ق م میں ہستناپور کی بجائے کوشکی ندی کے کنارے ایک شہر بسایا، اسکو بھی چھوڑ کر پھر وہ اندرپت (دہلی قدیم) چلا آیا۔ راجہ ارجود ۱۴۸ ق م گدی پر بیٹھا۔ اسکی راجدھانی اندرپت تھی۔ ۱۱ سال سلطنت کی۔

[1] The Gazetter tells us that the local interpretation of the name is from Am, mango, and Rohu, a fish which abounds in the surrounding tanks, a derivation scarcely worth refuting

کی مناسبت سے "انبروہہ" لکھا کرتے تھے۔ عہد اکبر و جہانگیر کے اکثر فرامین اور اُس عہد کی بعض تاریخی یا قلمی کتابوں میں "امروہہ" کا نام "انبروہہ" لکھا ہوا ملتا ہے [سلہ]

امروہہ ہندوؤں کے عہد حکومت میں

ہندوؤں کے زمانہ کے تاریخی حالات مہابھارت وغیرہ کے چند افسانوں، زبانی روایتوں یا اُس عہد کے آثار قدیمہ کی زبان حال کے سوائے تاریخ کی کسی کتاب سے معلوم نہیں ہو سکتے۔ افسوس کہ ایسے آثار قدیمہ بھی اس نواح میں موجود نہیں جنکی زبان حال ہی سے ہم یہ افسانہ کہن سنتے۔

پُرانوں سے البتہ یہ بات ثابت ہے کہ مہابھارت کی لڑائی مگدھ کے راجہ نندا کے جلوس سے ایکہزار پچاس برس قبل ہوئی تھی اور معتبر کتب سے یہ بھی ثابت ہے کہ راجہ نندا چارسو برس قبل حضرت مسیح مسند نشین ہوا۔ گویا یہ جنگ عظیم ایکہزار چارسو پچاس برس تخمیناً قبل حضرت

The R in Amroha comes from the Sanskrit form Amrah and the O is presumably due to the Sanskrit rule that Visarga in a compound followed by a sonant letter changes to O. We must therefore look for a Sanskrit compound in which the second element begins with sonant. There is the recognised Amrovanam, forest of mangoes, which might aptly be applied to a place encircled, as Amroha is, with mango groves. The base -vanam has dropped away and the vowel suffix A has been substituted and then an aspirate has been inserted to separate the vowels. Or Amroha may be explained as Amrodha for Amrodhanam (dwelling) or Amrodha (pool).

{Journal of the United Provinces Historical society vol. III.

سلہ امروہہ کے عوام میں امروہہ کی وجہ تسمیہ کے متعلق آم اور روہو مچھلی کی ایک من گھڑت کہاوت شہرت رکھتی ہے جو بعض بزرگ جن بزرگ کا نام اس سلسلہ میں لیا جاتا ہے کہ انہوں نے آم اور روہو منگا کر اس بستی کا یہ نام رکھا یعنی شاہ شرف الدین شاہ ولایت قدس سرہ آپکی تشریف آوری بلکہ ولادت سے بھی بہت پہلے سے اس مقام کا یہی نام اسلامی تاریخوں میں پایا جاتا ہے۔

مسیح واقع ہوئی تھی، اس حساب سے مہابھارت کو اب تک تین ہزار تین سو اسی برس ہوئے[1]
مہابھارت کے بعد راجہ یدھشٹر نے ہستناپور میں راجدھانی قایم کی، سلطنت کو وسعت دی،
اسنے اور اسکے بعد چندر بنسی خاندان کے مختلف حکمرانوں نے متعدد شہر بسائے۔ ہستناپور دریائے
جمنا کے کنارے، موجودہ دہلی سے کئی کوس دور، واقع تھا۔ دریا کے چڑھاؤ سے جب یہ شہر بہہ گیا
تو اسی خاندان کا راجہ دشٹ دان، جو سنہ ۱۲۱۲ قبل مسیح گدی نشین ہوا، ہستناپور چھوڑ کر اندرپت (اندر
پرست) چلا آیا۔ اس راجہ کی ستویں پشت میں راجہ امرجودھ ہوا جو سنہ ۴۷۴ قبل مسیح گدی
پر بیٹھا، اسی راجہ کو امروہہ کا بانی بتایا جاتا ہے[2]۔ ہستناپور کے راجگان کے بعد تومر راجپوت
حکمراں ہوئے۔

راجپوتوں کا راج

تومر یا تنور راجپوت چندر بنسی خاندان کی مشہور شاخ ہیں، یہ لوگ اپنی
نسل جنمیجہ راجہ کے پوتے شتانیک سے قرار دیتے ہیں۔ ان لوگوں کی حکومت
عرصہ دراز تک اس علاقہ پر رہی، درمیان میں کچھ عرصہ کے لئے انکا راج اوروں نے چھین لیا
تھا لیکن سمت ۷۹۳ مطابق سنہ ۷۳۶ء میں اسی قوم کے ایک شخص انیک پال تومر نے دوبارہ راج قایم کیا
اور مشہور اسلامی سیاح اور مورخ ابوالحسن مسعودی[3] کے ہندوستان آنے کے زمانہ سنہ ۹۱۵ء میں
دہلی سے قنوج تک اسی خاندان کی حکومت تھی، امروہہ پر بھی یہی خاندان حکمران تھا۔ راجہ
انیک پال کی دسویں پشت میں راجہ مہیپال ہوا ہے جسکا بہت کچھ اثر و اقتدار اس نواح میں تھا،
گڈھ مکتیسر کے قرب و جوار کے مواضعات میں اسکی نسل کے لوگ آجتک آباد ہیں۔ اس خاندان
کے آخری راجہ انگپال کا نواسہ پرتھی راج تھا جسنے ۲۲ سال ۲ مہینے اور ۱۶ دن حکومت کی۔
اسی نے سنبھل اور امروہہ میں قلعے تعمیر کئے[4]۔ ایک روایت یہ بھی مشہور ہے کہ اسی راجہ کی بہن
رانی امبا نے امروہہ کے قلعہ کو، جو کسی افتاد سے مسمار ہو گیا تھا، از سر نو تعمیر کیا تھا جس کی
بنیادوں کی اینٹیں بعض بعض مقامات سے اب تک نکلتی ہیں۔

---

۱ آثار الصنادید ۲ گزیٹیر مراد آباد ۳ علم ریاضی کی نادر اور مشہور کتاب قانون مسعودی ان ہی کی تصنیف ہے ۴ گزیٹیر مراد آباد صفحہ ۱۲۷

تومر راجپوتوں کا راج سمت ۱۱۰۵ مطابق ۱۰۴۸ء تک یعنی چار سو انیس برس سات مہینے اٹھائیس دن قایم رہا[1] - بالآخر بلدیو چوہان نے انکے ہاتھ سے زمام حکومت چھین لی - چوہانوں میں کل سات راجہ ہوئے - سمت ۱۱۹۸ مطابق ۱۱۴۱ء تک انکا راج قایم رہا -

کالیستوں کا راج

چوہانوں کے بعد اس علاقہ پر کچھ عرصہ تک کالیستوں کے ایک خاندان، سورج دھج[1] کی حکومت رہی - راجہ کریا ناتھ ان میں مشہور راجہ ہوا - امروہہ میں بعض کنوئیں اور مجھولہ کے قریب بجد جھیل کا پل اب تک انکی یادگار ہیں[2] - بیان کیا جاتا ہے کہ مکندوالے باغ کے اطراف و جوانب میں جو پرانے زمانہ کے کنوئیں ہیں وہ بھی اسی سورج دھج خاندان کے بنائے ہوئے ہیں -

تگوں کی حکومت

مسلمانوں کی آمد کے زمانہ میں تگا قوم کا یہاں عروج ہوا، امروہہ اور اسکے نواح میں اس قوم نے اپنی حکومت قایم کی - بجھراج نامی ایک تگے[4] سردار نے

---

[1] اسی تومر خاندان کے ایک شخص بیر سنگھ دیو نے سلطان علاؤالدین خلجی کی وفات کے بعد گوالیار کے قلعہ پر قبضہ کر لیا تھا - اسکی اولاد میں متعدد اشخاص گوالیار کے علاقہ میں اپنی ریاست پر قابض رہے - بہلول لودھی، سکندر لودھی اور ابراہیم لودھی سے مرکہائی جنگ ہوتے رہے، ان میں راجہ مان سنگھ بہت طاقتور ہوا، اسکے بیٹے بکرماجیت کو اعظم ہمایوں نے شکست دی اور وہ قید ہوکر آگرہ بھیجدیا گیا - لیکن سنہ ۱۵۲۶ء میں ابراہیم لودھی کے ساتھ آخری جنگ پانی پت میں مارا گیا - اسکے بعد بابر نے گوالیار فتح کر لیا - اسکی نسل کے کچھ لوگ اودے پور چلے گئے جہاں اب وہ زمینداری پیشہ ہیں [2] انہیں سے بعض اپنے کو برہمن بتاتے ہیں لیکن عام طور سے انکا شمار کالیستو نہیں ہوتا ہے - [3] ڈسٹرکٹ گزیٹیر مرادآباد صفحہ ۱۰۸ - [4] تگوں کے نسب کے متعلق ایک روایت یہ ہے کہ گوڑ برہمنوں سے انکا نکاس ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ سارسوت برہمنوں سے نکلے ہیں تگا کا مخرج سنسکرت لفظ تیاگ بتایا جاتا ہے جسکے معنی "ترک کرنے" اور "دان دینے" کے ہیں، چونکہ یہ لوگ بالعموم زراعت کا پیشہ کرتے اور زمین کا دان لیتے تھے اسلئے تیاگا کہلاتے - تیاگا کثرت استعمال سے تگا ہوگیا، اسکے علاوہ اور بھی روایتیں مشہور ہیں جنکا مفاد یہ ہے کہ برہمن مرد اور کسی نیچ قوم کے میل سے جو اولاد ہوئی وہ تگا کہلائی - بہرحال انکے نسب و قومیت کے متعلق جو روایت بھی صحیح ہو انکے خصائص قومی میں دو مابہ الامتیاز خصوصیتیں ہیں یعنی زراعت اور کاشتکاری میں نہایت درجہ جفاکش اور محنتی اور اسی کے ساتھ سخت جھگڑالو - ان میں دو ذاتیں ہیں - ایک "دسا" اور دوسرا "بیسا" - یعنی اصل اور دوغلے -

اپنے نام پر بچھراؤں آباد کیا۔ انہیں راجہ کرن اور راجہ ساسا چندن نامور راجہ ہوئے ہیں مگر یہ لوگ ڈور راجپوت خاندان کے راجہ ہر دت کے ماتحت تھے جسکی حکومت قنوج اور تھانیسر کے درمیانی علاقہ پر تھی اسمیں امروہہ، سنبھل، میرٹھ، کول (علی گڈھ) برن (بلند شہر) متھرا اور ایٹہ کا علاقہ شامل تھا۔ اسی راجہ نے اپنے نام پر ہیراپور (موجودہ ہاپڑ) آباد کیا تھا۔

قدیم زمانہ میں دریائے گنگا کے دونوں جانب بہت گھنا جنگل تھا جو ضلع بلند شہر کے علاقہ میں "کھانڈوبن" کہلاتا تھا اور گنگا سے اسطرف حسنپور کی تحصیل سے لیکر پہاڑی علاقہ تک چلا گیا تھا۔ اس جنگلی علاقہ میں مختلف جنگلی قومیں بھیل، ناگے، آہیر، بھیر وغیرہ رہتی تھیں۔ گیارھویں صدی عیسوی کے آغاز سے راجپوتوں کے مختلف فرقوں کی آبادی یہاں شروع ہوئی۔ ان میں کٹھیریے راجپوت زیادہ طاقتور اور ذی اثر ہوئے۔ اسی قوم کے نام سے یہ علاقہ بعد میں ملک کٹھیر سے موسوم ہوا۔[1]

کٹھیریے راجپوتوں کے علاوہ بڑگوجر، جاٹ اور تگے اس علاقہ میں زیادہ با اثر اور با رسوخ تھے۔ ان راجپوتوں اور بالخصوص تگوں نے مسلمانوں سے بڑی بڑی لڑائیاں لڑیں اور داد مردانگی دی۔ امروہہ میں تگوں کا کوئی خاندان اب موجود نہیں ہے، البتہ ایک مکان "تگے والی حویلی" ابتک مشہور ہے۔ تاجپور اور ہلدور ضلع بجنور کے چودھریوں کے خاندان اس قوم کے عروج کی یادگار ہیں، انمیں سے بہت سے لوگ بعد میں مشرف باسلام ہوئے۔ بچھراؤں، بہسپور، ڈھکہ، ڈھبارسی، اجھاری اور چوچیلا کے چودھری صاحبان اسی نسل سے ہیں۔

Historical memoirs of Bullandsheher

[1] ایک روایت یہ بھی ہے کہ لفظ کٹھیر کے معنی سخت زمین کے ہیں چونکہ روہیلکھنڈ کی زمین کا زیادہ حصہ سخت ہے اسلئے قدیم زمانہ میں اس خطہ ملک کو کٹھیر کہتے تھے۔ راجپوتوں کے جو قبیلے یہاں آکر متوطن ہوئے ان کو "کٹھیریہ" کہنے لگے۔

ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد

عام خیال ہے کہ محمد بن قاسم ثقفی پہلا مسلمان ہے جس نے ہندوستان کے غربی حصہ ملک سندھ پر ۹۳ھ میں اسلامی فتح کا پھریرا لہرایا لیکن تاریخ سے ثابت ہے کہ ہندوستان پر مسلمانوں کے فاتحانہ حملے اس سے بہت پیشتر سے شروع ہو گئے تھے۔ جناب رسالت مآب علیہ وآلہ وسلم کے رحلت فرمانے کے صرف پانچ سال بعد ہی یعنی ۱۵ھ میں فاروق اعظمؓ نے بحرین و عمان کی حکومت پر عثمان بن العاصی ایک صحابی کو مقرر فرمایا تھا جنہوں نے اپنے بھائی حکم بن العاصی کو حکم دیا کہ وہ ہندوستان پر فوجکشی کریں، چنانچہ حکم نے دریائی سفر کے راستہ سخت منزلیں طے کر کے سب سے پہلے تھانہ[1] پر حملہ کیا جو اُس زمانہ میں بہت بارونق بندرگاہ تھا اور آج ضلع کا صدر مقام ہے۔ دوسرا حملہ حکم نے بھروچ[2] پر کیا۔ ان دونوں حملوں میں اچھی خاصی کامیابی ہوئی لیکن فاروق اعظمؓ کی رائے چونکہ دریائی سفر کے خلاف تھی، اس وجہ سے مدت تک مسلمانوں نے پھر اسطرف توجہ نہیں کی[3]۔

بنوامیہ کے زمانہ میں ہندوستان پر پھر فوجکشی کا خیال ہوا اور ۹۳ھ میں ملک سندھ مسلمانوں کے قبضہ و تصرف میں آیا۔ ۱۰۷ھ میں ہشام بن عبدالملک خلیفہ دمشق نے جنید بن عبدالرحمن مری کو سندھ کی حکومت تفویض کی۔ جنید نہایت من چلا شخص تھا۔ اس نے کچھ اور مالوہ پر فوجکشی کر کے فتوحات حاصل کیں[4]۔ خلفائے بنوعباس میں خلیفہ المہدی باللہ

---

[1] عربی تاریخوں میں تھانہ کو طانہ، بھروچ کو بروص یا بروچ اور کچھ کو قصہ لکھا ہے۔ [2] فتوح البلدان بلاذری ۔ [3] معجم البلدان حموی ۔ [4] فتوح البلدان بلاذری ۔ اس فوج کے ساتھ ابوبکر ربیع بن صبیح السعدی البصری بھی تھے جنکو تابعی ہونے کا شرف حاصل تھا اور یہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے حدیث میں کتاب تصنیف کی۔ صاحب کشف الظنون نے لکھا ہے کہ ھو اول من صنف فی الاسلام مسلمانوں میں وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے کتاب تصنیف کی، آپ نے گجرات میں شہادت پائی اور سرزمین ہند کو یہ شرف امتیاز حاصل ہوا کہ اسکے آغوش میں ایسا شخص محو خواب ہے جو فن حدیث کا پہلا مصنف ہے۔ ان کے متعلق صاحب غنی کا بیان ہے کہ:- ماتت بارض الہند فی سنۃ ستین ومائۃ

العباسی نے ۱۶۰ھ میں عبدالملک بن الشہاب المسمعی کو کافی سازوسامان کے ساتھ ہندوستان میں جہاد کیلئے روانہ کیا۔[1] اس مرتبہ گجرات پر بھی دھاوا کیا گیا، غرضکہ پانچویں صدی ہجری کے اوائل تک صرف ملک سندھ پر، جسکی حدود اس زمانہ میں ایک جانب کچھ، گجرات، مالوہ اور راجپوتانہ سے اور دوسری جانب ملتان اور وادی کشمیر سے ملتی تھیں، گماشتگان خلفائے عباسیہ کی حکومت تھی لیکن شمالی ہندوستان ابھی تک مسلمان حملہ آوروں کی ترکتاز اور مجاہدانہ جانبازیوں سے محروم تھا۔

سُلطان محمود غزنوی کے حملے

پانچویں صدی ہجری کے شروع میں سلطان محمود غزنوی نے شمالی ہند پر متواتر حملے شروع کئے۔ ۴۰۸ھ ۱۰۱۷ء میں میرٹھ کا محاصرہ کیا، اسوقت میرٹھ کا راجہ ہردت تھا جسکا راج قنوج اور تھانیسر کے درمیانی علاقہ پر تھا۔ اس علاقہ کی حدود ایک جانب برن (بلند شہر) کول (علیگڈھ) متھرا اور اٹیہ تھیں اور دوسری جانب امروہہ و سنبھل کے علاقہ تک تھے۔[2] راجہ ہردت اس حملہ کی تاب نہ لاسکا، ایک ارب درہم (مساوی ڈھائی لاکھ روپیہ سکہ حال) خرج ادا کرنے پر معاملہ ٹھیرا۔ پانچ سال بعد پھر سلطان محمود غزنوی نے ملک کٹھیر پر حملہ کیا، علاقہ امروہہ میں رہب ندی (یعنی رام گنگا) کے کنارے شدید جنگ ہوئی جس میں ہندوؤں کو شکست فاش اٹھانی پڑی۔[2] سلطان محمود کے چلے جانے کے بعد یہاں پھر ہندو راجاؤں کی حکومت قایم ہوگئی اور سلطان شہاب الدین غوری کے زمانہ تک باقی رہی۔

اسلامی سلطنت کی بنیاد

سلاطین غزنویہ نے اپنے زمانہ سلطنت میں ہندوستان پر بہت سے حملے کئے۔ سلطان محمود نے عظیم الشان فتوحات بھی حاصل کیں، بے شمار دولت مال غنیمت میں وصول کی لیکن یہاں کبھی مستقل حکومت کی بنیاد نہیں ڈالی۔ سلطان

---

[1] فتوح البلدان [2] ہسٹاریکل میموائرس آف بلند شہر۔ [3] امپیریل گزیٹر آف انڈیا جلد دوم۔

محمود کے بعد اسکی اولاد کی حکومت بھی لاہور سے آگے دریائے چناب سے اسطرف نہ بڑھنے پائی۔ البتہ غزنویوں کے ہاتھ سے زمام حکومت جب غوریوں نے چھین لی اور سلطان معز الدین محمد بن سام المشہور بہ سلطان شہاب الدین غوری کچھ عرصہ بعد تخت سلطنت پر بیٹھا اسنے ہندوستان کے فتح کرنے کا عزم بالجزم کیا ۵۸۲ھ ۱۱۸۵ء میں خسرو ملک کو جو غزنوی خاندان کا یہاں آخری حکمراں تھا، لاہور میں شکست دیکر پھر شمالی ہند کو اپنی تیغ آبدار کی ضرب سے فتح کیا ۵۸۸ھ ۱۱۹۲ء میں تراوڑی (تھانیسر) کے میدان میں رائے پتھورا کو ہزیمت ہوئی اور ہندوؤں کے ہاتھ سے سلطنت نکلکر مسلمانوں کے قبضہ میں آگئی۔ اور اسطرح حکومت اسلامی کی بنیاد پڑی۔
حضرت امیر خسرو فرماتے ہیں [1]:-

چنیں گوید خبر دانندۂ حال ؛ کزاں میموں خبر میموں شدش فال
کہ از غزنیں چو بیروں کرد صمصام ؛ معز الدین محمد گوہر سام
ازاں سلطان غازی بے مدارا ؛ بہ ہندوستان شد اسلام آشکارا
سریر دہلی ازوی یافت بنیاد ؛ کہ بنیادش سریرش تا ابد باد
ہر آنچہ آں شہ غازی کرد بنیاد ؛ ز قطب الدین سلطاں گشت آباد

---

[1] حضرت امیر خسرو کا نام نامی ابو الحسن ہے۔ انکے والد امیر سیف الدین محمود بلخ کے امیرزادوں میں تھے۔ فتنہ چنگیز خاں کے زمانہ کے قریب ہندوستان آئے اور امرائے شاہی میں منسلک ہوئے۔ حضرت امیر خسرو ۶۵۲ھ میں ضلع ایٹہ کے ایک قصبہ مومن آباد میں جسکو اب پٹیالی کہتے ہیں پیدا ہوئے۔ ابتدائے عمر میں حضرت شیخ المشائخ نظام الدین اولیا سے بیعت کی اور مدۃ العمر فیض صحبت پایا۔ حضرت محبوب الٰہی انکو بہت عزیز رکھتے تھے۔ اولاً شہزادہ محمد سلطان خان شہید کے مقرب و ندیم رہے پھر ملک امیر علی حاتم خان جاگیردار امروہہ کے پاس پانچ سال تک رہے۔ بعض بادشاہان کے زمانہ میں دہلی کے تخت پر بیٹھے سب ان کا اعزاز و اکرام کرتے تھے۔ شیخ سعدیؒ نے ان کی قابلیت شعری کا اعتراف کیا۔ تقریباً چار لاکھ شعر ان سے منسوب ہیں۔ ۷۲۵ھ میں انتقال کیا اور اپنے مرشد کے مزار پُرانوار کے قریب مدفون ہوئے۔

شد عدیم المثل یک تاریخ او ؛ دیگرے شد، طوطی شکر مقال
۷۲۵ ۷۲۵

امروہہ پر مسلمانوں کا تسلط

اسلامی عہد کی کسی معتبر تاریخ میں اس کی تصریح نہیں کہ اسلامی لشکر نے کس سنہ میں امروہہ فتح کیا اور کب مسلمانوں کا اس پر قبضہ ہوا۔ سلف سے البتہ یہ روایت مشہور چلی آتی ہے کہ اس نواح میں سب سے پہلے سالار مسعود غازیؒ نے مجاہدانہ حملے کئے اور امروہہ و سنبھل کے قلعے ان ہی کے ہاتھ پر فتح ہوئے۔ حضرت سالار غازی مختلف مقامات پر مختلف ناموں سے مشہور ہیں۔ بہرائچ میں انکا مزار ہے بقول سید انشاء ؎

دل کی بہرائچ نہیں ہے ترک تازی کا مقام ۔ ہے یہاں پر حضرت مسعود غازی کا مقام

کہا جاتا ہے کہ موضع شہباز پور میں، جو سنبھل سے تقریباً چار میل شرق میں واقع ہے، سالار مسعود غازی اور انکے ہمراہیوں نے ہندوؤں پر فتح حاصل کی تھی جسکی یادگار میں ہر سال وہاں ایک دن میلہ لگتا ہے جو نیزہ کا میلہ کہلاتا ہے اور دوسرے دن یہ میلہ خاص شہر سنبھل میں غالباً فاتحین کے فاتحانہ داخلہ کی یادگار میں لگتا ہے جو باسی نیزہ کا میلہ مشہور ہے۔ پورنپور اور امروہہ کے نیزے کے میلے بھی اسی فتح کی یادگار بتائے جاتے ہیں۔ نیز یہ بھی مشہور ہے کہ امروہہ اور اسکے نواح میں جو شہدا آسودہ ہیں وہ سالار مسعود غازیؒ کے ان جانباز ہمراہیوں میں سے ہیں جنہوں نے معرکہائے جدال و قتال میں جام شہادت نوش کیا تھا۔ مراۃ مسعودیؒ میں بیان

لہ مراۃ مسعودی ایک کتاب سالار مسعود غازیؒ کے حالات میں ہے، جو ایک شخص عبدالرحمٰن چشتی نے جہانگیر بادشاہ کے زمانہ میں سالار مسعود کے زمانہ سے تقریباً پانسو برس بعد تالیف کی ہے۔ اس میں غازی موصوف کے باپ کا نام سالار ساہو، ماں کا نام ستر معلی؛ سال پیدائش سنہ ۴۰۵ھ مقام پیدائش اجمیر اور سال وفات سنہ ۴۲۴ھ تحریر کیا ہے، مگر یہ کتاب ایک فسانہ سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی، اسکے مستند تاریخ ہونے میں بہت کلام ہے۔ علامہ ابوالفضل نے سالار غازیؒ کے متعلق لکھا ہے کہ "خویشاوند سلطان محمود غزنوی است"۔ فرشتہ لکھتا ہے کہ "از اقارب سلطان محمود غزنوی بودہ کہ در عہد اولاد سلطان محمود غزنوی در سنہ ۵۵۶ھ بدست کفار مقتول گردید"۔ ملا عبدالقادر بدایونی نے اپنی تاریخ میں بیان کیا ہے کہ نواب محمد خان خانان تحریر نے ایک دن حضرت شیخ الہدیہ خیرآبادی سے جو مشائخ کبار اور علمائے متبحر میں سے تھے دریافت کیا کہ "سالار مسعود کو عوام

کیا گیا ہے کہ سالار مسعود غازیؒ نے اوّل میرٹھ پر حملہ کیا، پھر وہ دریائے گنگا عبور کرکے قنوج کی سمت روانہ ہوئے۔ مراۃ مسعودی کے بیان کو اگر باور کیا جائے تو یہ قیاس ہوسکتا ہے کہ غازیانِ اسلام

(بقیہ صفحہ ۱۰) ہند اورامی پر مستند چہ طور کسے بود شیخ فرمود " **افغانے** بود کہ شہید شدہ است"۔

میری رائے میں فرشتہ کا یہ قول درست ہے کہ سلطان محمود غزنوی کی اولاد میں سے کسی کے عہد میں سالار مسعود غازیؒ ہندوستان میں بقصد جہاد آئے۔ لیکن فرشتہ نے انکی آمد کا جو زمانہ متعین کیا ہے وہ صحیح نہیں معلوم ہوتا کیونکہ سنہ ۵۵۵ھ میں سلاطین غزنویہ میں اسقدر طاقت نہیں رہی تھی کہ ہندوستان میں اسقدر دور دراز مقامات پر فوج کشی کی جاتی غالباً یہ زمانہ [illegible] شاہ بن سلطان مسعود بن سلطان محمود غزنوی کا ہوگا یعنی ۵۰۹ھ لغایت ۵۱۲ھ۔ ایک اور روایت سے بھی اس خیال کی تائید ہوتی ہے۔ قلعہ بیانہ کا فتح ہونا بھی سالار غازی کے ہاتھ پر بیان کیا جاتا ہے۔ اس لشکر میں حضرت ابوبکر قندھاری بھی تھے جنکی خانقاہ اب تک وہاں موجود ہے اور ہندی دوہرہ بھی عوام کے زبان زد ہے ؎

اگارہ سو تہتر پھاگن تیجے ربی وار ٭ بجے مندر گڑھ توڑا ابوبکر قندھار

یعنی سمت ۱۱۷۳ پھاگن کے مہینہ میں تیسری تاریخ کو ابوبکر قندھاری نے قلعہ بیانہ کو فتح کیا۔ یہ زمانہ ۵۱۲ھ ۱۱۱۸ء کے مطابق ہوتا ہے جو بہرام شاہ بن سلطان مسعود غزنویؒ کے جلوس کا سال تھا۔ سلطان بہرام شاہ بن مسعود غزنوی ۵۱۲ھ ۱۱۱۸ء میں تخت نشین ہوا اور ۵۴۷ھ ۱۱۵۲ء میں انتقال کیا۔ کتاب کلیلہ دمنہ اسی کے عہد میں اور اسی کے نام پر تصنیف ہوئی۔ حکیم سنائی نے حالت قید میں کتاب حدیقۃ الحقیقہ اسی کے نام پر لکھی تھی جسکا ایک شعر یہ ہے ؎

عرش گر بارگاہ را زیبد ٭ شاہ بہرام شاہ را زیبد

مورخین نے لکھا ہے کہ اسنے تخت نشین ہوکر ہندوستان کی طرف لشکر بھیجا اور ایسے مقام جو اسکے بزرگوں سے بھی فتح نہ ہوئے تھے فتح کئے۔ پس کیا تعجب کہ سالار مسعود غازی بھی اسی لشکر کے ساتھ ہوں اور انہوں نے اس فوج میں مجاہدانہ حملے کرکے امروہہ و سنبھل کے قلعے فتح کئے ہوں۔

مراۃ مسعودی کے مؤلف نے سالار غازیؒ کو سیدنا امام محمد حنفیہ بن حضرت علیؓ کی اولاد میں لکھا ہے اور بتایا ہے کہ سالار غازی عبدالمنان بن امام محمد حنفیہ کی نسل سے تھے۔ امام موصوف کے اس لئے عبدالفلاح و عبدالمنان دو بیٹے لکھے گئے لیکن

کے اس لشکر نے گڈھ مکتیسر کے مقام دریائے گنگا کو عبور کیا ہوگا اور قنوج جاتے ہوئے امروہہ اور سنبھل کے قلعے بھی فتح کئے ہونگے، لیکن خود سالار مسعود غازیؒ کے حالات اور کارنامے، جو مراۃ مسعودی وغیرہ میں بیان کئے گئے ہیں، بہت کچھ مشتبہ اور تحقیق طلب ہیں۔ انکی شخصیت، انکا سنہ پیدائش و وفات اور غازیان اسلام کے مجاہدانہ ترکتاز کا جو زمانہ بیان کیا جاتا ہے۔ تاریخ سے ثابت نہیں ہوتا۔ بہر کیف واقعہ اگر یہی ہو کہ سالار مسعود غازیؒ اور ان کے ساتھیوں نے پانچویں صدی کے اوایل میں میرٹھ، امروہہ اور سنبھل اور اس نواح کے دوسرے مقامات فتح کئے تب بھی یہ ثابت نہیں کہ لشکر اسلام کے اس نواح سے بسمت قنوج روانہ ہونے کے بعد ان مقامات پر مسلمانوں کا قبضہ قائم باقی رہا کیونکہ تمام معتبر کتب تاریخ میں بیان کیا گیا ہے کہ ۵۸۵ھ / ۱۱۸۹ء سے ۵۹۱ھ / ۱۱۹۵ء تک اس چھ سالہ مدت میں سلطان شہاب الدین غوری اور قطب الدین ایبک نے ہندو راجاؤں سے سخت سے سخت معرکہ آرائی کی[۱]

(بقیہ صفحہ ۱۱) ہرگز صحیح نہیں۔ امام محمد حنفیہؓ کے بیٹوں یا پوتوں کے یہ نام کسی قدیم کتاب الانساب میں نہیں ملتے۔ معارف ابن قتیبہ و دیگر مستند کتاب الانساب میں امام موصوف کے بیٹوں کے جو نام ملتے ہیں وہ یہ ہیں: حسن، عبداللہ ابو ہاشم، جعفر الاکبر، حمزہ، علی، جعفر الاصغر، عون، القاسم اور ابراہیم الملقب بعشرۃ۔ عمدۃ الطالب و دیگر معتبر کتب انساب میں بیان کیا گیا ہے کہ سوائے عبداللہ بن محمد، جعفر بن محمد اور علی بن محمد حنفیہ کے اور کسی بیٹے کی نسل نہیں چلی۔ مجھے سالار مسعود غازیؒ کی علویت سے انکار نہیں۔ بہت ممکن ہے کہ وہ علوی ہوں لیکن مراۃ مسعودی میں جو نام امام محمد حنفیہ کے بیٹوں کے لکھے ہیں وہ گھڑے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔

[۱] تاریخوں میں بیان کیا گیا ہے کہ فتح دہلی کے بعد قطب الدین ایبک نے برن (بلند شہر) کو فتح کیا لیکن سلطان شہاب الدین غوری کے ایک فرمان سے، جسکی اصل میرے عزیز دوست سید حسین برنی بی۔اے۔ ایل ایل بی وکیل بلند شہر کے پاس ہے اور اسی فرمان کی ایک مصدقہ نقل، جو عہد عالمگیری کی ہے، خاکسار مؤلف کو دستیاب ہوئی ہے، یہ ثابت ہے کہ برن (بلند شہر) کو سلطان شہاب الدین نے بذات خود ۵۸۵ھ میں یعنی فتح دہلی سے تقریباً ۴ سال قبل فتح کیا۔ برن (بلند شہر) کی چودھرات کا عہدہ اجیپال الابنیہ کو، جو مشرف باسلام ہو کر ملک محمد قد داخ کے نام سے

جنگ کے بعد میرٹھ، برن (بلند شہر)، بدایوں، کول (علی گڈھ)، دہلی اور دوسرے مقامات کو فتح کرکے تسلط اور قبضہ حاصل کیا اور اسطرح اسلامی سلطنت کی بنیاد ڈالی[۱] ۵۸۸ھ ۱۱۹۲ء میں ترائن کے میدان میں جب سلطان شہاب الدین غوری رائے پتھورا کو، جسکے ساتھ ڈیڑھ سو راجپوت راجاؤں کا متحدہ لشکر تھا، شکست فاش دیکر غزنین واپس گیا تو اسکے نائب اور سپہ سالار قطب الدین ایبک نے اس نواح کے متعدد قلعے فتح کئے۔

"ملک قطب الدین ایبک درہماں سال (۵۸۸ھ)
"لشکر کشیدہ قلعہ میرٹھ و دہلی را از تصرف خویشاں
"پتھورا و کھنڈے رائے برآوردہ در ۵۸۹ سنہ
"تسع و ثمانین و خمسمائۃ قلعہ کول را مسخر کردہ و
"دہلی را دارالملک ساختہ آنجا قرار گرفت
"و اطراف و نواحی آں را در ضبط آوردہ شعائر
"اسلام ظاہر ساخت۔"[۲]

اسی سال (۵۸۸ھ) ملک قطب الدین ایبک نے فوجکشی کرکے قلعہ میرٹھ اور دہلی کو (راجہ) پتھورا اور کھنڈے رائے کے خاندان والوں سے چھین لیا، اور ۵۸۹ھ میں قلعہ کول (علی گڈھ) کو فتح کیا اور دہلی کو دارالسلطنت بنا کر وہاں قیام کیا اور وہاں کے قرب و جوار اطراف کے ممالک پر قبضہ کرکے شعار اسلامی کا اجرا کیا۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ امروہہ و سنبھل پر بھی مسلمانوں کا تسلط اور قبضہ ۵۸۹ھ ۱۱۹۳ء یا ۵۹۰ھ ۱۱۹۴ء سے یعنی سلاطین غوریہ کے زمانہ سے شروع ہوا۔

امروہہ کی قدیم آبادی

چھٹی صدی ہجری کے آخر میں جب امروہہ کو مسلمانوں نے فتح کیا ہے اسوقت یہ ایک چھوٹی سی خوبصورت بستی تھی۔ ایک طرف پختہ قلعہ اور راجہ کے محلات تھے اور دوسری جانب رعایا کے مکانات، بازار، مندر وغیرہ۔ شہر کے چاروں طرف پختہ اور مستحکم فصیل تھی۔[۳]

(بقیہ صفحہ ۱۳) موسوم ہوا عنایت ہوا اور قاضی نورالدین عباسی وہاں کے حاکم مقرر ہوئے۔ [۱] طبقات ناصری و فرشتہ وغیرہ [۲] تاریخ فرشتہ [۳] مؤلف ڈسٹرکٹ گزیٹر مرادآباد مطبوعہ ۱۹۱۲ء کا یہ بیان صحیح نہیں کہ اس فصیل کا کوئی حصہ یا ایک سہ دروازہ یا ان تک باقی ہے غالباً انکی مراد قلعہ مقبرہ سید عبد المجید کے دروازہ اور فصیل سے ہے جو عہد شاہجہاں کی تعمیر ہے۔ اسے

اور تالاب تھے۔ سوت ندی بھی اس زمانہ میں خوب بہتی تھی۔ پرانی بستی اور قلعہ میں جو قصبہ آبادی کا اسوقت شامل تھا آج اس رقبہ میں محلہ مولانہ، بچدرہ، نوبت خانہ، شاہی چبوترہ، قلعہ تربولیہ، قاضی زادہ، پاربونیاں، صادرو، جرودیہ، چاہ شور، نوگیاں، جھنڈا شہید، چاہ ملا مان وغیرہ محلے آباد ہیں۔ قدیم قلعہ اور فصیل کا اب نام و نشان بھی باقی نہیں۔ شاہان مغلیہ کے عہد حکومت کے وسطی زمانہ تک دستاویزات میں البتہ "اندرون حصار" اور "بیرون حصار قدیم" کے الفاظ عام طور سے درج ہوا کرتے تھے۔

امروہہ مسلمانوں کے ابتدائی دور حکومت میں

سلطنت اسلامی کے ابتدائی ایام میں جبکہ حکومت کا نظم ونسق کامل طور سے قایم نہیں ہوا تھا، بدایوں، سنبھل اور امروہہ ایک ہی حاکم کے ماتحت رکھے گئے۔ سلطان قطب الدین ایبک[1] نے اپنے زمانہ نیابت میں التمش کو جو بعد میں بادشاہ ہو کر سلطان شمس الدین التمش[2] کے نام سے موسوم ہوا ۶۰۰ھ (۱۲۰۳ء) میں اس علاقہ کا مقطع (حاکم) مقرر کیا۔ ۶۰۷ھ (۱۲۱۰ء) میں سلطان التمش نے جب زمام سلطنت اپنے ہاتھ میں لی ممالک مقبوضہ کا از سر نو انتظام کیا۔ مختلف اقطاع ملک کو ولایات (صوبوں) میں تقسیم کیا۔

(بقیہ صفحہ ۱۳) اور قدیم حصار سے کوئی تعلق نہیں۔ [1] قطب الدین ایبک بعد وفات اپنے آقا سلطان شہاب الدین غوری ۶۰۲ھ میں دہلی کے تخت سلطنت پر بیٹھا اور صرف چار سال و چند ماہ سریر آرائے سلطنت رہکر لاہور میں پولو یعنی چوگان بازی کھیلتے وقت ۶۰۷ھ میں گھوڑے سے گر کر مر گیا۔ [2] سلطان شمس الدین التمش نسباً ترک قبیلہ البری سے تھا، اسکا حال بھی حضرت یوسفؑ کا سا ہوا۔ اسکے بھائیوں کو اسکے حسن صورت، و فراست پر حسد ہوا۔ ماں باپ سے بہانہ کرکے وطن سے باہر لیجا کر ایک سوداگر کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ سوداگر نے بخارا میں کسی اور کے ہاتھ بیچ ڈالا پھر حاجی کمال الدین قباجست نے خرید لیا ان سے سلطان معز الدین محمد سام نے ایبک اور التمش کو ایک لاکھ جیتل میں خرید کیا۔ قطب الدین ایبک نے التمش کو گوالیار کا حاکم بنایا پھر بدایوں کا ناظم کیا۔ رفتہ رفتہ اپنی لیاقت اور شجاعت سے امیر الامرائی کے درجہ کو پہنچا اور سلطان قطب الدین نے اپنی بیٹی کا اس سے نکاح کر دیا۔ چھبیس ۲۶ سالہ سلطنت میں حوض شمسی اور قطب کی لاٹھ اسکی یادگار ہیں۔

انکے لئے حاکم، جنکو اس زمانہ کی اصطلاح میں "مقطع" کہتے تھے، مقرر کئے۔ یہ علاقہ بھی "ولایت امروہہ" کے نام سے موسوم ہوا اور یہاں بھی علیحدہ حاکم (مقطع) مقرر ہوا اور لشکر اسلامی کا ایک حصّہ یہاں متعین کیا گیا۔[1]

ہندو رعایا کی بغاوتیں

یہ وہ زمانہ تھا کہ اس علاقہ کی ہندو رعایا پورے طور پر مطیع و منقاد نہیں ہوئی تھی، متواتر بلوے اور بغاوتیں ہوتی رہتی تھیں۔ راجپوتوں کے مختلف قبیلے تگے، اہیر، بڑگوجر وغیرہ جنگجو اور سرکش قومیں، جو اس علاقہ میں کثرت سے آباد تھیں، جب موقع پاتیں حکومت کے خلاف علم بغاوت بلند کردیتیں۔ سنہ ۶۴۰ھ (۱۲۴۲ء) میں بعہد سلطان علاءالدین مسعود شاہ اس علاقہ میں وہ شورش برپا ہوئی کہ ملک جلال الدین حاکم بدایوں و مقطعان سنبھل و امروہہ انتظام قایم نہ رکھ سکے۔ سلطان ناصر الدین محمود[2] بہت

(بقیہ صفحہ ۴۴) سلطانہ رضیہ اسی کی بیٹی تھی۔ [1] طبقات ناصری۔ [2] سلطان ناصر الدین محمود سلطان شمس الدین التمش کا چھوٹا بیٹا تھا، سنہ ۶۴۴ھ میں تخت سلطنت پر بیٹھا۔ یہ بادشاہ شجاع، عابد و زاہد اور سخی تھا۔ شاہی دربار اگرچہ تکلفات سے پُر تھا لیکن اسکی محل سرا تکلفات سے خالی تھی بلکہ ایک نہایت سادہ گھر تھا۔ اسکے ایک ہی زوجہ تھی، وہی اپنے گھر کا سارا کام کرتی تھی اور اپنے ہاتھ سے اپنے شوہر کے لئے روٹی پکاتی۔ ایک دن اس نیک بخت بی بی نے کہا کہ روٹی پکانے سے میرے ہاتھ جلتے ہیں، کوئی لونڈی خرید لو کہ وہ کھانا پکا دیا کرے، اسپر بادشاہ نے جواب دیا کہ بیت المال میں تو بندگان خدا کا حق ہے۔ میرا مال اس میں کچھ نہیں کہ روپیہ سے لونڈی خرید دوں، صبر کرو، خدا اسکا اجر دیگا۔ یہ نیک بخت خاموش ہوگئی۔ الغرض ساری عمر فقیرانہ بسر کی۔ قرآن شریف کی کتابت ذریعہ معاش تھی۔ کبھی خزانہ شاہی سے ایک پیسہ اپنے ذاتی خرچ کے لئے نہ لیا۔ اتفاقاً ایک امیر نے اسکے ہاتھ کا لکھا ہوا قرآن شریف زیادہ قیمت کو خرید لیا۔ بادشاہ کو معلوم ہوا تو بہت ناگوار گذرا۔ اسکے بعد سے اپنے لکھے ہوئے قرآن شریف کو ہدیہ معمولی قیمت پر خفیہ کیا کرتا۔ ایک دن ایک محتاج اسکے پاس آیا، اس نے قرآن شریف میں دو فقرے برابر لکھے ہوئے دیکھکر کہا کہ ایک فقرہ اس میں غلط ہے، سلطان نے قلم دوات منگا کر اس فقرہ پر حلقہ کھینچ دیا اور اس محتاج

نیک مزاج اور درویش صفت بادشاہ تھا۔ اسکا عہد اگرچہ عام طور پر امن وامان کا عہد تھا جسکا تذکرہ امیر خسرو نے ان الفاظ میں کیا ہے ؎

عجب عہدے ہمہ در کامرانی ؛ بہر خانہ نشاط و شادمانی
نہ کس دادے کمند کینہ را تاب ؛ نہ کس دیدے خیال فتنہ در خواب
مسلماں چیرہ دست و ہندواں رام ؛ ندانستے کسے از جنس مغل نام
تہے در دانش الرنداں شکوہے ؛ ہم از سنگ و ہم از گوہر چو کوہے
خود او مستغرق کار الٰہی ؛ بامرش بندگاں در کار شاہی

لیکن سلطان ناصر الدین محمود کے عہد سلطنت میں بھی اس علاقہ میں فتنہ و فساد کی وارداتیں ہوتی رہیں حتیٰ کہ ۶۵۲ھ ۱۲۵۴ء میں سلطان کو باغیوں کے مقابلہ کے لئے بذات خود یہاں آنا پڑا۔ تیرہ سال بعد یعنی ۶۶۵ھ ۱۲۶۶ء میں مفسدوں نے پھر سر اٹھایا اور اس مرتبہ فتنہ و فساد اور بغاوت کا وہ زور شور ہوا کہ حکومت کو اپنا آپا سنبھالنا مشکل ہو گیا۔ اس فتنہ و فساد کے متعلق ضیائے برنی صاحب تاریخ فیروز شاہی نے بتایا ہے کہ :-

"متواتر خبر می رسید از کٹھیر کہ مفسداں کٹھیر "بسیار شدند و دہ ہائے رعیت را نہب و "تاراج می کنند و لاد بداؤں و امروہہ را مزاحمت "می نمایند و فساد ہا آشکارا میکنند و خیانہا قوت	متواتر خبریں پہنچیں کہ کٹھیر میں مفسد بہت ہو گئے ہیں، رعایا کے مواضعات لوٹتے اور خراب کرتے ہیں، صوبہ بداؤں اور امروہہ کو نقصان پہونچاتے اور کھلم کھلا فساد کرتے ہیں اور انکی قوت

(بقیہ صفحہ ۱۵) کی احتیاج رفع کر کے اسے رخصت کیا پھر جا کر لشکر اس حلقہ کو حک کیا۔ کسی نے پوچھا کہ حلقہ بنایا کیوں تھا اور اسکو مٹایا کیوں؟ سلطان نے جواب دیا کہ محتاج آیا تھا اگر اسوقت میں کہتا کہ تو غلط کہتا ہے اسکا دل رنجیدہ ہوتا اس رنج کا مٹانا اس حلقہ کے مٹانے سے زیادہ ہوتا، صلاح کار نیک اندیش کا دل ہی نے خوش کر دیا۔ اسکا ایک ندیم محمد نام تھا۔ اتفاقاً ایک دن بادشاہ نے تاج الدین کہکر اسے پکارا اور کچھ کام کرایا۔ اسنے کام تو کر دیا لیکن بادشاہ سے اصلی نام نہ لینے کی وجہ دریافت کی تو اس نے

"شدہ اند کہ از مقطع بداؤں و مقطع امروہہ چشم نمی زنند و از بسیاری و غلبۂ ایشاں ایشان جوار گرد ایشاں نمی توانند گشت"۔

اتنی زیادہ ہوگئی ہے کہ حاکم بداؤں اور حاکم امروہہ سے نہیں دبتے۔ انکی زیادتی اور غلبہ کی وجہ سے قرب جوار کے پرگنوں کے حاکم ان کے مقابلہ میں نہیں آسکتے۔

بغاوت کا خوفناک انتقام

اس فتنہ و فساد کی خبر پاکر سلطان غیاث الدین بلبن، جو اسوقت کپنل و پٹیالی کے نواح میں تھا، فی الفور دہلی واپس آیا اور پانچ ہزار

(بقیہ صفحہ ۱۶) کہا کہ میں باوضو نہ تھا اسلئے حضور سرور کائنات کا نام لیتے مجھے شرم آتی تھی۔ طبقات ناصری جو مشہور تاریخ ہے، اسی بادشاہ کے نام پر ہے۔ گیارہویں جمادی الاولیٰ سنہ ۶۶۴ھ میں یہ نیک سیرت بادشاہ فوت ہوا۔

۱ سلطان غیاث الدین بلبن کا اصلی نام الغ خان تھا، نسباً ترک قراخطا و طائفہ البرلے میں سے تھا۔ بچپن بغداد میں بڑا فوجی عہدہ دار تھا۔ جب مغلوں نے بغداد فتح کیا اوروں کی طرح بلبن بھی انکے ہاتھوں اسیر ہوا۔ ایک سوداگر نے اسے خریدا اور جمال الدین بصری کے ہاتھ فروخت کر ڈالا۔ جمال الدین بصری نے اس خیال سے کہ وہ سلطان شمس الدین التمش کا ہم قوم تھا اسکی نذر کیا۔ سلطان نے اسکے چہرہ کے آثار دیکھکر سردار خاصہ کا مقرر کیا اور بتدریج معزز عہدوں پر سرفراز کیا۔ التمش کے جانشینوں کے زمانہ میں وہ اپنی ذاتی قابلیت سے رفتہ رفتہ امیر الامرائی کے درجہ تک ترقی کرگیا۔ سلطان ناصر الدین محمود بیس برس تک بلبن کے ہاتھ میں کٹھ پتلی کی طرح رہا۔ اسکے انتقال کے بعد سنہ ۶۶۴ھ میں تخت نشین ہوا۔ بلبن کو اراذل سے یہانتک نفرت تھی کہ کبھی کسی رذیل سے ہمکلام نہوا۔ جہانتک زندہ رہا کسی امیر کا مقدور نہ تھا کہ کسی کمینہ کی سفارش کرے۔ اسکے عہد میں یہ دستور العمل ہوگیا تھا کہ اراذل میں سے کسی شخص کو کوئی کام نہ ملے۔ جب کوئی شخص نوکر ہوتا اسکے حسب نسب کی بڑی تحقیقات ہوتی۔ بعد نوکر ہوجانے کے اگر اسکے نسب میں کچھ فرق ہوتا تو برطرف کر دیا جاتا۔ ہندوؤں کو معزز عہدوں کا ملنا موقوف ہوگیا تھا۔ اس بادشاہ کی یہ اقبالمندی اور خوش نصیبی تھی کہ تاتاریوں کا سیلاب جس عہد کی اور اسلامی سلطنتیں بہا لیگیا لیکن ہندوستان میں اہل اسلام کی سلطنت بدستور قائم رہی۔ اس بادشاہ کے عہد میں پندرہ بادشاہ اور بادشاہزادے مغلوں کے ڈر سے پناہ لیکر دہلی آئے۔ بلبن انکی بڑی خاطرداری اور تعظیم و تکریم کرتا۔ یہ سب بادشاہ دربار میں تخت کے گرد کھڑے ہوتے ... [illegible]

چیدہ اور منتخب سوار ساتھ لیکر یکایک اس ملک پر آپڑا۔ بغاوت کا جو خوفناک انتقام لیا گیا اسکا حال فرشتہ کے الفاظ میں سنئے :-

"سلطان پنجہزار سوار انتخابی ملغار کردہ دو شب درمیان از گنگ عبور نمودہ بولایت کٹھیر درآمد بجز از زناں و طفلان حکم قتل عام فرمود کسے را زندہ نہ گذاشت و بنوعے آں ولایت را پاک ساخت کہ بدایوں و امروہہ و سنبھل از شر آں جماعت تا عہد جلالی در کٹھیر کسے نام مفسد نمی شنید۔" [1]

سلطان بلبن پانچہزار چیدہ سوار اپنے ساتھ لیکر روانہ ہوا اور دوسرے دن دریائے گنگا کے پار اتر کر صوبہ کٹھیر میں جا پہنچا۔ عورتوں اور بچوں کے سوائے اور سب کے قتل کرنے کا عام حکم دیا کہ کسیکو زندہ باقی نہ چھوڑا جائے۔ اس خطہ ملک کو ایسے اس طریقہ پر پاک صاف کر دیا کہ بداؤں، امروہہ اور سنبھل اس جماعت کے شر و فساد سے محفوظ ہو گئے اور عہد جلالی تک کٹھیر میں کسی ایک مفسد کا نام بھی کوئی نہیں سنتا تھا۔

شخصی اور قومی حقوق، آزادی اور آزاد خیالی کی جس آب و ہوا میں آج ہم زندگی بسر کر رہے ہیں اور حاکم و محکوم کے تعلقات کی جو نوعیت زمانہ حال میں قایم ہوئی ہے اسکے لحاظ سے سات سو برس پہلے کے مخصوص حالات، وقتی ضروریات اور سیاسی مصلحتوں کے متعلق کوئی صحیح اندازہ قایم کرنا مشکل ہے، مادر گیتی نے قتل و غارتگری کے ایسے خوفناک منظر خدا معلوم کتنے دیکھے ہونگے۔

اس نواح کے گھنے جنگل، ناقابل گذر صحرا اور بن مفسدوں اور باغیوں کے لئے جائے پناہ اور کمین گاہ کا کام دیتے تھے۔ کٹھیریوں کے مختلف قبیلے ان میں پناہ گزین تھے۔ اسی زمانہ میں جنگلوں کو کاٹ کر مختلف سڑکیں اور راہیں نکالی گئیں [2] اسلئے آج جن عمدہ اور محفوظ سڑکوں پر ہم اس نواح میں سفر کرتے ہیں اُنکے متعلق یہ معلوم ہوا کہ ابتداً کس ضرورت سے نکالی گئی

(بقیہ صفحہ ۱۷) کی اولاد تھے، تخت پر بیٹھنے کی اجازت تھی۔ ان امیروں اور شہزادوں کے نام پر دہلی میں محلے اور بازار آباد ہو گئے تھے۔ محلہ عباسی، سنجری، خوارزمی، دیلمی، علوی، اتابکی، غوری، رومی، یمنی، سمرقندی وغیرہ ۶۸۶ھ میں چوبیس سال ہوئے دبدبہ سے سلطنت کر کے انتقال کیا۔ [2] تاریخ فیروز شاہی صفحہ (۵۹)۔

[1] تاریخ فرشتہ صفحہ ۱۷۔ [2] ایلیٹ صفحہ ۲۵۲۔

تھیں یقیناً دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔

ملک امیر علی حاتم خان امروہہ کا پہلا جاگیردار

اوائل جلوس بلبنی میں ولایت امروہہ کے انتظام و انصرام کی عمدگی و بہتری کے خیال سے اقطاع امروہہ ملک امیر علی المخاطب بہ[1] حاتم خان سرجاندار کے جاگیر میں دے گئے[2]۔ ملک موصوف سلطان غیاث الدین بلبن کا مولازادہ، نہایت فیاض، سیر چشم، کریم النفس، قدردان علم، عالی ہمت، فراخ دل تھا، اسکی فیاضی اور بخشش کی بہتات کی وجہ سے اسکا لقب "حاتم خان" پڑ گیا تھا۔ حضرت امیر خسرو اسکے سرکار میں متوسل رہے۔ اسی امیر کے نام پر انہوں نے "اسپ نامہ" تصنیف کیا تھا۔ انکے

---

[1] اس سلسلہ میں ایک دلچسپ واقعہ قابل تذکرہ ہے۔ سلطان بلبن نے اقطاع امروہہ کے انتظام کے لیے اپنے ارکین سلطنت سے فرمائش کی کہ کسی ایسے شخص کو تجویز کریں جو اس خدمت (یعنی **خواجگی امروہہ**) کے لائق ہو نیز "اصیل باشد و ہم کاردان" ایسے شخص کو تجویز کر کے ہمارے سامنے پیش کرو۔ ارکین سلطنت نے ایک شخص کمال مہیار نامی کو منتخب کر کے "بہت **خواجگی امروہہ** پیش تخت گذرانیدند" سلطان نے فرمایا کہ اس سے دریافت کرو کہ اسکے نام میں مہیار کا جو لفظ شامل ہے اسکے کیا معنی ہیں۔ اس شخص نے جواب دیا کہ مہیار میرے باپ کا نام ہے، وہ ایک ہندو کا غلام تھا۔ یہ سنتے ہی سلطان بلبن غصہ سے بیتاب ہو گیا، ضبط نہ کر سکا تو محل سرا میں چلا گیا۔ ارکین سلطنت سلطان کی برہمی مزاج سے سخت خائف تھے۔ کچھ دیر کے بعد چند خاص ارکین کو سلطان نے باریابی کا موقع دیا اسوقت فرمایا کہ مجھے اس بات سے سخت رنج پہونچا کہ تم لوگ بخوبی واقف ہو کہ میں حکومت کے کسی کام پر کسی کم اصل، سفلہ یا رذیل شخص کو ہرگز مقرر نہیں کرتا اسپر بھی تم نے ایسے شخص کو امروہہ کی خواجگی کے لئے تجویز کیا۔ آئندہ اس بارے میں سخت احتیاط اور تاکید جانو۔ اور فرمایا کہ:-

"من نخواہم کہ لئیم و کم اصل و ناکس زادہ در دستہ دولتے کہ از خدا یافتہ ام شریک کنم۔ و شغل و اقطاع و تصرف دہم اگر بعد ازیں در معرض دادن اشغال و اقطاع و خواجگی و مشرفی و مدبری بہ لئیمے و بد اصلے و بد زادہ را اگر ہزار نوع ہنرمند باشد ابن کلاہداماں .... پیش من ذکر کنند من بایشاں آں کنم کہ عبرت جہانیاں گردد" (تاریخ فیروز شاہی صفحہ ۳۷)

دیوان میں اس فیاض امیر کی مدح میں متعدد مدایح و قصائد ہیں۔ ایک جگہہ فرماتے ہیں:

شاہ عہد اختیار دولت و دیں آفتاب شرف بجانہ زیں
ہم علی نام ہم بہ شیر دلی شیر دُلدُل سوار ہمچو علیؑ
عالمی چوں عناں بجنبانی لبر تازیانہ بستانی

صاحب تاریخ فیروز شاہی اس امیر کے حالات میں لکھتے ہیں کہ:-

"چہ مولازادہ کریم و نفیس و غریب و عجیب بود کہ او را شاہ عہد گویند و حاتم خان"
"خوانند و بخشش و اعطاء ملک امیر علی سرجاندار ہمہ ہزار ہا بود ے چنانکہ امیر خسرو"
"در مدح او گفتہ :- ے

"بحسر گفتم مانی بدست خان زکرم ؛ رواں بلرزہ در آمد کہ ایں محل نہ مراست"
"گہ سخا دُرد و یاقوت مایہ کف او ست ؛ گہ عطا خس و خاشاک مایہ کف ماست" [1]

ملک اعزالدین غوری حاکم امروہہ

عہد بلبنی میں کچھ عرصہ تک "خواجگی امروہہ" پر ملک عزالدین غوری مامور رہا۔ غالباً "چاہ غوری" جسے عوام گوری کنواں" کہتے ہیں [2]، اسی نامور حاکم سے منسوب ہے۔ سلطان معزالدین کیقباد کے عہد سلطنت میں ملک موصوف بادشاہ کے مقربان خاص اور نامور اراکین میں شامل تھا [3]۔

ملک عنبر سلطانی حاکم امروہہ

سلطان معزالدین کیقباد کے عہد میں امروہہ کا حاکم ملک عنبر سلطانی تھا۔ یہ شخص بہت بارسوخ اور منتظم تھا۔ امروہہ کی قدیم جامع مسجد

---

[1] تاریخ فیروز شاہی مطبوعہ صفحہ ۴۳۰] [3] تاریخ فیروز شاہی مطبوعہ ایشیاٹک سوسائٹی صفحہ ۲۶ (بقیہ صفحہ ۹۱)

[2] مؤلف تاریخ اصغری نے "چاہ غوری" کو محلہ شفاعت پوتہ کی ایک سیدانی مسماۃ گوری کا محفرہ لکھا ہے لیکن یہ صحیح نہیں معلوم ہوتا کیونکہ محلہ شفاعت پوتہ کی آبادی سے بہت پہلے ہی اس کنویں کا نام "چاہ غوری" کہنہ دستاویزات میں بغرض اظہار حدود

جواب حسدو کی مسجد کے نام سے موسوم ہے، اسی نے ۶۸۶ھ / ۱۲۸۷ء میں تعمیر کرائی تھی۔ اسی کے ساتھ "مدرسہ معزیہ" بھی قایم کیا تھا۔ مدرسہ اور دارالاقامہ کی عمارتیں بھی اس مقام پر تھیں جہاں اب مسکونہ مکانات ہیں، اسی کے متصل خانقاہ بھی تھی، علوم ظاہری و باطنی کے طالب آتے اور فیض پاتے ؎

مدارس در وبے حد و خانقاہ ❊ برائے مسافر کہ آید ز راہ

ملک چھجو سے نواح امروہہ میں جنگ

ملک چھجو سلطان غیاث الدین بلبن کا برادر زادہ تھا، سلطان جلال الدین فیروز خلجی نے اسے اقطاع کٹرہ کا حاکم بنایا تھا۔ ملک چھجو نے سلطان سے بغاوت اختیار کی، امیر علی حاتم خان سے، جو علاقہ امروہہ کا جاگیردار تھا، ملک چھجو کے مراسم اتحاد و یگانگت تھے۔ اسلئے وہ بادشاہی فوج سے مقابلہ کے لئے امروہہ آیا۔ ارکلی خان کی فوج سے مقابلہ ہوا۔ ملک چھجو کو شکست ہوئی، وہ دریائے رام گنگا پار اتر کے بھاگا لیکن مواسی مقدم نے گرفتار کرکے ارکلی خان کے حوالے کیا۔ سلطان نے قصور معاف کرکے ملتان کا حاکم بنا دیا۔ [۱]

تقریباً چوبیس برس تک اس نواح میں امن و امان رہا، کوئی فتنہ و فساد برپا نہ ہوا۔ ۶۸۹ھ / ۱۲۹۰ء میں باغیوں اور مفسدوں نے پھر سر اٹھایا جسکو حکومت کے زبردست ہاتھ نے پھر اسی سختی سے کچل دیا۔ سلطان جلال الدین فیروز خلجی بہت حلیم و کریم، انصاف پرور اور نیک نہاد بادشاہ گذرا ہے اسکے عہد سلطنت میں رعایا بہت شاد و آباد رہی۔ سلطان جلال الدین کے بعد سلطان علاء الدین اپنے چچا و خسر اور ولی نعمت کو دھوکے سے قتل کرکے تخت و تاج کا مالک بنا۔ علاء الدین بڑا زبردست لیکن درشت مزاج بادشاہ تھا۔ بدعاوت کے قصوں میں آج تک اسکا نام زبان زد خاص و عام ہے۔

(بقیہ صفحہ ۲۰) قطعات اراضی ملتا ہے نیز اس کی طرز تعمیر بھی بہ لحاظ قدامت عہد مغلیہ سے پہلے کی معلوم ہوتی ہے [۲] تاریخ مبارک شاہی و فیروز شاہی۔ [۱] منتخب التواریخ و کنز التاریخ۔

علاؤالدین خلجی کی سخت گیری کا اثر

اس بادشاہ کے عہد میں ملک کے مختلف حصوں میں متعدد بغاوتیں ہوئیں جن کو بڑی سختی کے ساتھ فرو کیا گیا۔ ان بغاوتوں کے وجوہ و اسباب بادشاہ کے مشیروں نے یہ بتلائے تھے:-

(۱) لوگوں کے معاملات سے بادشاہ کا بے خبر و لاعلم ہونا۔ (۲) شراب خوری کا رواج عام (۳) امراء و ملوک کی آپس میں محبت و قرابتیں۔ (۴) مال و زر کی رعایا میں بہتات۔

لوگوں کے حالات کے تجسس کے لئے جاسوس مقرر کئے، شراب کی فروخت بالکل موقوف کردی، امراء و ملوک کو ایک دوسرے سے میل و ملاقات کی ممانعت کی لیکن اس جابر اور سخت گیر بادشاہ کی سخت گیری کا جو اثر امروہہ و نواح امروہہ کی عام رعایا پر پڑا وہ اخذ اموال اور کشید زر کی جابرانہ پالیسی کا نتیجہ تھا۔ اس زمانہ کا مصنف ضیاء برنی لکھتا ہے کہ ولایت میان دوآب اور امروہہ و افغان پور اور تمام ملک کٹھیر سے طلب خراج کی اس سخت گیری کا یہ نتیجہ ہوا کہ:-

"و این کار چنان مستقیم کرد کہ تمرد و عصیان و اسپ سوار شدن و سلاح بر دست گرفتن"
"و جامۂ خوب پوشیدن و تنبول خوردن از چودھریان و خوطان و مقدمان بکلی برفت"
"و در ستدن خراج ہر ہمہ را یک حکم شد و کار اطاعت بجائے رسید کہ یک سرہنگ دیوان"
"قصبات بست خوط و مقدم و چودھری را رشتہ در گردن کردہ از برائے مطالبۂ خراج"
"از لت و چوب میزد و ہندو را سر بالا کردن ممکن نبودہ و در خانۂ ہندوان نقش زر و نقرہ"
"و تنگہ و جتیل و اسباب زیادتی کہ زیادتی و عصیان است نماندہ بود و از بے برگی زنان"
"خوطان و مقدمان در خانہائے مسلمانان می آمدند و کار می کردند و مزدوری می یافتند[1]"

غلہ و کپڑے کی ارزانی کے ضوابط

سلطان علاؤالدین کے عہد حکومت میں مغلوں نے ہندوستان پر متواتر حملے کئے۔ بادشاہ کو ان کے مقابلہ میں جنگی ساز و سامان کو

[1] تاریخ فیروز شاہی۔ صفحہ ۲۸۸۔

درست اور مستعد حالت میں رکھنا اور لشکر و سپاہ کی تعداد میں اضافہ کرنا ضروری تھا جسکے متعلق اُسکے وزیروں اور مشیروں نے متفق اللفظ ہوکر کہا کہ تاوقتیکہ گھوڑے اور اسلحہ اور سپاہی کی تمام ضروریات اور لشکریوں اور اُن کے اہل و عیال کے اسباب معاش نہایت ارزانی پر نہ آجاویں اُسوقت تک لشکر کی تعداد اور فوج کی حالت بادشاہ کی آرزو و خواہش کے مطابق نہ درست ہوسکتی ہے اور نہ مستقل رہ سکتی ہے۔ بادشاہ نے پونے پانچ لاکھ سوار رکھنے کا انتظام کیا اور اس غرض سے گھوڑے، غلّہ اور کپڑے وغیرہ کی ارزانی کے لئے چند ضابطے مقرّر ہوئے جن کو مورّخین نے آٹھ حصّوں میں منقسم کیا ہے، ازانجملہ غلّہ کی شرح کا بادشاہ کے دربار سے مقرر ہونا، سرکاری کھیتوں میں غلہ کا اکٹھا کرنا، ہر منڈی میں شحنہ اور "معتبران" کا مقرر ہونا، ملک بھر کے تاجروں کی اسم نویسی اور اُنکا شحنہ منڈی کے زیر نگرانی رہنا، اور ہر منڈی کی حالت کی دربار میں اطلاع ہونا وقس علیٰ ہذا۔ چنانچہ سوئی سے لیکر گھوڑےٹکے کی قیمت کا نرخ بادشاہ نے خود مقرر کیا۔ خالصہ کے دیہات سے بجائے نقدی کے غلہ لیتا تھا، وہ غلّہ خشک سالی کے موسم میں اپنے گودام سے اسی نرخ پر بیچتا تھا ان ضوابط میں سے صرف ضابطۂ پنجم کو ذیل میں نقل کرتا ہوں اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ اس ضابطہ کا اس خطّہ ملک کے باشندگان پر جس میں شہر آرہ واقع ہے، کیا اثر پڑا ہوگا:۔

"ضابطۂ پنجم - خراج میان دوآب ولایت سدکردہی بہ بیخ کنند کہ رعایا نتوانند کہ دو من غلہ ذخیرہ کنند و چناں بشدت بطلبند کہ رعیت غلّہ بر سر کشت بدست کاروانیاں بفروشند[1]"

پانچواں ضابطہ - ملک دوآبہ اور دوسرے صوبہ سے مالگذاری اس طریقہ پر وصول کیجائے کہ رعایا میں سے کوئی اپنے یہاں دو من غلّہ اکٹھا نہ کرسکے اور مالگذاری کے وصول کرنے میں اتنی سختی کیجائے کہ رعایا فصل کے وقت غلّہ بنجاروں کے ہاتھ فروخت کردینے پر مجبور ہو۔

شرح اجناس کا موازنہ

غالباً یہ معلوم کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ چھ سو برس پہلے جو شرح اجناس سلطان علاء الدین خلجی نے ارزانی غلّہ کے لئے مقرر کی تھی وہ کیا تھی؟

[1] تاریخ فیروز شاہی صفحہ ۳۰۵۔

ذیل میں وہ نرخ نامہ ایک نقشہ کی شکل میں ناظرین کی ضیافت طبع کے لئے درج کیا جاتا ہے۔ اس شرح نرخ کے متعلق اُس زمانہ کا مورخ لکھتا ہے کہ یہ امر عجائب روزگار میں سے ہے کہ نرخ مذکور نزول باراں و امساک باراں دونوں حالتوں میں سلطان علاؤالدین کے زمانہ تک بدستور قایم رہا۔ مزید واقفیت کے لئے نرخ اجناس بعہد اکبری و قیمت سکۂ حال بطور موازنہ درج ہے۔ اگرچہ عہد ماضیہ میں سکہ کی کمیابی اور زمانہ حال میں اسکی بہتات و فراوانی کا لحاظ کرتے ہوئے ان تینوں زمانوں کی مروجہ قیمت کا صحیح موازنہ کرنا دشواری سے خالی نہیں تاہم ایک سرسری اندازہ اس امر کا ضرور ہو سکتا ہے کہ اب سے چھ سو برس پیشتر انسانوں کو اپنی ضروریات زندگی و ما یحتاج حاصل کرنے کے لئے آجکل کی سی جد وجہد کی مطلق ضرورت نہ تھی اور نہ موجودہ کشمکش حیات کا کوئی تلخ اثر اس زمانہ کے لوگوں کی زندگی کو بدمزہ کئے ہوئے تھا:۔

موازنۂ نرخ اجناس

نام جنس	در	شرح اجناس بزمانہ علاؤالدین خلجی سنہ ۶۹۵-۷۱۵ھ: سکہ رائج الوقت	مطابق سکۂ حال	شرح اجناس بزمانہ شہنشاہ اکبر سنہ ۹۶۳-۱۰۱۴ھ: سکۂ رائج الوقت	مطابق قیمت سکۂ حال
حنطہ (گندم)	در منے	۷½ جیتل	۱½ پیسہ	۱۲ دام	۲ ر ۹ پائی
جو	"	۴ "	⅚ پیسہ	۸ دام	۳ ر ۳ پائی
شالی (چاول)	"	۵ "	۱ پیسہ قدرے کم	۱۰ دام	دو روپیہ آٹھ آنہ
ماش	"	۵ "	۱ "	۱۶ دام	۲ ر ۵ پائی
نخود	"	۵ "	۱ پیسہ	۸ دام	۳ ر ۲ پائی
موٹھ	"	۳ "	⅚ پیسہ	۱۲ دام	۴ ر ۱۰ پائی
نبات	ایک سیر	دو نیم جیتل	½ پیسہ قدرے زائد	۶ دام	۲ ر ۵ پائی

لہ اکبری من زمانہ حال کے ۲۶۔ سیر کی برابر تھا ——— اور سلطان علاؤالدین کے زمانہ میں تقریباً ۱۴ سیر

شرح اجناس بزمانہ علاءالدین خلجی
سنہ ۶۹۵-۷۱۵ھ

شرح اجناس بزمانہ شہنشاہ اکبر
سنہ ۹۶۳-۱۰۱۴ھ

نام جنس	در	سکہ رائج الوقت	مطابق سکہ حال	سکہ رائج الوقت	قیمت سکہ حال
شکر سرخ	۲ سیر	یک نیم جیتل	لم پیسہ		
شکر تری	یک سیر	یک نیم جیتل	لم پیسہ		
روغن کنجد	۳ سیر	یک جیتل	لہ پیسہ	۸۰ دام	عہ
مادہ گاو گوشتی	یک راس	۳ تنکہ	۱۲/ آر		
۔ شیر آور	"	۴ "	ھہ		
گاو میش گوشتی	"	۵ "	۴/ ے		
" شیر آور	"	۱۰ "	۸/ مہ		
(چربی) روغن ستور	½	یک جیتل	لہ پیسہ		
نمک	یکمن دہ دیہہ	۵ جیتل	ار قدر کم پیسہ		

غلہ اور اشیاء خوردنی کی طرح ضروریات زندگی کی اور چیزیں بھی یقیناً سستی ہونگی۔ ضیاء برنی نے اپنی کتاب میں کپڑے کی مختلف اقسام کے نرخ جو اُس زمانہ میں رائج تھے درج کئے ہیں۔ اسلحہ وگھوڑے ودیگر ضروریات کی قیمتیں لکھی ہیں۔

ارزانی نرخ کے متعلق اس تمام جدوجہد کا جس میں جبر اور انتہائی سخت گیری سے کام لیا گیا تھا یہ نتیجہ ضرور ہوا کہ سلطان کے حشم وخدم اور فوج ولشکر کی تعداد بڑھ گئی اور حالت سدھر گئی جسکی بدولت مغلوں کو پے درپے شکستیں دی جاسکیں:۔

"وبعد ارزانی اسباب واستقامت حشم شہر باب کہ مغل قصد ولی وولایت دہلی میکرد منہزم گشتے"[۱]	چیزوں کی ارزانی اور بادشاہ کے لشکر کی عمدگی کی وجہ سے جب کبھی مغل دلی اور ممالک دہلی پر حملہ آور ہوتے شکست کھاتے"

[۱] تاریخ فیروز شاہی۔

ولایت امروہہ میں مغلوں سے جنگ

ساتویں صدی ہجری میں تاتاری مغلوں کا ٹڈی دل تمام دنیا کے فتح کرنے کے قصد سے منگولیا کے پہاڑوں سے امڈا، ایک طرف تو خوارزم، بخارا، ترکستان، ایران وغیرہ ممالک اسلامی کو روندتا ہوا عراق عرب تک پہونچا اور خلافت وسلطنت اسلامی کا خاتمہ کردیا۔ دوسری طرف یہ سیلاب ہندوستان کی جانب بڑھا۔ اور ہندوستان کے سرحدی مقامات سے بار بار ٹکرایا۔ اس زمانہ میں مغلوں کی قوم دین اسلام سے ناآشنا اور کفروشرک کی ضلالت میں گرفتار تھی۔ جس سفاکی اور بربریت کی کارروائیاں ان لادینوں کے ہاتھوں اسلامی ممالک میں ہوئیں اسکے دردناک حالات سے تاریخ کے صفحات سیاہ ہیں۔ یہ کہنا مبالغہ نہیں کہ طوفان نوحؑ کے بعد جو بلائے عظیم انسانوں پر نازل ہوئی وہ یہ چنگیز خانی طوفان تھا۔ انکا مذہب تو معلوم نہیں مگر ایمان یہ تھا جہاں جائیں وہاں نسل انسانی مٹائیں۔ ۶۱۸ھ ۱۲۲۱ء میں جلال الدین بادشاہ خوارزم اپنی جان بچانے کے لئے خوارزم سے بھاگ کر دریائے سندھ کے اسطرف چلا آیا، اسکے پیچھے مغلوں کی فوج بھی ملتان و سندھ میں داخل ہوئی۔ یہ زمانہ سلطان التمش کا تھا اس نے بھی بہت سا لشکر لیکر بھیجا لیکن جلال الدین نے یہاں قیام کا موقع نہ دیکھا کچ و مکران کی جانب چلا گیا اسلئے مغلوں کی فوج بھی الٹی پھر گئی مگر چلتے چلتے دس ہزار ہندیوں کو لونڈی غلام بناکر لے چلی لیکن رسد کی تنگی کے باعث راستہ ہی میں ان سب کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اسکے بعد تقریباً بیس سال تک مغلوں نے ادھر توجہ نہ کی سلطان التمش کے بیٹے معزالدین بہرام شاہ کے وقت میں لاہور پر چنگیز خانی مغلوں نے ۶۳۹ھ ۱۲۴۱ء میں پھر حملہ کرکے مسلمانوں کو قتل و اسیر کیا۔ ابتدائی عہد بلبنی میں یہ بلا ہندوستان پر منڈلا رہی تھی۔ سلطان غیاث الدین بلبن سے جب وزراء و مشیران سلطنت عرض کرتے کہ شاہان سابق کی طرح ہندوستان کے مختلف اقطاعات پر فوج کشی کیجیے تو وہ ان مغلوں کے ارادوں کا ذکر کرتا اور کہتا:۔

"آنچہ در کار جہانگیری شاہی گوید در دل من بیش ازاں است کہ تا شما می شنوید کہ تمہا
مغل چنگیز خانی برزن و بچہ و گلہ و رمہ در بناگوش مملکت من نشستہ ہست و در غزنین
و کرمان و ماوراء النہر ساکن شدہ و ہلاکو نبیرہ چنگیز خان با چندیں تمن مغل عراق را
فرو گرفتہ است و در بغداد متمکن گشتہ و آں طامعین بسیار مال و منال ہندوستان را
شنیدہ اند و نہب و تاراج ہندوستان در دل دارند۔ لاہور کہ سرحد مملکت ما است
زدہ اند و خراب کردہ و سالے نمی گذارند کہ ایشاں در مملکت ما نمی آیند و تلونڈیہا را
نہب می کنند۔"[1]

خلاصہ یہ کہ عہد بلبنی میں مغلوں نے ملتان و سندھ کی جانب سے متعدد بار حملے کئے اول اول تو شیر خان[2] حاکم پنجاب اس سیلاب کو اپنی بامردی سے روکتا رہا۔ اسکے انتقال پر سلطان بلبن نے اپنے بڑے بیٹے محمد سلطان[3] کو، جو خان شہید کے نام سے مشہور ہے، قاآن الملک کا خطاب

---

[1] تاریخ فیروز شاہی صفحہ ۸۰۔ [2] شیر خان سلطان غیاث الدین بلبن کا چچا زاد بھائی تھا شجاعت و جوانمردی میں مشہور آفاق۔ سلطان التتمش کے مرنے کے تیس سال بعد تک صرف اسی کی شخصیت تھی کہ سرحد ہند پر مغلوں کے حملوں کی سپر بنکر رہا۔ اسنے جاٹوں، گکھڑوں، بھٹیوں، پنجاب کی اور دوسری سرکش قوموں کو مار دھاڑ کرکے قابو میں رکھا تھا۔ بٹنیر میں عالیشان گنبد اور بھٹنڈے کا حصار اسی کے تعمیر کرائے ہوئے تھے۔

[3] محمد سلطان خان نام، قاآن الملک لقب۔ سلطان غیاث الدین بلبن کا فرزند اکبر، جو خان شہید کے نام سے مشہور ہے، بذات خود بڑا صاحب کمال تھا۔ اسکے یہاں بہت سے علماء و فضلاء جو اس زمانہ میں اپنا نظیر نہ رکھتے تھے، جمع تھے۔ حضرت امیر خسرو اور خواجہ حسن پانچ سال تک اسی شہزادہ کے نوکر رہے، وہ انکی بہت تعظیم و تکریم کرتا تھا۔ حضرت امیر خسرو کا قول ہے کہ "بجودت طبع و دریافت معنی دقیق و سخن شناسی و یادداشت معنی اشعار متقدمین و متأخرین ہمچو محمد سلطان ملک کسے را کم دیدہ ام"۔ اسی لیاقت و قابلیت کی بنا پر اسنے بیس ہزار منتخب اشعار کی ایک بیاض مرتب کی تھی، شعرائے زمانہ اسکی نقل حاصل کرنے کی تمنا رکھتے تھے۔ اسی شہزادہ نے حضرت شیخ سعدی کو بھی ہند

دیگر پنجاب وملتان کا حاکم مقرر کیا۔ لیکن مغلوں کی ایک لڑائی میں یہ شہزادہ شہید ہوا۔ اسی لڑائی میں حضرت امیر خسرو اور خواجہ حسن مغلوں کے ہاتھ میں گرفتار ہوئے تھے۔

"در شہور اربع وثمانین وستمایہ ۶۸۴ خان ملتان را
کہ پسر بزرگ سلطان بلبن و ولیعہد او و پشت پناہ
ملک او بود درمیان لوہور و دیوبالپور با تمر ملعون
کہ سگے سگرف از سگان چنگیز خانی بود محاربہ و
مقاتلہ افتاد و از قضاء قدر باری تعالیٰ خان ملتان
با امرا و سروران و معتبران لشکر دران محاربہ شہید شد"

سنہ ۶۸۴ھ / ۱۲۸۵ء میں خان ملتان کو جو سلطان بلبن کا بڑا بیٹا
ولیعہد اور اسکے ملک وسلطنت کا پشت پناہ تھا لاہور
اور دیبالپور کے درمیان تمر ملعون سے جو چنگیز خانی کتوں
میں بڑا کتا تھا معرکہ قتال وجدال پیش آیا۔ خدا تعالیٰ کی
مرضی کہ خان ملتان امرا اور لشکر کے سرداروں کے
ساتھ اس جنگ میں شہید ہو گیا۔

(بقیہ صفحہ ۲۷) خرچ بھیجکر بلایا تھا مگر انھوں نے اپنی پیرانہ سالی کا عذر کیا اور ایک کتاب اپنے اشعار کی تحفتاً بھیجی اور حضرت امیر خسرو کی سفارش کی اور انکے ہم صحبت ہونے کی مبارکباد دی۔ خان شہید درویشوں کا بڑا قدر شناس تھا اور ایسا مہذب و مؤدب کہ عمر بھر کبھی زبان سے کسیکو برا لفظ نہ کہا۔ ارغون خان بن اباقا خان بن ہلاکو خان نے تیمور خان حاکم غزنی کو ہندوستان کی تسخیر کیلئے بھیجا جب اسنے دیبالپور اور لاہور کے درمیان بیس ہزار سوار لیکر تاخت وتاراج شروع کی اور ملتان کی طرف متوجہ ہوا تو خان شہید دن چڑھے اسکے مقابلہ کو ملتان سے باہر نکلا اور دوپہر کو دریا کے کنارے ظہر کی نماز کے وقت پہنچا۔ لڑائی شروع ہوئی۔ مغلوں کے کئی نامی سردار قتل ہوئے تیمر بھاگ گیا امرا ہند نے برخلاف حزم واحتیاط اسکا تعاقب کیا۔ خان شہید اجل رسیدہ نے ظہر کی نماز نہیں پڑھی تھی وہ ایک تالاب پر وضو کرکے پانسو آدمیوں کے ساتھ نماز پڑھنے لگا کہ اس اثنا میں ایک مغل سردار نے جو دو ہزار سوار لئے ساتھ کمین میں بیٹھا تھا یکایک حملہ کردیا۔ شہزادہ اور اسکے ساتھیوں نے بھی خوب مقابلہ کیا اور داد شجاعت دی متعدد حملے کرکے مغلوں کو پسپا کیا اور قریب تھا۔ کہ مظفر و کامیاب ہو کہ ناگاہ ایک تیر شہزادہ کے آ کر لگا کہ وہ پیغام اجل تھا شہزادہ کی شہادت اس زمانہ میں ایک ایسا حادثہ ہوا کہ چھوٹے بڑے سب آٹھ آٹھ آنسو روتے تھے۔ حضرت امیر خسرو نے خان شہید کا بڑا دردناک مرثیہ کہا جسکے چند شعر یہ ہیں ~

واقعہ ہست یا بلا از آسمان آمد پدید
آفت است این یا قیامت در جہان آمد پدید

سنہ ۶۹۱ھ ۱۲۹۲ء میں بعہد سلطان جلال الدین فیروز شاہ خلجی مغلوں نے پھر اسی طرف سے ہندوستان پر چڑھائی کی۔ اس مرتبہ معاملہ صلح پر ختم ہوا اور کچھ مغلوں نے دین اسلام قبول کر کے ہندوستان میں سکونت اختیار کر لی۔

"والغو نبیرۂ چنگیز خان لعین با چند امیر ہزارہ و امیر صدہ مغل بسلطان پیوست و آں مغلاں ہر ہمہ کلمہ گفتند و مسلمان شدند و سلطان الغو را بہ دامادی مشرف گردانید"[۱]	اور الغو چنگیز خان کا پوتا مغلوں کے چند ہزاری اور صدی امیروں کے ساتھ سلطان سے آملا۔ ان مغلوں نے دین اسلام قبول کر لیا اور سلطان نے الغو کو اپنی دامادی کا بھی شرف بخشا۔

اسکے بعد مغلوں کے حملے ہوتے رہے لیکن یہ سب حملے ہندوستان کے شمال و مغربی سرحد کی جانب ہوئے تھے۔ سنہ ۷۰۵ھ ۱۳۰۵ء میں بعہد سلطان علاء الدین خلجی مغلوں نے بڑی جمعیت کے ساتھ ہندوستان پر فوج کشی کی لیکن اس مرتبہ بجائے شمال و مغرب کی جانب سے حملہ آور ہونے کے کوہ سوالک کی تلہٹی میں ہو کر **ولایت امروہہ** پر حملہ آور ہوئے۔

"علی بیگ و ترتاک کہ سران لشکر مغل بودند و نام گرفتہ و علی بیگ را از فرزندان چنگیز خان ملعون می گفتند با سی و چہل ہزار سوار مغل کنارہ کوہ گرفتہ در ولایت امروہہ در آمدند"[۲]	علی بیگ اور ترتاک جو مغلوں کے لشکر کے نامور سردار تھے اور علی بیگ کو لوگ چنگیز خان کی اولاد میں بتاتے تھے وہ تیس یا چالیس ہزار مغل سواروں کے ساتھ پہاڑ کی تلہٹی میں ہو کر ولایت امروہہ میں داخل ہو گئے۔

یہ لوگ دامن کوہ سوالک سے ہوتے ہوئے ضلع بجنور کی جنوبی سمت سے امروہہ کے علاقہ میں داخل ہوئے۔ امروہہ اور علاقہ امروہہ کو بھی خوب لوٹا کھسوٹا تباہ و برباد کیا۔

(بقیہ صفحہ ۲۸)

راہ در بنیاد عالم داد سیل فتنہ را | رخنہ کا مسال در ہندوستاں آمد پدید

مجلس یاراں بر لبناں ستد چو برگ گل بباد | برگ ریزی گوئی اندر گلستاں آمد پدید

[۱] تاریخ فیروز شاہی بابت صفحہ ۲۹ [۲] تاریخ فیروز شاہی صفحہ ۲۱۹ [۳] تاریخ فیروز شاہی صفحہ ۳۲۰

"و در کندن و سوختن و کشتن و بند کردن و فسق و فجور دقیقہ فرو نگذاشتند" [1]	لوٹ کھسوٹ، قتل و غارتگری اور فسق و فجور میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔

بادشاہ نے مغلوں کے حملہ کی خبر پاتے ہی ملک کافور یعنی (ملک نائب) اور غازی ملک تغلق کو بڑے بھاری لشکر کے ساتھ مغلوں کے مقابلہ کے لئے بھیجا اور ہدایت کی کہ نہایت عجلت کے ساتھ امروہہ پہونچیں اور ایک مغل کو بھی زندہ نہ چھوڑیں چنانچہ حدود امروہہ میں دونوں لشکروں کا مقابلہ ہوا اور بڑا سخت رن پڑا۔

"سلطان علاء الدین ملک نائب باربک را با لشکر اسلام نامزد لشکر مغل کرد ہم دراں حدود امروہہ ہر دو لشکر را محاربہ رو داد باری تعالیٰ لشکر اسلام را ظفر بخشید" [2]	سلطان علاء الدین نے ملک نائب باربک کو لشکر اسلام کے ساتھ مغلوں کے مقابلہ کے لئے بھیجا حدود امروہہ میں دونوں لشکروں کا مقابلہ ہوا۔ جنگ میں خدا تعالےٰ نے لشکر اسلام کو فتحیاب کیا۔

یہ لڑائی رہب ندی (یعنی دریائے رام گنگا) کے کنارے ہوئی تھی۔ طرفین سے نبرد آزما دل کھولکر لڑے مگر نتیجہ مغلوں کے خلاف ہوا، انکے دونوں سردار زندہ گرفتار ہوئے اور ہزاروں اس معرکہ میں کام آئے اور جو گرفتار ہوئے وہ اپنے دونوں سرداروں کے ساتھ دہلی بھیجے گئے۔ اس لڑائی میں بہت کچھ مال غنیمت شاہی لشکر کے ہاتھ آیا صرف گھوڑوں کی تعداد بیس ہزار تھی۔

شاہی لشکر مال غنیمت اور قیدیوں کے ساتھ جب دہلی پہنچا بادشاہ نے شہر سے باہر آکر چبوترۂ سلطانی پر دربار عام کیا اور اس مقام سے اندرپت (دہلی قدیم) تک دورویہ لشکر کھڑا کیا گیا تھا اور اس روز اژدہام خلق اتنا تھا کہ پانی کا ایک کوزہ بیس جیتل یا نصف تنکہ میں بھی نہیں ملتا تھا۔ دونوں مغل سرداروں کو ہاتھی کے پیروں سے کچلوایا گیا اور قیدی مغل گردن مار دیئے

---

[1] از تاریخ فرشتہ صفحہ ۱۱۰۔ نول کشور۔

[2] تاریخ فیروز شاہی۔ صفحہ ۳۲۲۔

اور آٹھ ہزار مغلوں کے سر نیزوں پر آویزاں کر کے شہر میں گشت کرائے گئے بروایت صاحب تاریخ وصاف مقتولین کے سروں کا شمار ساٹھ ہزار تک پہنچا تھا، اس جنگ کے بعد پھر کبھی مغلوں کو امروہہ پر فوجکشی کی جرأت نہیں ہوئی۔

مغلوں کے سر قلعہ کے دروازہ پر عبرت کے لئے لٹکائے گئے تھے۔ ایک شاعر نے اس زمانہ میں ایک کتبہ لکھکر مغلوں کے سروں کے برابر دروازہ قلعہ پر آویزاں کیا تھا وہ رباعی یہ ہے:۔

اے حصن کہ تائید خدا یار تو باد	فتح و ظفر شاہ علمدار تو باد
از تو ملک زمانہ معمار تو باد	طرغی چو علا بیگ گرفتار تو باد

امروہہ میں شاہی فوج کی چھاؤنی

مغلوں کے حملہ کے خوف سے امروہہ میں فوجی چھاؤنی قائم کیگئی اور کافی تعداد میں لشکر یہاں رکھا گیا۔ سلطان علاؤالدین خلجی کے ندیمان اور مقربان خاص میں سے ملک ہزبرالدین **ظفر خان** جو شجاعت اور دلاوری میں اپنا ثانی و نظیر نہ رکھتا تھا اور جسکا نام ہی مغلوں کے لئے خوف و ہراس کا باعث تھا اسکی فوج کا بڑا حصہ یہاں متعین تھا۔ خود یہ نامور امیر بھی کچھ مدت تک امروہہ میں مقیم رہا، اسکے عمال و کارکن یہاں رہتے تھے۔ سلطان علاؤالدین کے عہد میں جب حاجی مولائے بغاوت کی اور ملک حمیدالدین امیر کوہ نے باغیوں کا مقابلہ کیا تو ظفر خان کے آدمیوں نے جو امروہہ سے اس زمانہ میں (۶۹۹ھ ۱۳۰۰ء) دہلی گئے ہوئے تھے بغاوت فرو کرنے میں ملک موصوف کی امداد و اعانت کی:۔

"و چندے یاران ظفر خان کہ بجہت عرض گذاشتن از امروہہ در شہر دہلی آمدہ بودند با ملک امیر کوہ و لپسران او یار شدند"[1]	اور ظفر خان کے کچھ آدمی جو عرضداشت پیش کرنے کی غرض سے امروہہ سے دارالخلافہ دہلی میں آئے ہوئے تھے ملک امیر کوہ اور اس کے بیٹوں کی مدد پر مستعد ہو گئے۔

---

[1] تاریخ فیروز شاہی۔ صفحہ ۲۸۱۔

اس زمانہ میں امروہہ کا علاقہ نیز قرب و جوار کے علاقہ جات تمام تر خالصہ[1] تھے اور شاہی لشکر کے مصارف میں اسکی آمدنی خرچ ہوتی تھی۔

"کول و برن و میرٹھ و امروہہ و افغانپور و کابیر و تمامی ولایات میان دوآب در طاعت حکم یکدہ گرفت و در خالصہ در آوردند و در وجہ حشم نہادند"[2]	کول (علیگڑھ)، برن (بلند شہر)، میرٹھ، امروہہ، افغانپور و کابیر دوآبہ کے ان تمام علاقوں کو ایک حیثیت میں لاکر خالصہ میں شامل کر لیا گیا اور انکی آمدنی فوج کے اخراجات کیلئے مخصوص کردی گئی"

شہزادہ خضر خاں کا امروہہ میں قیام

سلطان علاءالدین خلجی کا بڑا بیٹا شہزادہ خضر خاں[3] جو ولیعہد سلطنت بھی تھا کچھ عرصہ بحکم شاہی امروہہ میں مقیم رہا۔

---

[1] خالصہ کے لغوی معنی خالص اور ایسی چیز کے ہیں جس میں کسی دوسری چیز کی آمیزش نہو۔ اصطلاح میں اُس زمین اور ملک کو کہتے ہیں جو شاہی مصارف کیلئے مخصوص ہو اور کسی دوسرے کی جاگیر میں شامل نہ ہو۔ [2] تاریخ فیروز شاہی صفحہ ۳۲۴۔ [3] شہزادہ خضر خاں پسر سلطان علاءالدین خلجی ملکہ جہان کے بطن سے تھا۔ حضرت امیر خسرو نے اس شاہزادہ اور راجہ کرن والی گجرات کی بیٹی دیولدی کے عشق و محبت کی تاریخی داستان اپنی مشہور مثنوی دولرانی خضر خاں میں، جسکا دوسرا نام عشقیہ بھی ہے، بیان کی ہے۔ خضر خاں کی پہلی شادی اپنے ماموں الپ خاں کی لڑکی سے ۷۱۱ھ ۱۳۱۱ء میں ہوئی تھی۔ دوسرا نکاح دولرانی کے ساتھ ۷۱۳ھ ۱۳۱۳ء میں ہوا۔ راجکماری دیولدی کے حرم سرائے شاہی میں آنے کی داستان دلچسپ ہے جو مختصراً یہاں درج کیجاتی ہے۔ ۶۹۷ھ ۱۲۹۷ء کے ابتدائی مہینوں میں الماس بیگ المخاطب بہ الغ خاں جو سلطان علاءالدین خلجی کا بھائی تھا، اور نصرت خاں جالیسری، جو منصب وزارت پر ممتاز تھا، مہم گجرات پر مامور ہوئے اور ایک لشکر جرار لیکر راجہ کرن والی گجرات پر حملہ آور ہوئے۔ راجہ شاہی لشکر کے مقابلہ کی تاب نہ لاسکا فرار ہوگیا۔ اس جنگ میں مال غنیمت کے ساتھ راجہ کرن کی رانی کنولا دیوی اور دوسری عورتیں بھی اسیر ہوکر دہلی آئیں۔ کنولا دیوی حرم شاہی میں داخل کیگئی اور بوجہ اپنی خوبصورتی، خوش سیرتی اور سلیقہ مندی کے سلطان علاءالدین کے دل میں بہت جلد اسنے قدر و منزلت پیدا کر لی۔ ایک دن سلطان کو خوش پاکر اسنے یہ درخواست کی کہ میری دو لڑکیاں جو گجرات میں چھوٹ گئی تھیں ان میں سے ایک تو خدام شاہی پر تصدق ہو چکی ہے مگر دوسری زندہ ہے، خون کے تعلق سے دل

مؤرخین نے لکھا ہے کہ سلطان علاء الدین بیمار پڑا، خضر خان اور اسکی والدہ ملکہ جہاں اور اسکے ماموں اور خسر الپ خان کی جانب سے ملک کافور نے جو عرصہ سے حصول سلطنت کا خیال دماغ میں پکا رہا تھا، جھوٹے سچے قصے ملا کر بادشاہ کو بدظن کر دیا۔ الپ خان تو فوراً قتل کر دیا گیا لیکن خضر خان کو نسبتاً کم سزا دیگئی۔ چتر و دورباش، جو ولیعہدی کی علامتیں تھیں، اس سے واپس لے لی گئیں اور اسے امروہہ رہنے کا حکم ہوا، نیز یہ کہ بلا طلب دہلی نہ آئے۔ خضر خان جب میرٹھ کے علاقہ سے آگے بڑھا تو یہ شاہی عتاب نامہ ملک حسام الدین کے ذریعہ اسکو پہنچا، جسکی فوراً تعمیل کیگئی، اور چتر و دورباش، ملک حسام الدین کو سپرد کر کے خود امروہہ چلا گیا۔ امروہہ پہنچکر اپنی بیگناہی اور شاہی عتاب پر سخت رنج والم میں مبتلا رہا۔ کچھ دن تو سیر و شکار میں دل بہلاتا رہا

(بقیہ صفحہ ۴۲) بے اختیار سینہ میں تڑپ رہا ہے اگر حضور کی توجہ ہو جائے تو میرا مطلب حاصل ہو سکتا ہے۔ چونکہ سلطان خضر خان کے لئے پہلے ہی سے کسی عمدہ موقع کا متلاشی تھا اسلئے رانی کنولا دیوی کی یہ درخواست اسکو پسند آئی۔ رائے کرن کو رشتہ کا پیغام بھیجا، اسنے نہایت خوشی اور فخر کے ساتھ اس پیغام کو منظور کیا اور چاہتا تھا کہ شاہانہ جہیز فراہم کر کے دیولدی کو دہلی روانہ کر دے لیکن ادھر سلطان کی رائے تبدیل ہوگئی اور گجرات کو ممالک محروسہ میں شامل کر لینے کا فیصلہ قرار پایا۔ الف خان اور دیگر سرداران لشکر اس مہم پر مامور ہوئے۔ جب یہ لشکر گجرات پہنچا تو راجہ کو سوائے گریز کے کوئی بچاؤ کی صورت نظر نہ آئی فوراً دیوگیر کیطرف گھوڑے کی باگ پھیر دی۔ جب سنگھن دیو کو معلوم ہوا کہ رائے کرن اس علاقہ میں آیا ہے اور مدد کا خواستگار ہے تو اسنے اپنے بھائی بھیلم دیو کو دیولدی کیلئے پیغام دیکر بھیجا جو مجبوراً منظور کرنا پڑا اور تمام شرائط طے پا کر دیولدی رخصت کر دیگئی۔ دیولدی چند آدمیوں کی حفاظت میں دیوگیر کیطرف جا رہی تھی ابھی چند میل کا فاصلہ باقی تھا کہ اچانک شاہی فوج کے ہراول سے مڈبھیڑ ہوگئی۔ طرفین سے تیر اندازی ہونے لگی۔ اتفاقاً ایک تیر دیولدی کے گھوڑے کے لگا جو فوراً گر پڑا۔ چنانچہ دیولدی اسطرح اسیر ہو کر ایک جرار فوج کے ساتھ دہلی کو روانہ کیگئی اور محلسرا میں داخل ہوئی۔ یہ واقعہ ۷۰۶ھ ۱۳۰۶ء کا ہے۔ محلسرا میں خضر خان اور دیولدی کے ایک جگہ رہنے سے حضرت عشق کو اپنی آگ بھڑکانے کا موقع ملا۔ بالآخر ۱۳۱۰ء میں عاشق و معشوق اپنی مراد کو پہنچے لیکن انکا جو دردناک انجام ہوا اسکے ذکر سے قلم کا سینہ چاک ہے۔

پھر یہ سوچا کہ میں بالکل بےقصور ہوں مجھے فوراً سلطان کے حضور میں حاضر ہو جانا چاہیے، یہ سوچکر امروہہ سے بلا طلب دہلی کو روانہ ہو گیا۔ حضرت امیر خسروؒ نے مثنوی دولرانی میں خضر خان کے امروہہ آنے کا حال تحریر کیا ہے۔ بادشاہ نے جو عتاب نامہ بصورت فرمان بھیجا تھا اس میں خضر خان کے ماموں اور خسر الپ خان کے قتل سے جو صدمہ اسے پہنچا تھا اس کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے :۔ [1]

دلت دانم کہ بشکست از پے خال — شکار و گشت بہ باشد دریں حال
ز آب گنگ تا دامان کہسار — نہ بینی خاستہ یک سوزن خار
بر آنگونہ است صحراہائے نخچیر — کہ دہ آہو تواں کشتن بیک تیر
باقطاع تو کردیم آں زمیں خاص — کہ باشد رہ برہ خنگ تو رقاص
بامروہہ نشیں با لشکر خویش — کہ بر کوہ آزمائی خنجر خویش
رواں کن سوئے حضرت ہر چہ ہست — علامتہائے سلطانی کہ آنجاست
ز چتر و دور باش و پیل و رایت — کہ حکم ما براں دادت ولایت
علامتہائے شاہی دادہ شاہ — حسام الدین ملک را کرد ہمراہ
وزاں سو خود بفرمان با دل تنگ — سوئے امروہہ کرد از میرٹھ آہنگ
گذشت از گنگ با خاصاں تنے چند — کلہ را سایہ بر امروہہ افگند
بامروہہ درون غمناک بنشست — چو گل با سینہ صد چاک بنشست

اس زمانہ میں امروہہ سے جانب شمال کا علاقہ جو اب ضلع بجنور میں شامل ہے بوجہ گھنے جنگل و بیابان ہونے کی باعث عمدہ شکارگاہ تھا اس شکارگاہ میں شہزادہ ایام جلاوطنی میں شکار و چوگان بازی سے دل بہلاتا تھا۔ شہزادہ خضر خان حضرت سلطان المشائخ شیخ نظام الدین اولیاء[2] کا مرید با اخلاص تھا

---

[1] مثنوی دولرانی صفحہ ۲۳۶ [2] سلطان المشائخ حضرت شیخ نظام الدین اولیاء ساتویں صدی ہجری کے مشہور

بعض روایتوں میں بیان کیا گیا ہے کہ اسنے یہ منت مانی تھی کہ بادشاہ کو، جو اسوقت بستر علالت پر پڑا تھا، صحت ہوگئی تو زیارت مشائخ کے لیے پاپیادہ دہلی جاؤنگا' چنانچہ باپ کی صحت کی خبر پاتے ہی اسنے بلا اجازت معہ لشکر کوچ کر دیا اور امروہہ سے دہلی تک پا برہنہ اور پیادہ پا سفر کیا۔ بلغونکو اب اسکی طرف سے بادشاہ کو بدگمان کرنے کا اچھا موقع ہاتھ آیا۔ مظلوم شہزادہ کو اسکے برادر حقیقی شادی خان کے ساتھ گوالیار کے قلعہ میں قید کر دیا گیا اور بعد انتقال سلطان علاء الدین ملک نائب نے ان دونوں بھائیوں کی آنکھوں میں سلائی پھروا دی اور سلطان مرحوم کے تیسرے بیٹے شہاب الدین نامی کو، جو محض چھ سالہ بچہ تھا' برائے نام تخت پر بٹھا کر آپ حکومت کرنے لگا۔ چندہی روز بعد ملک نائب بھی مارا گیا اور مبارک خان خلجی تخت و تاج کا مالک بنا اور سلطان قطب الدین مبارک شاہ خلجی کے نام سے سنہ ۷۱۶ھ / ۱۳۱۶ء میں تخت حکومت پر بیٹھا۔ یہ بادشاہ اپنے پیشرو سے بھی زیادہ عیاش اور بدچلن تھا۔ برواروں کی قوم کے ایک گجراتی نوجوان کو، جسکے حسن و کرشمہ پر یہ بدچلن بادشاہ فریفتہ تھا، خسرو خان خطاب دیکر وکیل مطلق بنا دیا' آخر کار سنہ ۷۲۱ھ / ۱۳۲۱ء میں خسرو خان نے بڑے مکر و فریب سے بادشاہ کو قتل کر دیا اور آپ تخت پر قابض ہو گیا لیکن چند

(بقیہ صفحہ ۴۴) فقیہ اور صوفی تھے۔ آپکے والد احمد بن دانیال غزنی سے آکر بدایوں میں متوطن ہوئے۔ سنہ ۶۳۴ھ / ۱۲۳۵ء میں آپکی ولادت ہوئی۔ پانچ سال کی عمر میں یتیم ہوگئے۔ والدہ نے پرورش کی۔ پچیس ۲۵ سال کی عمر میں مع والدہ کے دہلی آگئے۔ یہاں خواجہ شمس الدین خوارزمی کی شاگردی کی اور شیخ نجیب الدین متوکل کی صحبت سے استفادہ حاصل کیا۔ شیخ موصوف حضرت بابا فرید الدین گنج شکر کے بھائی تھے۔ انسے باباصاحب کے اوصاف و کمالات سنکر اجودھن پہنچے اور عرصہ تک خدمت میں رہکر خرقہ خلافت سے سرفراز ہوئے۔ سلطان غیاث الدین تغلق کو آپ سے سوء ظنی تھی۔ وہ بنگالہ میں تھا جب پیغام بھیجا کہ "یا شیخ آنجا باشد یا من"۔ سلطان جی نے فرمایا "ہنوز دلی دور است"۔ چنانچہ سنہ ۷۲۵ھ / ۱۳۲۴ء میں بادشاہ کے دہلی پہنچنے سے پہلے حضرت کا وصال ہوگیا اور بادشاہ بھی افغانپور کے محل میں دبکر مرگیا۔ جو مقبرہ مزار منور پر موجود ہے اسے سنہ ۹۷۰ھ / ۱۵۶۲ء میں سید فرید خان نے تعمیر کرایا تھا۔ [دصفحہ ۴۰ تاریخ فرشتہ صفحہ ۱۴۲]

ہی دن بعد وہ بھی ملک غازی کے ہاتھ سے کیفر کردار کو پہونچا۔ غازی ملک نے سلطان غیاث الدین تغلق کے لقب سے اسی سنہ میں تخت شاہی پر جلوس کیا اور اب سلطنت خاندان خلجی سے نکل کر تغلقیہ خاندان میں پہنچی۔ اس بادشاہ نے ۷۲۵ھ (۱۳۲۵ء) تک سلطنت کی۔ سلطان علاء الدین کی وفات کے بعد سے سلطان غیاث الدین کے زمانہ تک آٹھ نو برس کی مدت میں مختلف بادشاہوں کے عزل ونصب سے جو ابتری ملک میں پھیل گئی اسکا اثر اس حصۂ ملک پر بھی پڑا۔ خاص امروہہ میں لشکر شاہی کی موجودگی سے قرب وجوار میں امن وامان قائم رہا۔

حضرت شاہ ولایت کی تشریف آوری

سید العارفین سید حسن [1] المعروف بہ شرف الدین شاہ ولایت قدس سرہٗ العزیز سلطان غیاث الدین تغلق کے ابتدائی عہد سلطنت میں نواح ملتان سے مع اپنے خلفا و اعزا کے امروہہ تشریف لائے اور یہاں کے شاہ ولایت کہلائے۔ آپ کے ولد اکبر قاضی سید امیر علی جد سادات محلہ کٹرہ و حقانی وغیرہ بعہد سلطان محمد تغلق امروہہ کے عہدہ قضا پر مامور ہوئے۔ عہد مغلیہ میں آپکی اولاد امجاد بالخصوص سید محمد میر عدل، انکے اخلاف اور برادر زادگان نے سلطنت کی شاندار فوجی و ملکی خدمات انجام دیں، شہرت و ناموری حاصل کی، تنخواہ و مدد معاش میں جاگیریں اور معافیاں ملیں۔

اس زمانہ میں علاقہ کٹھیر کے اور حصوں میں کٹھیرے راجپوتوں نے پھر کافی قوت اور جمعیت پیدا کرلی، سلطان محمد بن تغلق شاہ کے زمانہ سلطنت ۷۲۵ھ (۱۳۲۴ء) لغایت ۷۵۲ھ (۱۳۵۱ء) میں بادشاہ کی دور دراز ملکوں کے مہموں میں مصروفیت اور دار السلطنت کے تغیر و تبدل سے کٹھیرے راجپوتوں کو اپنی قوت بڑھانے کا اور بھی زیادہ موقع ملگیا مگر شاہی لشکر کے مقابل آنے کی اسوقت ہمت نہ تھی۔ اس زمانہ میں کافی لشکر اور فوج امروہہ میں رہتی تھی یہاں

---

[1] آپکا اسم گرامی اصل میں سید حسن ہے، شرف الدین سلسلۂ حسب کا نام ہے۔ تفصیلی حالات کے لئے ملاحظہ ہو حصۂ دوم کتاب ہذا۔

کی جنگی قوت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ دور دراز کی بغاوتیں فرو کرنے کیلئے امروہہ کے لشکر کو بھی طلب کیا جاتا تھا۔ سنہ ۷۴۲ھ میں عین الملک نے اودھ میں جب بغاوت اختیار کی اور وہ شاہی ہاتھیوں اور گھوڑوں کو پکڑ کر لے گیا تو باغیوں کا قلع قمع کرنے کیلئے سلطان محمد تغلق نے امروہہ سے بھی شاہی فوج طلب کی تھی۔

"عین الملک شبے از سرگدواری برآمدہ بہ برادران خود پیوست و دراں زودی برادران نشان علم جسارت برافراشتہ با چہار ہزار سوار بحوالی سرگدواری آمدند تمام فیلان و اسپان سلطان را کہ در صحرای چرید پیش انداختہ بلشکرگاہ خود بردند۔ بادشاہ سراسیمہ گشتہ لشکر امروہہ و سامانہ و کول و برن را طلب داشتہ" [1]

رات کے وقت عین الملک سرگدواری (اودھ کا ایک مقام جہاں اسوقت شاہی کیمپ پڑا تھا) سے نکلکر اپنے بھائیوں سے جا ملا۔ اپنے بھائیوں نے علم بغاوت بلند کر کے اور چار ہزار سواروں کو ساتھ لے سرگدواری کے نواح میں چھاپا مارا اور بادشاہ کے تمام ہاتھیوں اور گھوڑوں کو جو جنگل میں چرنے کیلئے چھوڑ دئے گئے تھے ہانک کر اپنے لشکر میں لے گئے۔ بادشاہ نے سراسیمہ ہو کر امروہہ و سامانہ و کول (علی گڈھ) و برن (بلند شہر) سے فوج شاہی طلب کی۔"

مشہور اسلامی سیاح ابن بطوطہ کی آمد

اسی بادشاہ کے زمانہ میں ابن بطوطہ [2] سنہ ۷۴۱ھ / ۱۳۴۰ء میں امروہہ آیا۔ وہ اپنے سفرنامہ میں لکھتا ہے کہ "بادشاہ کے حکم پر وزیر نے مجھے دس ہزار

---

[1] تاریخ فرشتہ [2] ابن بطوطہ سنہ ۷۰۳ھ میں طنجہ (مراکش) میں پیدا ہوا۔ سنہ ۷۲۵ھ میں وہاں سے حج کی نیت سے چلا۔ افریقہ کے تمام ساحلی شہروں کی سیر کرتا ہوا مصر پہنچا وہاں سے مکہ معظمہ۔ سنہ ۷۲۶ھ میں وہ ملک شام چلا گیا۔ دمشق میں حدیث کا علم حاصل کیا۔ دوسرے سال پھر مدینہ منورہ و مکہ معظمہ گیا۔ وہاں سے عراق، بغداد اور واسط اور دیگر مقامات کی سیر کرتا ہوا ایران آیا۔ سنہ ۷۳۰ھ میں پھر حج کو گیا۔ وہاں سے افریقہ کے بعض مقامات کی سیر کرتا ہوا یمن آیا۔ پھر اناطولیہ، سمرقند، بلخ، مشہد شریف، نیشاپور، غزنین ہوتا ہوا سنہ ۷۳۴ھ میں ہندوستان آیا۔ دس برس تک ہندوستان میں رہا۔ سنہ ۷۴۳ھ میں چین کے سفر پر روانہ ہوا اور وہاں سے بہت سے ممالک کی سیر کرتا ہوا سنہ ۷۵۰ھ میں عرب

من غلّہ تو دیدیا باقی کی بابت لکھدیا کہ ہزار من امروہہ کے علاقہ سے دیا جائے"۔ چنانچہ اس غلّہ کے وصول کرنے نیز یہاں کے والی اور امیر کے تنازعہ کا فیصلہ کرنے کیلئے ابن بطوطہ نے امروہہ کا سفر اختیار کیا۔ یہاں وہ دو مہینہ تک مقیم رہا۔ امروہہ کے متعلق وہ لکھتا ہے کہ:۔

"ثم وصلنا الی امروھا وھی بلدۃ صغیرۃ حسنۃ فخرج عمالھا وجاء قاضیھا الشریف امیر علی[1] وشیخ زاویتھا[2] واضافانی ضیافۃ حسنۃ۔"[3]	پھر ہم امروہہ پہنچے۔ یہ ایک چھوٹا سا خوبصورت شہر ہے۔ اسکے اہلکار استقبال کیلئے باہر آئے۔ شہر کا قاضی سید امیر علی[1] اور خانقاہ کا شیخ دونوں آئے اور دونوں نے ملکر میری ضیافت بہت اچھی طرح کی۔ الخ۔

غزیز خمّار حاکم امروہہ

اس زمانہ میں یہاں کا حاکم غزیز خمّار تھا، یہ بہت منتظم نیز ازحد ظالم تھا۔ ابن بطوطہ نے غزیز خمّار کی نسبت لکھا ہے کہ وہ ظالم مشہور تھا۔ ڈیڑھ ہزار گاؤں اسکے ماتحت تھے جنکا محاصل ساٹھ لاکھ سالانہ تھا اسکا بیسواں حصّہ اسکو ملتا تھا۔ غرضکہ اس حاکم کے تدبّر اور عمدہ انتظام سے متمرّد اور مفسد لوگوں کو سرکشی کا کوئی موقع نہ ملا۔ قصبہ غزیز پور[1] اسی کا آباد کیا ہوا تھا۔ اسکا بھائی نجیب خمّار اور اسکے دوسرے عزیز بھی حکومت کے عہدوں پر مامور اور صاحب اثر و نفوذ تھے۔ اسکے بعد بھی یہ خاندان پرگنہ امروہہ میں توطن پذیر رہا۔ یہ لوگ ابتدائے عہد مغلیہ تک اپنے ناموں کے ساتھ "خمّار" کا لفظ برابر لکھتے رہے۔ ابن بطوطہ کی آمد کے زمانہ میں اس علاقہ کا امیر شمس الدین بدخشانی تھا جس سے غزیز خمّار کی مخالفت تھی۔ ان دونوں کے

(بقیہ صفحہ ۳۷) پہنچا۔ ۷۵۴ھ میں تیس برس کی طویل مدت سیر و سیاحت میں بسر کرکے اپنے وطن کو واپس گیا۔ ۷۷۹ھ میں انتقال کیا۔ | (صفحہ ۳۸) [1] یعنی فرزند اکبر شیخ العارفین سید حسن المعروف بہ شرف الدین شاہ ولایت قدس سرہٗ جو اس زمانہ میں یہاں کے قاضی تھے۔ شاہ ولایتؒ کا ابن بطوطہ کی آمد سے پہلے وصال ہو چکا تھا۔ آپکا سنہ وفات ۷۱۵ھ ہے نہیں ہے جیساکہ عام لوگوں کا خیال ہے۔ خانقاہ کے شیخ سے مراد غالباً شیخ معین الدین قدس سرہٗ ہیں جو حضرت شاہ ولایتؒ کے مرشد زادہ اور خلیفہ تھے (ملاحظہ ہو حصّہ دوم جسمیں ان تمام امور پر مفصل بحث کی گئی ہے)۔ [2] کتاب رحلہ ابن بطوطہ مطبوعہ جرمنی۔ [3] بعض لوگ اس موضع کو حضرت شاہ شرف الدین شاہ ولایت قدس سرہٗ کے صاحبزادہ سید

تنازع کے تصفیہ کیلئے وزیر نے ابن بطوطہ، ملک شاہ امیر المالک اور شہاب الدین ولی کو متعین کیا تھا۔ سلطان محمد شاہ تغلق نے ۷۴۳ھ ۱۳۴۲ء میں امروہہ کے اس مشہور حاکم عزیز خمار کو ولایت مالوہ کی حکومت پر مامور کیا تاکہ وہاں کے مفسدوں کی اچھی طرح سرکوبی کرے۔ سلہ عزیز خمار نے امیران صدہ کی تنبیہ کے لئے گجرات سے بڑودہ اور دبوہری کی طرف لشکر کشی کی۔

تین سیدوں کے قتل کا خوفناک انتقام

تھوڑے ہی عرصہ بعد سلطان محمد تغلق کا ۷۵۲ھ ۱۳۵۱ء میں انتقال ہوگیا، ملک میں کچھ عرصہ بدنظمی رہی جسکی وجہ سے کٹھیرے راجپوتوں کو کھرک سنگھ و ہر سنگھ اپنے دونوں سرداروں کی قیادت میں قوت کے بڑھانے کا خاطر خواہ موقع حاصل ہوگیا، انھوں نے کھلم کھلا بغاوتیں کرنا شروع کیں، جب کبھی اسلامی لشکر سے شکست کھاتے مجبوراً خراج ادا کرتے ورنہ جنگلوں اور بنوں میں پناہ گزین رہتے۔ آخر ۷۸۱ھ میں کھرک سنگھ نے، جو کٹھیر گو کے نام سے مشہور ہے سید محمد حاکم بداؤں کو اپنے یہاں مہمان بلاکر نیز انکے بھائی سید علاء الدین و سید محمود کو دھوکہ اور فریب سے قتل کردیا۔ سلطان فیروز شاہ تغلق کو جب اس واقعہ کی اطلاع ملی تو اسے اسقدر طیش آیا کہ ان تین جانوں کے بدلے میں تمام ملک کٹھیر کے باشندوں کو تلوار کے گھاٹ اتارنے کا حکم دیدیا۔

"بادشاہ غضبناک شدہ استعداد سفر کرد"	بادشاہ کو یہ سنکر اسقدر طیش آیا کہ سامان سفر درست کرکے

(بقیہ صفحہ ۳۸) عزالدین کا آباد کردہ سمجھتے ہیں لیکن یہ صحیح نہیں ملاحظہ ہو حصہ دوم۔ (از صفحہ ۳۹) سلہ معلوم ہوتا ہے کہ ضیاء برنی مؤلف تاریخ فیروز شاہی کو ملک عزیز خمار سے خاص عداوت ہے۔ وہ انکا ذکر برے الفاظ میں کرتا ہے۔ باوجود اس کے نسب کا خاندانی ہونا ظاہر ہے کہیں اسے بد اصل و سفلہ لکھتا ہے اور کہیں "ناکس و ناکس زادہ" جس باب میں ملک موصوف کے حالات لکھے ہیں انکی ابتدا ان الفاظ میں تحریر کئے ہیں۔ "ذکر یافتن ملک عزیز خمار بدبخت خطۂ دھار و مالوہ و ذکر آں سفلہ لئیم در آں دیار و باز شدن درہائے ظلم و تسلط عام از بعد افعال آں خبیث ناکس و ناکس زادہ"

"لمؤلفہ دور ابتدائے سنہ ۷۸۲ھ از دار الملک کوچ کردہ چوں نواحی کٹھیر محل نزول لشکر فیروزی اثر شد بموجب فرمان آتش ہیبت دغارت مناکل و متوطناں آں دیار زدند و در قتل کفار شمار آں مقدار کوشیدند کہ ارواح سادات شہید بہ شفاعت درآمدند" لہ

سنہ ۷۸۲ھ دار الملک دہلی سے کوچ کیا۔ جب ملک کٹھیر کے قریب لشکر پہنچا بادشاہ کے حکم سے اس ملک کے باشندوں اور انکے مکانات کو تباہ و غارت کیا گیا اور کفار کے قتل کرنے میں اتنی شدت کی گئی کہ سادات شہید کی روحوں نے بھی اس خونریزی کے بند کرنے کی سفارش کی۔"

بادشاہ نے صرف اسی قدر خونریزی پر بس نہیں کی، ملک داؤد حاکم سنبھل کو حکم دیا کہ ہر سال ملک کٹھیر پر فوجکشی کیجائے[2] چنانچہ متواتر چھ سال تک اس خطہ ملک کو شاہی لشکر برباد و تباہ کرتا رہا، جو باشندے اس قتل عام سے بچے وہ قصبات و دیہات چھوڑ چھوڑ کر جنگلوں و پہاڑی علاقوں میں پناہ گزین ہو گئے۔

ملک محمود بک شیر خان حاکم امروہہ

سنہ ۷۸۴ھ / ۱۳۸۲ء میں بعہد سلطان فیروز شاہ تغلق ملک محمود بک المخاطب بہ شیر خان امروہہ کا حاکم مقرر ہوا۔ اس بیدار مغز اور زبردست حاکم نے نواح امروہہ کو مفسدین کے شر و فساد سے محفوظ رکھا۔ ایک مرتبہ جب زیادہ فساد مچا تو ملک بہروز کو بادشاہ نے ہزار سوار دیکر امروہہ بھیجا لیکن سنہ [illegible]ھ میں شیر خان کے یہاں سے تبدیل ہو جانے کے بعد مفسدین نے پھر قوت حاصل کر لی۔ سید فخر الدین، جد القبیلہ سادات محلہ نوگیاں و نوگانواں، کو اس نواح میں بہت سے مواضعات بطور مدد معاش ملے تھے۔ اس زمانہ میں یہ خاندان سادات کے دوسرے خاندانوں کی بہ نسبت زیادہ بارسوخ و با اقتدار تھا۔ مفسدین نے جب انکے مواضعات کو لوٹا کھسوٹا اور چند مسلمانوں کو بھی قتل کیا تو ابنائے سید فخر الدین نے بادشاہ کی یہاں عرضداشتیں بھیجیں جن میں بیان کیا گیا تھا کہ

لہ تاریخ فرشتہ۔ ٢ہ تاریخ مبارک شاہی۔

پیش ازیں وقت شیر خان شورش ملکان خاستہ بود، ہر دعاگو یاں ..... و ملک بہروز با ہزار سوار نامزد شدہ، خلق را امن حاصل آمدہ التماس کہ لشکر شاہی تعین شود کہ شورش ملکان فرو نشیند و خلق خطہ و ولایت آباداں ماند...[1]

اس سے پہلے بھی شیر خان کے وقت میں مفسدین نے سر اٹھایا تھا ...... ملک بہروز کو ایک ہزار سواروں کے ساتھ یہاں بھیجا گیا تھا اور خلق خدا کو امن نصیب ہوا تھا اب التماس ہے کہ لشکر شاہی کو یہاں بھیجا جائے تاکہ مفسدین کا فتنہ رفع ہو اور اس ملک و ولایت کی مخلوق کو نجات ملے۔

چنانچہ شاہی لشکر نے پھر ان اطراف میں یلغار کی اور امن و امان کی صورت قائم ہوئی۔

ملکی بد نظمی اور فتنہ و فساد

۷۹۱ھ / ۱۳۹۴ء میں فیروز شاہ کا انتقال ہو گیا، اس بادشاہ کی انتقال کے بعد سے ملک میں ہر چہار طرف طوائف الملوکی پھیل گئی، امروہہ اور سنبھل کے حاکم خود سر ہو بیٹھے اور تیمور لنگ کے حملہ ہندوستان ۸۰۱ھ / ۱۳۹۸ء تک طوائف الملوکی کی حالت قائم رہی۔ اس بارہ سال کی مدت میں یہاں کے کٹھیریے راجپوتوں کو اپنی قوت و اقتدار از سر نو قائم کرنے اور بڑھانے کا خوب موقع ہاتھ آیا۔ رائے ہر سنگھ نے ملک کٹھیر کے کافی حصہ پر اپنا تسلط جما کر اتنی قوت بہم پہنچالی تھی کہ عرصہ تک شاہی لشکر کے مقابل آتا رہا، تیمور کے چلے جانے کے بعد بھی باہمی خانہ جنگی سے شاہ دہلی کی قوت کو زوال رہا لیکن سلطان محمود و مبارک شاہ مفسدین کی سرکوبی کے لئے اس خطہ ملک میں بذات خود آتا رہا۔ ۸۱۵ھ / ۱۴۱۲ء میں سلطان موصوف نے کٹھیر میں چند روز قیام کیا اور واپسی پر اثناء راہ میں اسکا انتقال ہو گیا۔ ۸۲۱ھ / ۱۴۱۸ء میں شاہی سردار تاج الملک ثانی نے اور دوسرے سال ۸۲۲ھ / ۱۴۱۹ء میں خود سید خضر خان بادشاہ نے مفسدان کٹھیر کی تنبیہ و گوشمالی کے لئے فوج کشی کی اور سنبھل و امروہہ کے نواح کے تمام جنگلات کو مفسدین سے پاک کیا اسکے بعد ۸۲۶ھ / ۱۴۲۲ء میں سلطان معز الدین مبارک شاہ دو مرتبہ بذات خود یہاں آیا۔ اس مرتبہ رائے ہر سنگھ کو ایسی شکست نصیب ہوئی کہ

---

[1] عرضداشت و نقل فرمان عہد تغلق شاہ ۸۰۰ھ نزد مؤلف ۔ [2] تاریخ فرشتہ صفحہ ۱۶۲ ۔

اس نے بادشاہ کے حضور میں حاضر ہو کر عفو و درگذر کی درخواست کی اور محصول و نذر گرانقدر پیش کی۔ اسکے بعد پھر کبھی مفسدین کو سر اٹھانے کی ہمّت نہ ہوئی اور یہ خطہ ملک آئے دن کی جدال و قتال اور غارتگری سے محفوظ ہو گیا۔

امروہہ کے ابتدائی جاگیردار

آٹھویں صدی ہجری کا آخر اور نویں صدی ہجری کا آغاز اس خطۂ ملک کے لئے سخت بدنظمی اور ابتری کا زمانہ تھا، اس زمانہ میں امروہہ معہ دیگر اقطاع کے سیّد السادات سیّد سالم نامی ایک امیر کی جاگیر میں عرصہ تک رہا۔ سیّد سالم کے حالات میں فرشتہ کا بیان ہے کہ:۔

"گویند سیّد السادات سیّد سالم مدت سی سال	کہتے ہیں کہ سیّد السادات سیّد سالم تیس سال تک خضر خان بادشاہ
در حضور خضر خان از زمرۂ امرائے عمدہ بود و	کے ان امرائے عظام کے زمرہ میں شامل تھا۔ اسکی جاگیر میں عمدہ
اقطاع لایق داشت و در تبرہندہ (یعنی بھٹنڈہ)	پرگنے بھی تھے۔ بھٹنڈہ میں اس نے خزانہ اور قلعہ داری کے
خزانہ و ذخیرہ و اسباب قلعداری جمع ساختہ بود و غیر	سامان کا ذخیرہ بھی فراہم کر لیا تھا۔ علاوہ بھٹنڈہ کے امروہہ،
از اقطاع تبرہندہ و امروہہ و سرسی بیانہ و دوآبہ نیز	سرسی اور ملک دوآبہ اور بہت سے پرگنہ جاگیر میں تھے۔ اسے
ولایات بسیار داشت در جمع نمودن مال حریص بود"	مال جمع کرنے کی بہت حرص تھی"

سیّد سالم کی وفات کے بعد اسکے دونوں بیٹوں سیّد سعید خان و شجاع الملک کی جاگیر میں بھی پرگنہ امروہہ عرصہ تک شامل رہا لیکن ۸۳۷ھ ۱۴۳۳ء میں مبارک شاہ بادشاہ کے قتل اور محمد شاہ بن فرید خان کے تخت نشین ہونے پر ملک یوسف سرور الملک وزیر کو خوب اقتدار حاصل ہو گیا تھا اس نے امروہہ کو پرانے امرا کی جاگیر سے نکالکر اپنے معاونین کی جاگیر میں شامل کر دیا:۔

"ملک سرور الملک وزیر نخست سدپال و سدارن کھتری	ملک سرور الملک نے اولاً سدپال و سدارن کھتری اور دیگر
و دیگر اقربائے ایشان را بجائزہ قتل مبارک شاہ	عزیزوں کو مبارک شاہ کے قتل کے صلہ میں بیانہ و امروہہ و
مملکت بیانہ و امروہہ و نارنول و کہرام و چند	نارنول و کہرام اور ملک دوآبہ کے چند اور پرگنے جاگیر

پرگنہ میان دوآب داد"[1] میں دے۔

لیکن یہ حالت چندروزی رہی ۵۔محرم ۸۳۸ھ مطابق ۱۴ اگست ۱۴۳۴ء کو سرورالملک اور اسکے ہمنوا ومعاونین ایک معرکۂ جنگ میں قتل ہوگئے اور امروہہ ملک چمن المخاطب بہ غازی الملک کی جاگیر میں دیدیا گیا۔ اسکے کچھ عرصہ بعد اس پر دریا خان لودھی متصرف ہوگیا۔

سلطان علاءالدین عالم شاہ کا قیام امروہہ میں

اسی زمانہ یعنی ۸۵۱ھ ۱۴۴۷ء میں سلطان علاءالدین عالم شاہ کو دلی سے بداؤں جانے کا اتفاق ہوا جہاں کی آب وہوا اسے کچھ ایسی پسند آئی کہ ۸۵۲ھ ۱۴۴۸ء میں دلی چھوڑ بداؤں کو مستقر قرار دیا۔ بداؤں کے زمانہ قیام میں بادشاہ نے اپنی تشریف آوری سے امروہہ کو بھی درجۂ امتیاز بخشا[2] اور کچھ عرصہ مع اپنے تمام افغان امراء کے امروہہ میں قیام کیا، سیروتفریح میں مشغول رہا۔ اور چند دن بعد ہی سلطنت سے دست بردار ہوکر بداؤں میں مستقل طور سے مقیم ہوگیا اور تا زمانۂ حیات ۸۸۳ھ ۱۴۷۸ء اس علاقہ پر جس میں امروہہ شامل تھا، سلطان موصوف ہی حکومت کرتا رہا۔ اس کے بعد سلطنت لودہی خاندان میں منتقل ہوگئی۔ اس خاندان نے ستتر سال تک حکومت کی اس عرصہ میں بالخصوص سلطان بہلول لودی وسکندر لودی کے زمانہ میں بہت کچھ امن وسکون رہا۔

امروہہ اور سنبھل علم وفضل کے مرکز

سلطان سکندر لودہی چار پانچ سال تک خاص سنبھل میں مقیم رہا۔

"درسنہ خمس وتسعمائۃ جانب سنبھل رفتہ چہار سال دراں حدود بسیر و شکار وچوگان بازی درگذرانید"[3]	سنہ ۹۰۵ھ میں بادشاہ سنبھل گیا اور اس نواح میں چار سال سیر و شکار و چوگان بازی میں صرف کیے۔

یہ بادشاہ نہ صرف علم دوست تھا بلکہ خود بھی علم سے بہرۂ وافر رکھتا تھا، اس زمانہ میں سنبھل اور امروہہ علماء وفضلاء عصر کی موجودگی سے علم وہنر کے مرکز بنگئے تھے۔ بادشاہ کی قدردانی کی بنا پر علماء وفضلاء

---

[1] تاریخ فرشتہ صفحہ ۱۶۹ [2] تاریخ فرشتہ مطبوعہ نولکشور جلد اول صفحہ ۱۳۶ [3] تاریخ فرشتہ صفحہ ۱۸۲

مختلف دیار و امصار سے جوق در جوق یہاں آئے۔ ان میں سے بعض خاندان سنبھل اور امروہہ میں متوطن ہو گئے۔ امروہہ کے خاندان عباسیہ کے مورث بھی جو اس عہد کے ممتاز علماء میں سے تھے، اسی زمانہ میں یہاں آئے۔ سنہ ۹۰۰ھ میں بادشاہ نے ایک مسئلۂ شرعی کے تصفیہ کے لئے سنبھل میں مجلس مذاکرۂ علمیہ منعقد کی تھی۔ اس مجلس کی شرکت کے لئے مختلف مقامات سے علماء بلائے گئے تھے۔

"بادشاہ را باستماع مذاکرۂ علمی رغبتے تمام بود علمای نامی را از اطراف طلبیدہ مجلس بحث ترتیب داد و تفصیل اسامی آنہا این است کہ میاں قادر بن شیخ خواجو میاں عبداللہ بن الہ داد از طلبنہ و سید محمد بن سعید خان از دہلی و ملا قطب الدین و ملا الہ داد صالح از سرہند و سید امان و سید برہان و سید حسن از قنوج آمدند۔"[۱]

بادشاہ کو مذاکرۂ علمی کے سننے کی بہت خواہش تھی۔ مختلف مقامات سے نامی علماء کو طلب کرکے مباحثہ کا جلسہ منعقد کیا۔ جو علماء باہر سے آکر شریک ہوئے ان میں میاں قادر بن شیخ خواجو میاں عبداللہ بن الہ داد طلبنہ سے اور سید محمد بن سعید خان دہلی سے اور ملا قطب الدین و ملا الہ داد صالح سرہند سے اور سید امان و سید برہان و سید حسن قنوج سے آئے تھے۔"

امروہہ عہد مغلیہ میں

سنہ ۹۳۲ھ / ۱۵۲۶ء میں بابر بادشاہ نے خاندان تیموریہ کی حکومت ہندوستان میں قائم کی۔ بابر نے کچھ عرصہ سنبھل میں بذات خود قیام کیا اور امروہہ کا علاقہ شیخ زادہ محمد موسیٰ فرملی عرف کالا پہاڑ ایک نامور امیر کی جاگیر میں دیدیا۔

"سنہ ۹۳۵ھ موسیٰ معروف فرملی کو جو دریائے سرو کے چھوڑتے وقت حاضر ہوا تھا تیس لاکھ کی جاگیر امروہہ کے علاقہ کی اسکی تنخواہ میں دی اور خلعت خاص مع گھوڑا اسکو دیکر امروہہ جانے کی رخصت عطا کی۔"[۲]

ہمایوں بھی ایام شہزادگی میں عرصہ تک اس نواح میں مقیم رہا۔ سنہ ۹۳۷ھ / ۱۵۳۰ء میں وہ سنبھل ہی میں تھا کہ بابر کا انتقال ہو گیا۔ افغانوں کے زمانہ حکومت میں یعنی بعہد شیر شاہ یہ علاقہ خان اعظم عیسیٰ خان کاکا پوری

---

[۱] تاریخ فرشتہ صفحہ ۱۲۲ [۲] ترجمہ تزک بابری صفحہ ۲۹۲ مطبوعہ محمدن پرنٹنگ ورکس دہلی۔

کے حکومت وایالت میں تھا۔ خان اعظم شجاعت اور بہادری میں لاثانی تھا۔ اس نے اس علاقہ کے کثر جنگلوں اور بنوں کو جو مفسدین کے مامن اور جائے پناہ تھے صاف کرا دیا اور سرکشوں کو زیر کر کے مفسدین کو بے دست و پا کر دیا۔ صاحب تاریخ شیر شاہی کا بیان ہے کہ شیر شاہ نے مسند اعلیٰ عیسیٰ خان پسر مسند اعلیٰ ہیبت خان کالکاپوری سشروانی کو خان اعظم کا خطاب دیکر سنبھل بھیجا اور ان الفاظ کے ساتھ اسکو رخصت کیا کہ سنبھل کا علاقہ مفسد اور شریر لوگوں سے پُر ہے اور وہاں کے کاشتکار اور رعایا زیادہ تر متمرد اور سرکش ہیں اور ہمیشہ حاکموں کے برسر مقابلہ آتے رہے ہیں اسلئے تم کو چاہئے کہ پانچ ہزار جدید سپاہ بھرتی کر دو[1] چنانچہ اسنے فوجی قوت میں اضافہ کر کے مفسدین کا قلع قمع کیا۔

خواجہ قطب الدین قناق خان حاکم امروہہ

خواجہ قطب الدین قناق خان عہد ہمایوں اور ابتدائی عہد اکبری میں امروہہ کا حاکم تھا۔ اسکے عہد کی امروہہ میں کئی یادگاریں ہیں۔ جامع کیقبادی جب شکستہ ہوگئی تو اسی حاکم نے سنہ ۹۶۴ھ / ۱۵۵۶ء میں اسے اپنے زمانہ حکومت و ریاست میں پھر تعمیر کرایا تھا۔ کسی صدمہ سے یہ حصہ تھوڑے عرصہ کے بعد منہدم ہوگیا جسے سید محمد میر عدل امروہوی نے سنہ ۹۸۱ھ / ۱۵۷۴ء میں دوبارہ تعمیر کرایا۔

عہد اکبری و جہانگیری کے جاگیردار[2]

اکبر بادشاہ کے ابتدائی عہد میں مرزا ابراہیم حسین نے جسکو پرگنہ اعظم پور باسٹہ وغیرہ جاگیر میں ملے تھے امروہہ پر حملہ کیا اور خوب لوٹا کھسوٹا۔ سنہ ۹۷۶ھ / ۱۵۶۸ء میں میر محمد خان مشہور بہ خان کلاں (برادر بزرگ محمد خان آتکہ) کی جاگیر میں امروہہ کا علاقہ شامل رہا۔

"سرکار سنبھل کہ بہترین ممالک ہندوستان است بجاگیر میر محمد خان اختصاص گرفت"[3] | سرکار سنبھل (یعنی وہ علاقہ جس میں پرگنہ امروہہ شامل تھا) جو ہندوستان کے بہترین علاقوں میں سے ہے میر محمد خان کی جاگیر میں دیا گیا۔

---

[1] ایلیٹ جلد چہارم صفحہ ۴۱۵۔ [2] یہاں جاگیردار سے مراد وہ اُمرائے سلطنت ہے ہیں جنکی جاگیر میں یہ کل علاقہ دیا گیا تھا ورنہ اس زمانہ میں خود امروہہ میں بالخصوص اولاد شاہ ولایت کی بڑی جاگیریں منقود تھے جنکو چند مواضعات ... سیور غال و

سنہ ۱۰۰۳ھ (۱۵۹۴ء) میں پھر مرزا مظفر حسین صفوی برادر زادہ شاہ طہماسپ والی ایران کو یہ جاگیر عطا ہوئی۔

"در سنہ ۱۰۰۳ھ عرش آشیانی مرزا را بہ منصب پنجہزاری واقطاع سنبھل کہ افزوں از قندھار است سرفراز ساخت" [1]	سنہ ۱۰۰۳ھ میں عرش آشیانی (یعنی شہنشاہ اکبر) نے مرزا مظفر حسین صفوی کو پنجہزاری منصب پر فراز فرما کر سنبھل کا علاقہ جو قندھار کے علاقہ سے بڑا ہے عطا کیا۔

جہانگیر بادشاہ نے اپنی تخت نشینی پر یعنی سنہ ۱۰۱۴ھ (۱۶۰۵ء) میں یہ علاقہ میرزا علی نامی ایک امیر کی جاگیر میں دیدیا۔

"مرزا علی اکبر شاہی را کہ از جوانان قرار دادہ الوس دہلی است بہ منصب چہار ہزاری ممتاز ساختہ سرکار سنبھل را بجاگیر او مقرر داشتم۔" [2]	مرزا علی اکبر شاہی کو جو دہلی کے خاندان متوسلین شاہی میں سے ہیں چہار ہزاری منصب دیکر سرکار سنبھل کا علاقہ ان کی جاگیر میں عنایت کیا۔

امروہہ کی ناموری اور شہرت

اکبر بادشاہ کے وسط عہد حکومت سے لیکر نواب علی محمد خان روہیلہ کے زمانہ تک تقریباً دو سو برس کی مدت میں امروہہ اور اس کے نواح میں بہت کچھ امن و امان رہا۔ اور رعایا بھی شاد و آباد رہی، لوگوں کو ترقی کرنے کے ذرائع اور مواقع بھی زیادہ حاصل رہے۔ عہد مغلیہ میں امروہہ کے سادات و شرفاء علی الخصوص اولاد سید العارفین سید حسن الملقب بہ شرف الدین شاہ ولایت قدس سرہ نے حکومت وقت کی شاندار ملکی و فوجی خدمات انجام دیں جسکے صلہ میں اعلیٰ مناصب ملے، تنخواہ و مدد معاش میں جاگیریں اور معافیاں عطا ہوئیں۔

سلطنت مغلیہ کے زمانہ عروج یعنی شہنشاہ اکبر، جہانگیر اور شاہجہاں کے زمانہ میں حضرت شاہ ابن بدر چشتی آپ کے فرزندان باکمال شاہ نور الدین و شاہ صدر الدین نیز شاہ عبد المجید علوی انکے خلیفہ عمدۃ الواصلین سید عبد الحکیم اور سید آلہ بار نقشبندی سید محمود رضوی (دانشمند)

(بقیہ صفحہ ۴۵) [3] مآثر الامراء جلد سوم۔ [1] (صفحہ ۲۶۴) [1] مآثر الامراء جلد سوم صفحہ ۲۰۔ [2] تزک جہانگیری

اور ان کے فرزند سید عصمت اللہ قدس اللہ اسرارہم مشائخ میں، مولانا سید محمد میر عدل، مولانا سید میر علی، مولانا الہ داد عباسی، مولانا بابن عباسی، مولانا عبد الملک بخشی، سید العلا سید اشرف دانشمند، مولانا سید اشرف بن سید سعید خان، ملا امان اللہ ترکمان، ملا فیضی عباسی، ملا صدر الدین عباسی علماء و فضلاء میں، سید ابو الفضل، سید ابو القاسم، سید ابو المعالی پسران سید محمد میر عدل اور سید عبد الہادی بن سید مبارک فوجی افسروں و جنرلوں میں، سید عبد الوارث نبیرہ سید مبارک، میراں سید عبد الماجد اور ان کے فرزند دیوان سید محمود (از اولاد سید محمد میر عدل) سید سعید خان نبیرہ دیوان سید محمود (مورث سادات محلہ لکڑہ) اعلیٰ عہدہ داران سلطنت میں امروہہ کی شہرت و ناموری کے باعث تھے۔

امروہہ کا ضلع مراد آباد سے تعلق

جہانگیر بادشاہ کے عہد تک پرگنہ امروہہ سرکار سنبھل سے متعلق رہا لیکن شاہجہاں بادشاہ کے ابتدائے عہد سلطنت میں کٹھیریوں کے سردار راجہ رام سکھ نے فساد برپا کیا جس کی سرکوبی کے لئے رستم خان دکھنی صوبہ دار سرکار سنبھل کو سنہ ۱۰۴۰ھ؍۱۶۳۰ء میں متعین کیا گیا۔ رستم خان[1] نے راجہ کو شکست دی، راجہ قتل ہوا اور

---

[1] رستم خان کا نام مقرب خان دکھنی تھا۔ ابتداءً نظام الملک والی دکن کے عمال میں سے تھے ۱۰۳۲ھ میں شاہجہاں بادشاہ کی ملازمت میں پہنچے۔ پنج ہزاری منصب پر سرفراز ہوئے۔ رستم خان خطاب پایا اور سرکار سنبھل میں تعینات ہوئے۔ دکن اور قندھار کی لڑائیوں میں کارہائے نمایاں انجام دئے۔ فیروز جنگ بہادر کا دوسرا خطاب ملا جسکا اشارہ اس سجع میں ہے

بفتح لشکر ایراں ز لطف شاہجہاں   شدہ بہادر فیروز جنگ رستم خان

تقریباً ۱۵ سال تک سرکار سنبھل ان کی جاگیر میں رہا۔ ۱۰۵۵ھ کے بعد سے دور دراز کی مہموں پر مامور رہے۔ شجاعت و بہادری میں لاثانی، نہایت علم دوست اور مشائخ کے عقیدتمند تھے۔ سید کمال صاحب برابر ۱۲ برس ان کی فوج میں ملازم رہے۔ دارا شکوہ کے طرفدار تھے اور نگ زیب انار اللہ برہانہ سے جو معرکہ جنگ ۱۰۶۹ھ میں اکبر آباد (آگرہ)

اور اُس کا قلعہ فاتح کے ہاتھ آیا، یہ مقام چوپلہ کہلاتا تھا۔ رستم خاں نے پرانے قلعہ کو مسمار کرکے نیا قلعہ اور مسجد تعمیر کی اور اپنے نام کی رعایت سے اسکا نام **رستم نگر** رکھا۔ رستم خاں نے شاہی ہدایات سے تجاوز کیا تھا اسلئے جوابدہی کے لئے دربار کی حاضری کا حکم ہوا اور جب رستم خاں سے نو آباد مقام کے نام کی بابت سوال ہوا تو اس نے فی البدیہہ کہا کہ میں نے شہزادہ کے نام پر اسکا نام **مراد آباد** رکھا ہے چنانچہ اس وقت سے نہ صرف یہ مقام مراد آباد کے نام سے موسوم ہوا بلکہ ضلع کا صدر مقام قرار پایا۔ ۱۰۶۸ھ (۱۶۵۸ء) میں داراشکوہ کی لڑائی میں رستم خاں مارا گیا تو محمد قاسم خاں میر آتش مقرر ہوا، جو ۱۰۷۱ھ (۱۶۶۱ء) تک رہا، اس کے بعد راجہ مکرانداز آنے کو یہ عہدہ تفویض ہوا، پھر ۱۰۹۵ھ (۱۶۸۵ء) میں امین الدولہ کا تقرر کیا گیا لیکن بہادر شاہ کی وفات کے بعد ایسی ابتری رہی کہ ۱۱۲۴ھ (۱۷۱۲ء) تک اس ضلع کے متعلق حالات کا تذکرہ نہیں ملتا۔ ۱۱۲۴ھ (۱۷۱۲ء) میں محمد امین خاں اعتماد الدولہ مراد آباد کے گورنر مقرر ہوئے لیکن کچھ عرصہ کے بعد اپنے فرزند انتظام الدولہ کے سپرد یہاں کا انتظام کرکے حسب الحکم فرخ سیر بادشاہ سکھوں کے مقابلہ کے لئے متعین کئے گئے۔ ۱۱۲۸ھ (۱۷۱۶ء) میں ہمارے ضلع کو یہ فخر حاصل ہوا کہ اعلیٰحضرت **فرمانروائے دکن** خلد اللہ ملکہ کے مورث اعلیٰ نظام الملک آصف جاہ یہاں کے گورنر مقرر ہوئے۔ موصوف نے بذات خاص مراد آباد میں قیام کرکے انتظامات کی حالت درست کی مگر وہ صرف دو سال یہاں رہے دوسرے ضروری کام پر انکو واپس بلا لیا گیا اور یہ ضلع محمد مراد نامی ایک کشمیری

(بقیہ صفحہ ۴۷) میں بہادر رستم خاں مع اپنے فرزند رفعت علی خاں و برادرزادہ عظمت خاں اور چند بگیا عزہ کے مقتول ہوئے۔ قطعہ تاریخ:۔

چوں بہادر رستم فیروز جنگ — عالمی در مدحت او لب کشود

در شجاعت رستم دستان عصر — در سخاوت حاتم آفاق بود

ترکتازی کرد در میدان ہند — سرخرو گشت و بجنت رفت زود

سال تاریخ وفاتش عقل گفت — بود رستم گوئے زمیدان جود

النسل کو سپرد ہوا جس نے فرخ سیر بادشاہ کی نظر میں پایۂ اعتبار حاصل کر کے رکن الدولہ اعتماد خان کا خطاب پایا اور اپنے خطاب کی رعایت سے مرادآباد کا نام بھی رکن آباد رکھا اور ضلع کو صوبہ قرار دیا۔

"سرکار مرادآباد را صوبہ قرار دادہ موسوم بہ رکن آباد فرمودہ در جاگیرش بطریق آل تمغا عنایت شد"۔ [1]	سرکار مرادآباد کو صوبہ قرار دے کر اس کا نام رکن آباد رکھا۔ یہ علاقہ اس کی جاگیر میں نسلاً بعد نسل عطا ہوا تھا۔"

لیکن یہ انتظام بہت تھوڑے عرصہ تک رہا کیونکہ رفیع الدرجات بادشاہ کی تخت نشینی پر سنہ ۱۱۳۱ھ / ۱۷۱۹ء میں رکن الدولہ کو عہدہ سے برطرف کر دیا گیا اور انکی بجائے سید عبداللہ خان بارہہ کے چھوٹے بھائی سیف الدین خان کو مقرر کیا گیا لیکن سادات بارہہ کے زوال اقتدار پر حیدر قلی خان کو تفویض ہوا اور اُس کے بعد عرصہ دراز تک یہ ضلع قمرالدین خان کی جاگیر میں رہا۔ قمرالدین خان کی جانب سے شیخ عظمت اللہ [2] یہاں کے منتظم رہے۔

روہیلوں کا تسلط

سلطنت مغلیہ کے آخری دور میں مختلف قبیلوں کے افغان تلاش معاش میں ہندوستان میں آئے اور ان ایام میں جبکہ بدنظمی کا دور دورہ تھا ملک کٹھیر میں سکونت پذیر ہونے لگے اُن ہی لوگوں کی وجہ سے بالآخر ملک کٹھیر روہیلکھنڈ [3] کے نام سے موسوم ہوا۔ نواب علی محمد خان روہیلہ [4] (مورث نوابان رامپور) نے ہزاروں آوارہ گرد روہیلہ

---

[1] مآثر الامراء جلد اول [2] شیخ عظمت اللہ بن مولوی عصمت اللہ نبیرہ شیخ عبدالقادر فاروقی شیخ زادگان لکھنؤ میں سے تھے۔ سنہ ۱۷۲۳ء میں سادات بارہہ کے وطن جانسٹھ کے حملہ میں شریک تھے۔ [3] روہیلہ کے لغوی معنی ہیں علاقہ روہ کا رہنے والا۔ روہ افغانستان کے ایک علاقہ کا نام ہے۔ [4] نواب علی محمد خان داؤد خان متبنٰی شاہ عالم خان روہیلہ کے متبنّٰی تھے۔ موضع بانکولی پرگنہ کانبر تواج سرکار کول کو ان کا مولد اور موضع جوبلی تابع سرکار بداؤں کو ان کا مسکن بتایا جاتا ہے۔ ان کے نسب کے متعلق مختلف روایتیں ہیں، بعض مؤرخین نے انکو نومسلم لکھا ہے۔

افغانوں کو اپنے زیر اثر کر کے کافی جمعیت اور قوت حاصل کر لی تھی۔ نادر شاہ کے حملہ کی وجہ سے بڑی تعداد افغانوں کی اس طرف چلی آئی اس سے اُن کی طاقت میں اور اضافہ ہو گیا۔ روہیلوں کی بڑھتی طاقت دیکھکر ۱۱۵۵ھ (۱۷۴۲ء) میں محمد شاہ بادشاہ سے مراد آباد کے گورنر راجہ ہرنند کو جو قوم سے کھتری تھے، حکم دیا کہ روہیلوں کو علاقہ کٹھیر سے نکال دیا جائے۔ راجہ موصوف پچاس ہزار فوج کے ساتھ حملہ آور ہوا مگر روہیلہ سردار بارہ ہزار روہیلہ جانبازوں کو ساتھ لے رات کو شاہی فوج پر جا پڑا، اور کشتوں کے پشتے لگا دیئے، شاہی لشکر کو سخت ہزیمت ہوئی، راجہ ہرنند مارا گیا اور نواب علی محمد خان نے ۱۷۴۴ء میں مراد آباد، امروہہ اور سنبھل پر تسلط حاصل کر لیا مگر دو برس بعد خود بادشاہ نے بہ نفس نفیس اس طرف فوج کشی کی، گڑھ مکتیشر کے مقام پر دریا کو عبور کیا اور سنبھل کے علاقہ میں سے گذر کر کے نواب علی محمد خان کی گڑھی بان گڈھ پر، جو بدایوں کے متصل واقع تھی دھاوا کر دیا۔ بالآخر نواب قمر الدین خان چین بہادر وزیر اعظم کی سفارش پر علی محمد خان کا قصور معاف ہوا لیکن بادشاہ انہیں اپنے ساتھ ہی دہلی لے گئے جہاں کچھ عرصہ نظر بند رکھے گئے۔ مراد آباد پر پھر شاہی تسلط قائم ہوا اور شیخ فرید الدین بن شیخ عظمت اللہ کو حکومت پر تعینات کیا گیا لیکن روہیلوں نے دوبارہ اپنی جمعیت اکٹھی کر کے مراد آباد پر حملہ کیا، شیخ فرید الدین حاکم مراد آباد مارا گیا جس کی جگہ پر راجہ چتر بھوج کا تقرر عمل میں آیا، مگر ان ہی دنوں میں احمد شاہ ابدالی کے حملہ کی وجہ سے ایسی بدنظمی واقع ہوئی کہ نواب علی محمد خان سرہند سے، جہاں ان کو بحیثیت حاکم تعینات کیا گیا تھا بعجلت تمام مراد آباد آ گئے۔ راجہ چتر بھوج کو بآسانی نکال باہر کیا اور اس تمام حصۂ ملک پر اپنا

(بقیہ صفحہ ۴۹)

"علی محمد خان روہیلہ در اصل قوم جاٹ بود، چوں صاحب شعور و رشید و طالع مند بود، شخصے روہیلہ (داؤد خان) وے را متبنیٰ نمودہ بود، کارہائے عمدہ از دست او سر براہ شدند و رفتہ رفتہ بہ انواع سعی و تلاش و جنگ و جدل و بخشش خدائے عزوجل متمول و مرفع الحال شدہ "الخ (بیان واقع قلمی)

مگر نواب کلب علی خان کو وثیقے جو نواب علی محمد خان کے حقیقی پشت میں پنجم میں انکا نسب سید فاطمی بتایا جاتا ہے۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال

تسلط پھر جما لیا لیکن تھوڑے عرصہ بعد ۱۴ ستمبر ۱۱۶۱ھ / ۱۷۴۸ء میں نواب علی محمد خان کا انتقال ہوگیا - ابتداءً حکومت ایک کونسل کے ہاتھ میں رہی جس کے صدر حافظ رحمت خان تھے لیکن سعد اللہ اور اللہ یار پسران نواب علی محمد خان کی واپسی پر جو دہلی میں نظر بند تھے ضلع مراد آباد کا علاقہ اللہ یار کے نامزد ہوا مگر اصلی اقتدار اور حکومت نواب دوندے خان سپہ سالار افواج کو حاصل رہی - اسی سال اللہ یار خان کا انتقال ہوگیا ۱۱۶۸ھ / ۱۷۵۵ء سے نواب دوندے خان ہی مالک و مختار رہا ۱۱۸۴ھ / ۱۷۷۰ء میں نواب دوندے خان کا بھی انتقال ہوگیا - اسی زمانہ میں شاہ عالم[1] بادشاہ دہلی کا الہ آباد سے جاتے ہوئے امروہہ سے گذر ہوا

---

[1] شاہ عالم بادشاہ کا اصلی نام عالی گوہر تھا - عزیز الدین عالمگیر ثانی کے فرزند تھے، ۴ جمادی الاولیٰ ۱۱۷۳ھ / ۱۷۵۹ء کو پٹنہ عظیم آباد میں، جہاں باپ کی وفات کے وقت موجود تھے، تخت نشین ہوئے - انکے والد عالمگیر ثانی عماد الملک وزیر کے ہاتھوں کٹھ پتلی بنے ہوئے تھے - ان سے باپ کی یہ بے بسی کی زندگی دیکھی نہ گئی، کسی بہانہ سے دہلی سے نکل کھڑے ہوئے اور نواب محمد قلی صوبہ دار الہ آباد کی مدد سے فوج فراہم کرکے راجہ رام نرائن ناظم بنگالہ پر چڑھائی کی - عرصہ تک صوبۂ بہار میں قیام رہا - شجاع الدولہ نے ان کے نام پر انگریزوں سے جنگ کی - بکسر کے مقام پر لڑائی ہوئی مگر نتیجہ خلاف نکلا - شجاع الدولہ تو بھاگ کر روہیلکھنڈ چلے آئے مگر انگریزوں نے بادشاہ سے تینوں صوبوں کی دیوانی کی سند حاصل کرلی جسکے معاوضہ میں چھبیس لاکھ روپیہ نقد اور صوبہ الہ آباد جسکا کوڑہ بادشاہ کے حوالہ کیا - شاہ عالم سات برس تک الہ آباد میں مقیم رہے ۱۱۸۵ھ میں دہلی گئے، وہاں پہونچکر مرہٹوں کی مدد سے نواب ضابطہ خان ولد نجیب الدولہ پر فوج کشی کی، مرہٹوں نے اسکا سارا ملک دبا لیا، ضابطہ خان بھاگ کر شجاع الدولہ کے پاس چلا گیا، پھر تکوجی راؤ ہلکر کی سفارش سے دربار شاہی میں پہنچا - غلام قادر خان جو ضابطہ خان کا بیٹا تھا بادشاہ سے دلی عناد رکھتا تھا - اس ظالم نے ۱۲۰۲ھ میں بادشاہ کو تخت سے کھینچ کر نیچے ڈالدیا اور خنجر کی نوک سے دونوں آنکھیں نکال لیں - اور بیدار بخت کو تخت پر بٹھایا لیکن مہاراجہ سندھیا نے اپنی فوج بھیجی - غلام قادر کو شکست ہوئی، وہ بڑی ... سے ... ب ... ... دیکھ مارا گیا اور شاہ عالم، جو نور بصارت سے محروم ہو چکے تھے، دوبارہ تخت پر بیٹھے - شاہ عالم فارسی اور اردو کے اچھے شاعر تھے - اس واقعہ کو ایک قطعہ میں نظم کیا ہے جو بہت درد انگیز ہے - یہاں چند شعر لکھتا ہوں :-

کوئی تاریخی شہادت تو اس کی موجود نہیں تاہم یہ روایت مشہور ہے کہ سادات امروہہ کی کسی بے عنوانی سے اہل امروہہ مورد عتاب ہوئے - نواب آصف الدولہ کو حکم ہوا کہ ایک رقم کثیر جاگیرداران امروہہ سے تاوانا وصول کریں - نواب دوندے خان کے انتقال کے بعد سے روہیلوں کی طاقت کو زوال شروع ہوا - اسکے مختلف اسباب تھے، اولاً دوندے خان کے پسران محب اللہ اور فتح اللہ میں حکومت کی اہلیت ہی نہ تھی، دوسرے مرہٹوں نے اسی زمانہ میں ملک پر فوج کشی کی - ۱۵ رجون ۱۱۸۶ھ (۱۷۷۲ء) کے معاہدہ کی روسے نواب شجاع الدولہ وزیر الممالک اودھ نے مرہٹوں کو ملک بدر کرنے کا اس شرط سے وعدہ کیا تھا کہ تین سال کے عرصہ میں چالیس لاکھ روپیہ روہیلہ سردار انکو ادا کریں - نواب شجاع الدولہ نے تو اپنا وعدہ پورا کیا مگر حافظ رحمت خان نے ادائگی رقم سے گریز کیا - نوبت بہ جنگ پہنچی - روہیلوں کو شکست نصیب ہوئی اور ۷ اکتوبر ۱۱۸۸ھ (۱۷۷۴ء) کے عہد نامہ کی روسے نواب فیض اللہ خان پسر نواب دوندے خان کو رام پور کی جاگیر دی گئی اور بقیہ ملک روہیلکھنڈ نواب وزیر الممالک اودھ کے علاقہ میں شامل ہو گیا -

مرہٹہ گردی اور امروہہ کی حفاظت کا انتظام

مرہٹہ گردی میں بدنظمی اور ابتری کی وجہ سے امروہہ پر جاٹوں کے حملے ہوتے تھے، باشندگان شہر کو خود ہی اپنی حفاظت کا آپ انتظام کرنا پڑتا تھا - اس زمانہ کی حالت کا تھوڑا بہت اندازہ ذیل کی تحریر سے ہو سکتا ہے جو نواب بہروز خان بہادر کی جانب سے میر یادگار علی و میر قرب علی و میر خیبر علی خاں

(بقیہ صفحہ ۵۱)

صرصرِ حادثہ برخاست پئے خواریِ ما — داد برباد سر و برگِ جہانداریِ ما

آفتابِ فلکِ رفعتِ شاہی بودیم — برد در شامِ زوال آہ سیہ کاریِ ما

چشمِ ما کندہ شد از دستِ فلک تیرہ شد — تا نہ بینیم کہ کند غیر جہانداریِ ما

داد افغاں بچہ شوکتِ شاہی برباد — کیست جز ذاتِ خدا کہ کند یاریِ ما

۱۲۲۱ھ میں وفات پائی -

میر لسین علی ساکنان امروہہ (محلہ دربارکلاں) کو بتاریخ بست و پنجم شہر ذی قعدہ سنہ ۱۳ جلوس شاہ عالم بھیجی گئی تھی۔

الہٰی

"سیادت دعوالی پناہان میر یادگار علی و میر قنبر علی خان و میر لسین علی ہموارہ در حفظ باشند۔ خط مرسلہ رسید۔ حقیقت مندرجہ بوضوح انجامید۔ بموجب نوشتہ آں سیادت دعوالی پناہان بست و پنج [1] سوار مرہٹہ ہائے ملازم ہمراہ غلام نبی پسر محمد باقر خان فرستادہ شد باید کہ بجای حفاظت قصبہ امروہہ بوجہ احسن نمایند و حفاظت سواران مذکور نیز ذمہ خود شناسند و تدبیر پیشکش سرکار دالاقرار واقعی نمودہ اطلاع دہند و چہار دہ توپخانہ کہ در انجا موجود اند باحتیاط تمام نگاہدارند نشود کہ از اں جملہ یک ضرب بجا گردد دریں باب تاکید مزید دانند دیگر کیفیت زبانی علی نقی مذکور معلوم خواہد شد زیادہ چہ نگارش رود۔" نعم

نوابانِ اودھ کی حکومت

سنہ ۱۱۸۸ھ/۱۷۷۴ء لغایت سنہ ۱۲۱۶ھ/۱۸۰۱ء اٹھائیس برس تک روہیلکھنڈ پر نوابان اودھ کی حکومت رہی۔ بریلی، بدایوں اور مراد آباد تین ضلعوں پر ملک کی تقسیم کی گئی۔ مراد آباد میں اولاً اصالت خان حاکم مقرر ہوا اور اس کے بعد چودہری مہتاب سنگھ بشنوئی کو یہ عہدہ تفویض ہوا۔ نوابان اودھ کے زمانہ حکومت میں مالگذاری اور نذرانہ وصول کرنے کے لئے رعایا پر بہت کچھ جبر و تشدد کیا گیا۔ سنہ ۱۱۹۳ھ میں امروہہ کے عامل نے جو من جانب نواب وزیر الممالک یہاں متعین تھا، اتنی سختی برتی اور خلاف معمول قدیم چند ایسے جدید مطالبات قائم کیے کہ امروہہ کے معافیداروں کی کثیر تعداد نے ایک جلسہ میں مجتمع ہوکر باہم عہد و پیمان کیے کہ نذرانہ مقررہ قدیم کے سوائے جدید مطالبات ہرگز ادا نہیں کریں گے اور اس معاملہ میں ایک دوسرے کے معاون مددگار رہ کر متفقہ قوت سے کام کریں گے چنانچہ

---

[1] غالباً یہ تعداد (۲۵۰) سواروں کی تھی۔

اس مضمون کی ایک دستاویز، ربیع الثانی ۱۱۹۳ھ کو مرتب کی گئی نتھے خانی کے حادثہ کا ایک سبب بعض معافیداروں کا یہ طرز عمل بھی تھا۔

نتھے خانی کا حادثہ ۱۱۹۳ھ / ۱۷۸۰ء میں ایک حادثہ امروہہ میں نتھے خانی کا پیش آیا نتھو خاں آن نجانب وزیر الممالک آصف الدولہ حاکم سنبھل تھے۔ حیات خان بن روشن خان جو نتھے خان کے خسر تھے امروہہ میں سکونت پذیر تھے۔ ان کے پاس املاک و جاگیر معافی کے بہت سے مواضعات تھے۔ حیات خان والا باغ، جو شہر سے متصل ہے اور جس میں ایک خوبصورت مسجد بھی بنی ہوئی ہے، ان ہی سے منسوب ہے۔ محلہ گذری کے بعض سیدوں سے کسی معاملہ پر ان سے ان بن ہو گئی، معاملہ نے یہاں تک طول کھینچا کہ نتھے خان اپنے خسر کی حمایت میں اپنی فوج لیکر مخالفوں کے مقابلہ کو چڑھ آئے۔ میر اسد اللہ خان سے مخالفت تھی ان ہی کے مکانات کو حملہ آوروں نے خوب لوٹا کھسوٹا۔ متعدد لوگ مارے گئے۔ سید گلزار علی بن سید وزیر علی (از اولاد سید مبارک) جو بہ رسالہ بخشی الملک مظہر علی خان پانصدیدات پچاس سوار کے منصب دار تھے، اسی نتھے خانی میں قتل ہوئے۔ "تباہی سادات شدہ" اس حادثہ کی تاریخ ہے۔

انگریزوں کا تسلط ۱۲۱۶ھ / ۱۸۰۱ء میں نواب وزیر الممالک نے بعوض اخراجات فوج انگریزی روہیلکھنڈ کا وسیع علاقہ بشمول ضلع مراد آباد ایسٹ انڈیا کمپنی کو تفویض کر دیا، مراد آباد ضلع کا صدر مقام قرار دیا گیا، اور مسٹر ڈبلیو لیسٹر Mr W Leycester پہلے کلکٹر مقرر ہوئے۔ یہ زمانہ مرہٹہ گردی کا تھا، مرہٹوں کے متواتر حملے اس علاقہ میں ہوتے تھے، ۱۲۱۹ھ / ۱۸۰۵ء میں مہاراجہ ہولکر نے اپنے ایک سردار کو یہاں فتنہ و فساد برپا کرنے کے لئے متعین کیا، قرعۂ فال امیر خان کے نام آیا، جو بعد کو نواب ٹونک ہوئے، نواب امیر خان کا وطن سرائے ترین سنبھل تھا، نسباً سلارزئی پٹھان تھے۔ ان کے باپ محمد حیات خان کچھ عرصہ دوندی خان کے یہاں ملازم رہے۔ دادا کا نام طالع خان تھا وہ نواب علی محمد خان کی فوج میں ملازم رہے۔ امیر خان کے ساتھ پنڈارہ قوم کے سواروں کا بڑا دستہ تھا۔ جن کی تعداد دس ہزار بیان کی گئی ہے[۱]

---

[۱] ڈسٹرکٹ گزٹیر مراد آباد مطبوعہ ۱۹۱۱ء ...

یہ لوگ نہایت سرعت کے ساتھ ایک مقام سے دوسرے مقام پر پہنچتے اور لوٹ مار سے آفت برپا کرتے تھے۔ جنرل اسمتھ GENERAL SMITH کیپٹن سکنر CAPTAIN SKINNER اور کیپٹن مرے CAPTAIN MURRAY بھی اپنی فوج کے ساتھ ہر جگہ ان کے تعاقب میں لگے رہتے۔ امیر خاں ۱۲۱۹ھ / ۱۸۰۵ء میں امروہہ پہنچے یہاں امروہہ کے قریب موضع ابراہیم پور میں انکا مقابلہ کیپٹن مرے کے سپاہیوں سے ہوا، دن بھر لڑائی ہوتی رہی۔ شام کو کرنل برن COLONEL BURN نے پنڈارہ سردار کو شکست دیکر چاندپور کی طرف بھگا دیا۔

۱۲۱۹ھ / ۱۸۰۵ء لغایت ۱۲۷۳ھ / ۱۸۵۷ء تک کوئی خاص واقعہ امروہہ میں پیش نہیں آیا۔ بعض اوقات ڈاکہ زنی کی وارداتیں البتہ ہوتی رہیں۔ جاٹ، امیر، اور میواتی ڈاکوؤں کے گروہ اس زمانہ میں ضلع کے ہر چہار طرف لوٹ مار کرتے رہتے تھے جن کی سرکوبی کے لئے اس زمانہ کے کلکٹر مسٹر اوس والڈ MR. OSWALD اور مسٹر سیٹن MR. SETON نے موثر تدابیر اختیار کی تھیں۔

امروہہ میں انگریزی فوج کی چھاونی

ایسٹ انڈیا کمپنی کے تسلط کے ابتدائی دور میں انگریزی فوج کی چھاؤنی بھی امروہہ میں قایم کی گئی تھی کچھ عرصہ تک شہر کے قریب فوج کا پڑاو رہا، چند عارضی بنگلہ اور عمارتیں بھی تعمیر ہوئیں لیکن بعد میں فوجی افسروں کی رائے تبدیل ہوگئی اور یہاں کی فوج میرٹھ بھیج دی گئی۔ میر محمد سعید حسن خاں (دانشمند ہمہ صاحبان عالی شان چھاونی) کے مراسم اتحاد تھے۔ مسٹر انڈیرڈر روزلی برادر خورد جو فیض آباد میں اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر تھے۔ میر صاحب موصوف سے مراسم دوستی تھے، وہ اپنی چٹھی مرقومہ ۱۸۲۵ء میں اس چھاونی کا تذکرہ کرتے ہیں۔ یہ تحریر اس لحاظ سے بھی کہ اس زمانہ کے بعض انگریز بھی اردو کی مقفیٰ و مسجع عبارت پسند کرتے تھے دلچسپ ہے اسلئے ذیل میں نقل کی جاتی ہے۔

عالی مرتبت معالی منزلت رفیع الشان منیع المکان سلمہٗ الرحمان

"اس وقت میں کہ شاہد مدعا در پردۂ حیق مارب در ساغر ہے و مشتاق حصول مطالب دلی"

"بشگفتگی عنایت لم یزلی آراستہ پیراستہ تھا کہ گلدستہ بند گلہائے اتحاد و چمن آرائے چمنستان وداد یعنی محبت شمامہ شانہ کش کا کل وصول ہو کر نسیم نسیم اس کی از بار بنائے منزل کا متبسم ہوا ایمائے کہ بہ استکشاف تحقیقات راقم کی تھا حال یہ ہے راقم بہ عہدہ اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر ضلع فیض آباد سرکار دولت مدار سے مقرر و مامور ہو کر مقیم فیض آباد خاص ہوں، امتحان سے فراغ ہوا، ترقی کا ذریعہ ہوا حسب التحریر جو رقیمہ بلا مہر ہوگا اُسپر لحاظ نہ ہوگا دلازم اتحاد کا یہ ہے کہ ہمیشہ ابواب رسل رسائل کے مفتوح رکھتے کہ ہر آئینہ موجب استحکام مبادی اتحاد کا متصور ہے و حال خیریت اشتمال صاحبزادگان محمد حسین خان و صاحبان عالی شان چھاؤنی سے مطلع کرتے رہئے۔ فقط۔

مکرر آنکہ امید بلیغ ایں جانب راسخ شود کہ آں دوست صمیم بہر نوع در حالت بہبودی و خوش مزاجی است۔ برادرم از مرادآباد کوچ کردہ است بطرف جھو کہ وراحاطہ بمبئی (بمبئی) می ماند۔

غدر ۱۸۵۷ء کے حالات

میرٹھ میں فوج کے باغی ہو جانے کی خبریں سب سے اول ۱۲ رمئی ۱۸۵۷ء کو امروہہ اور مرادآباد پہنچیں۔ اس زمانہ میں مسٹر سی۔ بی۔ ساندرس[1] مجسٹریٹ مرادآباد، مسٹر جے۔ جے کیمبل[2] جائنٹ مجسٹریٹ اور مسٹر جے کراکرافٹ ولسن[3] جج تھے۔

آخر الذکر چونکہ اس ضلع میں سترہ برس سے تعینات تھے وہ ضلع اور باشندگان ضلع کے حالات سے پوری طرح باخبر تھے اسلئے جب صورت حال زیادہ تشویشناک ہوگئی تو تمام ضلع کا انتظام ان ہی کے ہاتھ میں دے دیا گیا۔ ۱۵ رمئی کو جب یہ اطلاع ملی کہ گوجروں نے میرٹھ کا راستہ روک رکھا ہے تو یہ تجویز ہوئی کہ مسٹر ساندرس کے ساتھ کچھ جمعیت گوجروں کی سرکوبی کے لئے بھیجی جائے۔ امروہہ کے کوتوال سید افضل علی بھی مسٹر ساندرس کی ہمراہی

---

[1] Mr. C.B. Saunders. [2] Mr. J.J Campbell.

[3] Mr. J. Cracroft Wilson.

میں متعین ہوئے۔ امروہہ کے انتظام کے لئے یہاں کے رؤسا اور با اثر اشخاص کو مسٹر سانڈرس نے خطوط لکھے۔ تاریخی دلچسپی کے لحاظ سے خط موسومہ سید محمد حسن خان (دانشمند) کی نقل درج کی جاتی ہے:-

خان صاحب بسیار مہربان سید محمد حسن خان صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ

بعد سلام و شوق ملاقات واضح باد حسب روبکار امروزہ آپ کو لکھا جاتا ہے کہ سید افضل علی کوتوال امروہہ ہمارے ساتھ (ساتھ) میرٹھ کو جاوے گا اور مدد علی باپ اُسکا بطور منصرم امروہہ میں رہے گا۔ آپ کو مناسب ہے کہ کومک (کمک) اور مدد ہر طرح سے مدد علی کی کرتے رہو۔ عین مہربانی ہوگی فقط۔ تاریخ ۱۷ مئی ۱۸۵۷ء

اور واضح ہو کہ تم شریک مشورہ ہر امر کے مدد علی کے رہو اور مدد علی کو بھی لکھا گیا کہ باتفاق اور مشورہ تمہارے کے انجام کار کرے۔ فقط تحریر صدر سنہ صدر۔

Char B. Saunders,

Magistrate.

۱۷ مئی ۱۸۵۷ء

امروہہ میں میرٹھ اور دہلی کے غدر کی خبریں پہنچنے کے پانچ چھ دن بعد غالباً ۱۷ مئی کو خاندان دیوان سید محمود (دربار کلاں) اور خاندان درویش علی خان (قوم کلاں) کے سربرآوردہ افراد نے سب سے پہلی مجلس مشاورت درگاہ شاہ شرف الدین شاہ ولایتؒ میں منعقد کی۔ اس میں شہر کے مختلف خاندانوں کے عمائد و اکابر کو طلب کیا گیا تھا۔ تقریباً تیس اشخاص احاطہ درگاہ کے اندر اس مجلس میں شریک ہوئے۔ بیرون درگاہ رؤسا و اکابر شہر کے ملازمین اور عوام کا ہجوم تھا۔ جلسہ کے بانیوں میں سید محمد حسین خان، سید یوسف علی خان، مولوی سید تراب علی، سید محمد باقر، سید محمد عرف محمد چھنگا، سید مبارک، سید محمد زماں، سید ذوالفقار علی، سید فرحت علی، سید شرف علی، سید تحسین علی، سید علی محمد، سید

سلطان علی، سید محمد اسمٰعیل، سید بنیاد علی عرف عقرب، سید بشارت حسین، سید شبیر علی خان
سید غلام سجاد وغیرہ (نبیرگان دیوان سید محمود) سید یاد علی و سید سجاد علی (ساکنان محلہ بگلا،
سید رمضان علی ڈکٹر و غلام علی والے) اور خاندان درویش علی خان میں ولایت علی خان
مولوی بشارت علی خان، مہربان علی خان وغیرہ اور مجاپوتوں میں سے سید محمد حسین اور
چبوترہ والوں میں سے سید نذیر حسین وامیر حسین وغیرہ موجود تھے۔ دیگر عمائد و اکابر شہر میں سے
سید علی مظفر خان (گھڑیال والے)، میر بنیاد علی (دبیرزادہ)، مولوی کریم بخش عباسی اور
سید محمد حسن خان (دانشمند) بھی شرکت کے لئے بلائے گئے تھے۔ بانیان جلسہ کی غرض یہ تھی کہ
اگر ایسا غدر ضلع مراد آباد میں بھی ہوگیا جیسا کہ دہلی اور میرٹھ میں ہوا ہے تو ہم انگریزی عملداری
کو امروہہ میں درہم وبرہم کردینگے اور اپنی حکومت قایم کرلیں گے۔ خاندان دیوان سید محمود
اور خاندان درویش علی خان کے افراد تعداد اور رسوخ کے اعتبار سے اس زمانہ میں امروہہ
کے دوسرے خاندانوں کی نسبت شان امتیاز رکھتے اور اپنے کو موروثی منصبدار سمجھتے تھے
اور اسلئے شہر کی حکومت اور انتظام کے دعویدار تھے۔ سید علی مظفر خان (گھڑیال والے) سید
محمد حسن خان (دانشمند) اور شہر کے دیگر اکابر نے انکی اس تجویز سے اختلاف کیا لیکن بانیان
جلسہ نے آپس میں مشورہ پختہ کرلیا اور جلسہ برخاست ہوگیا۔

امروہہ میں یہ حالات پیش تھے ادھر مسٹر سانڈرس میرٹھ جانے کے قصد سے ۱۸ مئی کو
مراد آباد سے روانہ ہوکر رجب پور پہنچے تھے کہ ۱۹ مئی کو باغیوں نے مراد آباد کا جیل خانہ توڑ کے
قیدیوں کو آزاد کردیا، اور فوج باغی ہوگئی۔ رجب پور کے مقام پر اس واقعہ کی اطلاع پاتے
ہی انہوں نے آگے بڑھنا مناسب نہ سمجھا اور سید افضل علی تھانہ دار امروہہ و سید محمد حسن خان
(دانشمند) کے ساتھ جو امروہہ سے رجب پور پہنچے گئے تھے، مسٹر سانڈرس مراد آباد واپس آگئے۔
۱۹ مئی کو جب جیل خانہ توڑ کر قیدی آزاد ہوگئے۔ سید گلزار علی بن سید اکبر علی (ساکن
دربار کلاں) جو مراد آباد میں مختاری کرتے تھے، قیدیوں کی ایک جماعت کے ساتھ راتوں رات

مرادآباد سے امروہہ آپہنچے۔ یہاں پہلے ہی سے لوگ آمادہ فساد تھے۔ درگاہ شاہ ولایتؒ کی مجلس مشورہ کے بعد سید رمضان علی (کٹرہ والے) کے مکان پر پنچایت ہوئی، پھر سید گلزار علی کے امروہہ پہنچنے پر محلہ دربار کلاں میں شیخ رمضان علی کے مکان پر تمام رات بڑے شور و غل کے ساتھ پنچایت ہوتی رہی۔ اس پنچایت میں سید ظہور حسن و سید محبوب الدین (دوست علی والے) اور چند اور لوگ بھی شریک ہوئے۔ تمام پختہ درپر ہو جانے پر ۲۰ رمئی ۱۸۵۷ء کو علی الصباح تھانہ پر حملہ کیا گیا جس میں کئی ہزار اشخاص شریک بیان کئے جاتے ہیں۔ باغیوں نے میر مددعلی تھانہ دار اور شہامت خان جمعدار کو قتل کرکے تھانہ کے مکان کو جلا دیا، وہاں سے فارغ ہوکر باغی تحصیل پر چڑھ دوڑے سترہ ہزار روپیہ خزانہ تحصیل کا لوٹ لیا اور تمام دفتر کو جلاکر خاک سیاہ کر دیا۔ منصف سعد اللہ خان کو مع دفتر کے سید علی مظفر خان اپنے مکان پر لے آئے تھے اسلئے وہ محفوظ رہے۔

یہ واقعات جب امروہہ میں رونما ہو رہے تھے مسٹر سانڈرس نے اُسی دن صبح کے وقت سید محمد حسن خان (دانشمند) کو امروہہ کے انتظام کے لئے مقرر کیا اور پروانہ دیکر مرادآباد سے امروہہ بھیجا، وہ قریب ایک بجے دن کے جب امروہہ پہنچے یہاں تھانہ و تحصیل لٹ چکی تھی۔ باغیوں نے اپنا تسلط اور انتظام قائم کر لیا تھا۔ ان حالات کی اطلاع جب حکام ضلع کو ہوئی مسٹر سانڈرس نے ناظر گورسہائے ولد ہرپت سنگھ کو، جو قوم کے جاٹ اور کلکٹری میں ناظر کے عہدہ پر مامور تھے، یہ کہکر امروہہ بھیجا کہ امروہہ کا جانا کوئی قبول نہیں کرتا تم امروہہ جاکر انتظام درست کرو۔ چنانچہ ناظر مذکور ۲۴ رمئی کو امروہہ آئے۔ سید علی مظفر خان، میر بنیاد علی (پیرزادہ) اور شہر کے اور امن پسند لوگ شہر سے باہر جاکر انکو اپنے ساتھ لائے۔ انکے ہم قوم جاٹوں کی کثیر تعداد بھی انکے ساتھ جمع ہو گئی۔ دوسرے دن ۲۵ رمئی کو مسٹر ولسن بھی تلنگوں کی ایک جماعت کے ساتھ امروہہ آئے۔ سید گلزار علی اور ان کے ساتھی مسٹر ولسن کی آمد کی خبر سُنکر امروہہ سے چلے گئے۔ مسٹر ولسن نے مفسدہ

پرداروں کی تنبیہ اور حکومت کے رعب و اقتدار کو برقرار رکھنے کے لیے شہید گلزار علی وغیرہ باغیوں کے مکانات منہدم و مسمار کرا دیے۔ ۲۶ رمئی کو مسٹر ڈسن مراد آباد واپس آ گئے۔ ناظر گور سہائے، جنکو بصلۂ خدمات ایام غدر بعد میں راجہ کا خطاب اور گیارہ گاؤں انعام میں دیئے گئے، امروہہ کے ناظم مقرر ہوئے۔ لیکن وہ صرف دس دن امروہہ رہے تھے کہ مسٹر جے۔ جے۔ کیمبل جائنٹ مجسٹریٹ نے حسن پور کے مقام پر دو سو آدمیوں کے ساتھ انہیں طلب کیا۔ وہاں سے ساتویں دن یعنی ۱۱ رجون کو جب یہ امروہہ واپس آئے حالات بہت کچھ تبدیل ہو چکے تھے۔ مراد آباد سے انگریز حکام میرٹھ و نینی تال جا چکے تھے اور انگریزی عملداری ضلع میں باقی نہیں رہی تھی۔ باغی ناظر گور سہائے کے مار ڈالنے کی فکر میں تھے کہ یہ اسی دن امروہہ سے مراد آباد چلے گئے۔ اور وہاں سے اپنے ہم قوم جاٹوں کی امداد سے کچرولہ گئے جہاں ساکنان امروہہ میں سے پیر محمد علی جان وغیرہ تا اختتام غدر ان کے ساتھ رہے۔ مراد آباد میں نواب مجو خان نبیرہ شیخ عظمت اللہ سابق صوبہ دار مراد آباد نے شہر پر اپنا قبضہ و تسلط قائم کر لیا تھا لیکن نواب رام پور کے عم بزرگوار نواب عبدالعلی خان کی آمد پر انہیں علیحدہ ہونا پڑا۔

امروہہ پر جاٹوں کا حملہ

مراد آباد میں جب یہ واقعات رونما ہو رہے تھے اسی زمانہ میں امروہہ پر جاٹوں کا حملہ ہوا جس کے چشم دید حالات صاحب تاریخ اصغری نے یہ لکھے ہیں:-

"صاحب سنگھ ساکن موضع للہوری نے دیا سرائے سنبھل کو لوٹ کر بہمراہی لچھنا جاٹ ساکن موضع جوئی کھیڑہ دکھن کی طرف سے امروہہ پر چڑھائی شروع کی۔ پہلے حملہ میں جو تھوڑے عوام الناس یہاں کے مقابل ہوئے تو جاٹوں نے پیچھے ہٹنا شروع کیا۔ ناواقف آدمی جنگ نادیدہ موزہ بیرون کشیدہ تعاقب کئے چلے گئے۔ جب شہر سے دور ہو گئے تو موضع بپ سرہ میں گنواروں نے گھیر لیا۔ سترہ آدمی جان سے

مارے گئے باقی بھاگ آئے۔ پھر جاٹوں نے دو روز کے بعد دوسرا حملہ کیا اور جو کہ پہلے حملہ میں وہ روباہ طینت چند آدمیوں کو مار کے اور بھی شیر ہو گئے تھے لہذا باشندگان شہر کو لکھا پیغام دیا کہ مہاجنوں کو ہمارے حوالہ کر دو یا دس ہزار روپیہ دو ورنہ ہم اس شہر کو لوٹ لینگے۔ اُس حالت غدر میں روپیہ کہاں تھا بجز اسکے کہ مہاجنوں کا اور ہمارا ایک حال ہے اور کچھ جواب نہ بن پڑا آخر کار مقابلہ کی نوبت پہنچی، اور جاٹ ہٹ گئے۔ شہر والے دھوکا پا چکے تھے، آگے نہ بڑھے، اس سے دوسرے روز بے شمار جاٹوں نے متفق ہو کر پھر حملہ کیا اور ٹڈی کے بادل کی طرح اُمنڈ آئے، تب تو اعلٰی اور ادنٰی شہر کے لاچار ہو کر اور بمصداق دمرگ انبوہ جشنے دارد اپنی جانوں سے ہاتھ دھو کر سب کے سب مقابل ہوئے۔ شہر میں شمار یہ آدمی رہے اور سب طرف شہر کی حفاظت کو اچھے اچھے مدبر اور کاردان آدمی مقرر ہوئے کس واسطے کہ تمام صحرا گنواروں سے بھرا ہوا تھا اور اس روز کسی طرح اُن پر غالب ہونے کا گمان نہ تھا لیکن من جانب اللہ تائید غیبی اور امداد لاریبی ایسی شامل حال ہوئی کہ شہر والوں کے باہر نکلتے ہی جو جاٹوں نے حملہ کیا اور مہند وقیں فیر کیں تو گولیاں باد ہوائی گئیں اور شہر والے تلواریں کھینچ کھینچ کر دوڑ پڑے...... جب بدخواہوں نے یہ حال دیکھا تو ناچار فرار کو قرار پر اختیار کیا.... بعد اس کے پھر کبھی جاٹوں کو امروہہ پر حوصلہ چڑھائی کا نہ ہوا۔" [۱]

اسلامی سلطنت دوبارہ قایم کرنے کا خیال

تمام ضلع اور بالخصوص امروہہ میں غدر اور بلوہ کی شدت چار پانچ ماہ تک جاری رہی، ڈسٹرکٹ گزیٹیر میں[۲] بیان کیا گیا ہے کہ:-

"مسلمانوں نے من حیث القوم ضلع بھر میں برٹش گورنمنٹ سے اپنی مخالفت کو نہایت صاف اور صریح طریق پر ظاہر کیا، روہیلکھنڈ کے اور اضلاع کی طرح مرادآباد کے ضلع میں

---

[۱] تاریخ اصغری صفحہ ۱۸۔ [۲] صفحہ ۱۶۶ ڈسٹرکٹ گزیٹیر۔

بھی تعصب مذہبی اور انگریزوں کی ہربات سے انتہائی تنفر کے جذبات نے مسلمانوں
کو عام بغاوت پر مشتعل کیا تھا"

مؤلف ڈسٹرکٹ گزیٹر کی اس رائے سے خواہ کیسا ہی اختلاف کیا جائے لیکن کاغذات دیرینہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۹ مئی ۱۸۵۷ء سے لیکر آخری ہفتہ ستمبر ۱۸۵۷ء تک ان چار مہینوں میں امروہہ کے بعض مسلمان روساء اور سربرآوردہ لوگوں کے دل و دماغ پر حکومت اسلامی کے ازسرنو قایم کرنے اور حصول منفعت ذاتی کا ذریعہ پیدا کرنے کے خیالات کا ہجوم اور تسلط ضرور رہا چنانچہ بعض موقع شناس اور سربرآوردہ مسلمانوں نے شاہ معزول دہلی کی خدمت میں عرضداشتیں ارسال کیں جن میں اظہار عقیدت و جانثاری کے علاوہ انگریزی سلطنت کے مٹانے اور اسلامی سلطنت ازسرنو قایم ہونے کی آرزو ظاہر کرکے قصبہ امروہہ بلکہ ملک کٹھیر (روہیلکھنڈ) کا اہتمام و انتظام سپرد کئے جانے کی استدعا کی گئی تھی۔

اہل امروہہ کی شاہ معزول کو عرضداشتیں

فتح دہلی کے بعد جب شاہی دفتر کے کاغذات کی جانچ پڑتال کی گئی تو اہل امروہہ کی یہ عرضیاں بھی برآمد ہوئیں۔ انکے فرستادگان کے نام دیتے دیرینہ کاغذات میں اس طرح ثبت ہیں:-

(۱) عرضی ذرۂ بے مقدار خاکسار نمک خوار کمترین بندگان محمد شیر علی خان خلف سید محمد نذیر علی خان از سادات امروہہ معروضہ دوم ماہ ذالحجہ الحرام ۱۲۷۳ھ۔

(۲) عرضی فدویان شیخ بشارت علی خان و شیخ مہربان علی خان و شیخ مظفر علی خان و شیخ فیاض علی خان و شیخ اعتماد الدین خان و شیخ عباس علی خان و شیخ عشرت علی خان و شیخ احسن علی خان و شیخ نصیر الدین خان و شیخ منصب علی خان نبیرگان درویش علی خان پنجہزاری خانہ زاد موروثی شکنان قصبہ امروہہ ضلع مرادآباد سرکار سنبھل معروضہ ۱۶ شوال ۱۲۷۳ھ

(۳) عرضی مہری ولیداد خان معروضہ ۷، شوال ۱۲۷۳ھ۔

(۴) عرضی فدویان سید گلزار علی و سید نثار علی و سید محمد حسین و سید محمد و سید فضل حسین و شیخ الٰہی بخش وغیرہم ساکنان امروہہ۔ ۶، شوال ۱۲۷۳ھ

(۵) عرضی کمترین غلامان عقیدت کیش سید محمد سجان علی متوطن معافی دار امروہہ معروضہ ۲۵، ذیقعدہ ۱۲۷۳ھ۔

(۶) عرضی بشارت علی خان نبیرہ درویش علی خان معروضہ ۹، ذالحجہ ۱۲۷۳ جلوس والا دربارہ یاددہانی عرضی مرسلہ بتاریخ ۱۲، شوال ۱۲۷۳ھ۔

ناظرین کی دلچسپی کے لئے ان میں سے بعض عرضداشتوں کی نقول تمام و کمال ذیل میں درج کی جاتی ہیں:-

عرضداشتوں کی نقول

نقل عرضداشت سید شبیر علی خان خلف سید محمد نذیر علی خان ساکن محلہ دربار کلاں موسومہ شاہ معزول دہلی

بعز عرض بندگان قدس آشیان ملائک پاسبان بارگاہ فلک اشتباہ ظل الٰہی خلافت پناہی ادام اللہ تعالیٰ ملکہ اعلیٰ می رساند

عرضداشت ذرۂ بے مقدار جان نثار نمک خوار کمترینان محمد شبیر علی خان

کہ ہموارہ در تمنائے استماع مژدۂ فتح و ظفر رایات نصرت آیات بندگان سکندر شان دارا دربان بودہ مترصد بشارت فتوحات تازہ و تفرجات بے اندازہ می ماند قبل ازیں بعہد عدالت مہد سلطنت شاہی آبا و اجداد ایں جان نثار بمرحمت مناصب جلیلہ و عطاہائے نبیلہ از قبیل خطاب و منصب و جاگیرات معزز و سرفراز بودہ مورد اصناف مراحم شاہانہ و گوناگون عطیات و عنایات خسروانہ ماندہ اند چنانچہ ببرکت ہماں عنایت و امداد شاہی ذریعہ اوقات گذاری و وسیلہ سپاسداری است و ہموارہ بہ استدعائے اعلائے رایات ظفر آیات و ارتقائے اعلام نصرت انجام موظف و شاغل۔ دریں آوان میمنت اقتران کہ رشحات دولت و اقبال از سحاب افضال حضرت ذوالجلال رسیدہ و باد مراد عنایت خالق العباد بر پرچم اعانت و امداد وزیدن

ناصیهٔ فدویت بدرگاه معبودی سائیدم وسجدات شکرگذاری بجناب ایزد باری بتقدیم
رسانیدم تمنائے این جان نثاران بود که بدرگاه ملائک پناه ظل الٰهی حاضر شده بتقریب
جان نثاری به ادائے سپاسداری کوشم مگر انجاکه بالفعل بسبب درهمی وبرهمی حکومت
کفره ظلمه واختلال احوال عامه رعایا وپورش وفساد مفسدین بدنهاد وتعدی و
تغلب قوم جاٹان بے بنیاد وصورت بے سرانجامی اطراف وبے انتظامی این اکناف واقع
است از احصال سعادت عتبه بوسی آستان ملائک پاسبان محرومی دارد مع‌هذا
هنوز بوجه شورش ویورش مفسدان امنیت طریق کما ینبغی صورت نه بسته اند که
ازیں طرف دغدغه باقی ست چوں الکنوں به اقبال خسروی وامداد شاهنشاهی هرگونه
امن وهر نوع رفاهیت واطمینان بزمرهٔ جان نثاران ظل الٰهی می مانم فروغ آفتاب
عالم‌تاب سلطنت جهانبانی بر سر بندگان دائما پرتوافگن باد بالنون والصاد۔

عرضی

ذره بے مقدار خاکسار کمترین کمترینان محمد شیر علی خان خلف سید محمد نذیر علی خان از ساداتِ امروهه تحریر هفدهم ربیع الثانی ۱۲۷۳ه

(۲) نقل عرضداشت نبیرگان درویش علی خان پنجهزاری مرقومه شانزدهم شوال سنه ۱۲۷۳ه

معروض بندگان حضور لامع النور معدلت منشور حضرت ظل سبحانی خلیفة الرحمانی شاهنشاه گیتی پناه خلد الله ملکه و سلطنته می سازد

بعد تقدیم مراسم عبودیت وجان نثاری وتقدیم لوازم فدویت وانکساری که سرمایهٔ تفاخر سرمدی
است دریں ایام فرخنده فرجام به استماع مژدهٔ جان بخش روح افزائے زیب بخشی افسر وسهیم
خلافت الٰهی وزیب افزائے اورنگ شاهنشاهی این غلامان قدیمی وخانه زادان موروثی
نبیرگان درویش علی خان منصب دار پنجهزاری به اقبال والا جانبازی بکار برده ومبارزت و
دلیری کرده استیصال بندوبست انگریزان از سرکار سنبهل وکل قصبات متعلقهٔ سرکار
موصوفه ساخته واز قصبهٔ امروهه خاص که تولدش ودیگر متعلقان وخیرخواهان انگریزان
را به جهنم رسانیده وانهدام مکان تهانه وتحصیل گردانیده شیخ بشارت علی خان برادر کلان

خود را کہ از سبب خلل اندمعہ پانصد کس مبارز و مستعد برائے انتظام آنجا گذاشتہ ما فدویان
بتاریخ بست و نہم ماہ رمضان المبارک معہ چہل تن برائے جان نثاری تحت حضور فیض گنجور
و قدم بوسی بندگان درگاہ ملائک پناہ کہ ملجائے جہان و ماوائے بندگان قدیمی خانہ زادان
موروثی است از قصبہ امروہہ دواں دواں تا غازی الدین نگر رسیدہ راہ دہلی پیش
گرفتیم کہ عظیم الدولہ سرفراز الملک نواب محمد ولی داد خان بہادر بتاریخ دوم ماہ شوال از
پل دریائے ہنڈن واپس کنانیدہ ہمراہ خود بمقام مالاگڈھ آوردند و بسیار الطاف فرمودند
اکنوں ما فدویان در مقام مذکور الصدر حسب الارشاد نواب صاحب ممدوح مقیم ہستیم
مستحق منصب موروثی لہذا امید کہ بتفضلات حضرت ظل سبحانی و سایہ یزدانی
بمراحم شاہنشاہی و بمناصب موروثی سرفرازی یافتہ بہ انتظام ملک کٹھیر مامور
شویم کہ انجام آں بہ اقبال بندگان والا بخوبی خواہد شد۔ الٰہی آفتاب جہانگیر کشورکشا
از مطلع جاہ و جلال طالع باد بحرمت النون و الصاد۔ فقط۔

عرضـــــــــــــــــــــــــــــــــی

فدوی شیخ بشارت علی خان و فدویان شیخ مہربان علی خان و شیخ مظفر علی خان و شیخ فیاض علی خان و شیخ اعتماد الدین خان و شیخ عباس علی خان و شیخ غوث علی خان و شیخ احسن علی خان و شیخ نصیر الدین خان و شیخ منصب علی خان پسرگان درویش علی خان پنجہزاری خانہ زاد موروثی ساکنان قصبہ امروہہ ضلع مرادآباد سرکار سنبھل
معروضہ شانزدہم شوال سنہ ۱۲۷۳ ہجری۔

(۳) عرضداشت مولوی سبحان علی (پیرزادہ) مرقومہ ۲۵ ذیقعد سنہ ۱۲۷۳ھ

بموقف عرض بارباریافتگان آستان فیض نشان خورشید ضیا مریخ حشم حضرت خداوند نعمت سلطان زمین و زمان ابوظفر سراج الدین محمد بہادر شاہ ظل سبحانی خلیفہ الرحمانی خلد اللہ ملکہ می رساند

پس از بجا آوری مراسم تسلیمات و کورنش و بجا آوری فدویت کہ غلامان عقیدت کیشان را از بہر بہبودی کونین است
الحمد للہ علی افضالہ کہ دعاہائے سحری و ادعیہ النجائے نیم شبی دعاگویان موروثی و نمک خواران
ازلی بدرجۂ اجابت رسیدہ یعنی بہ یاوری اقبال عدیم المثال حضرت قضا جریان فرقۂ معاندین

بدبہادر حاجی مقتول و ہلوک گردیدہ و نیّرِ اقبال والا طالع گشت و تسلّط غلامان دولت
قاہرہ بہر طرف ملک گردیدہ و می گردد چنانچہ یُمنِ اقبال والا ازیں ملک و ضلع ہم اخراجِ قوم
نصاریٰ و خلوِ ملک از حاکمان حکمران گردید پس از چند سالہا تمنائے دلی و آرزوئے قلبی
غلامان عقیدت کیش و دعا گویاں برآمد کہ سایہ حضرت ظلّ سبحانی بر مفارق خلق اللہ گو
عقیدت سرایاں بود مگر بہ عالم ظہور ہم منبسط گردیدہ ؎

بللہ الحمد ہر آں چیز کہ خاطر می خواست آخر آمد ز پس پردۂ تقدیر پدید

دلِ فدویت منزل بے اختیار می خواست کہ قدم از سر و چشم ساختہ مشرّف دربار فلک اقتدار
و مستفیض بارگاہ عرش اشتباہ گردد و مراتب جان نثاری و مراسم دولت خواہی بدل و
جان ادا سازد الّا چوں از چند ماہ بیمار و صاحب فراش بود طاقت طے منازل و مراحل
نداشت ازیں سبب مجبور ماندہ و حقوق نمک خواری و جان نثاری موروثی ہست...
ازانجا کہ خانہ زاد رسوخ موروثی و فدویت ذاتی بحضور بندگان عالی دارد مورد مراحم
خسروانی بودہ است مستحق تفضّلات خسروانہ.... متوقع کہ اصدار فرمان قضا جریان
مشعر خشنودی مزاج بارگاہ فلک پناہ بنام ایں عقیدت کیش گردد تا موجب مفاخرت
گردد و مطابق (آں) خود را مشرّف دربار والا ساختہ حقیقت حال گذارش سازد۔

آفتاب ترقیات سلطنت و جہانبانی تاباں و درخشاں باد

عرضی

نبیرہ حضرت سید محمود عالا مآل کرمانی قدس سرّہ العزیز کمترین غلامان عقیدت کیش سید محمد سبحان علی[1] متوطن قصبہ امروہہ

مورخہ ۲۵ ذیقعدہ ۱۲۷۳ھ

---

[1] مولوی سبحان علی بن مولوی امداد علی، جنہوں نے یہ عرضداشت شاہ معزول دہلی کو ارسال کی تھی، اپنے زمانہ میں خاندان پیرزادگان کے معتمد رکن اور امروہہ کے مشاہیر اکابر و عمائد میں سے تھے۔ یہ امر البتہ حیرت انگیز ہے کہ ایام غدر ۱۸۵۷ء میں شاہ معزول (دہلی) کو عرضداشت بھیجنے اور انگریزی حکومت کے خلاف صاف اور صریح الفاظ

(۴) عرضداشت دیگر من جانب شیخ بشارت علی خان (قوم کلال)

بوقف عرض ـــ باریابانِ درگاہِ ملائک پناہ خداوندِ خداوندگان سکندر شکوہ حشمت پژوہ حضرت ظلِ سبحانی خلیفۃ الرحمانی شاہ عالم پناہ خلد اللہ ملکہٗ ـــ می رساند

بعد بجاآوری مراسم عبودیت وانکساری ولوازم فدویت وجان سپاری کہ موجب افتخار

دارین است قبل ازیں بتاریخ شانزدہم ماہ شوال ۱۲۷۳ھ عرضداشت محتوی حال فدویت

(بقیہ صفحہ ۶۶)

میں اپنے خیالات کا اظہار کرنے کے باوجود مولوی سبحان علی ۱۲۷۵ھ کی دار وگیر سے نہ صرف قطعاً آزاد و محفوظ رہے بلکہ حکام انگریزی کے یہاں بھی غدر کے پُرآشوب زمانہ کے بعد ہی انہوں نے کافی رسوخ اور وقعت بھی حاصل کرلی تھی۔ اگرچہ یہ بہت ممکن ہے کہ بعد میں اُن کے سیاسی خیالات میں کوئی تبدیلی پیدا ہوگئی ہو تاہم اس عرضداشت کا مضمون اور اس کا لب و لہجہ ایسا ہرگز نہ تھا کہ ان سے متعلق باز پرس نہ ہوتی۔ ان کی یہ عرضی بھی اہل امروہہ کی دوسری عرضیوں کی طرح شاہ عزّدل کے دفتر سے برآمد ہوئی تھی، دوسرے عرضی گذاروں پر تو جرم بغاوت میں سنگین مقدمات قایم ہوئے اور تحقیقات کے بعد سخت سزائیں بھی دی گئیں لیکن مولوی سبحان علی کلیتاً آزاد و محفوظ رہے۔ ظاہر ہے کہ اسکی کوئی خاص وجہ ہوگی۔ بعض سن رسیدہ حضرات سے خاکسار مؤلف کو معلوم ہوا کہ اس زمانہ میں مولوی سبحان علی کے ہم نام ایک اور شخص سادات امروہہ میں مسلہ دربار کلاں کے ساکن بھی تھے جو جُرم بغاوت کی علت میں مفرور ہوگئے تھے۔ سرکاری کاغذات کی نقول میں "سید سبحان علی مفرور" کے الفاظ خاکسار مؤلف کی نظر سے گذرے ہیں۔ غالب قیاس یہی ہے کہ یہ عرضی بھی بجائے مولوی محمد سبحان علی پیرزادہ کے ان ہی "سید سبحان علی مفرور" کی جانب منسوب کی گئی اور چونکہ اس زمانہ تک پیرزادہ صاحبان کی سیادتِ نسبی اور فاطمیت کا اظہار بھی عام طور سے نہیں ہوا تھا، اس خاندان کے ناموں کے ساتھ بالعموم لفظ پیر لکھا جاتا تھا اور خود یہ حضرات بھی اپنے ناموں کے ساتھ یہی لفظ لکھا کرتے تھے۔ ناموں کے ساتھ سید کے لفظ کا استعمال اسوقت تک شروع نہیں ہوا تھا اور "نبیرۂ سید محمود ملا مال کرمانی" کے بجائے اہل شہر اور حکام اس خاندان کے افراد کو "پیرگان حضرت شاہ ابن بدرِ چشتی" جانتے اور سمجھتے تھے۔ اسلئے حکام کو مولوی سبحان علی مرحوم سے سوء ظنی کی کوئی وجہ

شال یعنی از تاریخ بست و پنج ماہ رمضان المبارک ۱۲۸۸ھ مستعد و سرگرم بودن ما فدویان در کار
سرکارِ دولت مدار اعنی استیصال بندوبست انگریزان از سرکار سنبھل و قصبات متعلقہ
آں و روانہ نمودن برادران مہربان علی وغیرہ معہ اعتماد الدین خان وغیرہ غلام زادہائے
و برادر زادہائے غلام فیاض علی خان وغیرہ معہ رفقائے دیگر چہل تن بحضور معدلت نشور
و واپس آوردن نواب عظیم الدولہ معز الملک محمد ولی داد خان بہادر نصرت جنگ اوشاں را
از پُل دریائے ہنڈن متصل غازی الدین نگر بتاریخ دوم ماہ شوال سنہ صدر برفاقت خود
بمقام مالاگڑھ برائے انصرام کار بندگان سرکار فیض آثار طبق عرضداشت نواب صاحب
موصوف ترسیل خدمت ایستادگان پایہ تخت عرش منزلت نمودہ بود کہ بپاسخ آن فرمان
قضا جریان بنام نواب صاحب ممدوح نزولِ اجلال فرمودہ مفتخر دارین ساخت اگرچہ کمترینہا
بسبب بودن بمقام امروہہ بنا بر اعانت زمینداران و ممانعت اجرائے تحصیل غیر بنگالانِ
نصاریٰ از شرف استیعاب دیدار فائض الانوار بس ممتاز نہ گردید لیکن بعد تعین داشتن
برادر عزیز ولایت علی خان را برائے انجام کار معروضہ بالا بہ امروہہ حاضر گردیدن فدوی
بمقام مالاگڈھ حسب الطلب نواب صاحب بہادر بہ استماع حکم مندرجہ اش از زبان فصیح
البیان نواب صاحب موصوف بدیں منوال کہ ایشاں یعنی فدوی برفاقت نواب صاحب
ممدوح حاضر بودہ و انتظام صوبہ ملک دوآبہ پرداختہ بعد انتظام آں مع جماعت حاضر آستان
عرش نشان گردد کہ بمراد دلی بخدمت و مناصب موروثی سرفرازی خواہد یافت بنا بر آں خانہ
زاد موروثی بہ شرف استماع حکم جہان مطاع آفتاب شعاع انصرام کار سرکار فلک اقتدار

(بقیہ صفحہ ۶۷)
نہ تھی۔ ان کی نظروں میں نہ وہ بغاوت کے مجرم تھے اور نہ ان سے کوئی بازپرس کی گئی۔ الغرض ان کے نام کے ساتھ
اس طرح اس عرضی میں لفظ "سیّد" کے شمول کی برکت نے انہیں آفات زمانہ سے کلیتاً مصؤن و مامون رکھا ؏
رسیدہ بود بلائے ولے بخیر گذشت

دریں نواح دجوار واحد دانستہ برفاقت نواب صاحب بہادر مع برادر و برادر زادہائے و غلام زادگان بکار سرکار فیض آثار عرضداشت نواب صاحب ممدوح منکشف رائے جہان آرائے خواہد بود آیندہ اندریں باب نحوی کہ حکم قضا شیم شرف نفاذ یابد حسب آں عمل آرد۔ الٰہی آفتاب دولت واقبال از مطلع جاہ وجلال طالع باد، بالنّون والصّاد۔

عرضی

کمترین خانہ زاد فدوی بشارت علی خان نبیرہ درویش علی خان مرقومہ سنہ ۱۲۷۳ھ ۱۹ ذی الحجہ

عرضداشتوں کے جواب میں شاہی شقہ

ان عرضداشتوں میں سے سیّد شبیر علی خان کی عرضداشت کے جواب میں شاہ معزول دہلی کی جانب سے ایک شقّہ سیّد مذکور کو وصول ہوا۔ اسکی نقل، جو کاغذات دیرینہ کے بخشش میں دستیاب ہو گئی ذیل میں شایع کیجاتی ہے۔ ایّام غدر میں نواب صاحب رامپور کی جانب سے امروہہ کا انتظام مندرجہ ذیل عہدہ داروں کے سپرد تھا :-

(۱) اوّلاً سیّد ظہور حسن[1] عارضی طور پر پھر صاحبزادہ اصغر علی خان مستقلاً (ناظم)، (۲) مولوی محب علی خان عبّاسی (تحصیلدار) (۳) سیّد یعسوب الدین[2] (تھانہ دار)۔ (۴) منشی کریم بخش عبّاسی۔ (کوٹ گشت یعنی انسپکٹر)

شقہ شاہی متذکرہ صدر کے متعلق جو رپورٹیں عہدہ داران مذکورہ بالا نے حکام بالا دست کو ارسال کیں ان کی نقول بھی ذیل میں درج کی جاتی ہیں :-

نقل روزنامچہ واقعہ ۲۳ اگست مطابق ۲ محرم سنہ ۱۲۷۳ ہجری۔

" خبر منشیر موجب ورود سیّد یعسوب الدین تھانہ دار کی تحریر دہندگان اس مضمون سے

---

[1] سیّد ظہور حسن نبیرہ سیّد دوست علی بن سیّد عظیم الدین بن سیّد غلام شرف الدین بن سیّد عبد الباری بن دیوان سیّد محمود۔ [2] سیّد یعسوب الدین بن سیّد شرف علی نبیرہ سیّد دوست علی مذکور۔

ہو چکی کہ شقہ شاہی دہلی سے واسطے بندوبست پرگنہ امروہہ بنام سید محمد شبیر علی خان
پسر نذیر علی خان مرحوم کے صادر ہوا ہے سو بر طبق ورود شقہ موصوف کے ارادہ خان صاحب
موصوف کا ہے کہ بندوبست امروہہ کا طرف بادشاہ دہلی سے کریں اور تھانہ و تحصیل
سب اپنی تجویز سے مقرر کریں۔ یہ خبر مندرجہ روزنامچہ کی جاتی ہے۔ چنانچہ حسب تحریر
تھانہ دار کے خبر اطلاعاً درج روزنامچہ کی گئی۔"

نقلِ عرضی کریم بخش کوٹ گشت

"عرصہ پانچ روز کا ہوا کمترین واسطے گرفتار کرنے مجرمان مقدمہ غارت گری
بخش اللہ خان صوبہ دار اور ڈھونڈھنے خوشحال وغیرہ مدعیان کے موضع ڈکہہ اور
مونڈھا وغیرہ دہات کے گیا۔ کل کے روز مال مدعیان قسم نقدی و پارچہ برآمد کر کے لایا
جب امروہہ میں آیا معلوم ہوا کہ ایک شقہ شاہی شاہجہاں آباد سے بنام محمد شبیر علی خان[1] پسر
سید محمد نذیر علی خان برادر زادہ سید محمد حسین خان کے آیا ہے چنانچہ اُس کی نقل ارسال
حضور کی جاتی ہے۔ عرضی محررہ ۲۶ر اگست ۱۸۵۷ء۔"

نقلِ شقہ معطوفہ عرضی کوٹ گشت

"سیادت پناہ شجاعت دستگاہ محمد شبیر علی خان مورد تفضلات بودہ بدانند
عرضی آں سیادت پناہ مشعر بر رسوخ ارادت و خصوص عقیدت در بارگاہ فلک اکفا:
خسروی بہ امید احراز سعادت حضوری و باز ماندن بسبب فتنہ و فساد جاٹان نابکار
ضیاء اندوز انظار قدسی گردید و بجلی کیفیت معروضہ بوضوح رسید۔ لہذا زیب ارقام

---

[1] یعنی سید شبیر علی خان بن سید نذیر علی خان بن سید انور علی خان بن سید ارشد علی خان بن سید باقر علی خان بن سید رحم علی خان بن سید عبدالعزیز بن دیوان سید محمود بن سید عبدالماجد بن سید عبدالخالق بن سید شاہ ابوالحسن بن سید محمد میر عدل۔

می گردد کہ آں فدوی خاص تا انتظام کلی آنجا قصد احضار در دولت نہ نماید و ہر گاہ امنیت کامل و بند و بست بہ ظہور رسید کاغذ جمع خرچ از تحصیل بعد مجرائے مصارف ضروری حاضر حضور شود دریں صورت موتو الطاف بادشاہی خواہد گردید۔ زیادہ تفضلات شناسند۔

المرقوم ۱۲؍ ذی الحجہ سنہ ۱۲۷۳ ہجری"

نقل عرضداشت مولوی محب علی خاں صاحب تحصیلدار امروہہ

"فدوی بہ اتفاق سید موسیٰ رضا کوتوال مرادآباد اور ہمراہیان کے واسطے انتظام سرکاری بہ اندفاع فساد اور شورش جاٹان کے موضع رجب پور میں گیا اور اول انتظام راستہ کا واسطے امنیت مسافران کے کرکے کشن سنگھ وغیرہ جاٹان کو طلب کیا چنانچہ وہ حاضر آن کر مطیع فرمان ہوئے اور مچلکے انتظام راستہ کے لکھدئے اور عند الطلب باقی زرِ لگان اپنے کے کہ بہت قلیل ہے وعدہ پانچ چار روز کا کیا بعد اسکے فدوی بہ طلب پیشکار محال امروہہ میں آیا تو اکثر شہر میں تذکرہ شقہ بادشاہی موسومہ شبیر علی خاں اور مطالبہ انکا زرِ کثیر مہاجنان شہر سے واسطے نگاہداشت سپاہیان کے پایا اگرچہ اس قدر عرصہ میں گونہ صورت انتظام کی ہوتی آتی تھی کہ اس شقہ سے صورت بدنظمی کی ہو گئی۔ ساکنان شہر نے اب تک زرِ قسط خاص داخل نہیں کیا تھا بعض مالگذاران دیہات کا وعدہ ادائے قسط کا تھا کہ اس وجہ سے وہ بھی وصول ممکن نہیں۔ دریں صورت اگر جناب حکیم سعادت علی خاں صاحب بہادر معہ دو ضرب توپ کے یہاں تشریف لادیں تو بخوبی انتظام متصور ہے اور صبح فدوی بہ معیت کوتوال موصوف انتظام راستہ طرف نوگانوہ وغیرہ کے جاوے گا اور وہاں بھی مفسدوں سے مچلکہ لکھوا کر بتاریخ نہم محرم واسطے عرض حال مفصل کے حاضر حضور ہووےگا۔ اطلاعاً عرض ہے۔ معروضہ ۲ر اگست سنہ ۱۸۵۷ء"

عرضی

فدوی محمد محب علی۔ تحصیلدار امروہہ۔

باغیوں کی چند روزہ حکومت

نقّہ شاہی کے پہنچنے پر سیّد شبر علی خان اور اُنکے ساتھیوں نے امروہہ میں اپنی حکومت قایم کرنی چاہی۔ مسٹر (بعد کو سر جان) اسٹریچی مجسٹریٹ مراد آباد نے ماہ فروری ۱۸۵۸ء میں بمقام امروہہ مقدمہ بغاوت کی جو تحقیقات فرمائی اور اس سلسلہ میں سیّد محمد حسن خان دانشمند، ناظر (بعد کو راجہ) گور سہائے، میر بنیاد علی (میرزادہ)، مولوی کریم بخش عباسی، جوہر مل ساہوکار، ہر پرشاد قانون گو وغیرہ کے جو اظہارات ہوئے ان سے بخوبی ثابت ہے کہ ابتدائے ایّام غدر میں سادات محلہ دربار کلاں اولاد دیوان سیّد محمود اور شیوخ کلال بیر گاہ ان درویش علی خان منصب دار پنجہزاری عہد فرخ سیری نے امروہہ پر اپنی حکومت قایم کی، رعایا سے پندرہ پندرہ بیس بیس برس کا زمینداره وصول کیا، ان ہی حضرات میں سے کوئی ناظم مقرر ہوا اور کوئی دیوان بنا، مہاجنوں اور ساہوکاروں سے بھی روپیہ طلب کیا حتیٰ کہ ایک فقیر حسین شاہ تکیہ دار کو مار باندھکر اس سے روپیہ حاصل کیا، لیکن یہ حالت چند ہی روز رہی۔ بعد کو نواب جنابِ رام پور نے سیّد گلزار علی کو شکست دیکر امروہہ پر پورا تسلّط قایم کیا۔ ناظر گور سہائے نے اپنے اظہار میں بیان کیا تھا کہ:-

> "سیّدوں امروہہ نے امروہہ پر اپنا تسلّط کیا، اپنی منادی پٹوائی اور گشت اپنی رکھی اور حق زمینداری قصبہ امروہہ کا باشندگان امروہہ سے ۲۲ برس پہلے کا وصول کیا۔۔۔۔
> دو اہیروں کو مار ڈالا اور روپیہ ان کے چھین لئے، ایک سُنار کو اور ایک کھتری کو ان کے گھر پر چڑھ کر مار ڈالا، جو کچھ جھگڑا آتا اس کو فیصل کرتے۔۔۔۔ اور حویلی میری ان ہی ایّام میں اُڑوا دی، دو ہزار روپیہ کی لاگت کی تھی۔ اب میں نے وہ حویلی بنوائی ہے۔"[1]

مولوی کریم بخش عباسی نے جو ایّام غدر میں من جانب نواب صاحب رام پور امروہہ کے کوٹ گشت

---

[1] بیان ناظر گور سہائے بہ اجلاس مسٹر (بعد کو سر جان) اسٹریچی۔ ۱۲ر فروری ۱۸۵۸ء۔

تھے اپنے اظہار میں جو ۶ فروری ۱۸۵۸ء صاحب مجسٹریٹ کے سامنے دیا بیان کیا کہ :-

" ناظر گور سہائے کے چلے جانے کے بعد سادات نے اپنے آدمی مقرر کئے اور ہر ایک رعایا کو پکڑوا منگوایا اور تحصیل زمیندارہ کی کری۔ بڑے دربار والوں نے بڑے دربار کی طرف کی تحصیل کری (کی) اور اُسی تحصیل زمینداری میں سنار نے عذر کیا تھا کہ اس کو مار ڈالا اور اس کا گھر پھونک دیا۔ اور مقدمہ سرکار میں دائر ہوا تھا کہ بہ سبب نہ ہم پہنچنے ثبوت کے رہائی ہوئی اور طرف محلّہ غلام علی والوں کے رمضان علی نے تحصیل کری (کی) اور کلاکو نے اپنی طرف سے اپنی تحصیل کری (کی) اور بنگلوں والوں (سید یاد علی سجاد علی) نے اپنی جگہ پر رعایا سے تحصیل کری (کی)[1] اور دس دس بیس بیس برس پہلے کی زمینداری تحصیل کری (کی)، بعد کو سرکار کی طرف سے جب نواب صاحب (رام پور) نے عمل دخل یہاں کیا تب سب متفق ہو کر وہاں گئے۔ اوّل یہ درخواست کری (کی) کہ جو حاکم مقرر ہوں ہمارے اختیار سے ہوں۔ دوم نذرانہ معاف کر دیا جائے اور باقی جو ہے وہ اگلے سالوں پر ڈال دیا جاوے اور اور بات اسی قسم کی درخواستیں کریں (کیں) ...... بعد کو نواب صاحب (رام پور) نے مجھے یہاں کا تھانہ دار کیا اور (مولوی) محب علی (خان عباسی) کو تحصیلدار کیا۔ برائے نام تھانہ دار تحصیلدار تھے مگر سب زور سیدوں کا رہا اور برائے نام دخل نواب صاحب کا ہوا اور جیسا دخل چاہئے قرار واقعی نہ ہونے دیا اور اپنا ناظم اور تھانہ دار اوروں کو کرایا۔ جب نواب صاحب نے گلزار علی کی لڑائی ماری اور علی اصغر خان کو ناظم کیا اور ابن علی کو تھانہ دار کیا اور چھیدا لال کو تحصیلدار کیا تب پورا دخل ہوا۔ نہیں تو برائے نام دخل تھا اور اس عرصہ میں جب تک بے دخلی نواب صاحب کی رکھی بادشاہ (معزول) دہلی کے ساتھ رسل رسائل رکھے۔ ایک فرمان شبیر علی خان کے نام واسطے کرنے انتظام

---

[1] سید محمد نے چھوڑہ میں اپنے محلہ کے چماروں اور رعایا سے زمیندارہ تحصیل کیا (بیان میر ضیاد علی

کے آیا۔ اس کی نقل میں نے نواب صاحب (رام پور) کے پاس بھیج دی ہے مگر سُنا ہے کہ سوائے اس کے اور بھی فرمان بنام شیخ محمد افضل اور شیخ بشارت علی خان اور اور کسی کے آیا مگر یہ فرمان ظاہر نہ ہوئے ....

اور شرف علی وغیرہ اقوام سادات اپنے آپ کو نواسہ اور منصب دار بادشاہی کہتے تھے ..... جب حکیم سعادت علی خان جانب سرکار سے واسطے مقابلہ گلزار علی کے آئے اور فرحت علی و یوسف علی خان، محمد حسین خان، مولوی تراب علی جو توپ مانگی تو بپاس خاطر گلزار علی نہ دی ..... اور ولایت علی خان، مہربان خان اور بشارت علی خان گلال ..... اپنے باپ دادوں کو منصب دار بادشاہی بتاتے تھے اور یہ امر میرے روبرو کہتے تھے کہ دادا ہمارے درویش علی خان وزیر تھے ..... اور نجیب خان باغی بھی ان کے کہنے سننے سے آیا اور نور اہن پور اور رجب پور میں ان کے اشارہ سے رسد دی گئی"۔ [1]

نواب صاحب رام پور کا انتظام

اس کے بعد نواب صاحب رام پور نے ضلع کا انتظام اپنے ہاتھ میں لیا اور امروہہ کی نظامت پر ناظر گور سہائے کو مامور فرمایا۔ یہ امر رؤسائے سادات اولاد دیوان سید محمود کے خلاف منشا ہوا، ناظر گور سہائے کا بیان ہے کہ:-

"سارے رئیس امروہہ کے مرادآباد میں گئے اور انہوں نے جاکر نواب صاحب کو وصیل دیں کہ ہم ناظم ہونا گور سہائے کا نہیں چاہتے اور تھانہ داری افضل علی سے راضی نہیں ہیں۔ ہمارا ہی ناظم ہوئے اور ہمارا ہی تحصیلدار ہوئے اور ہمارا ہی تھانہ دار اور ان ہی ایام میں واسطے معافی نذرانہ کے اور اور بات کی عرضی دی تب نواب صاحب (رام پور) نے مصلحتاً ان ہی لوگوں میں سے (سید) شرف علی کا بیٹا یعنی سید

---

[1] بیان مولوی کریم بخش عباسی ۱۹ فروری ۱۸۵۸ء بہ اجلاس مسٹر اسٹریچی مجسٹریٹ۔

یعسوب الدین (دوست علی والے) تھانہ دار کر دیا اور مولوی محب علی (خان عباسی) ساکن امروہہ کو تحصیلدار کر دیا مگر ناظم اپنا ہدایت علی خان اپنے سالہ کو کیا[1] لیکن سادات نے ان کو دخل نہ دیا اور نہ تحصیل ہونے دی اور (سید) ظہور حسن کو اپنا ناظم مقرر کرایا اور اسوقت میں سیدوں کا مقدر تھا۔ طرح طرح کی زیادتی سیدوں نے کی اور گلزار علی بھی یہاں رہا اور خفیہ بھرتی فوج کی سب کے اشارے سے گلزار علی نے کرنی شروع کی اور طرف ہلدور سے (آدمی) لے آیا۔ جب میں نے عرضی مقام حسن پور سے صاحب کمشنر اور نواب صاحب رامپور کے پاس بھیجی اور لکھا کہ دو تین ہزار آدمی گلزار علی نے بھرتی کرلئے ہیں اگر زیادہ زور پکڑ گیا تو فساد ہوگا تب نواب صاحب فوج لائے اور گلزار علی کو شکست دی اور اپنا بندوبست بخوبی کیا۔ اور پھر ناظمی (سید) ظہور حسن کی نہ رکھی اور تھانہ داری بھی سیدوں کی نہ رکھی۔ امین علی چندوسی سے آیا، تھانہ دار ہوا اور نواب علی اصغر خان ناظم رہے۔"[2]

سید گلزار علی کے فوج بھرتی کرنے کی تائید عبدالعلی خان کے مندرجہ ذیل خط موسومہ سید علی مظفر خان (گھڑیال والے) مورخہ ۱۲ نومبر ۱۸۵۷ء سے بھی ہوتی ہے:۔

" خان صاحب مشفق مہربان دوستان سید علی مظفر خان صاحب رئیس امروہہ سلمہ اللہ تعالیٰ
پروانہ حضور پرنور نواب صاحب بہادر بہ جواب عرضی سید ظہور حسن ناظم امروہہ جو مشعر پہنچنے سید گلزار علی مع خواجہ حسن سابق تھانہ دار رڑکی اور بھرتی کرنے سوار اور پیدل اور تیار کرنے بارود اور اظہار اس بات کے کہ ماڑے خان آنچہ سامان استظہار کرو رام پور

[1] اور (سید) ظہور حسن ناظم ہوئے اور (سید) رمضان علی (کٹکرہ والے) اور (سید) غلام سجاد اور فرحت علی رسالدار ہوئے پانچ چھ سو آدمی کا گروہ انکا تھا۔ سب ایک تھے اور پنڈت مٹھو دیپ چند نواب صاحب سے کئی مہینے تک لڑا اور سید محمود والوں میں محمد علی مختار اور سلطان علی بھی انکے ساتھ رہے (بیان میر ضیاد علی ۱۲ فروری ۱۸۵۸ء) [2] فغسزمان ناظر کو ہٹائے مقدمہ بغاوت با جلاس مسٹر (عبد کو مسرجان) ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ مراد آباد واقع ۱۴ فروری ۱۸۵۹ء بمقام امروہہ ۲ ماڑے خان باغی

بھیجی گئی تھی، اس ارشاد سے وارد ہوا کہ غلام ناصر خان صاحب ڈپٹی مجسٹریٹ کو مع ایک ہزار پیادہ اور دو سو سوار موجودہ مرادآباد اور در صورت موجود نہ ہونے دو سو سوار دل کے مرادآباد بھیجئے ایک سو سوار اور دو ضرب توپ امروہہ کو اس واسطے کہ خان مذکور سید گلزار علی کو فہمائش کر کے ان حرکات سے باز رکھیں اور کہہ دیں کہ امروہہ میں فساد نہ کریں اور جو سوہی الیہ فہمائش خان موصوف سے باز نہ آوے تو تدارک مشارٌالیہ کا کریں اور تم سب صاحبوں کو لکھا جاوے کہ تم بھی ممد و معاون خان صاحب ڈپٹی مجسٹریٹ کے رہو ورنہ بعید خیر خواہی تمھارے سے متصوّر ہوگا اس واسطے غلام ناصر خان صاحب ڈپٹی مجسٹریٹ امروہہ کو بھیجے گئے آپ کی خدمت میں تصدیعہ دیا جاتا ہے کہ آپ اس امر میں شریک اور ممد اور معاون غلام ناصر خان صاحب ڈپٹی مجسٹریٹ کے رہیں اور در صورت عدم اشتراک بعید خیر خواہی تمھاری سے متصوّر ہوگا فقط

المرقوم ۱۲ر نوابر ۱۸۵۷ء۔

مُہر عبدالعلی خان

انگریزی حکومت کا دوبارہ تسلط

موسم سرما میں کوئی خاص واقعہ قابل تذکرہ پیش نہیں آیا۔ امروہہ اور حسن پور کی تحصیلوں میں البتہ ہندو اور مسلمانوں کے درمیان تنازعات ہوتے رہے۔ ۲۱ر اپریل ۱۸۵۸ء میں شہزادگان دہلی میں سے فیروز شاہ دہلی کا ایک شہزادہ مع کچھ فوج کے، جو خان بہادر خان بریلی کے برائے نام حکمراں نے مہیا کی تھی، مرادآباد میں آ داخل ہوا۔ تمام فوج متعینہ امروہہ باغبان نجیب آباد کے ہمراہ مع اپنی توپوں کے شہزادہ مذکور سے مرادآباد جا ملی[1]۔ اس سے اس کی قوت بیں اضافہ ہوگیا۔ یہ خبر سنکر جنرل جونس، کرنل کک نے دستہ فوج انگریزی کے ساتھ مرادآباد کو کوچ

(بقیہ صفحہ ۸۵) نواب محمود خان نجیب آبادی کے ساتھیوں میں بہت شورہ پشت شخص تھا۔

[1] تحریر نواب یوسف علی خان بہادر موسومہ نواب کاظم علی خان بہادر۔

جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے مسٹر ولسن نے ابتدائے ایّام غدر میں ناظر گور سہائے کو امروہہ کا ناظم مقرر کیا تھا لیکن چند ہی ہفتہ بعد جب غدر کی شورش نے زیادہ زور پکڑا اور انگریزی عملداری شہر سے جاتی رہی تو ناظر گور سہائے بھی امروہہ سے گجرولہ چلے گئے، وہاں وہ مع دیگر خیر خواہان حکومت انگریزی کچھ عرصہ مقیم رہے۔ جاٹوں کی کچھ جمعیت بھی ان کے ساتھ تھی۔ امروہہ میں جو لوگ خیر خواہان حکومت تھے وہ برابر حالات سے انہیں مطلع کرتے رہتے تھے۔ اس زمرہ میں سیّد محمد حسن خان (دانشمند)، پیر امین الدین اور اس خاندان کے دوسرے اشخاص خاص طور سے قابلِ تذکرہ ہیں۔ یہ حضرات اور بالخصوص سیّد محمد حسن خان باغیوں کے نقل و حرکت کی ناظر گور سہائے کو برابر اطلاع دیتے رہے۔ اس سلسلہ میں ناظر موصوف کی حسب ذیل تحریر موسومہ سیّد محمد حسن خان (دانشمند) کا اس موقع پر نقل کرنا غالباً بے محل نہ ہوگا:۔

"خان صاحب مشفق مہربان کرم فرمائے بیکران سیّد محمد حسن خان صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ

بعد ما وجب و شوق ملاقات واضح باد۔ خط تمہارا آیا اور حال مندرجہ اُس کا معلوم ہوا۔ جو تم نے لکھا ہے کہ خبر جانبے فیروز شاہ کی مع جمعیت چار ہزار آدمیان کے طرف دارا نگر کے ہے۔ یہ خبر جھوٹ معلوم ہوتی ہے کیونکہ اس قدر جمعیت اُس کے ساتھ نہیں، فقط آٹھ سو سات سو آدمی ہمراہ اُس کے سنے جاتے ہیں اور باغی لوگ حقیقت میں ادہر اُدہر کو بھاگ گئے ہیں اور جو دربارہ علالت طبیعت عارضہ زکام وغیرہ لکھا ہے آپ کو چاہئے کہ معالجہ اُس کا کرا کے صحت حاصل کیجئے، اور آئندہ کو جو خبر راست اور درست آپ کو معلوم ہو لکھتے رہو گے فقط المرقوم ۲۱ر اپریل ۱۸۵۸ء۔

الراقم گور سہائے

دازطرف خادم علی تھانہ دار بچھراؤں و علی جان[1] جمعدار چوکی گجرولہ سلام نیاز قبول باد۔

۱؎ یعنی پیر محمد علی جان بن پیر امین الدین جو اپنے زمانہ میں رؤسا و عمائد شہر میں سے تھے۔ موصوف ایام غدر میں ناظر

امروہہ میں بہت سے لوگ جرم بغاوت میں گرفتار ہوئے اور مراد آباد میں باغیوں کی گرفتاری کے لئے کرنیل کک[1] کو متعین کیا گیا جنہوں نے شہر کی ناکہ بندی کرکے خانہ تلاشی شروع کی۔ نواب مجو خان گرفتار ہو کر گولی مار دیئے گئے اور ان کی بہت بڑی جاگیر اور وسیع مکانات ضبط کرلئے گئے۔ اسیطرح اور بھی متعدد سرغنہ لوگوں کی گرفتاریاں عمل میں آئیں۔ ان کو سزائے موت دی گئی۔ ۱۲۔ رمضان ۱۲۷۴ھ کو انگریزی فوج حدود ضلع مراد آباد میں داخل ہوئی اور ۳۰ راپریل ۱۸۵۸ء کو مسٹر آر الگزنڈر شیکسپیر[2] کمشنر بریلی مراد آباد میں تشریف لائے۔ حکومت انگریزی کے دوبارہ تسلط پر چراغان کیا گیا اور ضلع کا چارج ۶ر مئی ۱۸۵۸ء کو ولایت حسین خان سابق ڈپٹی کلکٹر کو دیا گیا۔ یہ زمانہ مسلمانوں کے لئے نہایت نازک زمانہ تھا۔ اکثر انگریزی حکام کی نظروں میں ہر مسلمان باغی تھا، ذرا سے شبہ پر مسلمان گرفتار ہوتے اور معمولی ضابطہ کی کارروائی کے بعد سخت سے سخت سزائیں پاتے تھے ایسے نازک زمانہ میں مسلمانوں کی تباہی اور بربادی کے جہاں اور اسباب کارفرما تھے وہاں شیعہ و سنی کے اندوہناک جھگڑے بھی تھے۔

(بقیہ صفحہ ۷۷)

(جد میں راجہ گورسہائے کے ساتھ گجرولہ میں مقیم تھے۔ وہ منصفی کے ڈپلومہ یافتہ تھے۔ غدر سے پہلے بریلی میں وکالت شروع کی تھی۔ بغاوت شروع ہونے پر وطن آئے اور اس نازک زمانہ میں اپنی خدمات انگریزی حکومت کی تائید و خیرخواہی میں ناظر موصوف کو پیش کیں اور تا اختتام غدر برابر ان کے ساتھ رہے اور ایام شورش میں مختلف خدمات انجام دیں جس کی تصدیق پروانہ مرقومہ ۳۱ر اکتوبر ۱۸۵۸ء سے ہوتی ہے جو ناظر گورسہائے نے اعتراف خدمات میں عطا کیا تھا۔ اس میں ناظر موصوف تحریر کرتے ہیں کہ:۔ "یہ شخص ابتدائے غدر یعنی ماہ جون ۱۸۵۷ء سے آج تک میرے ہمراہ و برفاقت میرے بمقام گجرولہ وغیرہ حاضر رہا اور خیرخواہی سرکار بہادر کی کرتا رہا اور چلن رویہ اس کا بہت اچھا رہا جس کام کو میں نے تفویض اس کے کیا بجاں فشانی انجام دیا۔ اس شخص سے میں بہت رضامند ہوں یہ میرے نزدیک قابل ترقی ہے اور یہ بیرا من الدین کہ جس کے مکان پر میں مقیم ہوں، اس کا بیٹا ہے"۔

[1] Col. Coke. [2] Mr. R. Alexander Shakespear.

ولایت حسین خان نے جو شیعہ وسنی کے جھگڑوں میں نمایاں حصہ لینے کی وجہ سے ملازمت سرکاری سے برخاست کر دئے گئے تھے، اس بغاوت کے موقع پر اپنی خدمات پیش کیں لیکن باغیوں کی سراغ رسانی اور گرفتاری میں ان کی خدمات مذہبی جنبہ داری سے آزادانہ رہیں۔ رشوت کے الزامات بھی ان پر لگائے گئے۔

باغیوں کو عبرتناک سزائیں

۲۲ مئی ۱۸۵۸ء کو مسٹر ولسن اسپیشل کمشنر ہو کر مراد آباد آئے امروہہ سے بہت سے لوگ گرفتار و محبوس کئے گئے اور حسب ذیل ناموں کی ایک فہرست بہ عنوان " باغیان امروہہ " مرتب کی گئی۔ سادات محلہ دربار کلاں کے بعض افراد کو نیز شیوخ گذری میں سے درویش علی خان مرحوم و شیوخ صدیقی میں سے شیخ محمد افضل بن شیخ رمضان علی کو بلوہ و بغاوت کے سرغنہ ہونے کے جرم میں حبس دوام بہ عبور دریائے شور، ضبطی جائداد اور پھانسی کی سزائیں دی گئیں۔ سید محمد حسین خان و سید شرف علی کو جو بہ علت جرم بغاوت قید میں تھے، رہائی ملی، لیکن سید شبیر علی خان (ساکن دربار کلاں) کو مسٹر رابرٹ ہنری ڈنلاپ مجسٹریٹ نے بذریعہ روبکار عدالت فوجداری مورخہ ۱۰ نومبر ۱۸۵۸ء سپرد محکمہ صاحب سشن جج بہادر و اسپیشل کمشنر کیا۔

ایام غدر کے بعض حالات پر چونکہ اس روبکار کے مضمون سے خاص روشنی پڑتی ہے اس لئے اس کی نقل ذیل میں درج کی جاتی ہے :-

نقل روبکار عدالت فوجداری

نقل روبکار عدالت فوجداری ضلع مراد آباد - بہ اجلاس مسٹر رابرٹ ڈنلاپ مجسٹریٹ تاریخ ۱۰ نومبر ۱۸۵۸ء - نوعیت جرم سرغنہ ہونے اور ترغیب دینے بغاوت -

سرکار　　　　　مدعی

بنام

شبیر علی خان ساکن امروہہ　　　　　مدعا علیہ

واضح ہو کہ ان سب اشخاص کو، جو زاید تین سزاوار ہونگے، بہ سبب ہونے ذات سید

کے بہت پہلے سے (املاک) معافی وغیرہ بعد وضع محصول سرکاری سابق سلطنت اسلامی سے ملے تھے، جو (املاک) خیرات میں ملے تھے بالکل معاف تھے اور جو خدمت میں ملے تھے ان پر بیس ہزار روپیہ نذرانہ کا لگایا گیا تھا، لیکن کل سرکاری جمع، جو ان کے حق میں معاف ہوئی ڈیڑھ لاکھ روپیہ کے قریب ہوگی۔ یہ سب مرحمت معافی وغیرہ جو سلطنت سابق نے کی سرکار انگریزی نے بھی بجنسہٖ بحال رکھی۔ (لہٰذا) عذر فسخ معافی کا واسطے عذر بغاوت کے جو بعض اوقات مسلمان باغیوں نے پیش کیا اس کا ان سادات کے مقدمہ سے مطلق تعلق نہیں۔ (لیکن) باوجود اس کے (سوائے امروہہ کے) کوئی دوسرا مقام ایسا نہیں جہاں سرکار انگریزی کی نسبت اس قدر زیادہ دشمنی کا اظہار ہوا ہو اور جہاں اس قدر زیادہ رضامندی سے بغاوت کرنے کو مستعد ہوگئی۔ اوّل عذر میں (باغی) تھانہ اور تحصیل سرکاری پر چڑھ گئے اور تحصیل کو لوٹ لیا اور ۲۰ ہزار روپیہ لے لیا اور تھانہ دار اور جمعدار کو مار ڈالا۔ پھر کل سید معافی داران امروہہ اکٹھے ہو کر مع اپنے سرگروہوں سید علی مظفر خاں[1] اور سید محمد حسین خاں کے مرادآباد آئے اور نواب صاحب (نواب

---

[1] اس رودکار کی عبارت جا بجا سے مغلق ہے اسلئے توضیح مطلب کے لئے خطوط وحدانی میں خاکسار مؤلف نے بعض الفاظ اپنی جانب سے درج کرتے ہیں۔ [2] یہی سید علی مظفر خاں بن سید امان علی خاں بن سید علی اعظم خاں گھڑیال والے ایام عذر میں حکومت انگریزی کے وفادار رہے۔ ہزہائی نس نواب محمد یوسف علی خاں والی رامپور نے حسب ذیل پروانۂ خوشنودی بصلۂ خدمات ایام عذر مرقومہ ۱۹ رجب ۱۲۷۴ھ / ۱۸۵۸ء ان کو عطا فرمایا تھا:۔

"خان صاحب مشفق مہربان کرم فرمائے مخلصان سلمہ اللہ تعالیٰ۔ بعد شوق ملاقات بہجت آیات واضح خاطر محبت مآثر باد۔ مشتغار بر طبق ملاحظہ عرضی آں مہربان کہ بہ خلاصہ ماندن خود خیر خواہ سرکار از ابتدائی عذر و ہم نہماندن گلزار علی باغی دربارہ بازماندن از حرکات کوتاہ اندیشی بد خواہ سند خوشنودی مزاج وصول یافتہ بود کیفیت خیر خواہی و شریک ماندن آں مہربان ہمراہ

یوسف علی خان بہادر کو ایک عرضی اپنے معاملے میں دی جس میں عبارت بدواسطے سرکار انگریزی
کے لکھی تھی جو انہوں نے واپس دے دی، پھر دوسری عرضی داخل کی، جو مسل میں موجود ہے
اور عبارت بہ نسبت انگریزان کے اس میں سے نکالی گئی اور دوسری عرضی میں، جو شامل
مسل ہے، نواب صاحب کو اس طریق پر لکھا ہے کہ نواب صاحب موصوف سرکار انگریزی کی طرف
سے گویا منصرم نہ تھے، نواب صاحب موصوف کو آئندہ ہمیشہ کا حاکم سمجھا کہ بعد عملداری نصرانیان
کے گویا نواب صاحب موصوف نئے طریق پر حاکم ہوئے۔ پھر سید شبیر علی خان اور سید محمد یحییٰ علی
مفرور نے اپنی عرائض بادشاہ دہلی کے پاس بھیجیں جن میں سرکار انگریز کو کافران 'ظالمان'
لکھا ہے اور یہ دو عرائض بھی مع اور چند عرائض ساکنان امروہہ کے بہ تصدیق خیر خواہی
بادشاہ کے دفتر سے ملیں جو شامل مسل رکھی گئیں اور بجواب عرضی سید شبیر علی خان ایک فرمان
(شقہ) بادشاہ سے واسطے انتظام کرنے بطور افسر علاقہ کے آیا۔ واضح ہے کہ شبیر علی خان
اور محمد حسین خان اور شرف علی تینوں افسر و سر گروہ، من جملہ معافی داران کے تھے بندوبست

(بقیہ صفحہ ...)

فوج ایں سرکار در ہنگام شورش گلزار علی وغیرہ بدمعاشان از حکیم محمد سعادت علی خان بہادر
طلب شدہ بود چوں بہ ملاحظہ حکیم صاحب موصوف حال خیر خواہی و اطاعت و اشتراک
فرماں پذیری ہر گونہ آں مہربان نسبت اہالی ایں سرکار بوجوہ انجامید و از سابق نیز مراتب
خیر خواہی و راسخ الاعتقادی آں مہربان منقوش خاطر است لہٰذا بہ ملاحظہ کیفیت مذکور زیادہ
تر موجب رضامندی و خوشنودی مزاج ایں جانب گردید۔ لازمۂ محبت آں است کہ ہمیشہ
بنحو متقدیم مراتب خیر خواہی و اطاعت مصروف بودہ خط ہذا را سند خوشنودی مزاج
ایں جانب تصور نمایند۔

باقی خیریت زیادہ سرور باد۔"

سے سید محمد حسین خان بن سید انور علی خان ساکن محلہ دربار کلاں عم بزرگوار سید شبیر علی خان۔

واسطے اجرائے اس فرمان (شقہ) کے بہ تجویز جمع کرنے روپیہ کے بنیوں اور مہاجنوں سے کرتے تھے کہ سب انتظام اچانک بسبب فتح دہلی کے بند ہو گیا۔ جب اشتہار بہ حکم معافی بالعام معافی جرم بغاوت بہ استثنائے جرم افسران کے ملکہ معظمہ کے ہاں سے پہنچا تو ہم نے حوالات سے سب کو بہ استثنائے شبیر علی خاں اور محمد حسین خاں اور شرف علی کے چھوڑ دیا اور پھر احکام سرکار بہ نسبت اس اشتہار معافی کے پہنچے جن میں تاکید ہے کہ جہاں تک ممکن ہو کل مرتکب بغاوت کے معاف کئے جاویں تو ہم نے کل مسل پھر دیکھی ہمارے نزدیک باوجودیکہ جرم شرکت اس میں نسبت اجرائے شقہ کے شرف علی اور محمد حسین خاں پر بھی پایا جاتا ہے لیکن انہوں نے اوّل فرمان (شقہ) طلب نہیں کیا اور نہ کوئی عرضی بادشاہ کو دی اس سبب سے چھوڑنا ان کا مطابق ہدایت اشتہار کے ممکن ہے۔ اس واسطے حکم ہوا کہ محمد حسین خاں اور شرف علی چھوڑ دئے جاویں اور شبیر علی خاں بہ علت افسر رہنے بغاوت کے سپرد محکمہ صاحب سشن جج بہادر مختار باختیار اسپیشل کمشنر کے ہوئے اور فہرست باغیان امروہہ کی جو انگریزی میں ہے وہ بھی شامل اس روبکار کے کی جاوے۔

اس مقدمہ کی سماعت مسٹر الیگزنڈر اسپیشل کمشنر نے کی اور حسب ذیل روبکار کے ذریعہ جس کی نقل مسل مقدمہ سید شبیر علی خاں سے خاکسار مؤلف کو دستیاب ہوئی سزائے دائم الحبس بہ عبور دریائے شور و ضبطی جائداد دی گئی۔

نقل روبکار عدالت سشن جج

نقل روبکار عدالت سشن و اسپیشل کمشنر (علاقہ و مقام مرادآباد)

بہ اجلاس مسٹر الگزنڈر شیکسپیر صاحب بہادر قائم مقام سشن جج و اسپیشل کمشنر واقع ۱۲ جنوری ۱۸۵۹ء

سرکار — مدعی

بنام

شبیر علی خاں — سید امروہہ — مدعا علیہ

(۱) بتاریخ ساتویں جنوری ۱۸۵۹ء یہ مقدمہ ہمارے سامنے پیش ہوا تھا ہم نے مدعا علیہ کی

نسبت بہ ثبوت جرم ترغیب دینے اور سرغنہ ہونے بلوہ کے دائم الحبس کرنا ، عبور دریائی شور معہ ضبطی جائداد حسب ہدایت دفعہ سرکلر گورنمنٹ نمبر ۵۲۲۲ تجویز کر کے چٹھی نمبر مورخہ ماہ رواں استدعائے منظوری کے حسب وجوہات مندرجہ ذیل گورنمنٹ سے کی تھی ۔

تصریح وجوہات

دفعہ نمبر (۲) :۔ مدعا علیہ منجملہ بڑی جماعت سیدوں کے ہے جو قصبہ امروہہ میں سکونت رکھتے ہیں اور جن کے حق میں منجملہ زر مالگذاری ہر سال قریب ڈیڑھ لاکھ روپیہ کے بطور عطائے معافی یا نذرانہ کے معاف ہوتا ہے ، یہ سب عطیات شاہان سابق دہلی کی طرف سے ان کو مرحمت ہوئے تھے اور سرکار انگریزی نے بدستور سابق اُن عطیات کو بحال و برقرار رکھا مگر باوجود ایسی مرحمتوں کے امروہہ کے سوائے کوئی ایسی جگہ نہیں ہے جس میں ایسی زیادہ دشمنی اور زیادہ مستحکم تمرد نسبت عملداری سرکار انگریزی کے ظہور میں آئی ہو جیسی کہ سادات کی جانب سے امروہہ میں ظاہر ہوئی ، غدر کے اول ہی مہینہ میں جبکہ ضلع افسران انگریزی کے قبضہ میں تھا امروہہ کے تحصیل و تھانہ پر حملہ ہوا اور ستر ہ ہزار روپیہ سرکاری باغیوں نے بہ سرداری گلزار علی[1] ایک سید کے لوٹا اور کوتوال و جمعدار پولیس کو قتل کیا ، جولائی ۱۸۵۸ء میں ایک بڑی جماعت ان سید معافی داروں کی مراد آباد میں آئی اور نواب رامپور کو ، جو اس زمانہ میں منصرم ضلع تھے ، عرضی گذرانی ۔ منجملہ اُن کی گذارشوں کے ایک

---

[1] یعنی سید گلزار علی بن سید اکبر علی بن سید قرب علی بن سید عبد الواحد بن سید عبد الباری بن دیوان سید محمود ابتداً کثیر جائداد کے مالک تھے ، عیاشی اور فضول خرچی میں جب سب جائیداد ضائع کر چکے تو مختاری کا امتحان پاس کیا اور غدر سے پہلے مراد آباد میں عدالت ہائے فوجداری و کلکٹری میں مختاری کا کام کرتے رہے ۔ ۱۸ مئی ۱۸۵۷ء کو جب مراد آباد میں غدر ہو گیا تو اسی شب میں ایک جماعت کے ساتھ یہ امروہہ آئے اور یہاں بغاوت میں اُنہوں نے نمایاں حصہ لیا جس کے حالات اوپر بیان ہو چکے ہیں ۔ غدر کے بعد مدت العمر روپوش رہے ، ضلع بریلی وغیرہ میں ایام جلاوطنی پریشانی میں بسر کئے اور آخر عالم جلاوطنی میں وطن اصلی کو سدھارے ۔ خلقتاً بہت وجیہ و شکیل اور طبعاً نیاز مند طبع ، جری و جوان مرد تھے ۔ ان سے کوئی عقب نہیں رہا

یہ تھی کہ نذرانہ جوان سے لیا جاتا ہے ان کے حق میں معاف کیا جاوے۔ سیدوں کا زور اور نام ایسا تھا کہ نواب نے ان کی درخواستیں قبول کرنے کو اپنی رضامندی ظاہر کی۔

دفعہ نمبر (۳) :۔ ہر چند اس عرضی میں دو ناموں کی تشریح ہے (یعنی علی ظفر خان و محمد حسین خان) مگر یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ قریب دو سو سیدوں کے مراد آباد میں آئے پس اس میں شک نہیں ہو سکتا کہ مدعا علیہ بھی اس گروہ میں شامل تھا کیونکہ عرضی مذکور کل سادات امروہہ کی جانب سے گذرانی گئی تھی۔

دفعہ نمبر (۴) :۔ علانیہ کھلی ہوئی بغاوت جو شبیر علی خان سے سرزد ہوئی یہ تھی کہ اس نے معزول بادشاہ دہلی کو ایک عرضی، جس کی تاریخ تحریر مطابق ہوتی ہے ۲۴ جولائی ۱۸۵۷ء سے، بھیجی اُس میں شورش و فساد کا سبب درہمی و برہمی عملداری (کفر ظلمہ) یعنی عملداری سرکار انگریزی کے لکھا ہوا ہے۔

دفعہ نمبر ۵ :۔ اس عرضی کے جواب میں ایک شقہ جس کی تاریخ تحریر ۶ اگست ۱۸۵۷ء سے مطابق ہوتی ہے، بادشاہ معزول دہلی کی طرف سے بھیجا اُس کے پہنچنے کا جو اثر علاقہ میں ہوا کیفیت اُس کی بالتشریح رپورٹ مرسلہ تحصیلدار امروہہ مورخہ ۲۰ ماہ مذکور موسومہ نائب والی رامپور مقیمہ مراد آباد میں مندرج ہے۔ تحصیلدار اس میں لکھتا ہے کہ بہ سبب پہنچنے شقہ کے شبیر علی خان نے واسطے نگاہداشت فوج کے شاہ دہلی کے لئے مہاجنوں سے زر کثیر طلب کرنا شروع کیا ہے جو تدابیر کہ واسطے امن و امان کے پیش ہوئیں اور اُن میں سے جن پر قدرے اثر بھی مترتب ہوا وہ شقہ کے آنے سے باطل ہو گئیں اور پھر یہ کہ فوج معہ توپ کے ضرور یہاں آوے۔

دفعہ نمبر (۶) :۔ عرضی شبیر علی خان مذکرہ بالا موسومہ بہ شاہ معزول دہلی کے دفتر میں دستیاب ہوئی جبکہ فوج انگریزی نے دہلی کو فتح کیا۔ چونکہ مدعا علیہ نے بہ سبب حاصل ہونے شقہ کے علانیہ مفسدہ میں شرکت کی کہ تحصیلدار امروہہ کی کیفیت سے جو بلا شبہ صحیح ہے ثابت ہے اور اُس میں شرکت بھی قرار واقعی ظاہر ہے کہ مدعا علیہ ترغیب دہندہ اور سرغنہ بلوہ کا تھا

انگریزی کے مقابلہ میں تھا اور خاص حیثیت مدعا علیہ کی یعنی دو سرکار کی طرف سے موانی دار
اُس کے جُرم کو زیادہ سنگین کرتی ہے اسلئے پھانسی سے درگذر کر سب سے بڑی سزا جو اس کو
دینی چاہئے حسب تشریح بالا تجویز کی گئی۔"

سید شبیر علی خان کے اقربا نے ان کی بے گناہی ثابت کرنے اور قید سے رہائی دلانے کی تمام ممکن کوششیں کیں، درخواست اور میموریل حکام بالادست کو ارسال کیے مگر افسوس ہے کہ یہ سب کوششیں رائگاں گئیں۔ مسماۃ خاتون دولت زوجہ سید مذکور کی درخواست (بزبان انگریزی) موسومہ ہز ایکسیلنسی ارل کیننگ بہادر گورنر جنرل و وائسرائے کی نقل بطور ضمیمہ[1] شایع کی جاتی ہے۔ جس سے ایام غدر کے بعض تاریخی حالات پر روشنی پڑتی ہے۔

مسلمانوں کی تباہی کی دردناک داستان

غدر ۱۸۵۷ء کا ہنگامہ شمالی ہندوستان کے مسلمانوں کے لیے قیامت صغریٰ سے کم نہ تھا۔ سیکڑوں بڑے بڑے خاندان ہمیشہ کے لئے تباہ و برباد ہوگئے۔ ہزاروں لاکھوں گھر صفحہ ہستی سے حرف غلط کی طرح مٹ گئے۔ روہیلکھنڈ میں سب سے زیادہ تباہی ضلع مرادآباد کے مسلمانوں پر آئی، خاص مرادآباد میں نواب مجو خان مرحوم کی، جو ضلع کے سب سے بڑے تعلقدار تھے، اور امروہہ میں بھی دو ایک رؤسا علی الخصوص سید شبیر علی خان، شیخ محمد افضل صدیقی اور درویش علی خان مرحوم کے خاندان کی جائدادیں و املاک ضبط ہوگئیں۔ اس کے علاوہ اور متعدد نامور خاندان تباہ ہوگئے۔ غدر کا سارا الزام مسلمانوں کے سر تھوپا جاتا تھا اور بقول سر سید مرحوم :-

"کوئی آفت ایسی نہیں ہے جو اس زمانہ میں ہوئی ہو اور یہ نہ کہا گیا ہو کہ مسلمانوں نے کی گو وہ
رام دین اور ماتا دین نے ہی کی ہو۔ کوئی بلا آسمان سے نہیں چلی جس نے زمین پر پہنچنے سے
پہلے مسلمانوں کا گھر نہ ڈھونڈھا ہو۔

"ہر بلائے کز آسماں آید | گرچہ بر دیگرے قضا باشد"
"بر زمیں نارسیدہ می پرسد | خانۂ مسلماں کجا باشد"

ایسی حالت میں سرسید خان مرحوم و مغفور کا اپریل ۱۸۵۸ء میں صدر الصدور کے عہدہ پر بجنور سے مرادآباد تبدیل ہوکر آنا مسلمانان ضلع کے حق میں بہت کچھ بہتری کا باعث ثابت ہوا۔ مولانا حالی حیات جاوید میں لکھتے ہیں:-

"وہ (یعنی سرسید) بجنور میں مسلمانوں کی تباہی اپنی آنکھ سے دیکھ کر آئے تھے، جب مرادآباد پہنچے تو ان کی تباہی و بربادی کا اس سے بھی زیادہ عبرت انگیز نقشہ ان کی نظر سے گذرا جس سے ایک اور چوٹ اُن کے دل پر لگی۔ گورنمنٹ کا غصہ خاصکر مسلمانوں کے حال پر بدستور چلا جاتا تھا۔ ہندو خیرخواہی کی آڑ میں مسلمانوں سے دل کھول کر بدلے لے رہے تھے اور اگلے پچھلے بغض نکال رہے تھے۔ مسلمانوں کو مجرم قرار دینے کے لئے کوئی ثبوت درکار نہ تھا، ان کا مسلمان ہونا ہی ان کے مجرم ٹھیرانے کے لئے کافی تھا، مسلمانوں کے ساتھ بقاعدہ رعایت یا ہمدردی کرنا سرکاری عہدہ داروں کی قدرت سے باہر تھا اس لئے سرسید اپنے منصب کے لحاظ سے کوئی سلوک اُن کے ساتھ نہیں کر سکتے تھے اگرچہ ان کے مرادآباد میں آنے سے کسی قدر ناگفتہ بہ بے اعتدالیوں کا انسداد ہوا جو خاص مرادآباد میں بعض ناخدا ترس لوگ سرکاری خیرخواہی کے پردہ میں کرتے تھے کیونکہ حسن اتفاق سے انہیں دنوں میں اسٹریچی صاحب مرادآباد کے کلکٹر و مجسٹریٹ مقرر ہوگئے تھے اور اُن کو سرسید کی رائے اور مشورہ پر پورا اعتماد تھا۔"[1]

"باغیان امروہہ" کے عنوان سے جو مطول فہرست مرتب ہوئی تھی اس کے لحاظ سے یہاں کے بعض رئیسوں کی جائدادیں معرض خطر میں تھیں۔ سرسید مرحوم نے اپنے ایک لکچر میں ضلع مرادآباد کے متعلق فرمایا تھا کہ ایک بڑا غمکدہ ہماری قوم کے رئیسوں کی بربادی کا تھا۔[2] ان الفاظ ہی سے یہاں کی تباہی کا تھوڑا بہت اندازہ ہوسکتا ہے۔ ۱۸۵۹ء میں باغیوں کی جائداد منضبطہ کی تحقیقات کے متعلق جو اسپیشل کمیشن بیٹھا اُس میں دو یورپین ممبر ایک کمشنر بندوبست

---

۱ حیات جاوید صفحہ ۱۰ ۔ ۲ حیات جاوید صفحہ ۹۷۔

اور دوسرے جج مراد آباد کے علاوہ ایک ہندوستانی ممبر یعنی سرسید مرحوم مقرر ہوئے۔ مولانا حالی حیات جاوید میں فرماتے ہیں :-

"جائدادیں ادنیٰ ادنیٰ شبہ پر ضبط ہو گئی تھیں اور انگریزی حکام جنرل طور پر ہندوستانیوں کی طرف سے عموماً بدگمان اور نہایت غیظ و غضب میں بھرے ہوئے تھے۔ خصوصاً ضلع مرادآباد پر گورنمنٹ کا سخت عتاب تھا اور انگریز افسروں کا یہاں اعتدال پر رہنا دشوار تھا۔ مرادآباد کے معتبر اشخاص سے سنا گیا ہے کہ سرسید کی شرکت کے سبب یہاں کے کمیشن سے غدرداریوں کی تحقیقات نہایت اعتدال اور انصاف کے ساتھ کی اور صوبہ شمال مغربی میں ضبط شدہ جائدادیں جس قدر ضلع مرادآباد میں واگذاشت ہوئیں ایسی کسی اور ضلع میں نہیں ہوئیں۔"

خیر خواہان حکومت کو انعامات

ذیل میں اُن لوگوں کے نام معہ تفصیل صلہ خدمات درج کیے جاتے ہیں جو ایام غدر میں سرکار انگریزی کے خیر خواہ اور نواب صاحب رام پور کے عہد انتظام میں کارکن رہے، نیز امروہہ و ضلع کے دیگر مقامات پر مختلف خدمات انجام دینے کے صلہ میں انعامات حاصل کیے۔

نمبر	نام	تفصیل خدمات و انعامات
۱	گور سہائے	امروہہ کے ساکن، قوم کے جاٹ اور کلکٹری میں ناظر کے عہدہ پر مامور تھے کچھ زمینداری بھی ان کے پاس تھی۔ جب میرٹھ سے غدر کی خبریں مرادآباد پہنچیں تو ان کو مع جاٹوں کی ایک کثیر تعداد کے انتظام قایم رکھنے کے واسطے امروہہ بھیجا گیا۔ بعد میں یہ امروہہ کے ناظم مقرر ہوئے۔ پھر نواب صاحب رام پور کے عہد انتظام میں جنوبی حصہ مرادآباد کے حاکم رہے۔ ایام غدر میں حکومت انگریزی کی عمدہ خدمات انجام دیں۔ جسکے

نمبر	نام	تفصیل خدمات و انعامات
		خدمات میں راجہ کا خطاب اور گیارہ مواضعات انعام میں دئے گئے۔
۲	منشی امام الدین کمبوہ امروہوی	مرادآباد کے کوتوال تھے، مولوی منّو کے فتنہ و فساد کو دفع کرنے کے صلہ میں ایک گانوں ضلع بریلی میں ایک ہزار روپیہ سالانہ کی آمدنی کا انعام ملا۔
۳	افضل علی	ان کے باپ مدد علی امروہہ میں تھانہ دار تھے اور ابتدائے ایام غدر میں مارے گئے تھے، خود انہوں نے بھی باغیوں کی گرفتاری میں عمدہ خدمات انجام دیں اور پانچ گانوں انعام میں حاصل کئے۔
۴	وارثان شہامت خاں	شہامت خاں جمعدار مدد علی کے ساتھ امروہہ میں مارا گیا تھا اسکے ورثا کو شاہ پور موضع انعام میں دیا گیا۔
۵	سید علی مظفر خان و سید علی معظم خان (گھڑیال والے)	امروہہ میں ۱۹ مئی ۱۸۵۷ء کو جب باغیوں نے تھانہ و تحصیل پر حملہ کیا انہوں نے بہ معیت اپنے اعزا اور ملازمین وغیرہ سعداللہ خان[1] منصف امروہہ کی جان بچائی۔ ان کو مع کاغذات عدالت منصفی اپنے مکان پر لاکر ٹھہرایا۔ شہر کے بقالوں اور مہاجنوں کو بھی لوٹ کھسوٹ سے بچایا۔ شہر کی حفاظت میں مستعدی سے مدد کی، صاحب کلکٹر سے جو نینی تال میں مقیم تھے برابر خط و کتابت جاری رکھی۔ شہزادہ فیروز شاہ کا مقابلہ جب ناظم امروہہ کی فوج سے ہوا انہوں نے ناظم مذکور کی اعانت کی۔ پروانہ خوشنودی و اعتراف خدمات مورخہ ۲۲ اکتوبر ۱۸۵۸ء عطا ہوا۔
۶	سید محمد حسن خان (دانشمند)	امروہہ میں انتظام قایم رکھنے اور یہاں کے حالات سے حکام بالخصوص ناظر گور سہائے کو اطلاعات دینے میں مدد کی۔ پروانہ خوشنودی عطا ہوا۔

[1] سعداللہ خاں، منصف بعد میں۔ نواب محمود خاں باغی کے شریک کار ہوئے۔

نمبر	نام	تفصیل خدمات وانعامات
۷	پیر امین الدین (پیرزادہ)	بہ شرح صدر۔ ناظر گور سہائے قیام امروہہ کے زمانہ مین کچھ عرصہ ان کے مکان محلہ قریشیان مین مقیم رہے۔ پروانہ خوشنودی عطا ہوا۔
۸	پیر محمد علی جان (پیرزادہ)	جون ۱۸۵۸ء سے اکتوبر ۱۸۵۸ء تک برابر ناظر گور سہائے کے ساتھ رہے۔ پروانہ خوشنودی عطا ہوا۔
۹	سید ظہور حسن (دوست علی والے)	ابتدا مین کچھ عرصہ امروہہ کے ناظم رہے۔ ان کے دونون فرزند سید منظور حسن و سید نور حسن اور ان کے بھائی سید ظہور حسن بھی معین و مددگار رہے۔
۱۰	مولوی محب علی خان (عباسی)	نواب صاحب رام پور کی جانب سے امروہہ کے تحصیلدار رہے۔ بد امنی کے زمانہ مین انتظام قایم رکھنے مین خدمات لائقہ انجام دین۔ اعتراف خدمات مین خطاب "خانی" من جانب نواب صاحب رام پور اور پروانہ خوشنودی حاصل کیا۔
۱۱	مولوی کریم بخش (عباسی)	نواب صاحب رام پور کے عہد انتظام مین کوگشت یعنی انسپکٹر پولیس رہے۔ اعتراف خدمات میں پروانہ خوشنودی حاصل کیا۔
۱۲	حکیم امجد علی خان (کمبوہ)	ایام غدر میں شاہجہان پور مین تحصیلدار اور انگریزی حکومت کے بڑے بہی خواہ تھے۔ شاہجہان پور اور امروہہ میں خدمات لائقہ انجام دین۔ بصلۂ خدمات مین ڈپٹی کلکٹری کا عہدہ ملا۔
۱۳	سید فرحت علی (دوست علی والے)	ابتداءً ریاست رامپور مین بہ عہدۂ رسالداری مامور تھے۔ ایام غدر مین دو سو سوارون کے افسر کی حیثیت سے من جانب نواب صاحب رام پور امروہہ میں تعینات رہے۔ آپ کے فرزند سید ابراہیم علی و ریحان علی شریک کار رہے۔
۱۴	سید یعقوب الدین (دوست علی والے)	من جانب نواب صاحب رام پور امروہہ مین کچھ عرصہ تھانہ دار رہے۔ خدمات مفوضہ کو خوش اسلوبی سے انجام دیا۔

سنہ ۱۸۵۸ء کے بعد سے

سنہ ۱۸۵۸ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے ہاتھوں سے زمام حکومت کلیتاً نکل کر عمال سلطنت برطانیہ کے ہاتھ میں آ گئی۔ اس وقت سے سوائے اس کے کہ کبھی کبھی بعض فرقوں کے تنگ خیال اور گندہ ذہن لوگوں کی شرارتوں اور عدم رواداری کی وجہ سے مذہبی تنازعات ہوتے رہے اور کوئی واقعہ ایسا پیش نہیں آیا جو شہر کے امن وامان میں خلل انداز ہوتا۔ بدقسمتی سے ڈسٹرکٹ گزیٹیر کے اس بیان میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ امروہہ کے شیعہ وسنی فرقے ایک دوسرے کے خلاف مذہبی منافرت وعداوت کے جذبات رکھتے ہیں اور بہت معمولی سی بات پر ایک دوسرے سے دست وگریبان ہونے پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ غدر سے کچھ عرصہ پہلے شیعہ وسنی لڑ پڑے تھے۔ ایک اور ہنگامہ میں بھی جو بعض ساکنان محلہ دربار کلاں ومحلہ تولانہ کے مابین واقع ہوا تھا ایک دو جانیں ضایع ہوئی تھیں لیکن اس زمانہ میں ایسے مآل اندیش مخلص اور بارسوخ بزرگ فریقین میں موجود تھے کہ باوجود قتل وخونریزی کی سنگین وارداتیں ہو جانے کے صرف رات کی رات میں تمام نزاعات باہمی کا آپس میں مل جھل کر خود فیصلہ کر لیا۔ عمال پولیس اور حکومت کو دست اندازی اور مداخلت کا مطلق موقع نہ دیا۔ حکومت نے زائد پولیس کے اخراجات کا بہ شکل مبلغ پچیس ہزار روپیہ کا جرمانہ باشندگان شہر پر عاید کیا تھا جس کے خلاف اسی زمانہ میں صدائے احتجاج بلند کی گئی تھی۔ موقع واردات جامع مسجد محلہ تولانہ کا وہ مقام تھا جہاں اب بھی آٹھویں محرم کو تعزیوں کے جلوس کے ساتھ شاید پچھلی مخالفتوں کی یاد تازہ کرنے کے لئے فریقین کا غیر معمولی ہجوم ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ دل آزار کتابوں کی اشاعت اور مذہبی مناظرے بھی فریقین کے ناعاقبت اندیش لوگوں کی بدولت ہوتے رہے۔ کتاب ناصر الایمان پر جو حکیم امجد علی خاں کے نام سے غالباً مولوی سید رافت علی کی تصنیف پر لکھی گئی تھی امروہہ کے شیعہ سنیوں کے درمیان سنہ ۱۳۱۰ھ میں سخت ہنگامہ رہا۔ بالآخر اس کتاب کے نسخے بہ حکم صاحب کمشنر برملی تلف کئے گئے۔ سنہ ۱۹۱۲ء میں ہندو

اور مسلمانون کے درمیان ایام عشرۂ محرم مین بلوہ ہو گیا تھا جس کے فرو ہونے پر مقدمات قائم کئے گئے بعض لوگون کو سخت سزائین دی گئین اور عمائدین شہر مین سے بھی بعض آنریری مجسٹریٹون کو معطل کیا گیا۔ اب کچھ عرصہ سے شیعہ و سُنی کے اختلافات کے ساتھ ساتھ بدعتی اور وہابی کے جھگڑے شروع ہو گئے ہین۔ بیرونجات سے کرایہ کے واعظ بلائے جاتے اور دھوم دھام سے جلسے ہوتے ہین مجالس وعظ اس وقت تک کامیاب نہین سمجھی جاتین جب تک کہ فریق مخالف پر سب و شتم اور لعن طعن کی اچھی طرح بوچھاڑ نہ ہو اور فریقانہ بغض و عناد کی چنگاریان زور و شور سے بھڑک کر اتحاد و اخوۃ اسلامی کی حبل متین کو جلا کر خاک سیاہ نہ کردین اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔ اے کاش ان مدعیان علم کی حقیقت سے اہل شہر واقف ہون اور ان کے زہریلے اثر سے محفوظ رہ کر اتحاد قومی کے شیرازہ کو منتشر نہ ہونے دین ؎

بعض جاہل جبھہ و دستار سے کہ ہم عالم ہین	گھر سے نکلے ہین کہ دین قوم کو درس اخلاق
مگر اطوار ہین ایسے کہ ہر اک محفل مین	بات جو منہ سے نکالی وہی تھی کان کو شاق
اختلافات سے جنجھلا کے جو انہین گالی دین گے	ان لفنگون کا کچھ اس وجہ ہی بیہودہ مذاق
گالیان دیکے بھر اپیٹ تو کر دی تکفیر	اس سے اکتائے تو جاری ہوا فتوائے طلاق
کیون نہ اسلام ہو ایسے علما سے بیزار	جن کی ہر بات سے پیدا ہو شقاق اور نفاق

ان مشاغل سے یہ ہے ان جہلا کا مطلب
کہ نہ چھن جائے ہمارا کہین حلوائے طباق

آثار قدیمہ

آثار قدیمہ عہد ہنود

شائقین آثار قدیمہ کے نکتۂ خیال سے نہایت افسوس ہے کہ امروہہ مین ہندوؤن کے عہد آثار قدیمہ مین سے کوئی چیز موجود نہین ہے۔ اول تو فاتحین نے ہی مفتوح قوم کی تمام یادگارون کو مٹا دیا اور کچھ دستبرد زمانہ کے ہاتھون پردۂ فنا مین پوش

ہوگئیں، راجہ کے محلات، قلعہ، پرانے سندر اور تبخانون کا نام و نشان بھی باقی نہ رہا، بڑے تبخانہ کی بجائے خانہ خدا تعمیر ہوا مسجد کیقبادی (صندو کی مسجد) اس کی یادگار ہے تبخانہ کے کچھ پتھر مسجد کے صحن اور دروازہ کے نیچے تہ خاک گویا زبان حال سے کہہ رہے ہیں ؎

بہ بین کرامت تبخانہ مرا ای شیخ　　که چون خراب شود خانۂ خدا گردد

پختہ فصیل مسلمانون کی آمد کے چند صدیوں بعد تک باقی تھی، شہر کی آبادی جب بڑھنے لگی تو یہ بھی کھد گئی، اس کے دروازے البتہ اعرصہ تک قایم رہے، غدر ۱۸۵۷ء سے پہلے محلہ تو تبخانہ میں کسی تعمیر کے لئے بنیاد کھودی گئی تو ایک دو برج بڑی بڑی اور موٹی اینٹوں کی برآمد ہوئی تھی جو اتنی گہری تھی کہ ان ہی اینٹوں سے کئی مکانات تعمیر ہو گئے اور برج کا کچھ حصہ پھر بھی باقی رکھیا یہ اسی پرانے قلعہ کے ایک برج کی بیخ تھی۔ اور بھی مختلف مقامات سے اس وضع کی اینٹین برآمد ہوتی رہی ہین جو بلا شبہ ہندو راجاؤن کے قلعے اور محلات کی بنیادون کی اینٹین ہین[1]

باؤلی کا کنواں شہر سے باہر بسمت گوشۂ شمال و مغرب دو میل کے فاصلہ پر ایک باؤلی البتہ ہندؤں کے عہد کی یادگار بتائی جاتی ہے جو عرف عام مین " باؤلی کا کنواں " مشہور ہے بیان کیا جاتا ہے کہ یہ باؤلی راجہ کرپا ناتھ کے باغ کی ہے جو کائستوں کے سورج دھج خاندان کا راجہ تھا۔ لیکن طرز تعمیر سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اسلامی عہد کی تعمیر ہے یا اس عہد مین اس کی ترمیم کی گئی ہے۔ یہ باؤلی بہت وسیع اور قدیم طرز کی کنکر کے پتھر سے بنی ہے۔ سیڑھیاں نیچے پانی تک چلی گئی ہین جن کے جانبین والان بنے ہوئے ہین سنہ ۱۹۰۴ء مین اس کی مرمت ہوئی تھی۔ ہر سال یہاں چھڑیوں کا میلہ لگتا ہے[2]

---

[1] ڈسٹرکٹ گزیٹر۔ [2] بابو شیو نرائن سنجہانی نے اپنے خاندانی حالات کے تذکرے مین ضمناً اس کا اظہار کیا ہے کہ باؤلی کا کنواں ان کے مورث لالہ سری رام قانون گو عہد جہانگیری کا مترہ ہے اور اسی اراضی مین واقع ہے جو ان کو حسب فرمان جہانگیری مرقومہ یکم اردی بہشت ماہ الٰہی سنہ جلوس مطابق ۱۰۲۵ھ مین " موازی یک صد بیگہ زمین یک

آثار قدیمہ عہد ہنود متعلق صفحہ

ہندوؤں کے عہد کی کوئی عمارت امروہہ میں موجود نہیں لیکن اُس عہد کی عمارتوں کی اینٹیں بعض مقامات سے وقتاً فوقتاً برآمد ہوتی رہی ہیں۔

محلہ شیخ جاحسن کی مسجد کے دوبارہ تعمیر کے وقت بنیادوں کے لئے جو زمین کھودی گئی اس میں سے ایسی اینٹیں برآمد ہوئیں جن پر نقش و نگار اور مورتیاں بنی ہوئی تھیں۔ ذیل میں بعض اینٹوں کی تصویریں درج کی جاتی ہیں :-

بائیں نما کنواں متعلق صفحہ ۹

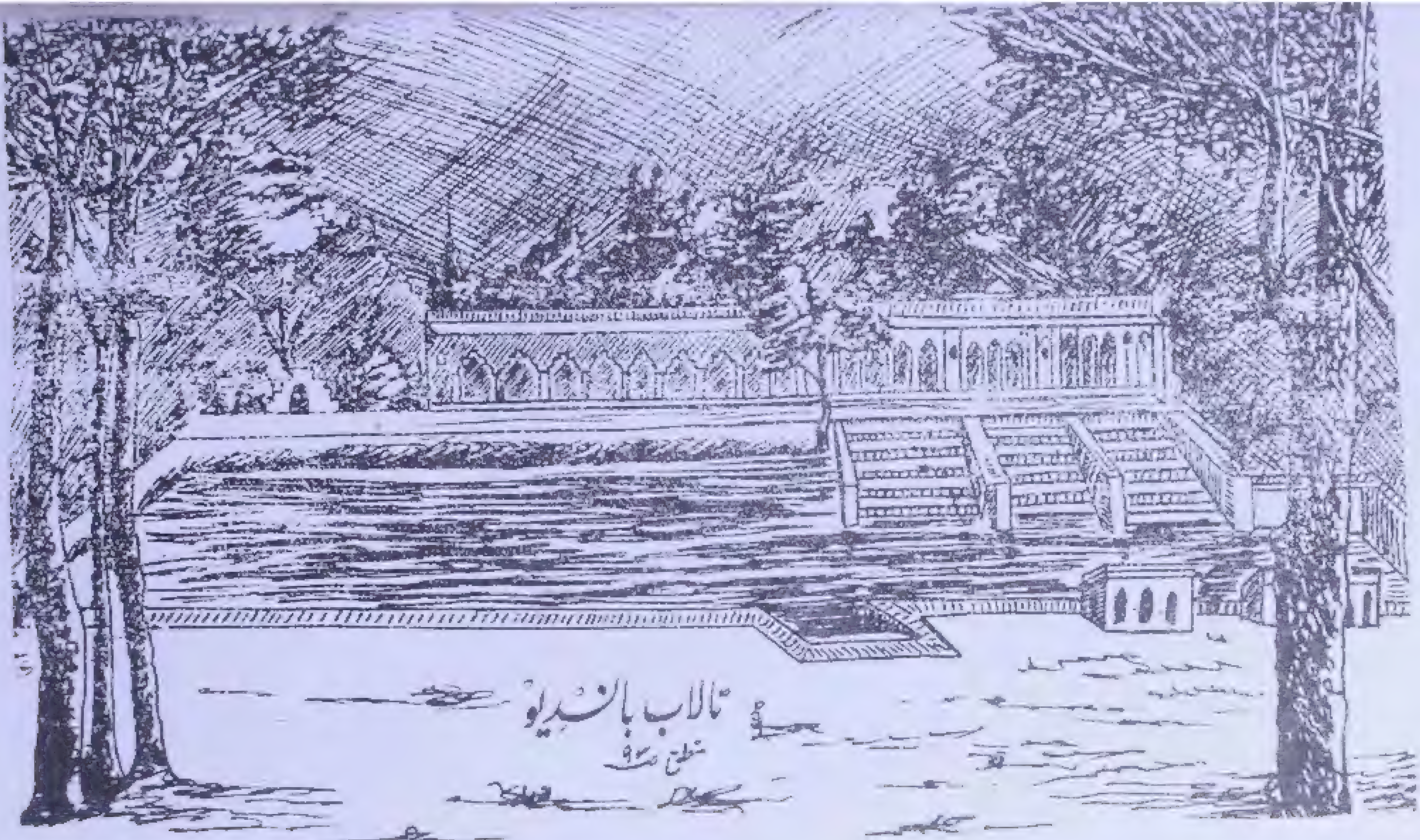
تالاب بانسدیو
متعلق ص ۹۳

باندیو تالاب یہ تالاب بھی امروہہ میں بہت قدیم ہے بعض لوگ اسے باندیو نام ایک ہندو فقیر کا بنایا ہوا بتاتے ہیں اور بعض خیالی رام کھتری ساکن محلہ کالا کنواں کا غالباً یہ تالاب ہندوؤں کے عہد کی یادگار ہے۔ بعد میں یہاں چند مندر اور شوالے بھی تعمیر ہو گئے ہیں۔

اس کے علاوہ سکندوالے باغ کے پاس قدیم کنوئیں بھی ہیں جو اسی عہد کی یادگار بتائے جاتے ہیں

آثار قدیمہ عہد اسلامی

ا۔ مسجد کیقبادی یہ مسجد جو اب "صندو کی مسجد" کے نام سے مشہور ہے امروہہ کی قدیم ترین عمارت ہے۔ ۶۹۶ھ میں ملک عنبر سلطانی حاکم امروہہ نے اس کو تعمیر کرایا تھا

(بقیہ صفحہ ۹۲)

حصہ مزروع و سہ حصہ افتادہ از موضع سری رام پور" بادشاہ کی جانب سے مدد معاش میں عطا ہوئی تھی۔ واللہ اعلم بحقیقۃ حال۔ لیکن خود اس کنوئیں کا نام اس بات کی دلیل ہے کہ یہ اس عہد سے قبل کی تعمیر ہے۔ اس قسم کے زینہ دار کنوؤں کو ہندوؤں کے عہد میں "بائین" کہتے تھے۔ ہندوستان کے مسلمان بادشاہوں میں بابر نے ایسے کنوئیں بنوائے اس وقت انہیں باؤلی کہنے لگے۔ اس قسم کے کنوؤں یا باؤلیوں کا رواج ہندوستان میں بہت قدیم زمانہ سے ہے۔ خود بابر بادشاہ نے لکھا ہے کہ "در ہندوستان چاہ کلانے زینہ دار را "وائین" می گویند"

باؤلی کا لفظ بھی اصل میں "باہولی" تھا۔ باہلہ اس چشمہ کو کہتے ہیں جو فوارہ کی مانند زور سے زمین کے اندر سے نکلتا ہے۔ "بائین" کا لفظ ابن بطوطہ نے بھی اپنے سفر نامہ استعمال کیا ہے اس لئے امروہہ میں بائین کا کنواں منشی سری رام قانون گوئے عہد جہانگیری کا معمرہ خیال کرنا صحیح نہیں۔ اغلب یہی ہے کہ یہ کنواں مسلمان شروع اسلامی عہد کی یادگار ہے اور یہ بہت ممکن ہے کہ وہ اراضی جس میں یہ باؤلی تھی پہلے سے موجود تھی من جانب سلطنت اسلامی منشی سری رام کو عنایت ہوئی ہو۔

تعمیر عمارت کا حسب ذیل کتبہ بخط ثلث اندرون مسجد شمالی جوتہ بر دو سطرون مین کندہ ہے:

امر ببناء ہذہ العمارت المسجد المبارکة فی عہد دولة السلطان
المعظم ظل اللہ فی العالم معز الدنیا والدین المخصوص بعباد
رب العالمین القائم بتائید الرحمٰن ابو المظفر کیقباد
السلطان خلد اللہ ملکہ و سلطانہ العبد الضعیف الراجی الی
رحمة الربانی عنبر سلطانی فی العزة من شہر المبارک
رمضان سنہ ست و ثمانین و ستمائة

ملک عنبر نے قرآن پاک کی آیات بھی پتھرون پر کندہ کرا کے مسجد کی محراب اور درون پر نصب کرائی تھین۔ ان آیات کے چند ٹکڑے اب بھی مسجد کے دروازہ کے اندرونی رخ پر نصب ہین ایک مین "واولٰئک ھم الفائزون" پڑھنے میں آتا ہے۔

۹۶۴ھ میں جب یہ عمارت کسی صدمہ سے شکستہ ہو گئی تھی تو **قطب الدین قناق خان** نے، جو اس زمانہ مین امروہہ کے حاکم تھے، اس کی مرمت کرائی۔ اس کی تصدیق حسب ذیل کتبہ سے ہوتی ہے جس کے تین شعر مسجد مذکور کے جنوبی در کی پیشانی پر اور دو شعر دروازہ مسجد کے شمالی پایہ پر منقوش ہین ؎

در عہد عدل خان زمان فلک جناب | کز فیض عدل اوست جہان خلد جاودان
کان سخا و خواجہ دنیا و قطب دین | عالی تبار قافلہ سالار راستان
از بہر خاص و عام جہان ساخت مسجدے | کز مسجد الحرام دہد در صفا نشان
ز شش بہ روشنی و شرافت چو آفتاب | سقفش بسادگی و لطافت چو آسمان
تاریخ این خجستہ بنا بر رواق چرخ | کلک قضا نوشت بنائے قناق خان

۹۶۴ھ

اس کے بعد ۹۸۱ھ مین یہ مسجد پھر شکستہ ہو گئی۔ اس وقت سید محمد میر عدل امروہوی نے

متعلق صہ ۹۲

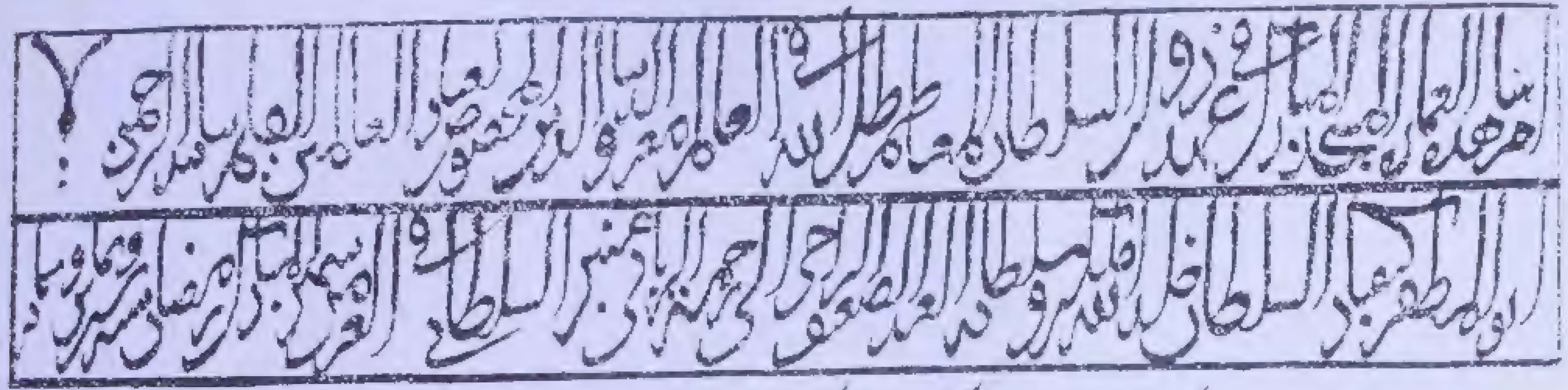

قدیم کتبہ جات جو مسجد کیقبادی کی دیواروں پر نصب ہیں

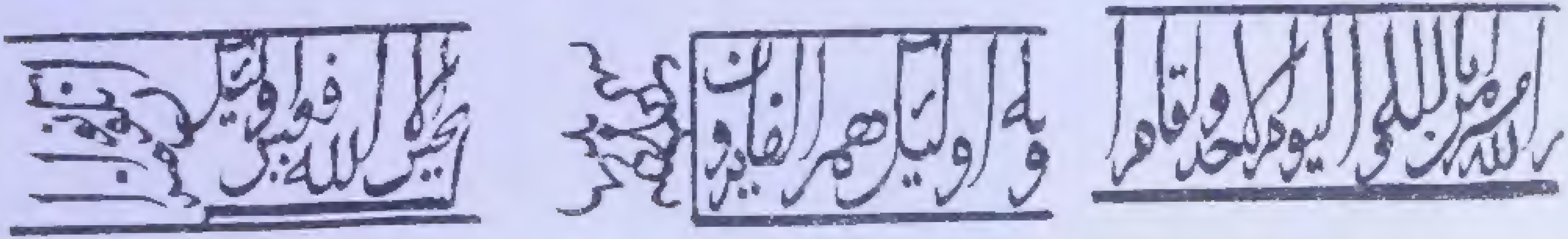

آیات قرآنی کی بعض کتبوں کے ٹکڑے

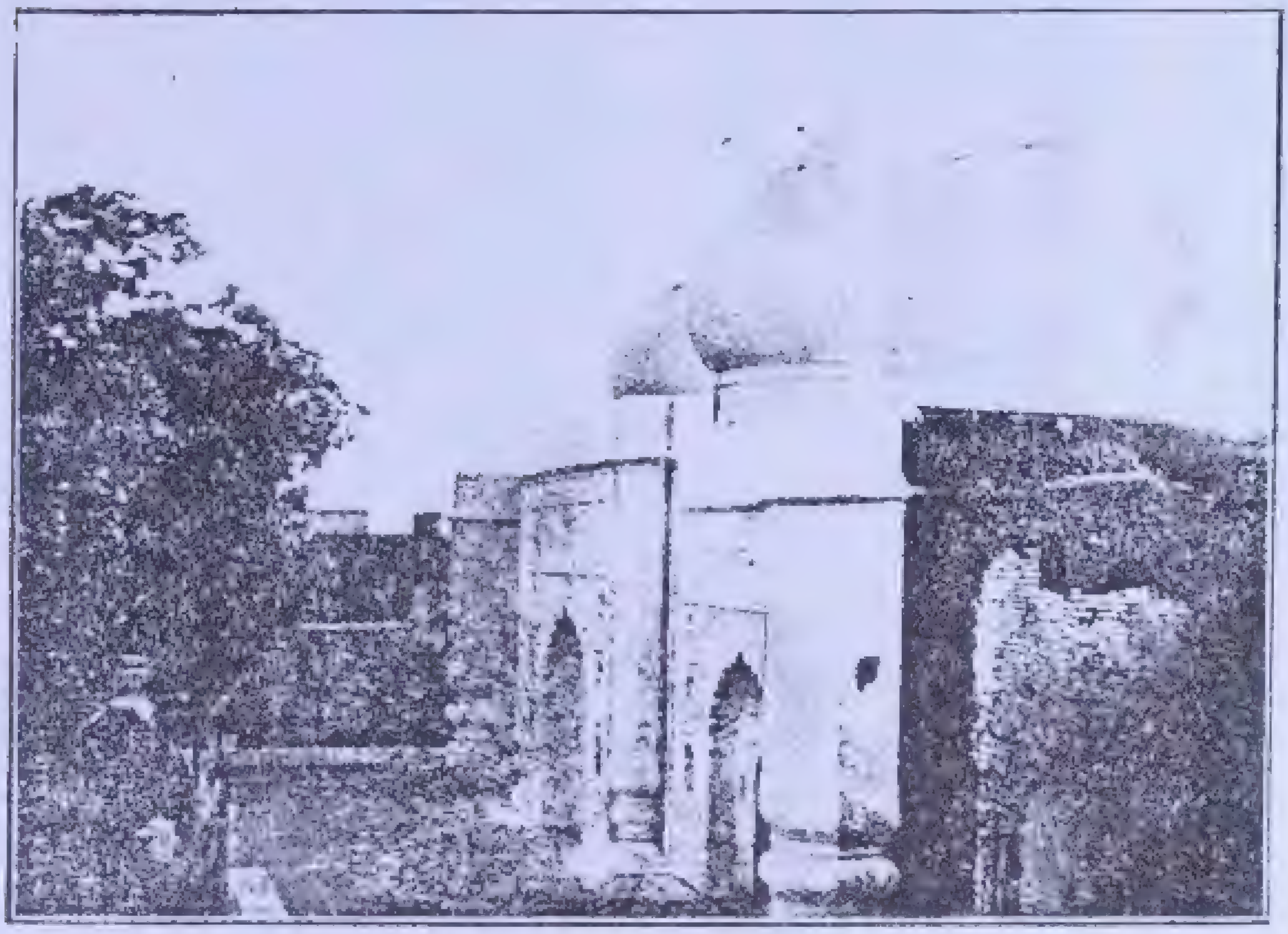

مسجد کیقبادی (محلہ صدو)

نہ صرف اس کی مرمت کرائی بلکہ اس کی تعمیر میں اضافہ بھی کیا۔ ابتداءً مسجد کے صرف تین گنبد تھے سید محمد میر عدل نے ان پر دو گنبدوں کا اور اضافہ کیا جسب ذیل کتبہ اندرون گنبد جنوبی چونہ پر کندہ ہے۔

بعہدِ اکبر غازی جلال دولت و دین	مدار ملک و ملل بادشاہ ظلّ اللہ
زمانہ خادم درگاہ اوست بی تکلیف	ستارہ بندۂ میزان اوست بے اکراہ
بنا نمود در امروہہ مسجد جامع	معز دین محمد امیر خلق پناہ
سپہر مرتبہ سید محمد عادل[1]	کہ وصفِ او شنُدا و راز خلق بہ گاہ
دلم چو نکتۂ تاریخش از خرد پرسید	جواب داد روانِ سحر خوش دلخواہ
مگو زہائے اخیر و بگوئے تاریخش	بنائے میر عدالت پناہ عالی جاہ

قائلہ و کاتبہ عارفی سنہ ۹۸۱ھ

تیسری مرتبہ جب پھر یہ مسجد قابل مرمت ہو گئی تو ۱۲۶۳ھ میں مسلمانان امروہہ نے اس کی مرمت کے لئے اہل شہر سے عام چندہ کی اپیل کی۔ اس اپیل کی نقل جس کو اس زمانہ کی اصطلاح میں "صورت حال" کہا جاتا تھا "تاریخی دلچسپی کے لحاظ سے ذیل میں درج کیجاتی ہے۔ اس پر تقریباً نوّے اشخاص کے دستخط ثبت تھے۔ دستخط کنندگان میں نصف تعداد سادات کی ہے اور نصف دیگر شرفاء امروہہ کی۔ مثلاً میر اسد اللہ خان عرف میر کلو، سید علی اعظم خان (گھڑیال والے)، سید تاج محمود خان (دانشمند)، سید شجاعت علی (جد امجد سید معظم حسین محلہ گذری)، سید محمد صلابت، سید محمد کفایت و سید محمد امانت (شفاعت پوتہ) سید علی حسن خان (دربار کلاں) خواجہ خیر اللہ خان (محلہ بخشی)، مولوی محمد سعید عباسی، مولانا غلام مصطفےٰ عباسی، مولٰنا نواز محمد عباسی، ابوالمکارم عباسی، نظام الدین عباسی (محلہ مولانا) وغیرہ

نقل صورت حال در طلبی چندہ مرمت جامع مسجد امروہہ مرقومہ ۱۱ شوال ۱۲۶۳ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لہ الحمد و بہ نستعین و الصلوٰۃ

---

[1] یعنی سید محمد میر عدل۔ [illegible]

علیٰ رسوله وآله واصحابه اجمعین ۰ حق سبحانه تعالیٰ در قرآن مجید
و فرقان حمید می فرماید۔ إنما يعمر مساجد الله من آمن بالله واليوم
الآخر واقام الصلوٰة وآتى الزكوٰة ولم يخش الا الله فعسى
اولئك ان يكونوا من المهتدين ۰ معنی آیۂ کریمه این است که بنا
می کند مسجد ہائے خدائے تعالیٰ را مگر آن کس که ایمان آورده است به خدائے تعالیٰ
و ایمان آورده است به روز قیامت و کسے که قایم کرده است نماز را و داده است زکوٰة را
نمی ترسد مگر از خدائے تعالیٰ و اقدس پس زود است که آنها یعنی تعمیر کنندگان مساجد
باشند از ہدایت یافتگان و فرموده است رسول خدا صلّی الله علیه وسلّم:۔
من بنى مسجداً ابنى الله له بيتاً فى الجنة ۰ معنی حدیث شریف این است
که آن کس که بناء کند مسجد را بناء کند خدائے تعالیٰ برائے آں کس خانه در بهشت۔
بر ہر یک از سادات عظام و مشائخ کرام و جمہور انام سکنۂ قصبه امروہه روشن و
مُبرہن است که مسجد جامع قصبۂ مذکور در عہد سلطان معز الدین کیقباد بنا شده
قریب پانصد سال بر تعمیر این مسجد منقضی گشته چنانچه تاریخ بناء که بر سنگے از آن مسجد
منقوش است غرۂ رمضان المبارک سنه ۶۸۶ھ است و ہمت بزرگان اسلاف بر مرمت
و تعمیر این مسجد مبارک مصروف مانده چنانچه مغفرت پناہ میر سید محمد عادل[۱] مرحوم در
سنه ۹۹۱ ہجری[۲] مرمت نمود و دو گنبد بر سه قدیم زیاده بناء فرمود حالا مسجد مذکور بسبب
کہنگی شکسته شده و نوبت به آن رسیده که از پا در آید و باز بنائے این چنین مسجد
عالی شان از سر نو خیلے دشوار است پس چوں ثواب بنائے مسجد به موجب فرموده خدائے
تعالیٰ و رسول او صلّی الله علیه وسلّم ثابت است لہذا بر ذمۂ ہمت کافه انام و جمہور اہل اسلام

سلہ یعنی میر سید محمد میر عدل امروہوی ؁۲ یہ کتاب کی غلطی معلوم ہوتی ہے۔ اصل کتبہ میں سنہ ۹۷۱ھ کندہ ہے۔

لازم و واجب است کہ سعی بلیغ نمودہ ترتیب و مرمت ایں مسجد نمایند یعنی بہ نفس خطیر می باید
تا ایں مسجد درست شود و یک کس طاقت سرانجام آں ندارد بنا بر آں تدبیر سہل ترین مستحقے
یہ ایں وضع است کہ ہر یک از سادات و شرفا و اہل حرفہ یک تنکہ تا بیجانی فی نفر از ذات خود و عیال
و اطفال خود بدہند و جاگیرداراں فی الک دام پنج روپیہ و سکان دہات دو روپیہ سہ دیہہ آباد و یک
روپیہ سہ دیہہ ہای کاشت سرانجام نمایند تا ثواب یابند و حق سبحانہ تعالی در مال و اولاد آنہا
خیر و برکت دہد و ہندوان مطیع الاسلام کہ ربقۂ اطاعت اسلام در رقبۂ جان دارند دریں امر نیک
انجام با مسلمین موافقت نمایند تا در زمرۂ اہل اسلام نیکنام باشند۔

سخیاں ز اموال بری خورند   بخیلاں غم سیم و زری خورند

تحریر فی التاریخ یازدہم شہر شوال المکرم سنہ ١١٦۴ یکہزار و یکصد و شصت و چہار ہجری۔

چندہ فراہم ہوا، مرمت بھی ہوگئی لیکن افسوس اسی زمانہ میں صدو کے میلہ سے جلب منفعت و کشہ بدزند کے لالچ نے مہتمم و متوسلین مسجد اور بعض اہل محلہ کو خانۂ خدا کے اصلی مقصد سے بے پرواہ کر دیا، مسلمانان شہر نے دوسری مسجد واقع محلہ مولانا کو آباد کیا۔ اور یہ نہایت قدیم مسجد جامع اور تاریخی و متبرک عمارت چند لوگوں کی حرص و آز اور عام مسلمانوں کی غفلت اور مداہنت کا شکار ہوگئی

عزیزوں نے اس سے توجہ اٹھالی   عمارت کا ہے اس کی اللہ والی

یہ مسجد جو پانچ صدیوں سے زیادہ مدت تک امروہہ کی مسجد جامع رہی، جہاں مسلمانان امروہہ کے اسلاف کرام، علماء و فضلاء، مشائخ اولیاء خالق معبود کی عبادت میں مصروف رہتے تھے جس مقام کو ان بزرگوں کی نورانی پیشانیاں سجدہ میں مس کرتیں آہ وہ متبرک مقام اب مشرکین کا جولانگاہ بنا ہوا ہے، جس مقام پر کلام پاک کی تلاوت، تفسیر و حدیث کا درس ہوتا تھا، جہاں علماء و طلباء کا ہجوم رہتا تھا وہاں مکانات مسکونہ تعمیر ہوگئے۔ مسجد کا کنواں تک میلہ والے کے چبوترہ میں شامل کر لیا۔ مسجد کے دو گنبد و مینار ٹوٹے پڑے ہیں، نہ فرش و فروش ہے نہ روشنی و صفائی کا انتظام، نہ بانگ و صلوٰۃ کا اہتمام۔ اب یہ خانۂ خدا مسلمانان امروہہ کی غفلت اور

بے حقیقی کا مرثیہ خواں ہے۔

"وہ کن کا خدا ہے کہ جس کا یہ گھر ہے!!"

۲۔ مسجد جامع کلاں معمرہ شیخ عمر حسین بن شیخ پیرک۔ یہ مسجد محلہ کنگوئی میں تحصیل کے محاذ میں ہے۔ کوئی کتبہ مسجد میں نصب نہیں تاہم متعدد فرامین و پروانجات شاہی سے جو خاکسار مؤلف کی نظر سے گذرے، معلوم ہوتا ہے کہ یہ مسجد ابتدائے عہد اکبری میں اس زمانہ کی تعمیر ہے جب مسجد کیقبادی کی شکستگی کی وجہ سے امروہہ میں نماز جمعہ کے لئے کوئی دوسری وسیع مسجد باقی نہ تھی۔ اوائل عہد مغلیہ میں اس مسجد کے مصارف کے لئے بیس بگیہ زمین، من جانب حکومت اسلامی، موضع شاہ کبیر سرائے جسے غلطی سے لوگ "بیا یک سرائے" کہتے ہیں، دی گئی تھی۔

۳۔ مسجد عباسیان معمرہ مولانا محمد عباسی علیہ الرحمۃ۔ یہ مسجد محلہ مولانہ میں خاکسار مؤلف کے جد اعلیٰ مولانا محمد عباسیؒ نے اواخر عہد اکبری میں اپنے اس مکان کے متصل، جو اب قاضی ابن عباس صاحب عباسی کی ملکیت ہے، تعمیر کی تھی۔ مولانائے موصوف جب آخر عمر میں شاہی خدمات سے سبکدوش ہو کر وطن چلے آئے اسی مسجد میں درس دیا کرتے تھے۔ اس مسجد کے مصارف بھی حکومت اسلامی کی جانب سے ادا ہوتے تھے۔ شہنشاہ عالمگیر انار اللہ برہانہ کا فرمان محررہ ۲۲ رشہر ذوالقعدہ سنہ جلوس موافق ۱۰۷۵ھ خاکسار مؤلف کے پاس ہے جس میں "مبلغ شش دنیم تنکہ یومیہ بلا قصور از محصول پرگنہ امروہہ" اس مسجد کے مصارف کے لئے مقرر کئے گئے تھے۔ بعد میں بعوض یومیہ ایک ملک تعدادی پچاس بگیہ (۵۰ بگیہ) موجب پروانہ نواب جعفر خان محررہ شعبان ۱۱۲۹ھ مصارف مسجد کے لئے وقف ہوگئی جس کا اہتمام مولانا عبدالرشید عباسی رحمۃ اللہ علیہ کا خاندان کرتا رہا۔ حال میں اس مسجد میں کچھ ترمیم ہوگئی ہے۔

۴۔ چلہ کی مسجد ۔۔ ۱۰۲۹ھ میں از وجہ سید ابوالقاسم والدہ سید محمد میر عدل، زمیر گرامی ...

تاریخ تعمیر کا کتبہ حسب ذیل ہے :-

درعہد ابو الفتح نور الدین جہانگیر بادشاہ غازی عصمت پناہی بی بی زینب زن سید ابو القاسم الحسینی والدہ سید محمد منعم ایں مسجد را بنا ساخت۔ قطعہ

چو از فضلِ حق و ز مددِ مصطفےٰ | بنا مسجدِ خوب و مرغوب شد
چو تاریخش از عقل کردم طلب | بگفتا بگو، مسجدے خوب شد

۲۹ ھ ۱۰

اہل محلہ کی کوشش سے سنہ ۱۲۸۸ھ میں اس کی مرمت اور استرکاری ہوئی۔ منشی قادر علی رہاکر، مہتاب نے اس کی کیا خوب تاریخ نکالی ہے :-

چو تاریخ بنا شد مسجدے خوب | مرمت خوب، تاریخ مرمت
۲۹ ھ ۱۰ | ۸۸ ھ ۱۲

۵۔ مسجد درگاہ ملک الشہداء خواجی سلیمان

واقع محلہ شاہی چبوترہ۔ یہ مسجد سنہ ۱۰۶۶ھ میں شیخ منصور بن شیخ بیرو متبنائے شیخ تاج نے تعمیر کرائی تھی۔ اس سے پہلے بھی اس مقام پر ایک قدیم مسجد تھی جو مسلمانوں کی آمد کے ابتدائی زمانہ میں بتخانہ کو مسمار کرکے بنائی گئی تھی۔ بتخانہ کے پتھر اب بھی صحن مسجد میں دبے پڑے ہیں اور ایک پتھر مسجد کے دروازہ کے پاس الٹا نصب ہے۔ مسجد کے اندر محراب میں ایک پتھر پر یہ عبارت کندہ ہے :-

اللہ محمد رسولہ

بانیٔ مسجد بہ عالم از ہمہ منصور شد

قائلہ و کاتبہ عبداللہ حلیم سنہ ۱۰۶۱ھ

مسجد کے بیچ کے در پر حسب ذیل قطعہ تاریخ کندہ ہے :-

ھو اللہ۔ درعہد صاحب قران ثانی شہاب الدین محمد شاہ جہاں بادشاہ غازی خلد اللہ ملکہ

چو منصور بن بیرو را شیخ تاج | پسر کردہ پروردہ با خویشتن
زجد[1] ایں ووداور چو منصور کرد | بنا مسجدے خلد مان خوب روشن

---

[1] معلوم ہوتا ہے کہ یہ مصرعہ غلط کندہ ہو گیا۔

دو تاریخ از سال او گفتہ طبعم — اگر نیک دارند اہل سخن
یکے گفت بنا کرد منصور تاج — منصور بیرو نوکرد مسجد کہن "

(قائلہ وکاتبہ شیخ مدد اردشاد حسین ۱ھ)

کچھ عرصہ ہوا اس مسجد کی مرمت ہو کر صحن وسیع کیا گیا اور کچھ اور بھی ترمیم ہوئی۔

۶۔ مسجد جامع اَمروہہ — یہ عالی شان اور خوبصورت مسجد محلہ مولانہ میں متصل تالاب باندھارٹی مرتفع مقام پر واقع ہے۔ اس کے پیچھے تالاب اور باغات کے پُر فضا منظر نے مسجد کی زیبائش کو دوبالا کر دیا ہے۔ موسم برسات میں بالخصوص جب مسجد کے پشت کے دروازے کھلے ہوتے ہیں تو کچھ عجب دلآویز اور پُر بہار منظر ہوتا ہے۔

ابتداءً یہ مسجد صرف ایک بچلی گہ اور مختصر سے صحن پر مشتمل تھی، اسے سید عبدالخالق بن دیوان سید محمود بن سید عبدالماجد بن سید عبدالخالق بن سید شاہ ابوالحسن بن سید محمد میر عدل نے غالباً سنہ ۱۱ھ میں اپنے خاندانی قبرستان سے متصل تعمیر کرایا تھا۔ مسجد سے جانب شمال سید شاہ ابوالحسنؒ اور ان کی اولاد میں دیوان سید محمود اور دوسرے اشخاص کی قبریں تھیں۔ اس خاندان کے قبرستان کے علاوہ اس مقام پر، جہاں اب صحن کا شرقی حصہ اور حوض وغیرہ ہے، دوسرے قدیم خاندانوں کے افراد کی بھی کچھ قبور تھیں۔ سید عبدالخالق مذکور نے قبرستان کی خدمت اور مسجد کی جاروب کشی کے لئے ایک نقارچی کو مقرر کیا تھا، اسے کچھ اراضی بھی خدمت کے معاوضہ میں دی تھی، اب اس کی اولاد مسجد سے متصل شمالی مغربی گوشہ میں رہتی ہے۔

مسجد کیقبادی میں جو ابتداء سے امروہہ کی جامع مسجد تھی شہر کی آبادی کے بڑھنے سے اولاً تو کافی گنجائش نہیں رہی تھی پھر صدو کے میلے کے ہنگامے بھی نمازیوں کی تکالیف کا موجب ہونے لگے۔ اسلئے سید عبدالخالق کی معمرہ اس مسجد کو جو بجلی کے گرنے کے حادثہ کی وجہ سے

۱ھ یہ الفاظ اسی طرح کندہ ہیں۔

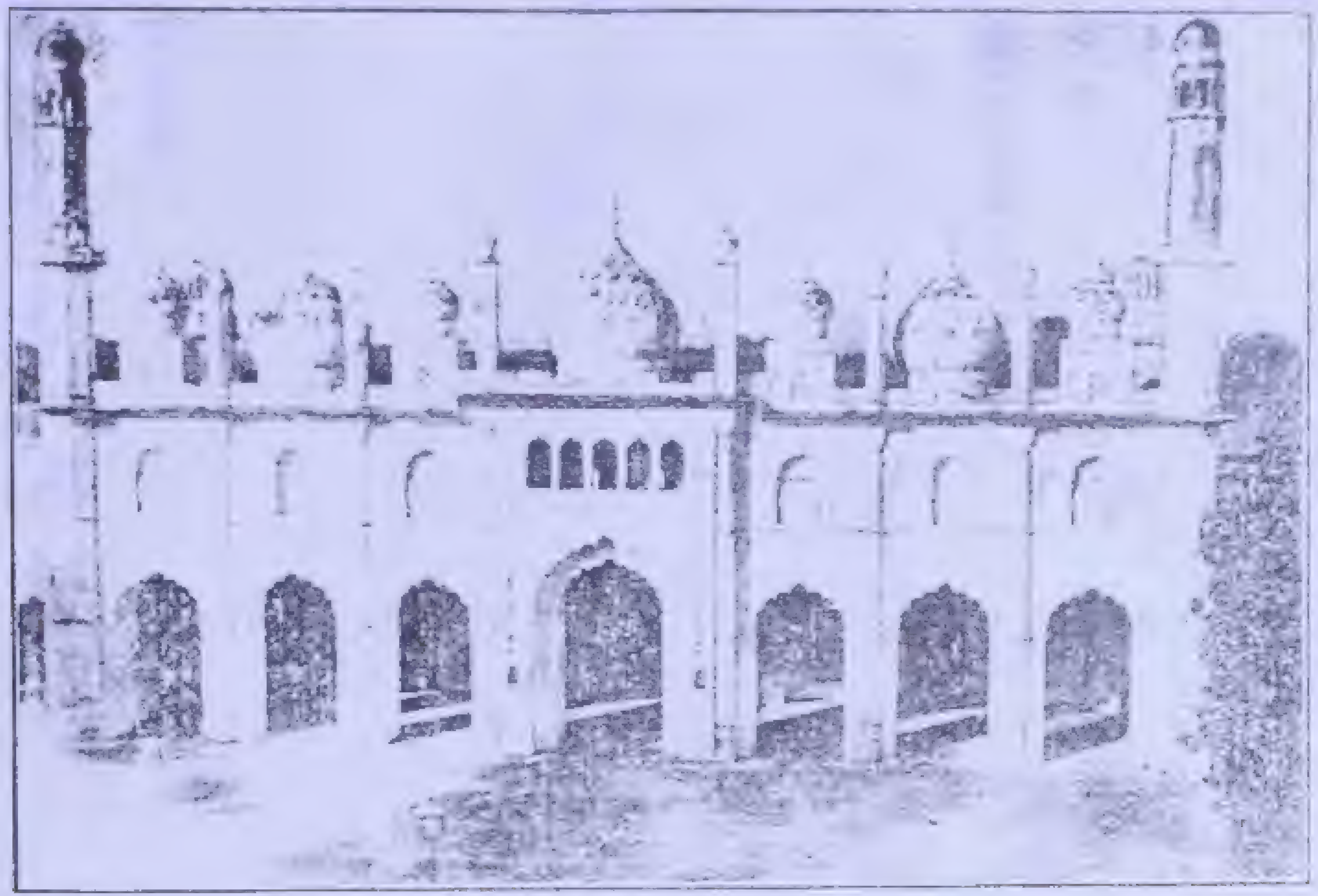

مسجد جامع امروہہ (محلّہ مولانا)

بہت شکستہ اور غیر آباد ہو گئی تھی حضرت قبلہ گاہی کے نانا صوفی خدا بخش عباسی نے ۱۲۷۳ھ میں از سر نو درست کرایا، حسب ذیل قطعۂ تاریخ مسجد کی اندرونی گہ میں محراب کے پاس کندہ ہے مصرعۂ تاریخ بھی بے نظیر ہے:-

ترسیم شکستگیٔ مسجد — از رونق دیں خبر بر آورد
ایں مسجد پاک بعد صد سال — از سجدۂ شکر سر بر آورد

۱۲ ھ ۷۳

اس سے تقریباً بیس برس بعد جب حضرت مولانا مولوی احمد حسن محدث مرادآبادی کے مدرسہ مسجد شاہی سے مستعفی ہو کر ۱۳۰۱ھ میں امروہہ تشریف لائے، مدرسہ اسلامیہ کا اس مسجد میں اجراء ہوا، مولانا موصوف بجائے حافظ سید مہربان علی کے امام جمعہ مقرر ہوئے اور جمعہ و جماعت کو ترقی ہوئی تو مسجد کی یہ ایک گہ نمازیوں کے ہجوم کی وجہ سے ناکافی ہونے لگی اس لئے بعض اکابرین شہر و منشی حکیم الدین تحصیلدار وقت نے دوسری گہ کی تعمیر کی تجویز کی، چنانچہ خود مولانا موصوف، حضرت قبلہ گاہی مولوی علی محمد عباسی، نواب وقار الملک مرحوم، مولوی نادر شاہ خان، قاضی نبی بخش عباسی، مولوی امجد علی عباسی، میر غلام جیلانی، سید امتیاز علی منصف کی کوششوں اور دیگر عمائدین محلہ دربار کلاں، کٹکوئی، قریشیان، سدو و محلہ چلہ کی اعانت سے بہ اہتمام مستری حیات بخش ۱۳۰۱ھ میں زر تفریق سے کار تعمیر کا آغاز ہوا، شیخ گلزار علی (قوم کلال) نے لکڑی اور روپیہ بہت کچھ مدد کی اور دو سال کی مدت میں بہ ہزار جدوجہد اس عالی شان تعمیر کی تکمیل ہوئی، سید ظہور حسن ثاقب (محلہ چلہ) نے حسب ذیل قطعۂ تاریخ لکھا جو اگلی گہ کے بیچ کے در پر باہر کی جانب کندہ ہے:-

چوں بہ پیش مسجد اہل سُنن — خوب شد تعمیر نو خاطر پسند
گفت ثاقب مصرعۂ تاریخ او — گشتہ [illegible] مسجد جامع دو چند

ھ ۱ ۳ ۰ ۲

مسجد کا موجودہ عالی شان اور خوشنما دروازہ بھی اسی زمانہ میں تعمیر ہوا، خاکسار مؤلف کے برادر بزرگ مولوی محمد داؤد عباسی بی۔اے (علیگ) مرحوم نے قطعۂ تاریخ لکھا جو دروازہ کی پیشانی پر کندہ ہے۔

وہ ز دروازۂ ہمایوں شاں ... کہ بہ رفعت شدہ ز چرخ قریب
یافت داؤد از سروش فلک ... سالِ تعمیر او عجیب و غریب

۱۳ ۵۰ ۰۲

اس سے تقریباً تیس سال بعد سنہ ۱۳۳۲ھ میں مہتمان مسجد نے شمالاً و جنوباً مسجد کی توسیع کی۔ یہ واقعہ سلطان ابن سعود کے انہدام مقابر کی کارروائی سے بہت پہلے کا ہے تاہم امروہہ کی تاریخ میں یاد رکھنے کی قابل ہے کہ توسیع مسجد کی بنا پر پرانی مسجد اور ان کے اہل خاندان کی جو قبور شمالی قطعہ میں صدیوں سے موجود تھیں وہ مسمار کر دی گئیں۔ صوفی خدا بخش عباسی مرحوم کی قبر البتہ مسمار نہیں کی گئی جو اگلی گہ کے شمالی مینار کے پاس اب تک موجود ہے۔ حضرت مولانائے محدث امروہوی کی قبر بھی صحن مسجد کے جنوبی مشرقی گوشہ میں موجود ہے۔

صحن مسجد کے شرقی کنارہ پر متصل دروازہ قدیم مدرسۂ اسلامیہ کی وسیع عمارت ہے، جس میں درس تدریس کے متعدد کمرے ہیں، مدرسہ کا کتب خانہ و دفتر بھی اسی عمارت میں ہے۔ دار الاقامہ کے متعدد کمرے صحن مسجد کے جانب جنوب اور دروازہ کے متصل ہر دو جانب ہیں۔ اب کچھ اور عمارت ایک قطعہ زمین خرید کر جانب شمال تعمیر ہونا تجویز ہوئی ہے۔

۷۔ شیرازی کی مسجد | یہ مسجد متصل کٹرہ غلام علی واقع ہے سنہ ۱۱۴۲ھ میں کمال خان مختار عام سید ابراہیم و سید عاقل نے کارواں سرائے کے قریب تعمیر کی تھی کوئی کتبہ تو موجود نہیں لیکن طرز تعمیر یقیناً قدیم ہے۔

۸۔ مسجد سید ابدال محمد | یہ خوشنما مسجد بیرون شہر متصل محلہ لکڑہ واقع ہے۔ سید ابدال محمد بن سید محمد منور نے سنہ ۱۱۳۱ھ میں تعمیر کرائی تھی حسب ذیل قطعۂ تاریخ تحریر

مسجد مقبرہ سید ابدال محمد رحمۃ اللہ علیہ

متعلق ص۱۰۲

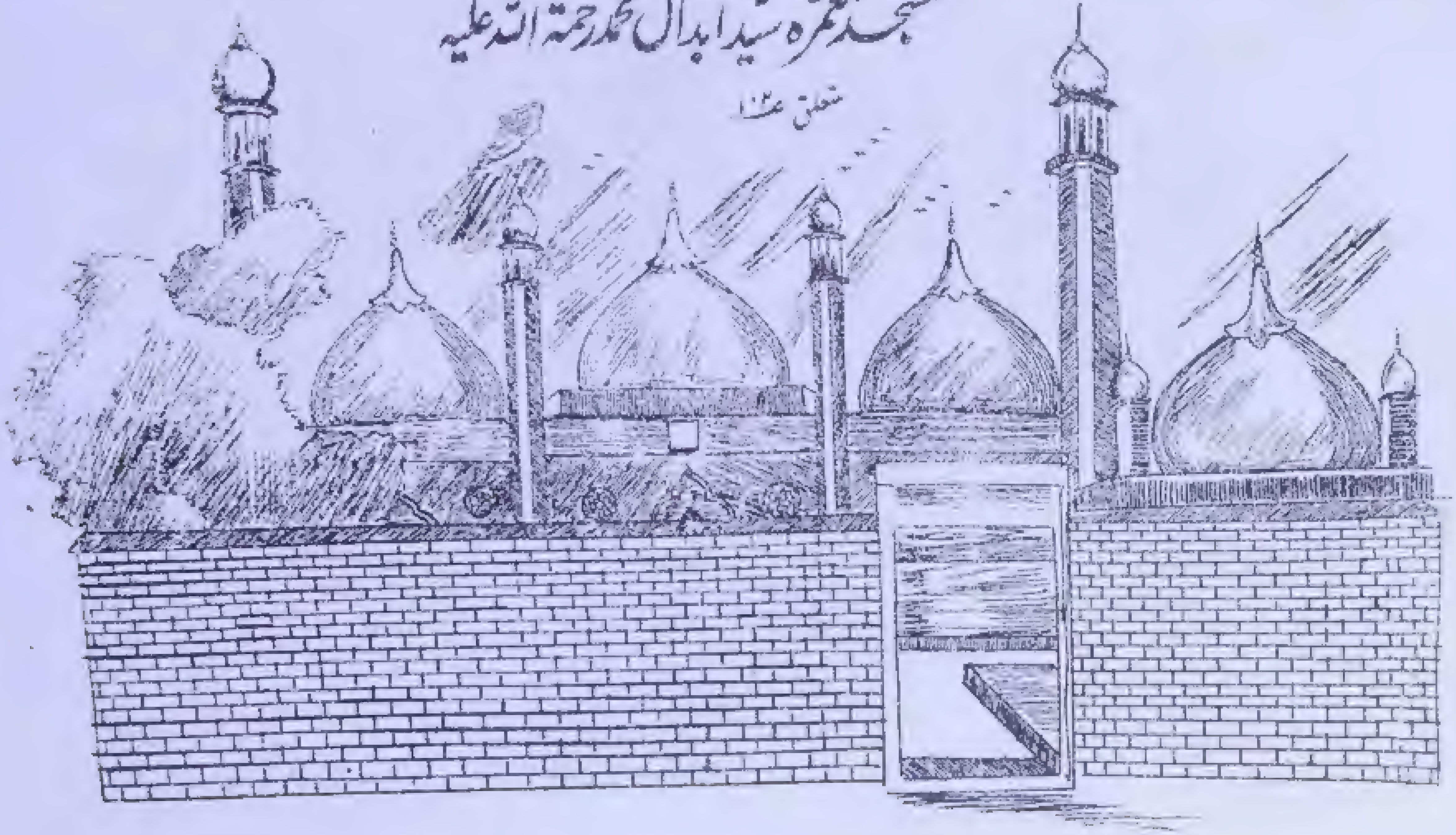

پراگندہ ہے :-

سید ابدال حامیِ اسلام — مسجدے ساخت عرش مماس
سال تاریخ از خرد گفتہ — خانۂ کعبہ را نہاد اساس

۴۱۰ ھ ۱۱

احاطہ مسجد کے شرقی و شمالی گوشہ میں شاہ عبدالرسول قادریؒ کا مقبرہ ہے جو سید ابدال محمدؒ کے پیر طریقت تھے۔ سید ابدال محمدؒ سنی المذہب، عابد، زاہد، صوفی منش بزرگ تھے۔ بمطابق تاریخ اصغری لکھتے ہیں :-

"سید ابدال محمد منصب دار شاہی تھے۔ نواب دوندے خان کے عہد میں بڑی عزت اور توقیر پائی۔ نواب ممدوح ان کو اپنا پیر کہتے تھے۔ سید موصوف نے ایک مسجد تعمیر کی اور کنواں بنایا اور شاہ عبدالرسول کا مقبرہ جن کو دہلی سے اپنے ہمراہ لائے تھے مسجد مذکور کے احاطہ میں بنوایا جس کا برج بہت خوب صورت ہے۔ موضع جلال پور وغیرہ جائداد معافی بنام مسجد وقف کرکے اپنے بیٹے سید فیض احمد کو اس کا متولی کیا۔ پھر تعلقات دنیاوی ترک کرکے اسی مسجد کے ایک مکان میں گوشہ نشینی اختیار کی اور چالیس برس عبادت میں مصروف رہے۔ قرآن شریف حفظ تھا"

اصل دستاویز وقف نامہ خاکسار مولف کو دستیاب نہیں ہوئی، تاہم سید ابدال محمد اور نواب دوندے خان کی بعض تحریرات جو خاکسار مولف کے پاس موجود ہیں، نیز سید ابدال محمدؒ کے فرزند سید فیض احمد کے وصیت نامہ کی عبارت اور بعض دیرینہ کاغذات سے یہ امر بخوبی ثابت ہے کہ سید ابدال محمد سنی حنفی، مشائخ کے معتقد مرید اور صاحب حال بزرگ تھے۔ ان کے اخلاف میں ان کے فرزند و جانشین سید فیض احمد اور سید قائم علی بن سید فیض احمد مذکور جو یکے بعد دیگرے جائداد موقوفہ کے متولی ہوتے رہے اپنے آبائی مذہب کے پابند تھے۔ سید شبیر علی بن سید قائم علی مذکور نے البتہ آخر عمر میں شیعیت کا اظہار کیا تھا۔

ہمارے مولف کو اس بحث سے قطعاً کوئی دلچسپی نہیں کہ [illegible] تھا یا سنی ہوں یا شیعہ لیکن جہاں تک تاریخی حالات اور واقعات کا تعلق ہے حقیقت حال کا اظہار لازم ہے۔ تاریخی شواہد و آثار اور دیگر دستاویزات سے یہ ثبوت ملتا ہے کہ واقف اور ان کے جانشین متولی سنی المذہب تھے۔ جن اغراض کے لئے یہ وقف کیا گیا تھا ان کا اجمالی تذکرہ وصیت نامہ سید فیض احمد متولی بن سید ابدال آل محمد مرقومہ دوم شہر رجب المرجب ۱۲۱۰ھ میں درج ہے جس کی نقل تاریخی دلچسپی کے لئے ذیل میں درج کی جاتی ہے۔

نقل وصیت نامہ سید فیض احمد متولی

" باعث تحریر ایں سطور آں کہ سید ابدال آل محمد مرحوم والد ایں عبد ضعیف سید فیض احمد بتائید الٰہی مسجد بنا کرد و برائے وجہ کفاف امام و خدمت و خرچ مسافرین وغیرہ متعلقہ آں موازی ہشت صد و شصت ہفت بیگہ تمام زمین زراعی املاک در رقبہ موضع جلال پور و کنج و محمود پور و نصیر نگلہ و دیرہ وجیدہ پرگنہ امروہہ مملوکہ خود و محصول موازی دو صد و بست و پنج بیگہ زمین خام زمین در رقبہ موضع جلال پور مذکور بہ موجب وقف نامہ وقف نمودہ بندۂ درگاہ را متولی و سرانجام کار آں مقرر ساخت و قطعہ تولیت نامہ علیحدہ بنام من نوشتہ جملہ کواغذ مذکور متعلقہ وقف مذکور بہ تحویل من بندہ داد چنانچہ مطابق آں تا ایں بندۂ درگاہ محاصل اراضی موقوفہ را حصول کردہ تصرف مصارف متعلقہ مسجد بموجب وقف نامہ و تولیت نامہ کردہ آمدہ حالا بندۂ درگاہ برخوردار سید قائم علی را متولی و سرانجام کار مسجد و اراضی موقوفہ از طرف خود مقرر نمودہ بجائے خود قائم مقام گردانیدہ تمامی اسناد متعلقہ مسجد را حوالہ برخوردار مذکور نمودم باید کہ برخوردار مذکور اسناد مذکورہ را بجنسہٖ نزد خود داشتہ بدیانت و احتیاط سرانجام کار متعلقہ مسجد نمودہ محاصل اراضی مذکورہ را در وجہ کفاف موذن و امام و جاروب کش سکان مسجد و خرچ مسافرین و آب و چراغ وغیرہ صرف می کردہ باشد و مدام بہ مرمت شکست و ریخت مسجد و مکانات آں خبرگیراں باشد

عکس وصیت نامہ سید فیض احمد ولد سید ابدال محمد رح

متعلق صـ ۱۰۳

وانچه از مصارف متعینه وضروری آن باقی ماند آن را به امانت نزد خود نگاه داشته به اسکاری
مسجد و تیاری حجره و دالان مقابل خرچ نمایند و عزل و نصب مؤذن و امام وغیره
خدمت مسجد به اختیار او است ذمه خود شناسند!!

تحریر فی التاریخ دوم شہر رجب المرجب ۱۲۱۲ھ

مندرجۂ بالا وصیت نامہ میں "امام" کا لفظ متعدد جگہ تحریر ہے یہ لفظ کسی شیعہ کے قلم سے اصطلاحاً بھی "پیش نماز" کے لئے نہیں نکل سکتا۔ اس وصیت نامہ کی عبارت سے صاف واضح ہے کہ اصل دستاویز وقف نامہ و تولیت نامہ میں بھی اسی قسم کے الفاظ تحریر ہیں۔ واقف اور ان کے جانشین متولی اگر شیعہ مذہب ہوتے تو "امام" کی بجائے "پیش نماز" تحریر ہوتا اور ایسی وسیع وخوشنما مسجد کے بجائے کوئی امام باڑہ تعمیر کرتے یا وقف کے مصارف میں مجالس تعزیہ داری کی مدات کو بھی شامل کرتے۔ واقعہ یہ ہے کہ نواب آصف الدولہ کے زمانہ سے پیشتر امروہہ میں کوئی ایک مسجد بھی شیعہ حضرات کی موجود نہیں تھی، اور نہ حضرات شیعہ میں جمعہ یا جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کا انتظام امروہہ تو کیا اس زمانہ میں شمالی ہند کے کسی مقام پر موجود تھا۔[۱] اس لئے نہ مساجد تعمیر ہوتی تھیں اور نہ اس زمانہ میں شیعوں کے لئے تعمیر مسجد کی کوئی ضرورت تھی۔ علاوہ ازیں موجودہ متولی اور مہتمم کے انتظام سے پیشتر تک جو غالباً ۱۹۰۰ء سے شروع ہوا اس مسجد میں باوجود سابقہ متولی کے شیعی مذہب ہونے کے امام و مؤذن سنی المذہب مقرر ہوتے رہے[۲] مولانا عبدالعزیز جو پچھلے زمانہ میں سنی علماء میں نشان امتیاز رکھتے تھے یہاں درس دیتے رہے، مسجد کی امامت بھی ان ہی سے متعلق رہی مولوی عبدالعزیز یا محسن

۱؎ تاریخ عماد السعادت مطبوعہ نول کشور صفحہ ۱۲۷۔ ۱۲۶ مؤلف تاریخ واسطیہ کا یہ بیان کہ "اس مسجد میں ہمیشہ حفاظ وغیرہ مذہب شیعہ سے رہے ہیں" ہرگز صحیح نہیں۔ خاکسار مؤلف کی نظر سے سابقہ متولیوں کے جو کاغذات گذرے ہیں ان سے بخوبی ثابت ہے کہ اس مسجد میں امام، مؤذن، حفاظ و دیگر متوسلین ۱۹۰۰ء سے پہلے سب سنی مذہب ہوتے تھے

انبہٹہ ضلع سہارنپور مولوی عبدالعزیز ساکن بجنور جو سنی حنفی مذہب تھے ۱۳۴۳ھ تک اس وقف سے تنخواہ پاتے رہے صوفی عبدالرزاق (ساکن محلہ بجدپورہ) کے والد شیخ عبدالقادر اور خادمان درگاہ شاہ ولایتؒ مین شیخ ہدایت بخش اور ان کے فرزند پیرجی عبدالرشید یکے بعد دیگرے اس مسجد مین متولیان جدید کے عہد سے قبل تک مؤذن مقرر ہوتے رہے۔

تاریخی حالات کے سلسلہ مین صداقت بیانی مجبور کرتی ہی کہ اس کا اظہار بھی کر دون کہ جدید انتظام مین حضرت شاہ عبدالرسول قادریؒ کے مرقد منور اور احاطہ مسجد مین اور قبور کی ہئیت کو جو سنیون کے طریقہ پر تعمیر تھین؛ تبدیل کر دیا گیا۔ مسجد جامع محلہ مولانہ کے مہتمین نے تو توسیع عمارت کے بہانہ سے بانی مسجد اور ان کے اہل خاندان کی قبور کو منہدم کر دیا تھا۔ جو تاریخی نقطۂ نظر سے سخت معیوب ہی لیکن اس سے معیوب تر کارروائی ہی جو یہان ان بزرگون کے خواہ مخواہ شیعی مذہب ثابت کرنے کے لئے کی گئی۔ لیکن طرفہ ماجرا یہ ہی کہ خود بانی مسجد سید ابدال محمد اور ان کے فرزند سید فیض احمد کا مرقد انور چونکہ درگاہ شاہ ولایتؒ کی چہار دیواری اور مجاوران درگاہ کی جائے نشست سے قریب ہی ان کی ہیئت کو ابتک تبدیل نہ کیا جا سکا۔ قدیم کتبہ کے علاوہ مسجد مین جدید کتبے بھی نصب کرائے گئے ہین۔

۹ مسجد میر کلو — ۱۲۱۰ھ مین یہ وسیع اور خوشنما مسجد معہ عمارت مدرسہ سید اسد اللہ خان عرف میر کلو نے اپنے مکانات کے متصل محلہ گذری مین تعمیر کرائی اور ایک موضع جھبرن اس کے اخراجات کے لئے وقف کیا۔ سید ابدال محمدؒ کی طرح میر کلو بھی اپنے آبائی مذہب اہل سنت والجماعت کے پیرو تھے۔ عدالت نے بھی اس وقف کو سنیون ہی کا وقف قرار دیا۔ متولی اگرچہ شیعہ مذہب ہین لیکن مسجد آباد ہے اور اسمین مدرسہ سنیون کا بھی ہے جو اچھی حالت مین ہے۔

۱۰ مسجد نصری بیگم — یہ وسیع اور خوشنما مسجد متصل مرادآبادی دروازہ واقع ہی۔ سید فیض علی بن سید افضل علی بن سید محمد فاضل نبیرۂ دیوان سید محمود کی زوجہ

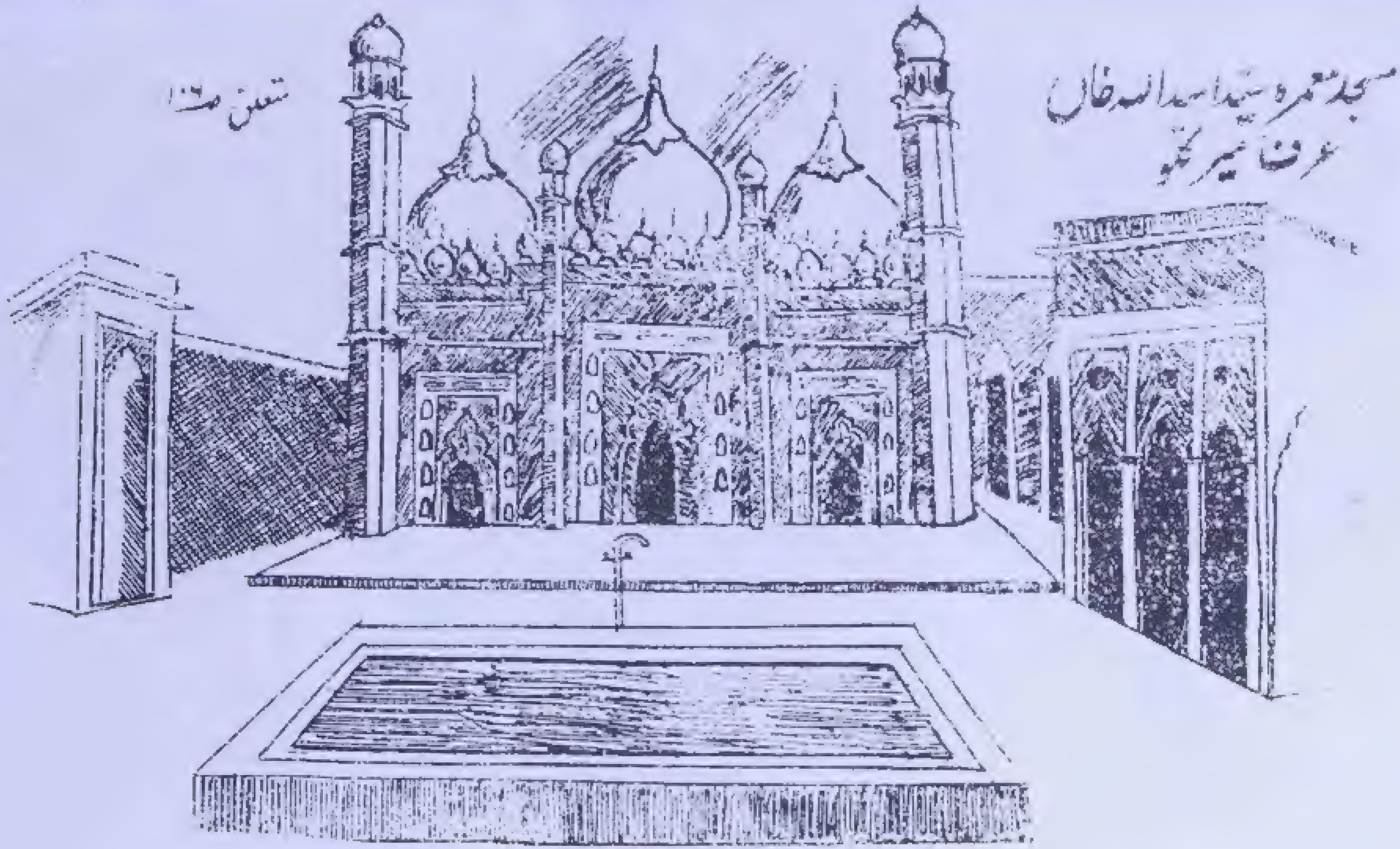
مسجد معمورہ سید اسد اللہ خاں
عرف میر کلو
متعلق

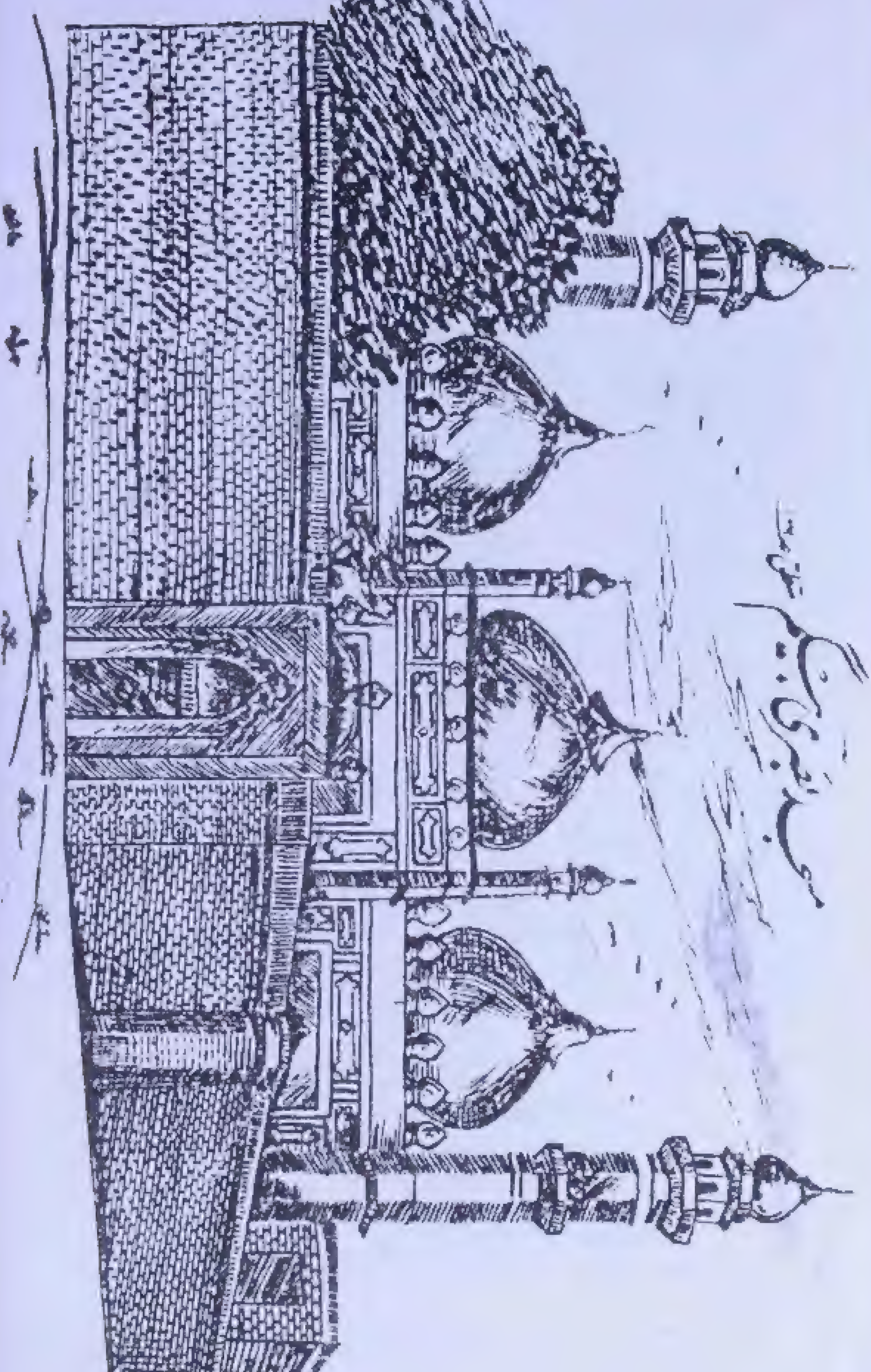

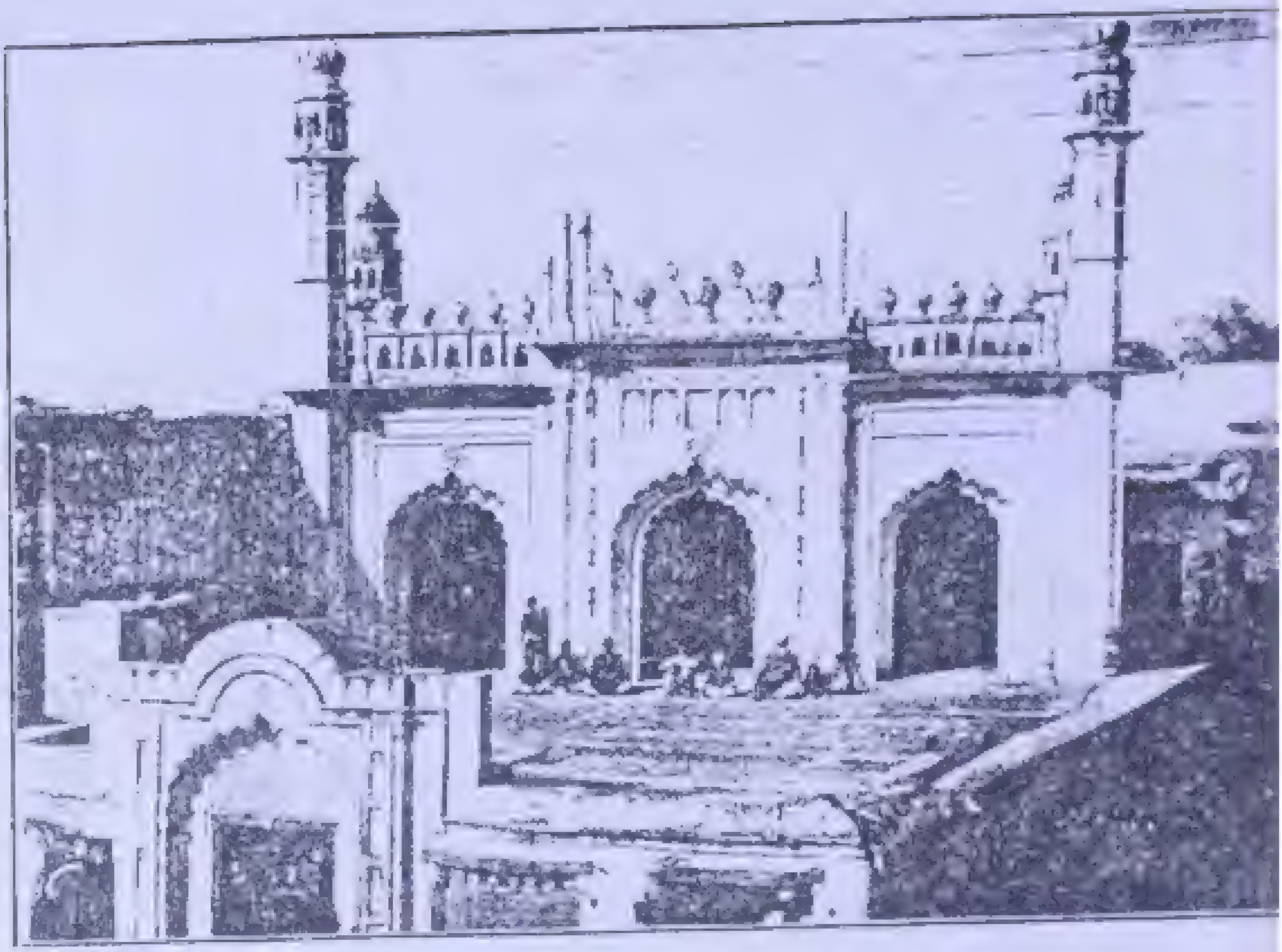

مسجد حافظ عباس علی خاں

بصری بیگم ہمشیرہ سید غلام حسین خان نائب ریاست رامپور نے سنہ ۱۱۸ھ میں مسجد تعمیر کرائی تھی۔ احاطہ مسجد کے اندر بصری بیگم کی قبر بھی ہے۔ اسی نمونہ کی ایک اور مسجد انہوں نے شیر خان سرائے شہر سنبھل میں تعمیر کرائی تھی جہاں ان کے مرشد میرن شاہ کا مقبرہ ہے مسجد کے لئے کوئی جائداد وقف نہ تھی۔ شیخ حسین بخش نے سنہ ۱۲۳ھ میں ڈھائی سو روپیہ سالانہ کی ایک جائداد وقف کی۔

۱۱۔ مسجد حافظ عباس علی خاں ابتداءً یہ ایک مختصر سی مسجد تھی عہد شاہجہان بادشاہ میں شیخ بایزید نے تعمیر کی تھی۔ ناتمام و شکستہ حالت میں تھی۔ غدر سنہ ۵۷ء سے چند سال قبل اس مسجد کو سالگ رام ولد گھنشیام داس تبازی[1] نے اس پر قبضہ کر کے منہدم کر کے مندر قرار دے دیا تھا۔ حافظ عباس علی خاںؒ نے سنہ ۱۸۵۱ء میں اس مسجد کی دخلیابی کا تبازی مذکور کے خلاف عدالت ججی مرادآباد میں دعویٰ دائر کیا۔ دعویٰ ڈگری ہوا۔ تبازی مذکور نے ولسن صاحب جج کے یہاں اپیل کیا، جو کامیاب ہوا۔ حافظ صاحب نے ہائی کورٹ آگرہ میں اپیل کیا وہاں سے فیصلہ حافظ صاحب کے موافق ہوا لیکن ہنوز دخل نہ ملنے پایا تھا کہ سنہ ۱۲۷۳ھ میں غدر ہو گیا۔ مسلمانوں نے بطور خود مسجد پر قبضہ کر کے عمارت تعمیر کی۔ جب بعد غدر کے انگریزی عملداری شروع ہوئی ناظر گور سہائے امروہہ کے ناظم و حاکم مقرر ہوئے ان کی اعانت سے تبازی مذکور کو انہدام مسجد کا موقع خوب ہاتھ آیا اس نے مسجد کو کلیتاً مسمار کر دیا۔ سنہ ۱۲۷۹ھ مطابق سنہ ۱۸۶۳ء میں حافظ عباس علی خان نے عدالت سب ججی مرادآباد میں پانچ ہزار روپیہ خرچہ اور دخل یابی کا دعوے کیا جو ڈگری ہوا۔ بالآخر سنہ ۱۲۷۹ھ مطابق سنہ ۱۸۶۵ء میں مسلمانوں کو دخل ملا اور مسجد از سر نو تعمیر ہوئی۔ آپ کے فرزند مولوی احمد حسین خان صاحب نے قطعۂ تاریخ کہا:۔

---

[1] عوام غلطی سے توازی کہتے ہیں۔ اصل میں لفظ تبازی ہے اور زبیدی شاہ سے مشتق ہے جسکے معنی میں تین دلیل کا خیمہ؟

شکستہ چو بتخانہ را اہل دین — پئے مسجد باب سحب غریب
بنا حافظ عباس علی خان نمود — بہ نیصر کم اللہ فتحاً قریب

١٢۔ **مسجد ننھے خان** یہ خوبصورت و خوشنما مسجد بیرون شہر جانب جنوب ننھے خان والے باغ مین واقع ہے۔ ننھے خان' جو حیات خان حاکم سنبھل کے خسر تھے، امروہہ میں ساکن تھے۔ اپنے زمانہ میں نامور اور متمول شخص تھے۔ یہ مسجد اور ایک کنواں بارہویں صدی ہجری کے اواخر مین انہوں نے تعمیر کرایا تھا اور ایک باغ بھی نصب کیا تھا مسجد جا بجا شکستہ ہو گئی ہے۔ یہ کنواں "خونی کنویں" کے نام سے مشہور ہے۔

١٣۔ **مسجد محلہ شفاعت پوتہ** یہ مسجد اگرچہ عہد اسلامی کی تعمیر نہین ہے لیکن اپنی زیبائش وسعت اور مسلمانون کے ایک فرقہ کی عبادت گاہ ہونے کے لحاظ سے قابل ذکر ہے۔ ابتداً یہاں ایک مختصر سی مسجد تھی جسے حاجی شیخ اشرف علی عظیم آبادی نے جو امروہہ مین سکونت پذیر ہو گئے تھے، سنہ ١٢٢٣ھ میں تعمیر کرایا تھا۔ اس کی وجہ صاحب تاریخ اصغری نے یہ لکھی ہے کہ جناب مولوی سید محمد عبادت صاحب (پیش نماز شیعان امروہہ) بسبب نہ ہونے مسجد کے نماز جماعت امام باڑہ میں پڑھا کرتے تھے لہذا حاجی صاحب نے یہ مسجد مختصر بنائی لیکن بسبب کثرت نمازیون کے ہمیشہ اہل جماعت کو ایذا کشمکش کی ہوتی تھی تو حاجی صاحب نے مسجد کو وسعت دینی چاہی اور کچھ سامان تعمیر بھی فراہم کیا مگر آغاز تعمیر کی نوبت نہ پہنچی تھی کہ سنہ ١٢٣٣ھ میں وفات پائی۔ اس لئے امروہہ اور بیرونجات کے شیعہ حضرات نے چندہ جمع کر کے اس مسجد کو وسیع کیا۔ پانچ سال مین یہ عالی شان اور خوشنما مسجد تعمیر ہوئی۔ سال تکمیل تعمیر سنہ ١٢٨٤ھ ہے اور نام اشرف المساجد مسجد کے بیچ کے در پر یہ مصرعہ و تاریخ جداگانہ پتھرون پر کندہ ہین مصرعہ "ظہور عام بہ تعمیر کل جماعت شد"

مسجد اشرف بنا گشتہ چو از فضل اللہ — مقتدایان را تر میمش بمساجد وکلاست
سال تاریخش چو پرسیدم ز ہاتف فرقتی — گفت ہشتاد و چہار و یکہزار و دو صد است

١٢   ٨٠   ٨۴

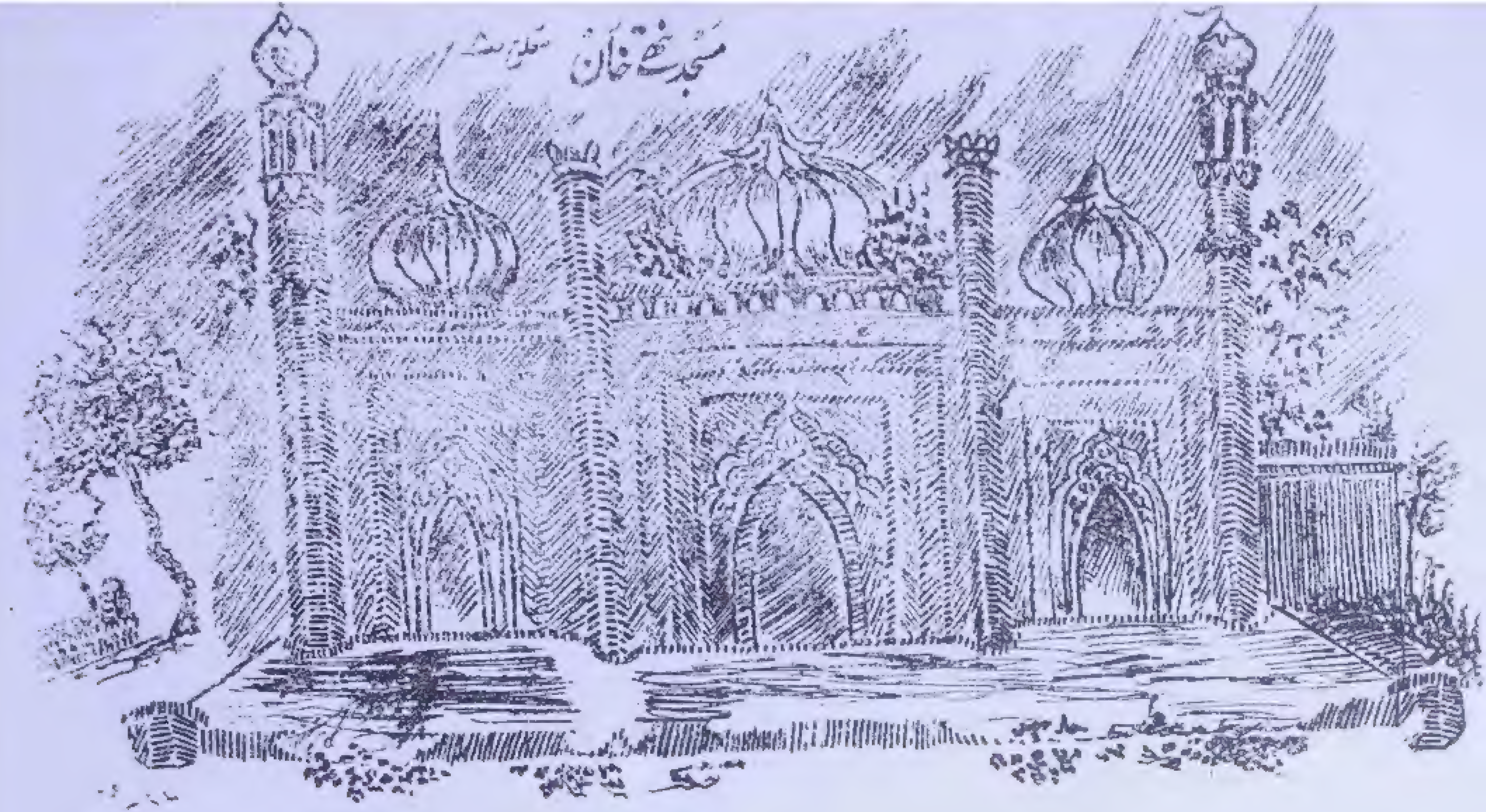

مسجد نھے خان

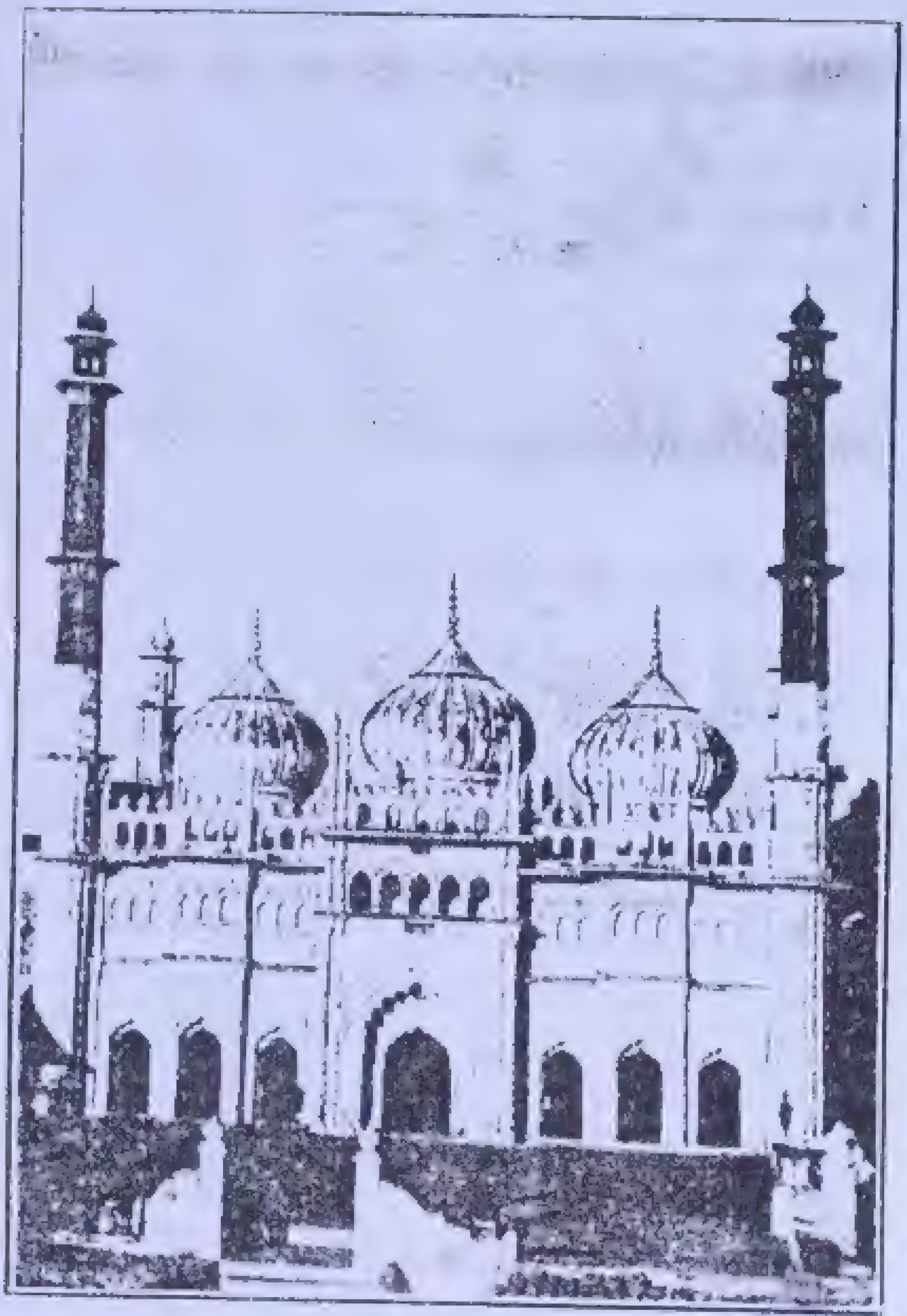

اشرف المساجد (مسجد جامع شیعان امروہہ)

سجد کے جنوبی گوشہ مین شیعہ سینن کتبخانہ کے کمرے ہین اور اس سے متصل تید المدارس کی خوشنما اور وسیع عمارت ہے۔

مزارات خانقاہین اور مقبرے

۱۔ مزارات شہدائے متقدمین

شہدائے متقدمین کے مزارات جابجا اندرون بیرون شہر واقع ہین ان میں اکثر دہ غازیان اسلام ہین جو مسلمانوں کی آمد کے ابتدائی زمانہ مین یہاں کے معرکہائے جنگ وجدال مین شہید ہوئے۔ یہ مزارات تاریخی حیثیت رکھتے ہین مسلمانان شہر کو ان مزارات سے عقیدت ہے۔ ہر پنجشنبہ کو اکثر مزارات پر لوگ فاتحہ خوانی کے لئے جاتے اور چراغ روشن کرتے ہین۔ ان مین چند ان بعد کے شہدار کے مزارات بھی شامل ہین جن سے لوگوں کو عقیدت ہے۔ مزارات کی تفصیل یہ ہے۔

سیدنا ابراہیم شہید۔ شہر کے گوشۂ شمال و مغرب میں بہ فاصلۂ ایک میل لب سڑک تاجپور۔ ان کا مقبرہ احمد شاہ درانی کے وقت مین تعمیر ہوا **حسن شہید**:۔ جانب شمال محاذی عیدگاہ۔ **محمد شہید**:۔ جانب غریب شہر سے دو میل کے فاصلہ پر موضع بیجو سرائے مین۔ **حامد شہید**:۔ محلہ قریشیان میں۔ (دوزیر سنگھ امیر سنگھ کا یستھ نے تخمیناً پچاس سال قبل یہ مزار از سر نو بنوایا تھا) **عثمان شہید**:۔ متصل ام تالاب۔ **ثمن شہید**:۔ جانب شرق **مبارک شہید**:۔ جانب جنوب شہر سے ایک میل لب سڑک ڈھکہ۔ **ثمن شہید ثانی**: واقع محلہ چکلی۔ **مالم شہید**:۔ واقع محلہ کوزہ گران۔ **جھنڈا شہید**:۔ واقع محلہ شیخ زادگان (اب یہ محلہ اسی نام سے موسوم ہے) **بھورے خان شہید**:۔ جانب شرق متصل جلال وجوش وخروش ہین۔ **جہانگیر شہید**:۔ واقع محلہ جڑ ودیہ۔ **عبد الحکیم عباسی شہید**:۔ متصل تکیہ ساہو جانب جنوب۔ **کنوارے شہید**:۔ متصل روضہ شاہ کمالی

جہانگیر شہید ثانی :۔ محلہ مولانہ متصل بوانخانہ قاضی ابن عباس عباسی ہدایت اللہ شہید :۔ بادشاہی چبوترہ اندرون مکان مولوی احسان الحسن ننھے خان شہید محلہ کٹکوئی

۲۔ مزارات اولیاء — امروہہ میں مشائخ و اولیاء کے مزارات یوں تو بہ کثرت ہیں لیکن یہاں صرف ان مزارات کی تفصیل درج کیجاتی ہے جنھیں کوئی تاریخی اہمیت حاصل ہے

۱۔ درگاہ حاجی سلیمان و حاجی عبداللہ — یہ مختصر سی درگاہ محلہ شاہی چبوترہ میں متصل مسجد واقع ہے صاحبان مزار کا مفصل حال معلوم نہیں۔ البتہ امروہہ میں یہ مزارات بہت قدیم ہیں۔ روایت ہے کہ غازیان متقدمین میں یہ دونوں صاحب نسبت بزرگ تھے یہاں کے بتخانہ کو انہوں نے ڈھایا، شوق جہاد میں جام شہادت نوش فرمایا اور اسی مقام شہادت پر مدفون ہوئے۔ ۱۰۶۲ھ میں عہد شاہجہان میں شیخ منصور ولد شیخ ہیرو تمنائے شیخ تاج نے اس درگاہ کو تعمیر کرایا تھا۔ احاطۂ درگاہ میں حاجی سلیمان اور حاجی عبداللہ کے مزارات پہلو بہ پہلو ہیں۔ احاطہ کی دیوار پر جو پتھر نصب ہے اس پر یہ عبارت کندہ ہے :۔

"بسم اللہ الرحمن الرحیم در عہد صاحب قران ثانی شہاب الدین محمد شاہ جہان بادشاہ غازی خلد اللہ ملکہٗ۔ شیخ منصور روضۂ ملک شہدا ر حاجی عبداللہ و حاجی سلیمان بنا ساختہ

شیخ منصور روضۂ شہدا ر — نذر بستہ کہ داد شش ایزد پور
پیشتر از تولد آن پور — نام معمور کرد بلوز سرور
بہ وفائے نذر چو کرد بنائے — از جان کرد رحلتش آں پور
چون بجستم ز عقل تاریخش — سال او شد عمارت معمور"
"از استا حسین — ۱۰۶۲ سنہ قائد کاتبہ شیخ مدہ"

اس درگاہ کا تیل خرچ بھی اور درگاہوں کی طرح منجانب حکومت مقرر تھا۔

۲۔ مزار سید نظام گنج رواں :۔ سید صاحب کا مزار محلہ نو بتخانہ میں لب سڑک مسجد کی پشت

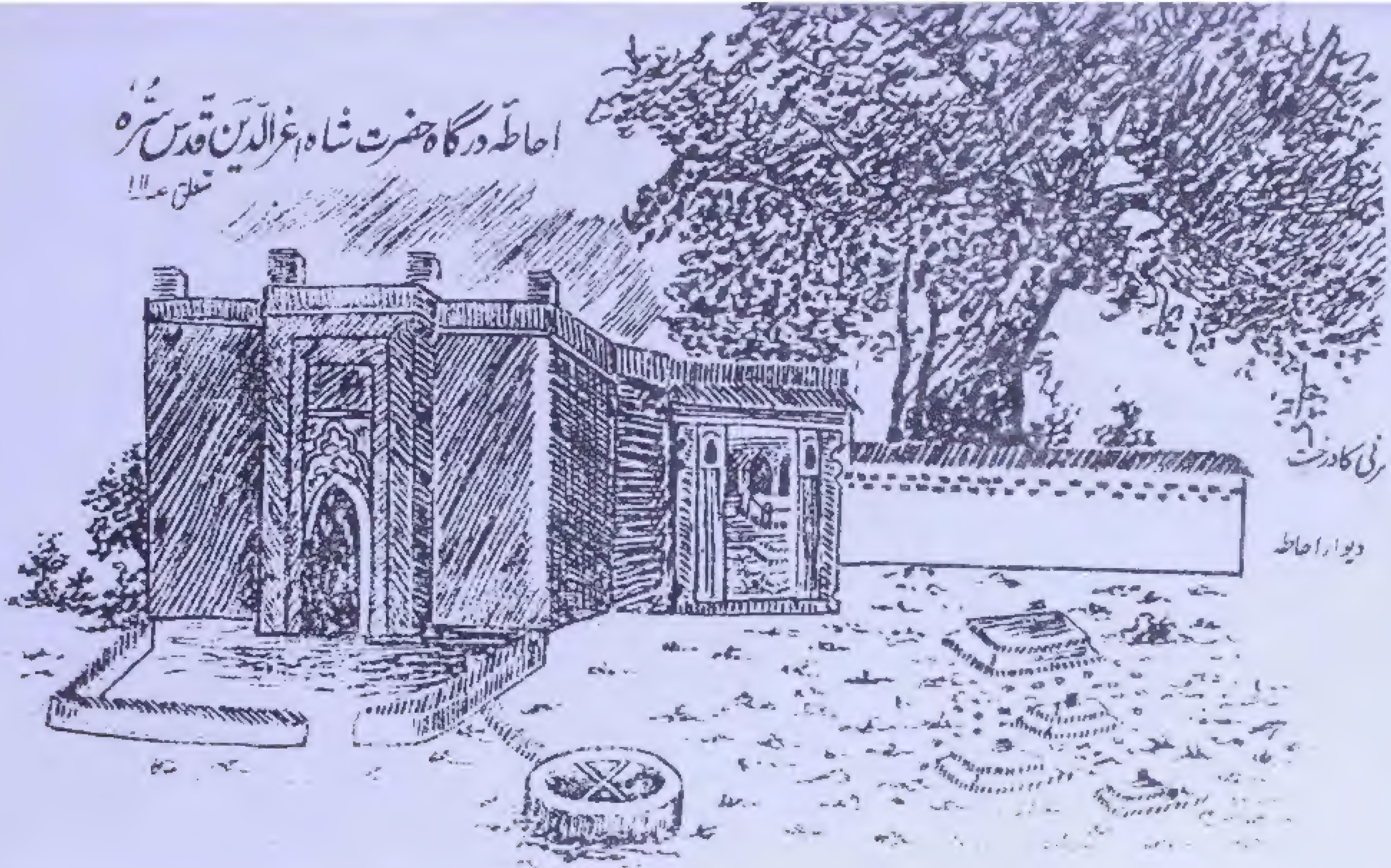
احاطۂ درگاہ حضرت شاہ اعز الدین قدس سرہٗ
دیوار احاطہ

پر مختصر احاطہ مین واقع ہو۔ امروہہ کے اولیاء میں ان کا زمانہ سب سے زیادہ قدیم ہے۔ گنڈا شاہ مجذوب کی قبر بھی آپ کے جوار مین ہے۔

۳۔ درگاہ شاہ اعز الدین سہروردیؒ

شاہ صاحب اولیائے متقدمین میں ہین۔ حضرت شاہ ولایتؒ کے زمانہ سے تقریباً ایک صدی پہلے آپ امروہہ تشریف لائے آپ کی درگاہ حضرت شاہ ولایتؒ کی درگاہ سے جانب جنوب تقریباً ایک فرلانگ کے فاصلہ پر واقع ہو۔ مزار پُر انوار کے پاس کھرنی کا جو درخت ہے اس سے زیادہ کوئی پرانا درخت امروہہ میں نہین۔ درگاہ کے سامنے برگد کا درخت بھی اپنی قدامت زبان حال سے بتلا رہا ہو۔ اس نواح مین بعض شکستہ چبوترون اور قبرون کی انٹین آثار قدیمہ کی تلاش و جستجو میں وقتاً فوقتاً خاکسار مؤلف کی نظر سے گذرین جن کی ساخت و جسامت ہی ان کی قدامت کی دلیل ہو۔ انہین سے بعض ڈیڑھ ڈیڑھ فٹ لمبی چوڑی اور دو دو تین تین انچ موٹی تھین جو یقیناً مسلمانون کی آمد کے ابتدائی زمانہ کی معلوم ہوتی ہین حضرت شاہ ولایتؒ کی درگاہ یا کسی اور قدیم مزار کے پاس اس ساخت او جسامت کی انٹین یا آثار قدیمہ مؤلف کی نظر سے باوجود تلاش و جستجو نہیں گذرے۔

امتداد زمانہ کی وجہ سے جب یہ مزار شکستہ و بے نشان ہو گیا تھا تو ۱۲۹۰ھ مین شیخ جمّن نامی ایک شخص نے اسے درست کرایا۔ نبو شاہ اسی درگاہ میں رہا کرتے تھے، ان کی قبر بھی احاطۂ درگاہ جنوبی مشرقی گوشہ میں ہو اسلئے عوام میں یہ درگاہ "نبو شاہ کی درگاہ" مشہور ہو گئی۔ اس درگاہ مین بھی درگاہ شاہ ولایتؒ کی طرح غیر نیش زن بچھو پائے جاتے ہین[۱] بڑھ تلے والے کایستھ خاندان کو اس مزار سے موروثی عقیدت ہو۔ وزیر سنگھ و امیر سنگھ کایستھ نے اس درگاہ کی چہار دیواری وغیرہ از سر نو تعمیر کرائی تھی۔ ہر سال ۲۹ و ۳۰ رمضان کو آپ کا عرس ہوتا ہے جس کا اہتمام اسی کایستھ خاندان کی جانب سے کیا جاتا ہو۔ حکومت اسلامی کی جانب سے تیل چراغ کا خرچ ملتا تھا۔

---

[۱] ملاحظہ ہو حصہ دوم۔

۴۔ مزار حاجی حسن سہروردی

شاہ اعز الدین سہروردی کی درگاہ کے محاذ میں ایک چبوترہ پر جانب شرق واقع ہے۔ آپ کی والدہ معظمہ کی قبر بھی پہلو میں ہے، آپ کی مرقد منور پر ایک کتبہ پتھر پر کندہ ہے جو صاف پڑھنے میں نہیں آتا۔ شیخ عبدالحکیم مورث[۱] خاندان شیوخ الملقب بہ "داڑھی رنگے" کو اس مزار سے عقیدت تھی، بعد وفات وہ اسی کے قریب دفن ہوئے، اسی وجہ سے ان کے اخلاف کے قبرستان بھی یہاں ہیں۔ اس مزار کے تیل چراغ کے مصارف بھی اسلامی حکومت کی جانب سے مقرر تھے۔

۵۔ درگاہ حضرت شاہ ولایت

امروہہ کی یہ مشہور معروف درگاہ مرجع خاص و عام ہے۔ حضرت شاہ ولایت کی بہت سی ان کرامتوں اور تصرفات کے منجملہ جو عوام میں مشہور ہیں۔ ایک یہ کرامت بھی خاص شہرت رکھتی ہے کہ احاطہ درگاہ میں بچھو ڈنک نہیں مارتا اور فی الواقع یہاں غیر نیش زن بچھو پائے جاتے ہیں جنھیں مجاور دن بچے پکڑ لاتے اور زائرین کو دکھایا کرتے ہیں۔ اسی قسم کے غیر نیش زن بچھو اس نواح کے پرانے قبرستانوں اور بالخصوص درگاہ حضرت قطب عالم سید عبدالعزیز الملقب بہ شاہ اعز الدین قدس سرہ وغیرہ میں بھی ملتے ہیں۔ مولانا آل حسن نخشبی مؤلف نخبۃ التواریخ لکھتے ہیں کہ:

"وکرامات و تصرفات حضرت سید عبد العزیز قدس سرہ مشہور است کہ عقارب اندرون درگاہ بہ کسے نیش نمی زنند، روزے مجسر اوراق با چندے رفقائے بدرگاہ عالی جاہ حاضر شد عقربے چند خورد وکلاں زیر خشت ہائے دیوار احاطہ نشستہ دید بدست خود گرفتہ انگشت بر نیشہائے نہادم پس ہیچ اثر آشنا نیافتم"[۲]

حضرت سید عبدالعزیز قدس سرہ یعنی شاہ اعز الدین سہروردی کی کرامتوں اور تصرفات میں سے یہ بات مشہور ہے کہ آپ کی درگاہ کے اندر بچھو کسی کے ڈنک نہیں مارتے، ایک دن راقم (یعنی مولانا آل حسن نخشبی مرحوم) چند دوستوں کے ساتھ درگاہ عالی جاہ میں حاضر ہوا چند چھوٹے بڑے بچھو احاطہ کی دیوار کی اینٹوں کے نیچے بیٹھے دیکھے ان کو ہم نے اپنے ہاتھوں میں پکڑ لیا ان کے ڈنک پر انگلی بھی رکھی لیکن کسی قسم کا کوئی اثر محسوس نہ ہوا۔

---

[۱] ملاحظہ ہو حصہ دوم۔ [۲] نخبۃ التواریخ صفحہ ۱۱۴۔

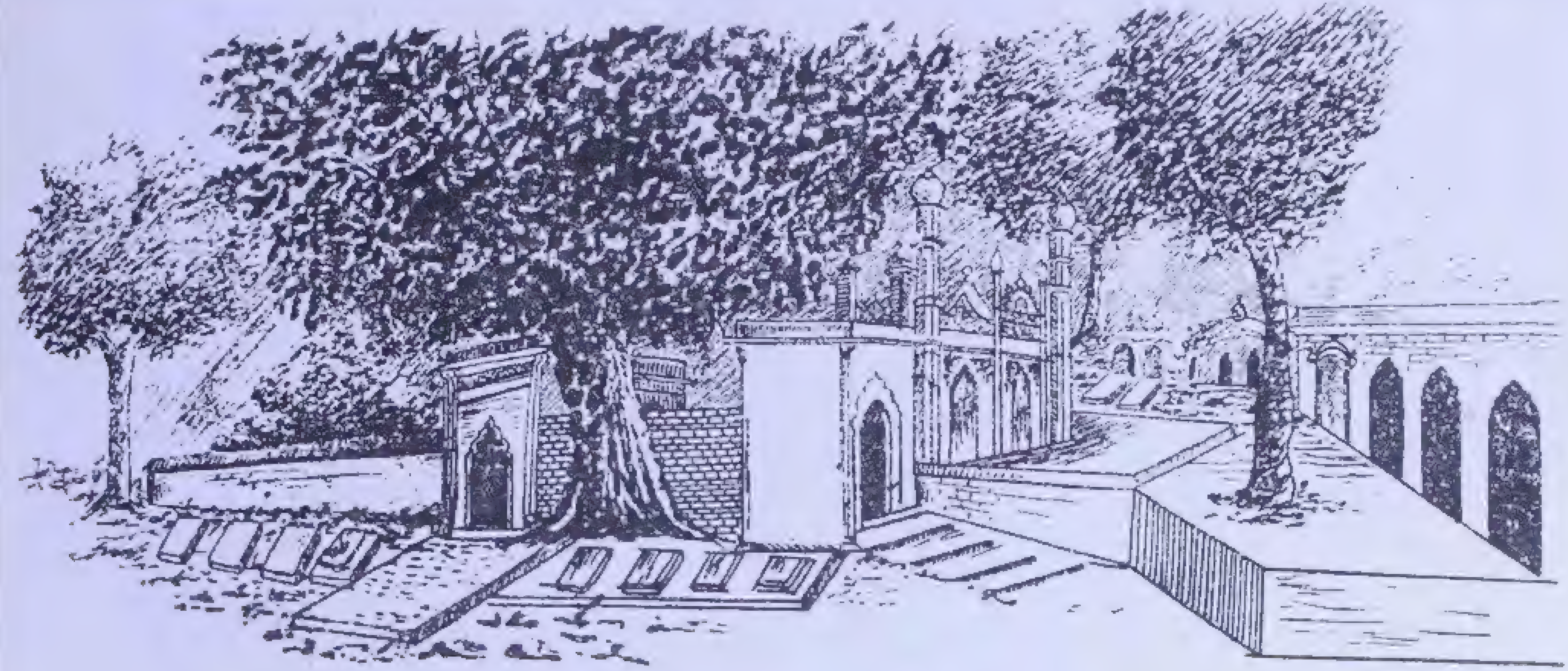

احاطہ درگاہ حضرت شاہ ولایت متعلق ص۱۱۲

درگاہ کے مجاور اور بعض عوام بیان کرتے ہیں کہ درگاہ عالی جاہ کے بچھوؤں کو اگر احاطۂ درگاہ سے باہر لیجایا جائے تو اپنے "نیش عقرب" کا بہ مقتضائے فطرت استعمال شروع کردیتے ہیں۔ اس سلسلہ میں سید کمال ابن سید یمل مولف اسرار آریہ جونسباً حضرت شاہ ولایتؒ کی نسل میں تھے اور خود بھی صاحب حال بزرگ تھے، عوام کے اس خیال کے خلاف اپنا ذاتی تجربہ، جو انہوں نے تقریباً تین سو برس پہلے کیا تھا، اپنی کتاب میں بیان کرتے ہیں جو یقیناً دلچسپی سے پڑھا جائے گا۔

"راقم الحروف (یعنی سید کمال بن سید یمل مولف اسرار آریہ) گزدمہائے آنجا (درگاہ حضرت شاہ ولایتؒ) را بہ سنبھل آوردہ است وہم دریں جاکس را نمی گزند، مردان ہم جابجای بیند نیش نمی زنند"[1]	راقم الحروف (یعنی سید کمال بن سید یمل مولف اسرار آریہ) (درگاہ حضرت شاہ ولایتؒ کے) بچھوؤں کو سنبھل تک لے آیا، یہاں بھی وہ کسی کو نہیں کاٹتے، لوگ جگہ جگہ لے جاتے ہیں مگر کہیں ڈنک نہیں مارتے۔

زمانۂ حال میں بھی متعدد حضرات کا تجربہ صاحب اسرار آریہ کا موید ہے۔[2]

درگاہ حضرت شاہ ولایتؒ میں عہد مغلیہ سے قبل کی سوائے قدیم چہار دیواری اور بعض کھنڈروں کے اور کسی عمارت کے آثار موجود نہیں۔ محمد شاہ بادشاہ کے عہد سلطنت میں شیخ غلام محمد نے، جو قوم کلال کے ایک متمول شاہی اہلکار اور مشائخ کے معتقد تھے، درگاہ کی موجودہ چہار دیواری، بارہ دری اور مسجد اپنے صرف سے تعمیر کی تھی۔ بعد میں جنوب رویہ دروازہ شیخ گلزار علی نے اور شرق رویہ دروازہ سید اعجاز حسنین (محلہ گندی) نے تعمیر کرایا اور مسجد کی مرمت بھی انہوں نے کرائی۔ دروازہ سے متصل ایک حجرہ مولوی محب علی خان عباسی کا اور ایک دالان متصل مزار منور شاہ صاحب شیخ گلزار علی کا متروہ ہے۔

حضرت شاہ ولایتؒ کے پہلو میں آپ کی زوجہ معظمہ کی قبر ہے اور پائین مزار آپ کے دلبر اکبر قاضی سید امیر علی اور ان کی زوجہ کی اور دونوں کی پائین شاہ ولایتؒ کے فرزند اصغر سید

---

[1] اسرار آریہ قلمی۔ [2] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو حصہ دوم۔

عبدالعزیز[۱] (جن کو سید عزیز الدین و عزیز اللہ بھی کہا جاتا ہے) اور ان کی زوجہ کی اور ان کے بائیں مسماۃ بجنوئی دختر شاہ ولایتؒ کی قبور ہیں۔ ان ہی قبور سے متصل جانب شرق سید اشرف جہانگیر چشتیؒ نبیرۂ حضرت شاہ ولایت کا جو شرف الدین کے نام سے بھی موسوم تھا مرقد منور ہے اور اسی سے متصل اور اہل خاندان کی قبور ہیں۔ جانب غرب متصل دیوار حضرت شاہ ولایتؒ کے مرشدزادہ اور خلیفہ شیخ معین الدین ناگوری قدس سرہٗ کا مزار پُرانوار ہے، درگاہ کے شمال مغربی گوشہ میں سید محمد ابدال الملقب بہ دودھ دھاری نبیرۂ شاہ ولایتؒ کا مزار ہے جس کا احاطہ سید علی مظفر خان بن سید امان علی خان (گھڑیال والے) نے تعمیر کرایا تھا۔

احاطۂ درگاہ میں حضرت شاہ ولایتؒ کے خاندان کے علاوہ بعض اور قدیم قبور بھی ہیں۔ خاندان قاضی زادگان کے دو ایک بزرگوں کی قبریں بھی اندرون احاطہ ہیں۔ حجرہ سے متصل بہ جانب شرق ایک قبر قاضی الہدیہ کی ہے۔ بیرون احاطہ حضرت شاہ صاحب کی اولاد، خاندان قاضی زادگان، خاندان شیخ معین الدین ناگوری اور سادات و شرفا کے چند اور خاندانوں کے قبرستان ہیں۔ انہی قطعات اراضی میں درگاہ کے مجاور کچھ رقم لیکر عوام الناس کے مردے بھی دفن کرا دیتے تھے جس کی بنا پر بعض دھنوں، قسائیوں اور دوسری پیشہ ور اقوام کے دو ایک قبرستان بھی کچھ عرصہ سے ان اطراف میں ہو گئے ہیں۔

---

[۱] صاحب تاریخ واسطیہ نے ان قبور کے متعلق کچھ عجب خلط ملط کیا ہے۔ حضرت شیخ معین الدین ناگوریؒ کے مزار پُرانوار کا اول تو ذکر ہی ایسے الفاظ میں کیا ہے جس سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ ان کا دل یہ پسند نہیں کرتا کہ حضرت ممدوح کا مزار بھی یہاں بتایا جائے پھر آپ کے مرقد منور کو سید راجے بن سید عبدالعزیز کی قبر لکھا ہے، حالانکہ ان کی قبر اپنے پدر بزرگوار کے متصل جانب شرق ہے۔ حجرہ کے متصل جس قبر کو حضرت شیخ معین الدین ناگوری کا مزار بتایا جاتا ہے وہ حقیقتاً حضرت شاہ ولایتؒ کے خادم شیخ نظامؒ کی قبر ہے جن کی اولاد میں خادمان درگاہ کا خاندان ہے۔

[۲] ان کا نام نامی مؤلف واسطیہ نے قاضی خداد عرف سونہ بن حسن لکھا ہے، یہ ہرگز صحیح نہیں۔ اصل نام "الہدیہ" ہے۔ جو سید خداد کے فرزند تھے۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو حصہ دوم)

انیسویں سے اکیسویں رجب تک تین دن عرس ہوتا ہے۔ ۱۲۱۵ھ میں ۲۲ بیگہ زمین موضع داود سرائے میں بموجب پروانہ مہری احمد علی خان عرس درگاہ شاہ ولایت کے لئے وقف تھی۔ ابتداءً شاہ ولایتؒ کی اولاد عرس کا انتظام کرتی تھی، اب پہلی تاریخ میں درگاہ کے مجاور، دوسری تاریخ میں بڑھ تلے والے کا لبستہ اور تیسری تاریخ میں شہر کے قسائی، تیلی وغیرہ روشنی اور عرس کا انتظام کرتے ہیں۔

انتزاع سلطنت اسلامی تک تیلچراغ کے مصارف کے لئے یک ٹکہ اور خادمان درگاہ کو ۲ روپیہ ملتا تھا، چند بیگہ زمین بھی خادمان درگاہ کو ملی ہوئی تھی۔

گورِ غریباں عیدگاہ سے لیکر درگاہ حضرت شاہ ولایتؒ اور اس کے اطراف و جوانب میں دور دور تک قبروں کا ایک شہر خموشاں بسا ہوا ہے، خدا معلوم کون کون عارفان باصفا، صاحبان حشمت و جاہ، یہاں منتظر نفخ صور ہیں ؎

عطر مٹی کا جو نہ ملتے تھے ٭ نہ کبھی دھوپ میں نکلتے تھے
گردش چرخ سے ہلاک ہوئے ٭ استخواں تک بھی انکے خاک ہوئے

بڑے بڑے سنگین چبوترے وحظیرے شکستہ اور ہزاروں قبریں ٹوٹی پڑی ہیں۔ صدہا قبروں کا اب نام و نشان بھی باقی نہیں۔ مرنے کے بعد کس شان سے مقبرے تعمیر ہوئے، آج کوئی نام لیوا بھی موجود نہیں۔ تعویذ مارے مارے پھر رہے ہیں۔ عجب حسرت کا مقام ہے ؎

تھے جو مشہور قیصر و فغفور ٭ باقی اُن کے نہیں نشان قبور
تاج میں جنکے ٹکتے تھے گوہر ٭ ٹھوکریں کھاتے ہیں وہ کاسۂ سر

عہد اسلامی کے آثار قدیمہ کی تلاش و جستجو میں خاکسار مؤلف کا شہر کے قبرستانوں میں بارہا گذر ہوا، گھنٹوں گور غریباں کی ایک ایک اینٹ کو دیکھتا پھرا۔ کہنہ کاغذات میں جن کے جاہ و حشمہ کا حال پڑھا تھا، شہر خموشاں میں آکر ان کا کچھ عجب حال پایا۔ بیکسی کے عالم میں منوں مٹی کے نیچے دبے پڑے ہیں، حسرتیں بادل بن بن کر ان کی ٹوٹی قبروں پر چھائی ہوئی ہیں، ابر نیساں کے

سوا نہ کوئی آنسو بہانے والا ہے اور نہ تنہائی و بیکسی کے سوا کوئی ہمدم و انیس ہے۔ سید غلام علی کٹرہ والے جیسے امیر کبیر کا مزار مرقع عبرت ہے جن کے دیوانخانوں اور محلسراؤں میں پر فضا باغ موجود تھے آج اُن کی لحد کے پاس سرو، بید و چنار کے درخت تو کجا، گلاب و چنبیلی کے خشک پھول بھی نہیں، سبزہ تک افسردہ نظر آتا ہے۔ مزار کی اینٹیں بکھری پڑی ہیں ؎

خشک گل، افسردہ سبزہ، شمع چپ، بالیں اُداس جی بھر آیا عالمِ گورِ اسیرؔ اس دیکھ کر

میں اس مرتفع اور شکستہ چبوترہ پر کھڑا تھا، چاروں طرف آسودگانِ عدم کی خواب گاہوں اور شہرِ خموشاں کی قبروں کا ایک سلسلۂ نامتناہی چلا گیا تھا، اس منظر نے خیال کو تحریک دی، سوچنے لگا کہ یہ مٹی اور اینٹ و چونہ کے اُبھرے ہوئے ڈھیر جن میں سے ہزاروں صدمات بارش سے زمین دوز ہو گئے ان میں کس کس کی تمنائیں اور کیسی کیسی آرزوئیں مایوسی سے دست و گریباں ہو کر عالمِ سکوت میں متحیر پڑی ہوئی ہیں، خدا جانے ان میں کتنے مدبرانِ ملک اور وزیرانِ سلطنت ہونگے، کتنے بہادر و جانباز، شعرا و انشا پرداز ہونگے، وہ بھی ہونگے جو عین عنفوانِ شباب میں چل دیئے اور وہ بھی جو عمرِ طبعی کو پہنچکر مرے۔ کیا آج ان میں کسی کو دنیاوی عیش و لطف کے کچھ مزے یاد ہیں۔ وہ دولت و تمول کے کھیل، وہ ساز و سامانِ آرائش، وہ عیش و عشرت، وہ حسن و عشق کے چرچے، وہ شبِ ماہ کی دلفریبیاں، وہ نسیمِ سحر کی عطر بیزیاں، وہ احباب کے جمگھٹے، یعنی وہ تمام دنیاوی مشاغل جن میں سے ایک ایک بات کا زندگی میں کیا کچھ اہتمام تھا کیا اب بھی ان کی یاد دل میں باقی ہے۔ یہ سوچتا ہوا ذرا آگے قدم بڑھایا تھا کہ ایک ضعیفہ کی دل ہلا دینے والی اور درد بھری آواز نے اپنی جانب متوجہ کیا۔ اپنے اکلوتے اور جواں مرگ بیٹے کی قبر سے لپٹی ہوئی آہ و بکا میں مصروف تھی، بڑھاپے میں ایک یہی سہارا تھا جسے موت کے ظالم ہاتھ نے اس سے چھین لیا تھا۔ یہاں سے تھوڑی دور چلا تھا کہ مٹی کا ایک تازہ ڈھیر سامنے آیا۔ یہ اُن مولوی صاحب کی قبر ہے جو ابھی چند مہینے ہوئے وہابی و بدعتی کے ہنگامہ آرائیوں میں نمایاں حصہ لیا کرتے تھے۔ آج عالمِ بیکسی میں خاموش پڑے ہیں۔ جلسوں میں فریقِ مخالف پر کیسی کچھ

بوچھاڑ کرتے تھے اب ان کے سرہانے کیسا ہی شور مچاؤ، چیختے چیختے مر جاؤ، یہ ہوں ہاں بھی کچھ نہیں کر سکتے۔ غرضیکہ اس شہر خموشاں کے عبرت افزا نظارے، لق و دق میدان کے سناٹے، شکستہ و بوسیدہ قبروں کی حالت، قبرستان کے درختوں کی الم انگیز سنسناہٹ نے دل پر خیالات کا ایک ہجوم طاری کر دیا اور میں اس عبرت انگیز کلام کو پڑھتا ہوا مُردوں کی نگری سے زندوں کے رین بسیرے کی طرف لوٹا ؎

کل ہوس اسطرح سے ترغیب دیتی تھی مجھے
خوب مُلکِ روس ہے اور سر زمینِ طوس ہے
گر میسّر ہو تو کیا عشرت سے کیجئے زندگی
اُسطرف آوازِ طبل اِک سو صدائے کوس ہے
سُنتے ہی عبرت یہ بولی اک تماشا میں تجھے
چل دکھاؤں تو جو قیدِ آز میں محبوس ہے
لے گئی یکبارگی گورِ غریباں کی طرف
جس جگہ جانِ تمنّا سو طرح مایوس ہے
مرقدیں دو تین دکھلا کے لگی کہنے مجھے
یہ سکندر ہے، یہ دارا ہے، یہ کیکاؤس ہے
یہ وہی ہیں کہ جو دعوائے خدائی کر گئے
یہ فلاطوں، یہ ارسطو اور یہ جالینوس ہے
پوچھ تو ان سے کہ جاہ و حشمتِ دُنیا سے آج
کچھ بھی انکے ساتھ غیر از حسرت و افسوس ہے

۶۔ **درگاہ شاہ نصیر الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ** — شاہ صاحب کی درگاہ بیرون شہر جانب شمال و مغرب متصل بلند بو پارک واقع ہے۔ بارہویں صدی ہجری کے آخر تک یہ درگاہ بارونق اور آباد تھی، عرس بھی ہوتا تھا، لیکن اب ویران و سنسان ہے، عرس بھی نہیں ہوتا۔ ان کی اولاد میں اب کوئی مذہب آبائی پر نہیں، جو چند لوگ ہیں وہ دو دو چار چار پشت سے شیعی المذہب ہیں۔ جن کو عرس وغیرہ سے قدرتاً کوئی دلچسپی نہیں ہو سکتی۔

۷۔ **درگاہ شاہ نظام الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ** — آپ کا مزار محلہ دستار سیاہ میں واقع ہے۔ مدت دراز سے شکستہ پڑا تھا۔ مولانا سید عبد الرحمٰن مکّی نے ۱۳۴۳ھ میں از سرِ نو بنایا اور احاطۂ درگاہ کو، جس کی کچھ اراضی بہ مرورِ ایّام قرب و جوار کے بعض مکانات میں شامل

سلہ (متعلق صفحہ ۱۱۶) اصل شعر میں بجائے "غریباں" کے "امیراں" کی لفظی ترمیم کی گئی۔

ہو گئی ہے پختہ کرایا۔ ایک کمرہ بھی بنوایا۔ اب یہ مقام بارونق ہے۔ مولانا کا قیام بھی یہیں ہے۔

۸۔ مزار عارف باللہ حضرت شاہ شکر اللہ قادریؒ

حضرت عارف باللہ شاہ شکر اللہ قادری قدس اللہ روحہٗ عہد جہانگیر کے خدارسیدہ اور قادریہ سلسلہ کے صاحب کمال بزرگ تھے۔ آپ کا سلسلہ بیعت کئی پشتوں تک امروہہ میں جاری رہا۔ مشائخ امروہہ کی بعض قدیم دستاویزات پر "سید قطب بن سید محمد افضل صاحب سجادہ حضرت شاہ شکر اللہ عارف باللہ قادری" کے دستخط ان ہی الفاظ کے ساتھ تحریر میں ۱۰۹۷ھ یعنی عہد عالمگیر تک اس خاندان کے بزرگوں کا تذکرہ کاغذات میں ملتا ہے۔ خاکسار مؤلف کو امروہہ کے قبرستانوں اور مزارات میں اکثر بزرگوں کی قبروں اور مزارات کی شکستگی کے نظارہ نے بارہا متالم کیا ہے لیکن جس وقت ایک صوفی منش دوست کی معیت میں حضرت ممدوح کے مزار کی تجسس میں اس مقام پر پہنچا جو آپ کا آرام گاہ ہے زبان قلم سے نکلے ہوئے الفاظ قلب کی اس اذیت اور دل کی اس بیتابی کا اظہار نہیں کر سکتے جو اس منظر کے دیکھنے سے پہنچی۔ محلہ کالی پگڑی (دستار سیاہ) میں، جس کا نام ہی حضرت ممدوح کی خاندانی خصوصیت کا آج بھی اظہار کر رہا ہے، امام باڑہ کے سامنے، جو کسی زمانہ میں حضرت ممدوح کی خانقاہ تھی، مٹی کا ایک اونچا ڈھیر پڑا ہے اس کی چہاردیواری کی بنیادوں کے کچھ آثار اب بھی باقی ہیں یہیں حضرت کا مزار پُرانوار تھا، ایک قبر کی کچھ اینٹیں بھی بکھری پڑی ہیں۔ یہ نظارہ ہی کسی قبر پرست کے لئے نہ سہی آثار قدیمہ کے مجھ جیسے شیدائی کے لئے کچھ کم اذیت دہ نہ تھا۔ مگر آہ! اے امروہہ کے اسلاف پرست مسلمانوں! سنو، اس بزرگ، اس ولی اللہ کا مرقد منور محلہ کے یکہ والوں کے گھوڑوں کی ٹاپوں سے پامال ہو رہا ہے، یہاں گھوڑے بندھتے ہیں، جس مقام پر اس بزرگ کی ہڈیاں دفن ہیں وہاں گھوڑوں کی لید اور پیشاب کی عفونت آرہی ہے!!

خانقاہ کی اینٹیں تو خیر امام باڑہ ہو جانے کی وجہ سے سلامت ہیں، لیکن یہ امام باڑہ! بالفاظ صحیح خانقاہ جس واجب الاحترام بزرگ کی یادگار ہے کیا اس کا مزار اس کا بھی مستحق

نہیں کہ گھوڑوں کی ٹاپوں کی زد سے تو اسے محفوظ کر دیا جائے۔ یہ سچ ہی کہ حضرت کی نسل میں اب ایک دو اشخاص جو باقی ہیں ان میں سے کوئی فرد امروہہ میں موجود نہیں، امام باڑہ کے متولی منشی اظہر علی عرائض نویس جو کسی عدالتی کارروائی کی بنا پر متولی ہو گئے ہیں، اگر اختلاف عقائد کی وجہ سے اس طرف متوجہ نہیں تو کیا امروہہ کے اور مسلمانوں اور بالخصوص شیخ صدیق علی خان وغیرہ اہل محلہ یا مولوی احسان الحسن اور مولوی صبغۃ اللہ صاحبان کا بھی کوئی فرض نہیں؟

نام نیک رفتگاں ضایع مکن   تا بماند نام نیکت یادگار

۹۔ روضۂ منورہ حضرت شاہ ابن بدر چشتیؒ

یہ بہت مشہور و معروف روضہ شہر سے جنوب و مشرق میں ریلوے اسٹیشن کے قریب واقع ہے۔ مرقد منور ایک مرتفع چبوترہ پر ہے، پہلے اس پر سرخ پتھر کی بارہ دری تھی جو پیر بخارہ[1] کی معرفت بیان کیجاتی ہے،

---

[1] یعنی پیر بخارہ بن شاہ مسعود بن شاہ قاسم بن حضرت شاہ ابن بدر چشتیؒ۔ آپ کا نام نامی حضرات پیرزادگان کے مطبوعہ شجرہ میں "محمد مقصود" درج ہے، آپ کے دستخط متعدد قدیم دستاویزات خاندانی پر ان الفاظ میں ملتے ہیں "فقیر بخارہ ابن شیخ مسعود" معلوم ہوتا ہے کہ آپ سے بنجاروں[2] کی قوم کو عقیدت تھی، شاید ان کے پیر ہونے کی وجہ سے "پیر بخارہ" مشہور ہو گئے ہوں اور بوجہ کسر نفسی اپنے نام کی بجائے "فقیر بخارہ" لکھتے رہے ہوں۔ بہر حال اس لقب کی کوئی وجہ بھی صحیح ہو بنجاروں کی قوم کو، جس کی بڑی تعداد اس زمانہ میں ٹانڈہ (متصل مرادآباد) رہتی تھی اور تجارتی کاروبار کی وجہ سے ان میں مال و دولت بھی کافی تھا، حضرت شاہ ابنؒ کے روضۂ منور کی سنگین بارہ دری کا سامان تعمیر فراہم کیا جو انہی پیر بخارہ کے انتظام میں بعہد شاہجہاں بادشاہ تقریباً ۱۰۴۵ھ میں تعمیر ہوئی۔ یہ بارہ دری کس شان کی تھی اسکا اندازہ صرف ان چند پتھروں سے ہو سکتا ہے

کسی صدمہ سے مسمار ہوگئی تھی پھر دوبارہ تعمیر نہ ہو سکی اُس کے بعض خوبصورت نقش ونگار سے مزیّن پتھر جو اپنے صنّاعوں کی صنّاعی اور کاریگری کے زبان حال سے شاہد ہیں چبوترہ کا شیر علیا پر نصب ہیں، احاطہ درگاہ کی پختہ چہار دیواری تھی جس کے آثار بھی اب تک باقی ہیں۔ آپ کے فرزندانِ باکمال شاہ نور الدین و شاہ صدر الدین قدس اللہ اسرارہم اور دوسرے بیٹوں پوتوں کے مزارات بھی متصل مرقد منوّر واقع ہیں۔ سید جمال کا مزار بھی جن سے رشتہ کا تعلق تھا اور جن کو آپ سے عقیدت بھی تھی، احاطہ مزار سے متصل ہے نیز خاندان پیرزادگان کے قبرستان بھی احاطہ روضہ منورہ میں ہیں۔ جہانگیر و شاہجہاں و عالمگیر کے عہد سلطنت میں آپ کا عرس بڑی دھوم دھام سے ہوتا تھا۔ بیرونجات سے بڑی تعداد میں لوگ آتے تھے۔ فقرا و مشائخ اور مریدین کے

(بقیہ صفحہ ۱۱۹)
پر سنگین عمارت زر تفریق سے تعمیر کرا رہے ہیں۔ ؎۲ بنجارہ۔ یہ لفظ سنسکرت زبان کے لفظ بنج "(वणिज)" سے مشتق ہے جس کے معنی بیوپار اور سوداگر کے ہیں۔ بعض لوگ اس کو فارسی کے لفظ "برنج آر" کی بگڑی ہوئی شکل کہتے ہیں جس کے معنی چاولوں کے حمّال کے ہیں لیکن یہ صحیح نہیں۔ سنسکرت کی ایک بہت قدیم کتاب "داس کمار چرترا" کے ایک قصہ میں "بنجارہ" کا لفظ موجود ہے۔ اس صوبہ میں جو بنجارے آباد ہیں وہ ہمیشہ سے یہی کاروبار کرتے رہے ہیں کہ مقام سے دوسرے مقام کو تجارتی اشیا لیجاتے تھے۔ نظیر اکبر آبادی فرماتے ہیں "سب ٹھاٹھ پڑا رہجاویگا جب لاد چلے گا بنجارہ"۔ انگریزی سلطنت میں ذرایع بار برداری کے وسیع ہونے کی وجہ سے ان کے آبائی پیشہ میں بھی خلل واقع ہوگیا۔ سلطان علاء الدین خلجی نے جو ضابطے تجارت اور نرخ اشیاء کے قایم کئے تھے ان میں ان بنجاروں کے بھی فرائض متعین کئے گئے تھے۔ اس زمانہ کی تاریخوں میں ان کا اکثر ذکر آتا ہے۔ بعض جگہ انہیں لفظ "ملتانیاں" سے بھی موسوم کیا گیا ہے۔ اس صوبہ کے بنجارے بھی اپنا نکاس ملتان سے بتاتے ہیں۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ ابتداءً یہ ہندو بھاٹوں کی ایک شاخ "چارن بھاٹوں" میں سے تھے، اپنا پیشہ ترک کرکے تجارت کا کاروبار کرنے لگے۔ ان کی چار بڑی قسمیں ہیں۔ ترکیا بنجارے، بید بنجارے، لبانا بنجارے، مکیری بنجارے اور بہروپ۔ پھر ان سب میں بہت سی شاخیں ہیں صرف ترکیوں میں ہی ۳۶ فرقے ہیں۔ اوّلاً تو مذہب میں ان کی خاص سکونت

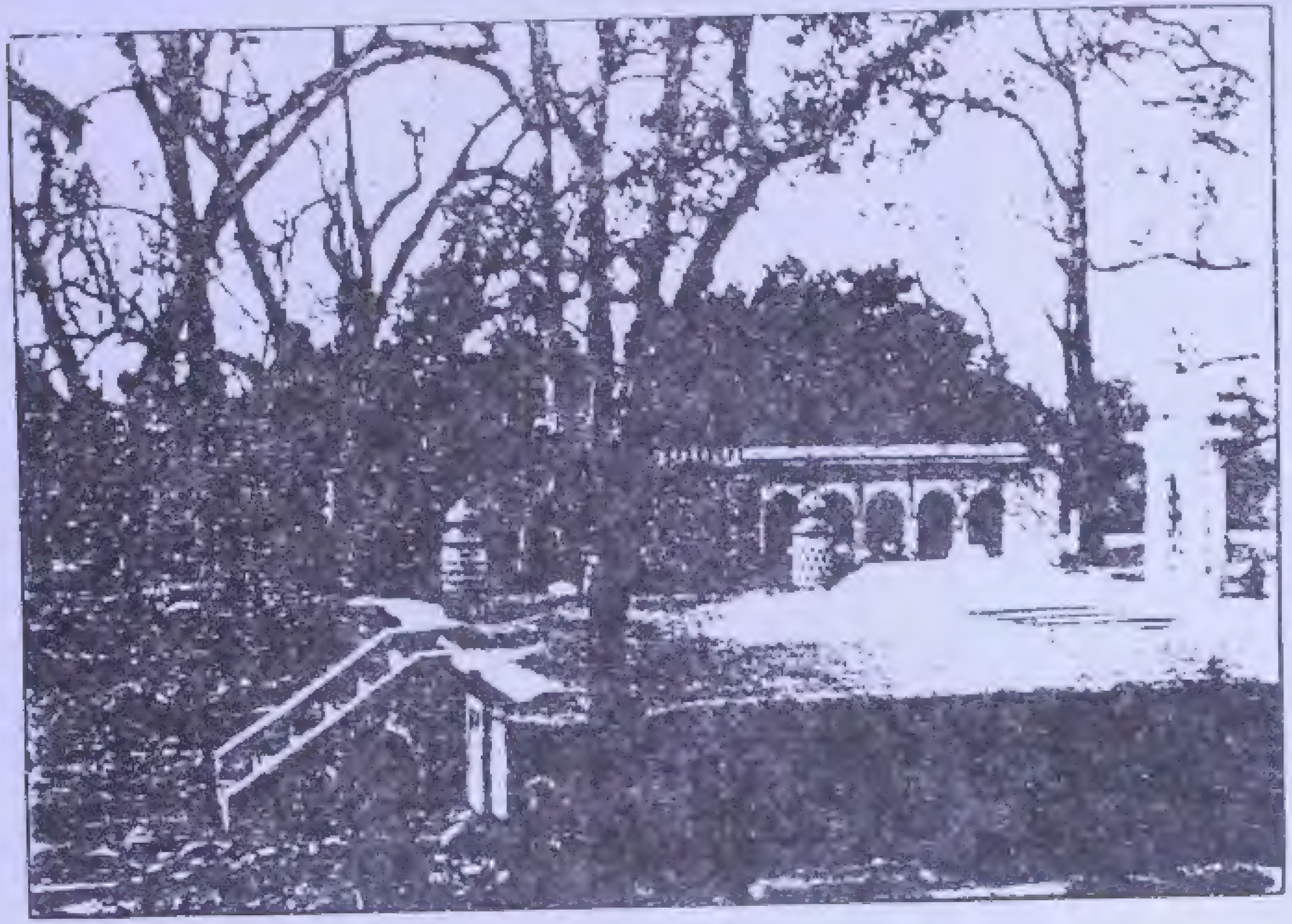

روضۂ منورہ حضرت شاہ ابن بدر چشتیؒ

قیام کے لئے روضہ سے متصل مکانات بھی تھے۔ مصارف روضہ کے لئے ڈیڑھ سو بگیہ اراضی حاطلت کی عطا کردہ تھی۔ یہاں اب ایک مسجد اور بارہ دری بھی ہے۔ ماہ ذی الحجہ میں گیارہ سے پندرہ تک پانچ دن عرس ہوتا ہے جس کا انتظام آپ کی اولاد کرتی ہے۔ ان کے علاوہ عرس کی ایک شب دکھنی جولاہے بھی کرتے ہیں جن کو حضرت سے موروثی عقیدت ہے۔ ان کے قبرستان بھی روضہ سے متصل ایک قطعہ اراضی میں ہیں۔

۱۰۔ مزارِ شیخ جاہن فاروقیؒ

متصل آبادی جانب شرق تالاب پانباڑی۔ اس محلہ کا نام ہی محلہ شیخ جاہن پڑگیا ہے جس کو عوام غلطی سے محلہ "شیخ جانیاں" کہتے ہیں۔ اس مقام پر مسلمانوں کی آمد کے زمانہ میں ایک بڑا بتخانہ تھا یہ بتخانہ قدیم شہر کے باہر اس تالاب کے کنارے تھا۔ بتخانہ کے بُت بہ تعداد کثیر اس ڈھیر میں دبے پڑے ہیں۔ تقریباً بیس برس ہوئے گلاب شاہ ساکن مراد آباد نے زرِ تفریق سے اس مزار اور مسجد کی مرمت کرائی تھی۔

۱۱۔ مزارِ حضرت شیخ پیر کرؒ

واقع محلہ نیازیان یہ مزار ایک وسیع احاطہ میں ہے جو پہلے تکیہ شیخ پیر کرؒ کے نام سے موسوم تھا۔ اس احاطہ میں مختصر سی مسجد بھی ہے۔

۱۲۔ مزارِ شاہ ضیعف اللہ کاظمیؒ

آپ کا مزار محلہ گنگوئی میں ہے، آپ مشائخ متاخرین میں حضرت مرزا مظہر جانِ جاناںؒ کے مرید، عالم با عمل اور صاحب نسبت بزرگ بزرگ تھے۔ سنہ ۱۲۴۰ھ میں بوقت نماز عصر بحالت سجدہ واصل بحق ہوئے۔

۱۳۔ مزار شاہ گدا قادریؒ

آپ کا مزار شہر سے جانب جنوب متصل تالاب کینٹیا واقع ہے۔ یہاں علاوہ اہل خاندان کی قبور کے شیخ جان محمد اور شاہ گدا قادریؒ کے مرید شاہ عبدالواحد کے مزارات بھی ہیں، کسی زمانہ میں بارونق مقام تھا۔ ان درگاہوں کے لئے

(بقیہ صفحہ ۱۲۰)

تھی وہاں سے بلاسپور، رچھا وغیرہ مقامات پر جا بسے۔ بہرحال عہد ماضیہ میں یہ خوشحال اور متمول تھے۔

کے لئے اراضی بھی سلطنت کی جانب سے مقرر تھی، خدام درگاہ کو یومیہ ملتا تھا، ان خدام کی نسل میں محلہ بٹوال کے فقیر ہیں، جنکا پیشہ اب گداگری ہے۔

۱۴- درگاہ شاہ عبد المجید علوی رح

پختہ چہار دیواری کے اندر متصل عیدگاہ واقع ہے۔ مرقد منور پر خوبصورت مقبرہ بنا ہوا ہے۔ جواب جابجا سے شکستہ ہوگیا ہے آپ کے بھائی اور جانشین شیخ فیض اللہ رح کی قبر بھی پائین مزار ہے جواب اینٹوں کا ایک ڈھیر ہے۔ احاطہ درگاہ میں عالی شان مسجد ہے جس کے خوشنما گنبد جابجا سے شق ہوگئے ہیں، سامنے کا ایک مینار گر گیا، کنگرے ٹوٹے پڑے ہیں، گنبدوں پر خودرو درخت اُگ آئے ہیں۔ تاریخ تعمیر کا حسب ذیل کتبہ سنگ مرمر پر خوشنما حروف میں کندہ تھا یہ پتھر کسی صدمہ سے گر کر ٹوٹ گیا جسکے ٹکڑے بڑی تلاش سے دستیاب ہوئے۔

لا الٰہ الا اللہ محمد الرسول اللہ

یافت بنا از مدد ذو الجلال ۔۔۔ مسجد و گہ خلق ز سعی کمال

کاتبہ و راقمہ عبد الواحد ۔۔۔ ۱۱۲۲ھ (رابع مسجد کی سطر پڑھنے میں نہیں آئی)

مسجد کے متصل شاہ صاحب کے خلیفہ عمدۃ الواصلین سید عبد الحکیم کا مقبرہ ہے جو طرز تعمیر میں آپ کے مرشد کے مقبرہ کے مشابہ ہے۔ یہ بھی جابجا سے شکستہ ہوگیا ہے۔ سابق میں آپ کا عرس بھی خوب دھوم دھام سے ہوتا تھا۔ مصارف روضہ کے لئے ڈیڑھ سو بیگہ اراضی کی ایک ملک سلطنت کی عطیہ تھی۔ آخر عہد سلطنت اسلامی تک تیلچراغ کا خرچ اور درگاہوں کی طرح مقرر تھا۔ اس خاندان کے لوگ جب امروہہ میں باقی نہ رہے عرس بھی موقوف ہوگیا اور مقبرہ کی مرمت اور خدمت کرنے والا بھی کوئی باقی نہ رہا۔ مسجد اور مقبروں کی عمارتوں کی حالت نہایت درجہ زبون ہے۔ یہ تاریخی عمارتیں مسلمانان امروہہ کی غفلت اور بے حسی کا اپنی زبان حال سے مرثیہ خواں ہیں۔

ع:- حسرت برس رہی ہے یہ کس کا مزار ہے

خانۂ خالی را دیو می گیرد۔ خدا معلوم وہ کون لوگ ہیں جو اس متبرک مقام یعنی مسجد اور مقبرہ کا اپنے کو "مالک یا قابض" سمجھکر اس متبرک زمین میں جہاں ان بزرگوں کے جسم خاکی دفن ہیں ہل چلاتے

مقبرہ سید عبد الحکیم چشتی
مسجد درگاہ شاہ عبد المجید چشتی

۱۷ روضہ منورہ حضرت شاہ عبد المجید علوی رحمۃ اللہ علیہ
متعلق صـ ۱۲۲

کاشت کرتے اور باغ اور درختوں سے خوب نفع حاصل کرتے ہیں لیکن مسجد یا مقبرہ یا کسی قبر کی مرمت میں ایک حبہ صرف کرنا ناجائز سمجھتے ہیں۔ خاکسار مؤلف جب ان عمارتوں کی تصویر کشی کے لئے ایک مصور کو ساتھ لیکر محبی شاہ علاء الدین صاحب کی معیت میں یہاں پہنچا تو ہماری نظروں نے یہ دردناک منظر بھی دیکھا کہ کسی نالائق نے سید عبدالحکیم قدس سرہٗ کے مقبرہ کی متصل بعض قبروں کے چبوترہ کے پتھر اور اینٹیں نکالنا شروع کی ہیں غالباً اس غرض سے کہ ان کو فروخت کرکے چند ٹکے وصول کرے! آہ! اے امروہہ کے مسلمانو! تمھاری بے حسی اور بے حمیتی اس سے کیا زیادہ ہوگی کہ ایسے متبرک اور تاریخی عمارتوں اور قبروں کو درست کرنا درکنار تمھیں میں ایسے نابکار بھی ہیں جو ان کی اینٹ تک بیچ بیچ کر اپنا دوزخ بھر رہے ہیں لیکن نہ تمھاری غیرت کو کوئی تحریک ہوتی ہے اور نہ تم اس کا کوئی درد اپنے دل میں محسوس کرتے ہو!!

امروہہ کے مسلمانوں کو اگر یہ توفیق نہیں ہے کہ ان آثار قدیمہ اور بزرگوں کی یادگاروں کو برباد و مسمار ہونے سے محفوظ رکھیں تو کاش حکومت کے محکمۂ آثار قدیمہ ہی کی توجہ اس طرف منعطف ہو عہد شاہجہاں کی یہ تاریخی عمارتیں ہیں۔ جن کی درستی و حفاظت اس محکمہ کا فرض اولین ہے۔

۱۵۔ روضہ شاہ گھاسی چشتیؒ

یہ روضہ تالاب بابناڑی کے قریب سید اعز الدین سہروردیؒ کی درگاہ سے جانب شرق و جنوب میں ہے۔ مرقد منور پر خوشنما مقبرہ ہے جو اچھی حالت میں ہے۔ چہار دیواری البتہ جابجا شکستہ ہوگئی ہے۔ سنہ ۱۱۸۷ھ میں یہاں خانقاہ و حجرہ کی عمارتیں آپ کی زندگی میں تعمیر ہوگئی تھیں بعد وصال آپ یہاں دفن ہوئے۔ یہ روضہ مولانا عبدالرشید عباسی قدس سرہٗ نے تعمیر کرایا، اس کا باغ ان ہی کا نصب کردہ ہے۔ مولانا کا مزار بھی اپنے مرشد کے جوار مزار چبوترہ پر واقع ہے۔ اور زیر چبوترہ جانب جنوب شیخ عبدالمناف کی قبر ہے۔ اسلامی حکومت سے اس روضہ کے تیل چراغ کا خرچ بھی ملتا تھا اور کچھ اراضی بھی مصارف روضہ کے لئے وقف تھی۔ ۲۹۔ رمضان کو عرس ہوتا ہے۔

۱۶۔ مزار شاہ علاء اول چشتیؒ — آپ کا مزار پر انوار درگاہ شاہ عبدالمجید علویؒ سے بجانب شرق بفاصلہ

فرلانگ پر واقع ہے۔ کچھ عرصہ پیشتر تک یہ مقام ویران حالت میں تھا۔ خاکسار مؤلف کے جدِ امجد حضرت مولانا احمد علی شاہ عباسی رحمتہ اللہ علیہ نے بجائے قدیم خاندانی قبرستان کے شاہ علاء الدینؒ کے جوار میں اپنے تدفین کی وصیت فرمائی تھی، حضرت قبلہ گاہی نے بھی اپنے لئے جوارِ پدرِ بزرگوار کو پسند فرمایا۔ برادرِ عزیز حکیم مقصود احمد عباسی مرحوم کا جنازہ بھی دہلی سے لایا گیا اور حسبِ وصیت یہیں دفن ہوئے۔ عزیزہ سلیقہ بیگم عباسی مرحومہ کی میت بھی دہلی سے امروہہ آئی اور وہ بھی یہیں دفن ہوئیں۔ اب حال میں اصغری بیگم مرحومہ کا جسمِ خاکی دہلی سے لاکر یہیں سپردِ خاک کیا گیا، ایک اور عزیزہ کو بھی یہیں جگہ ملی غرضیکہ یہ قطعات اراضی خرید کر آپ کے مزار کی اور چبوترہ کی سنگین فرش سے درستی کی گئی ہے، باغ و چمن بندی سے اس مقام کو بارونق کرنے کا انتظام کیا جا رہا ہے۔

۱۷۔ درگاہ شاہ عضد الدین جعفریؒ

جانب غرب متصل آبادی محلہ نوگزہ۔ یہ درگاہ عوام میں آپ کے فرزند و جانشین حضرت شاہ معز الدین المعروف بہ "شاہ موج" کے نام سے مشہور ہے۔ شاہ قیام الدین علیہ الرحمتہ اور اس خاندان کے بزرگوں کے اکثر مزارات یکجا و پہلو بہ پہلو ہیں۔ درگاہ میں مختصر سی مسجد بھی ہے اور اسی سے متصل سکونتی مکانات بھی ہیں۔ ۲۰ رجب کو شاہ عضد الدینؒ اور ۹ شوال کو شاہ موجؒ کا عرس ہوتا ہے۔ جلسہ سماع بھی ہوتا ہے۔ امروہہ و بیرونجات میں اس خانوادہ کے مرید اور عقیدتمند پہلے بہ کثرت تھے، اب بھی یہ سلسلہ قائم ہے۔

۱۸۔ درگاہ شاہ عبدالہادیؒ

بیرون شہر جانب شمال نصف میل کے فاصلہ پر ہے۔ شاہ عبدالہادیؒ کی وفات سنہ ۱۱۹۰ھ میں مقام کھائی کھیڑہ ضلع بریلی میں ہوئی تھی جہاں سے تابوت امروہہ لایا گیا اور خاندانی باغ میں دفن کرکے وسیع و خوشنما عمارت مزار و درگاہ کی تعمیر کی گئی۔ کچھ حصہ منہدم ہو چکا ہے لیکن بڑا حصہ باقی ہے۔ ماہ شوال میں ۲ سے ۸ تک ہر سال عرس ہوتا ہے جس کے مصارف موضع بداہی کی ملک موقوفہ نواب محب اللہ خان سے ادا ہوتے ہیں۔ شاہ عبدالباریؒ، شاہ حسن بخشؒ و شاہ غلام مصطفیٰؒ کے مزار اور خاندانی قبرستان

متعلق صفحہ ۱۷۳

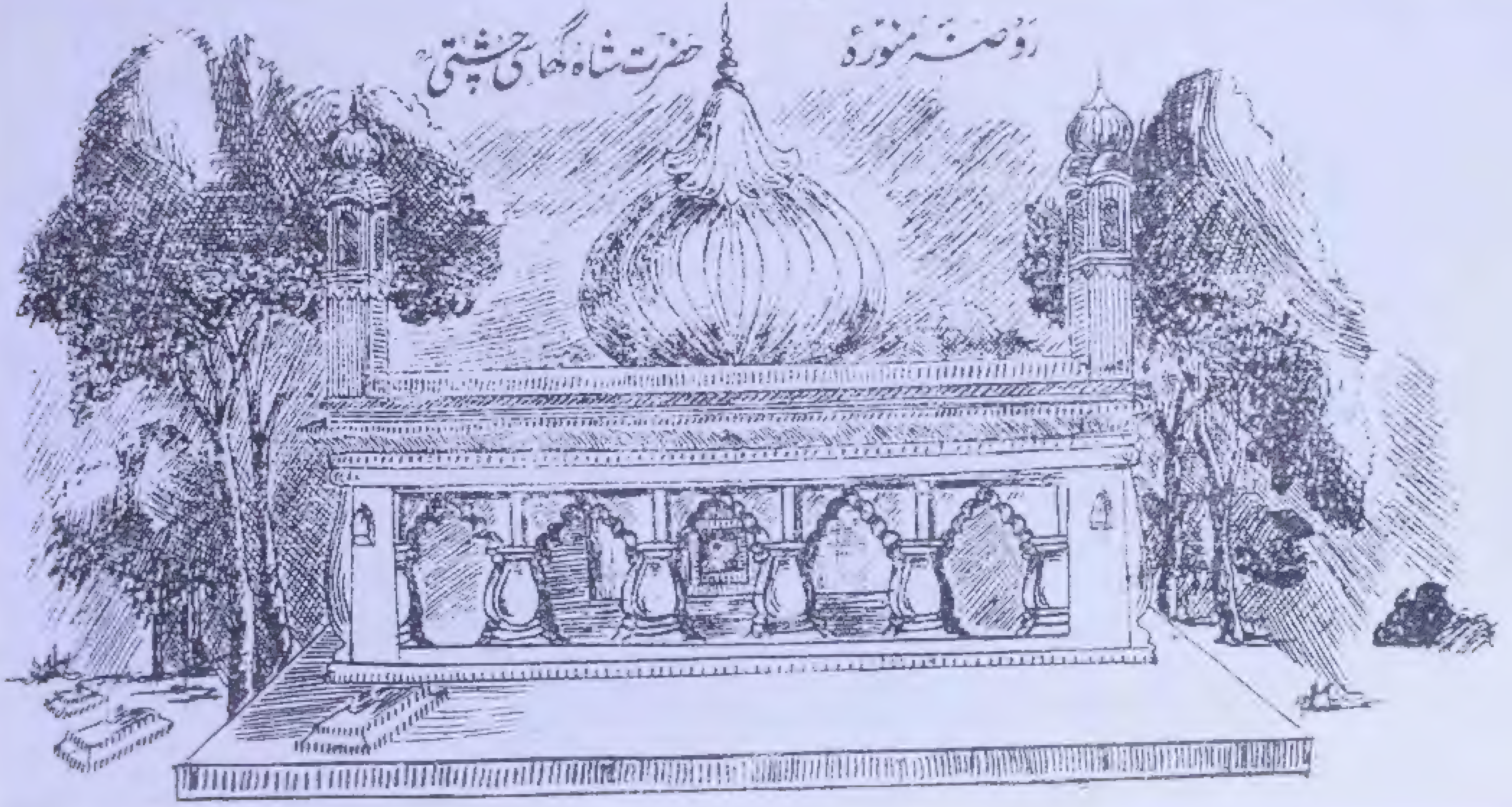

روضۂ منورہ
حضرت شاہ گھاسی چشتی

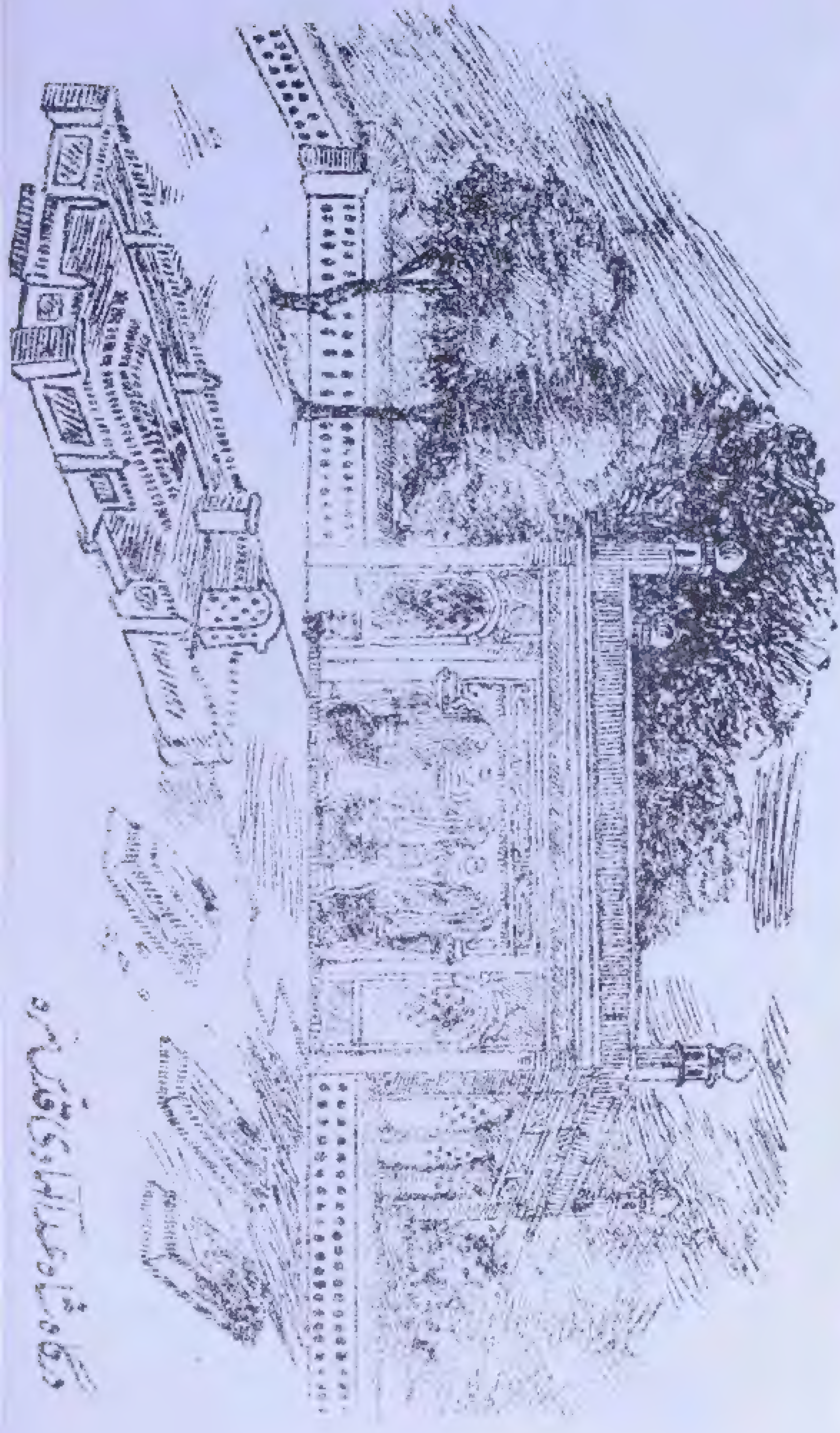

بھی یہیں ہے۔

۱۹۔ شاہ رحمت اللہؒ | مزار متصل محلہ قریشی میں چبوترہ پر واقع ہے۔ ۱۵/ شعبان کو عرس ہوتا ہے۔ آپ کی زوجہ کی قبر بھی پہلو میں ہے۔

۲۰۔ مزار شاہ پیر بخشؒ | متصل مرادآبادی دروازہ بیرون شہر ایک مرتفع چبوترہ پر واقع ہے۔ سابق میں عرس بھی اچھے پیمانہ پر سادات دربار کلاں کی جانب سے ہوتا تھا جن کو آپ سے موروثی عقیدت تھی۔

۲۱۔ حاجی غلام علی شاہؒ | مزار محلہ چلّہ میں لب سڑک دہلی۔ احاطہ میں باغیچہ مسجد اور دالان ہے۔

۲۲۔ مزار یتیم شاہؒ | جانب غرب درگاہ شاہ ولایتؒ لب سڑک دادو سرائے۔ مرتفع چبوترہ پر مختصر سی چہار دیواری میں واقع ہے۔

۲۳۔ مزار سید عبدالغنیؒ | محلّہ نل میں لب سڑک دہلی۔

۲۴۔ مولانا سید امانت علیؒ | مزار متصل مزار شاہ عبدالغنیؒ جانب غرب ایک مرتفع چبوترہ پر ہے۔

۲۵۔ روضہ حافظ عباس علی خاںؒ | متصل روضہ درویش علی خان۔ آپ کے لائق فرزند مولانا احمد حسین خاں نے ۱۳۳۱ھ میں خانقاہ و مسجد بنوائی ہے جس کے دو درجے اور چار کوٹھریاں بازو میں ہیں۔ ایک وسیع باغ بھی نصب کیا ہے۔ ہر سال ماہ بیساکھ میں آپ کا عرس ہوتا ہے، سالانہ عرس کے علاوہ معمولی جلسہ بھی ہر مہینہ میں ۵ ویں تاریخ کو سالانہ عرس کے نمونہ پر ہوا کرتا ہے۔ درگاہ و مسجد کے لئے چار قطعات باغ بھی وقف ہیں جن کی مجموعی آمدنی تقریباً ستّر روپیہ سالانہ ہے۔

خانقاہیں

امروہہ کی خانقاہوں میں اب معدودے چند کا صرف نام باقی ہے۔ شہر سے ذرا باہر نکلو، چہار

طرف خانقاہوں، فقراء کے تکیوں کے کھنڈر اور آثار ملیں گے، کسی زمانہ میں یہ سب آباد تھے۔ وارد، صادر اور مسافر کے قیام اور طعام کا انتظام تھا۔ ان میں بعض کے متعلق اوقاف کی املاک واراضیات بھی تھیں، جن میں سے بعض پر لوگ غاصبانہ قابض ہو گئے، کچھ فروخت ہو گئیں۔ ظالموں نے اینٹیں تک بیچ کھائیں۔ اب نہ خانقاہیں باقی ہیں اور نہ تکیے، حضرت شاہ امین بدر چشتی قدس سرہ العزیز کی خانقاہ کے علاوہ جو ترمیم و مرمت کے بعد اچھی حالت میں ہے، کسی کا کھنڈر باقی رہ گیا ہے اور کسی کا صرف نام ؎

پڑی ہیں سب اُجڑی ہوئی خانقاہیں
وہ درویش و سلطاں کی امیدگاہیں

کھلی تھیں جہاں علم باطن کی راہیں
فرشتوں کی پڑتی تھیں جن پر نگاہیں

کہاں ہیں وہ جذب الٰہی کے پھندے
کہاں ہیں وہ اللہ کے پاک بندے

۱۔ خانقاہ حضرت شاہ ولایتؒ

اس خانقاہ کا نہ اب وجود باقی ہے اور نہ آثار۔ آٹھویں اور نویں صدی ہجری میں یہ خانقاہ آباد تھی سید محمد ابدال دودھ دھاری، شیخ معین الدین ناگوری اور سید اشرف جہانگیر قدس اللہ اسرارہم کا یہاں افادہ جاری تھا۔

۲۔ خانقاہ شاہ نصیر الدینؒ

یہ خانقاہ محلہ نوگیاں میں واقع تھی، اب اس کا وجود بھی نہیں۔ اسی کے کسی حصہ میں اب امام باڑہ بن گیا ہے۔ آٹھویں و نویں صدی ہجری میں یہ خانقاہ خوب آباد تھی، اس کے بعد عرصہ دراز تک باقی رہی۔

۳۔ خانقاہ عارف باللہ حضرت شاہ شکر اللہ قادریؒ

یہ خانقاہ محلہ کالی بگڑی میں واقع تھی۔ عہد جہانگیر بادشاہ سے عہد عالمگیری کے بعد تک خوب رونق پر تھی۔ کچھ عرصہ سے اہل محلہ نے تعزیہ وغیرہ یہاں رکھ لئے تھے پھر ایک صاحب نے عدالتی کارروائی میں اس خانقاہ کو امام باڑہ ظاہر کر کے اس کی تولیت بھی حاصل کر لی۔ اب سے یہ باضابطہ امام باڑہ ہے۔

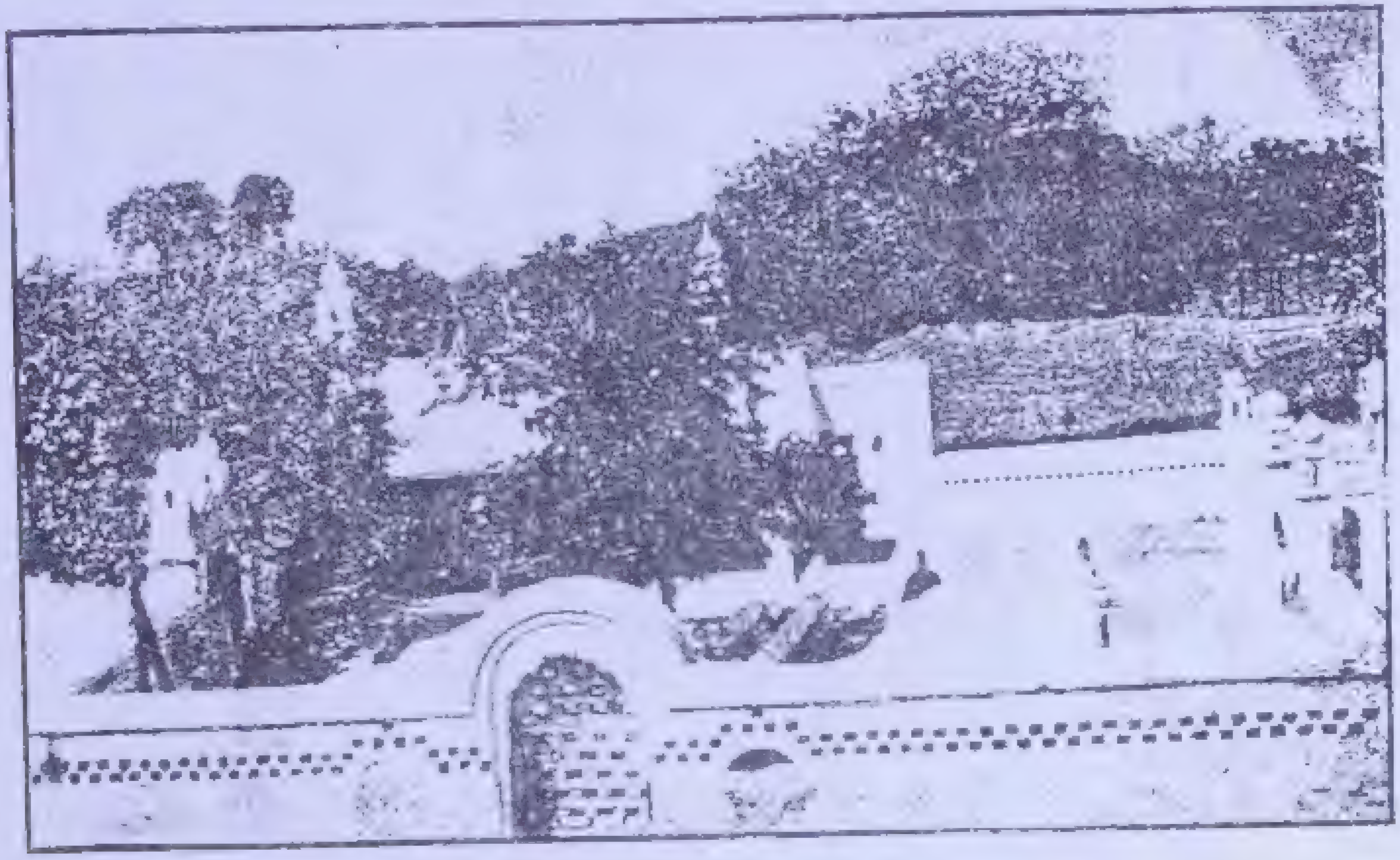

درگاہ حضرت شاہ عضدّالدین جعفریؒ دمیان مچھؒ

۴۔ خانقاہ حضرت شاہ ابنؒ

یہ خانقاہ بہ تبدیل ہیئت موجود ہے اور اسی نام سے اب ایک محلہ بھی موسوم ہو گیا ہے۔

۵۔ خانقاہ حضرت شاہ محمدی فیاض جعفریؒ

حضرت شاہ محمدی فیاض جعفریؒ گیارہویں صدی ہجری کے مشائخ کبار میں سے تھے۔ آپ کے بزرگ ہرگانو (اودھ) کے رہنے والے تھے۔ آپ نے امروہہ میں سکونت اختیار کی۔ "سرائے محمدی" آپ ہی کے نام سے موسوم ہے۔ محلہ لکڑہ کے متصل جانب شمال جن قطعات زمین میں اب کاشت ہوتی ہے یہاں آپ کے مکانات خانقاہ و مسجد تھی۔ اس میں بلیس ہزار پانسو پندرہ گز رقبہ شامل تھا۔ حویلیات کے علاوہ خانقاہ کی عمارت کا ذکر کہنہ دستاویزات میں ان الفاظ میں تحریر ہے "یک ایوان و دو حجرہ بابت خانقاہ از خشت پختہ مسقف بہ چوب و خانہائے خام چھپر پوش بابت سرائے آبادانی"۔

حضرت ممدوح کا مرقد منور آگرہ میں ہینگ کی منڈی متصل سندر آریہ سماج لب سڑک واقع ہے۔ آپ کے فرزندان باکمال سعد محمدؒ کی ورویش محمد مدنی تک یہ خانقاہ خوب آباد رہی لیکن اب نہ یہ خانقاہ باقی ہے اور نہ حویلیات و سرائے آبادانی۔ رہے نام اللہ کا۔ درویشی کا سلسلہ آپ کے بھائی شاہ حامد جعفری کی نسل میں جاری رہا اور اب تک جاری ہے۔ حضرت شاہ عضد الدین جعفریؒ آپ کے برادرزادہ اور مرید و خلیفہ تھے۔ جن کے مرید و خلیفہ حضرت شاہ عبد الہادی صدیقی ہوئے شاہ عضد الدین نے محلہ لکڑہ سے جانب جنوب اقامت اختیار کی۔ اب اس خاندان مشائخ میں بھی شاہ علاء الدین جعفری سجادہ پدری پر متمکن ہیں۔ سلمہ اللہ تعالیٰ۔

خانقاہ محلہ چلّہ

ابتدائً یہ شاہ گدا کی اولاد کا دیوانخانہ تھا۔ بعد میں اسی جگہ شاہ غلام علیؒ اور دوسرے مشائخ کا یہاں قیام رہا اس وجہ سے یہ مقام خانقاہ مشہور ہو گیا۔ شاہ غلام علیؒ کے مزار کے متصل بھی ایک دالان اور مسجد حکیم حکمت اللہ خان کے خاندان نے تعمیر کرائی تھی جو خانقاہ کے نام سے موسوم ہے۔

مقبرے

مقبرہ قطب الدین خان

یہ مقبرہ قطب الدین خان امروہہ کے ایک حاکم کا ہے جو عوام میں مقبرہ قطب شاہ سے موسوم ہے[1]۔ اور کنکوئی کے جنگل میں شہر سے متصل واقع ہے۔ بہت خوبصورت گنبد بنا ہوا ہے۔ دو مینار منہدم ہو گئے دو باقی ہیں۔ گنبد کی چھت میں پلاسٹر کے خوشنما بیل بوٹے بنے ہوئے تھے جس کے چند حصے باقی رہ گئے ہیں۔ وسط گنبد میں اندر کی جانب پیتل کا بڑا توا لگا ہوا تھا کسی ظالم نے اس کو بھی نکال لیا۔ امروہہ میں اس سے زیادہ خوشنما کوئی عمارت نہیں لیکن افسوس بڑا حصہ اس کا شکستہ ہو گیا ہے۔ کبوتروں کی بیٹ اور کوڑے کرکٹ کا ڈھیر لگا ہوا ہے۔ مقبرہ میں دو قبریں ہیں جن کی اینٹیں تک لوگ نکال کے لے گئے۔ عجب حسرت کا مقام ہے۔

دیدم چغدے نشستہ در وقت پگاہ   بر کنگرۂ مقبرۂ نوشیرواں شاہ
فریاد کناں زردئے عبرت می گفت   کو آں ہمہ حشمت و منال و آں ہمہ جاہ

اہل شہر کو اس کی مرمت و درستی کا خیال نہیں۔ یہ ایک اہم تاریخی یادگار ہے کاش محکمۂ آثار قدیمہ کی توجہ اس طرف مبذول ہو!

مقبرہ درویش علی خان

یہ مقبرہ درویش علی خان منصب دار پنجہزاری فرخ سیری المتوفی ۱۱۳۱ھ کا ہے جو سنہ ۱۲۰۱ھ کے بعد کی تعمیر ہے مقبرہ کے اندر ایک پتھر پر حسب ذیل کتبہ کندہ ہے:۔

"مرقد انور نواب محمد درویش علی خان بہادر است کہ بہ عہد پادشاہ غازی محمد فرخ سیر و محمد شاہ بہادر بہ منصب پنجاہ و دو ہزاری سرفراز و بہ خدمت عرض مکرری و نیابت میر بخشی رسالۂ والاشاہی بالاشاہی ممتاز بود و تمامی پرگنہ امروہہ بہ صرفہ طلبش جاگیر گردید و بتاریخ ۱۴ ربیع الاول سنہ ۱۱۳۱ھ

---

[1] طرز تعمیر زیادہ قدیم نہیں۔ وسط عہد مغلیہ کی تعمیر ہے۔

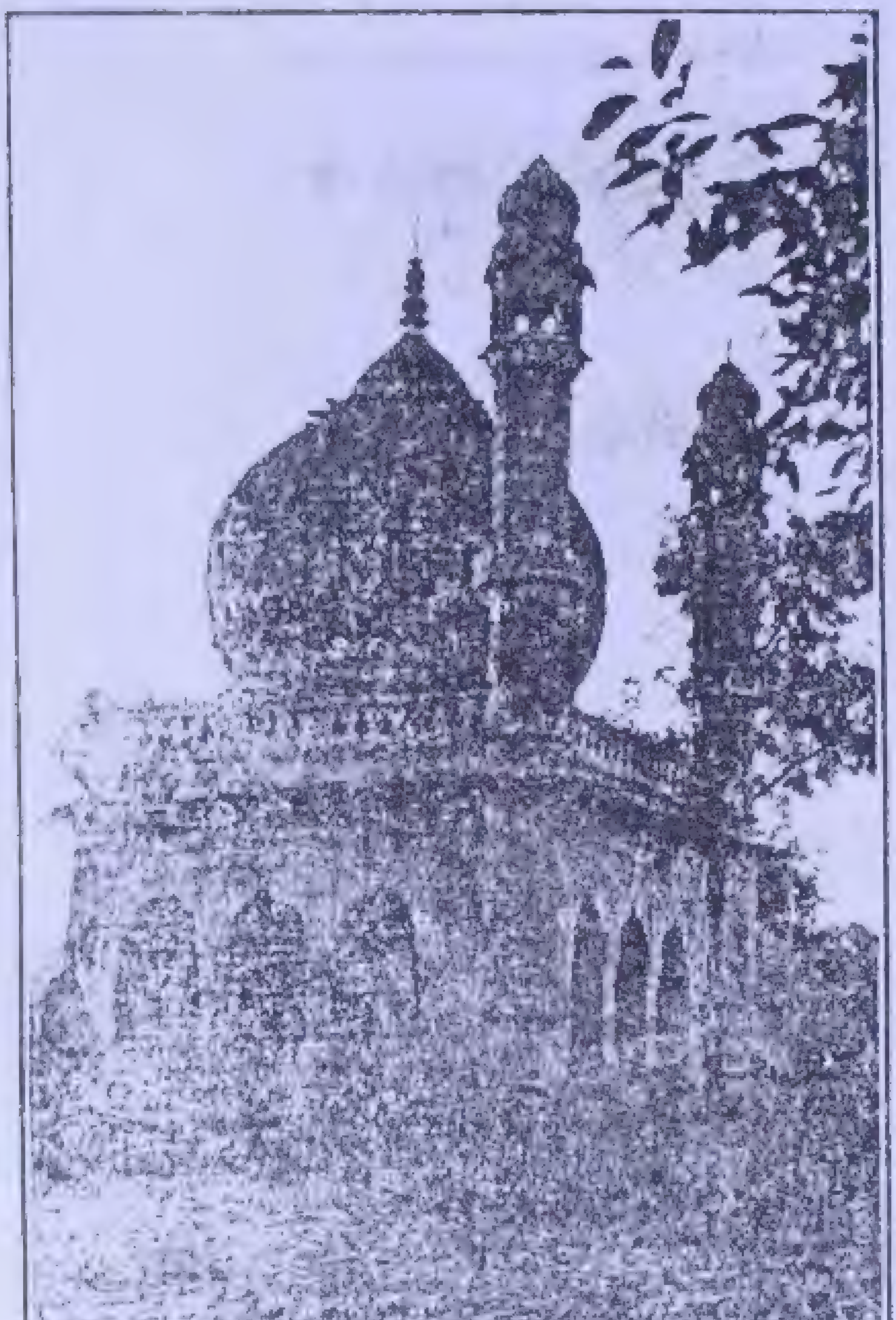

مقبرہ قطب خاں

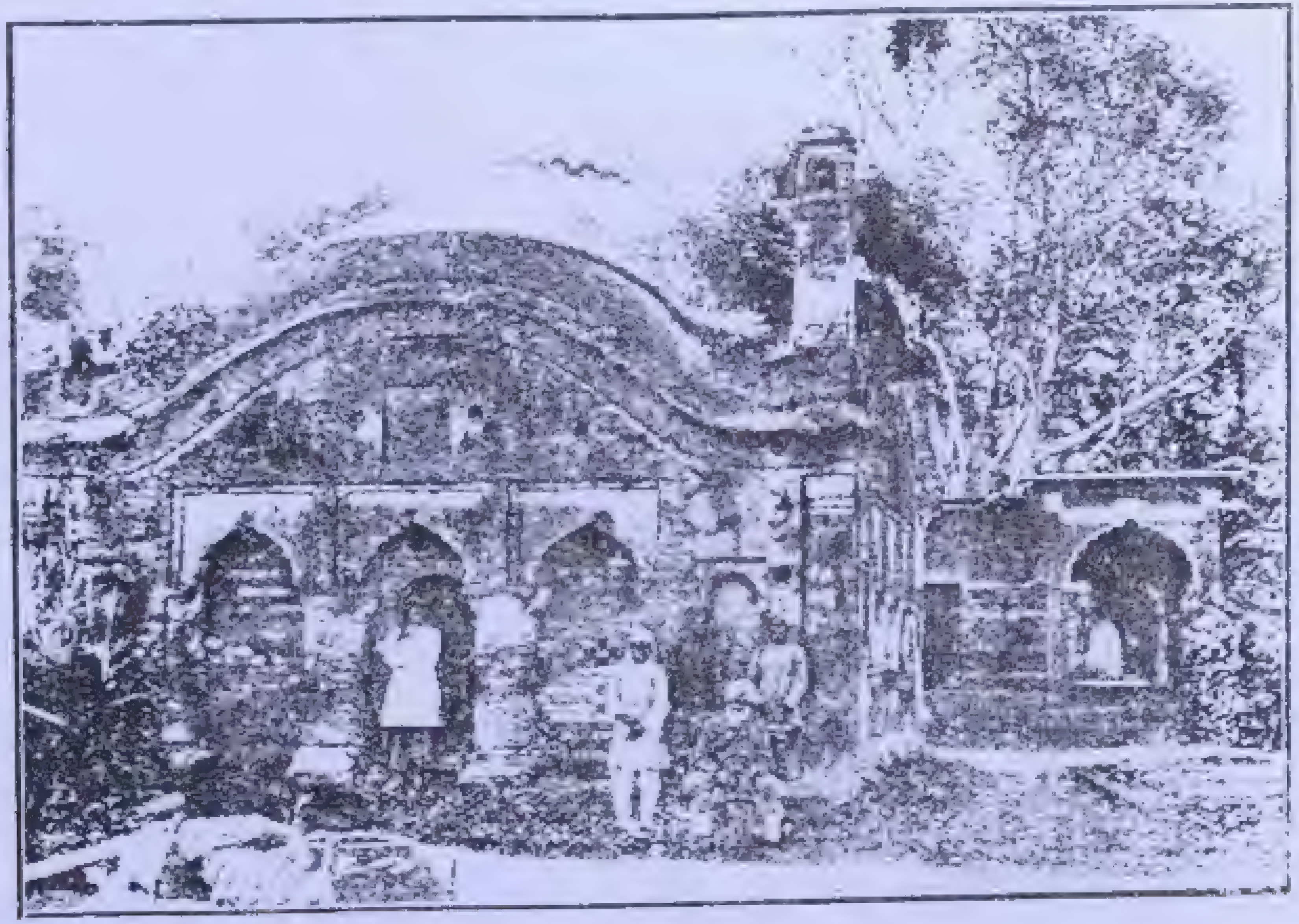

روضہ درویش علی خاں

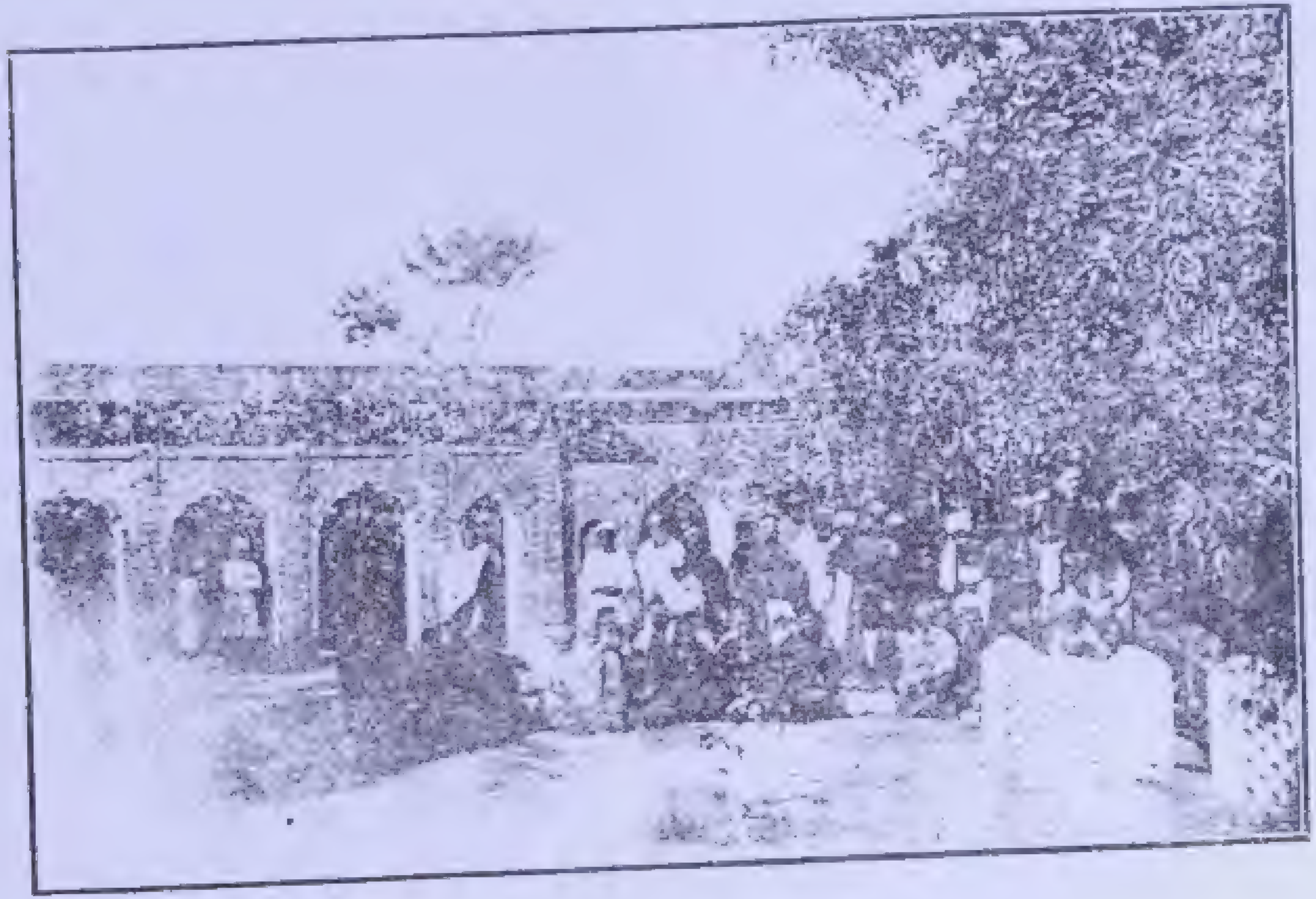

روضہ حافظ عباس علی خاں رحمۃ اللہ علیہ

در جنگ بارہہ شہید شد۔ بہ پہلوئے راست فرزند اکبر غلام محی الدین خان المخاطب درویش علی خان ثانی است و بہ پہلوئے چپ فرزند اوسط محمد فخر الدین خان است ہر دو بتاریخ ۱۰ ذیقعدہ ۱۱۵۲ھ در معرکۂ نادر شاہی شہید شدند۔ و بائیں مرقدش بیرون مقبرہ قبر فرزند اصغر محمد شمس الدین خان است کہ بتاریخ ۲۴ شوال ۱۲۰۸ھ وفات یافت۔

مقبرہ سید اسد اللہ خان عرف میر کلّو

یہ مقبرہ سید اسد اللہ خان عرف میر کلّو منصبدار پنجہزاری عہد عالمگیر ثانی کا ہے جو ان کی معمرہ مسجد (محلہ گذری) کے صحن میں بنا ہوا ہے۔ ۱۱۹۴ھ میں تعمیر ہوا۔ کوئی کتبہ نصب نہیں۔

متفرق عمارتیں

دروازۂ گھیر مناف

یہ دروازہ ۹۸۵ھ میں شیخ ابو المناف بن شیخ داؤد مورث شیوخ صدیقی الملقب بہ منافی بدایونی نے اپنے مکانات و حویلیات کا تعمیر کیا تھا۔ مصرعہ تاریخ ہے :-

در احاطۂ اعلیٰ المبدشان دارد (۹۸۵ھ)

اصلی تعمیر منہدم ہو کر موجودہ دروازہ بعد میں تعمیر ہوا۔

مرادآبادی دروازہ قلعہ معمرہ سید عبد الماجد

یہ دروازہ سید عبد الماجد بن سید عبد الخالق بن سید شاہ ابو الحسن بن سید محمد میر عدل کے قلعہ کا شرقی دروازہ ہے۔ یہاں سے خام راستہ

لہ (متعلق صفحہ ۱۲۱) ان کا منصب باون ہزاری نہیں بلکہ پنج ہزاری تھا جیسا کہ خود ان کے نبیرگان مولوی بشارت علی خان وغیرہ کی عرضی موسومہ شاہ دہلی میں بیان کیا گیا ہے۔ نواب کا خطاب بھی نہیں تھا۔ نواب صمصام الدولہ جن کی فوج میں یہ دارو غہ توپخانہ تھے خود ہفت ہزاری منصب رکھتے تھے ایسی حالت میں ان کے ایک ماتحت و متوسل کا باون ہزاری منصب دار اور نواب کے خطاب سے مخاطب ہونا اور تمام پرگنہ مروجہ کا انکے باورچی خانہ کے خرچ میں بطور جاگیر عطا ہونا ان افسانوں میں سے ہے جو خاندانی کے لئے گھڑ لئے جاتے ہیں (ملاحظہ ہو حصۂ دوم تذکرۂ درویش علی خان) یہ کتبہ بھی قدیم نہیں ۱۲۰۸ھ کے بعد کا ہے

مرادآباد کو جاتا ہے اسلئے عوام میں "مرادآبادی دروازہ" مشہور ہو گیا۔ قلعہ کے مکانات منہدم ہو کر بے نشان ہو گئے۔ کہیں کہیں اس کی فصیل کے آثار اب تک باقی ہیں۔ دروازہ کے شمالی پایہ پر ایک پتھر لگا ہوا ہے، جس پر یہ عبارت اور قطعہ تاریخ کندہ ہے:۔

"اللہ اکبر"

"در عہد سلطان عالی شان صاحب قران ثانی شہاب الدین محمد شاہجہاں بادشاہ غازی خلد اللہ"

"ملکہ سیادت مآب میران سید عبدالماجد این قلعہ بنا نمود۔

"شد چو ایں قلعہ خرمی افزائے | خوب و مضبوط و خاص مستحکم"
"خواستم سالش از دبیر خرد | گفت بشمار قلعۂ خرم"

"بہ اہتمام بندہ کمال خان خانہ زاد۔ شہر رمضان المبارک سنہ ۱۰۵۰ھ۔ معمار ملن"

میران سید عبدالماجد عہد شاہجہانی کے نامور منصب دار تھے[1]۔ یہ قلعہ انہوں نے اپنی سکونت کے لئے اپنی عمر کے آخری ایام میں ایک گڑھی کی وضع پر بنوانا شروع کیا تھا۔ انکے انتقال کے بعد انکے فرزند دیوان سید محمود نے اس کی تکمیل کی۔ تقریباً چار سال میں تعمیر کا کام ختم ہوا۔ اس کی شرقی حد یہ دروازہ تھا جو اب "مرادآبادی دروازہ" کے نام سے مشہور ہے۔ کشک تالاب[2] کے کنارے دور تک فصیل چلی گئی تھی۔ غربی حد وہاں تھی جہاں اب مردانہ شفا خانہ ہے، اس فصیل کے اب تک کچھ آثار باقی ہیں۔ تکیہ شیخ پیر گڑھ کی شرقی حد پر جو دیوار ہے اور رائے بہادر شیو نرائن آنجہانی کے مکانات سے

---

[1] تاریخ اصغری میں ان کے منصب کی تعداد چار صدی لکھی ہے لیکن یہ صحیح نہیں، ان کا منصب ہشت صدی تھا جو آخر عہد مغلیہ کے ہشت ہزاری کے برابر سمجھنا چاہئے۔ [2] کشک لفظ "کوشک" سے بگڑ کر کشک ہوا۔ اس قلعہ کے ایوانات اور کوشک کی تعمیر کے لئے مٹی اس مقام سے کھودی گئی تھی اس سے یہاں اتنا بڑا گڑھا ہو گیا جسے بعد میں برسات کے پانی نے تالاب کی شکل میں تبدیل کر دیا۔ چونکہ دیوان سید محمود کا کوشک یعنی محل اس کے محاذ میں بنا ہوا تھا اس لئے اس کا نام تالاب کوشک پڑ گیا جو اب کشک کے نام سے موسوم ہے۔

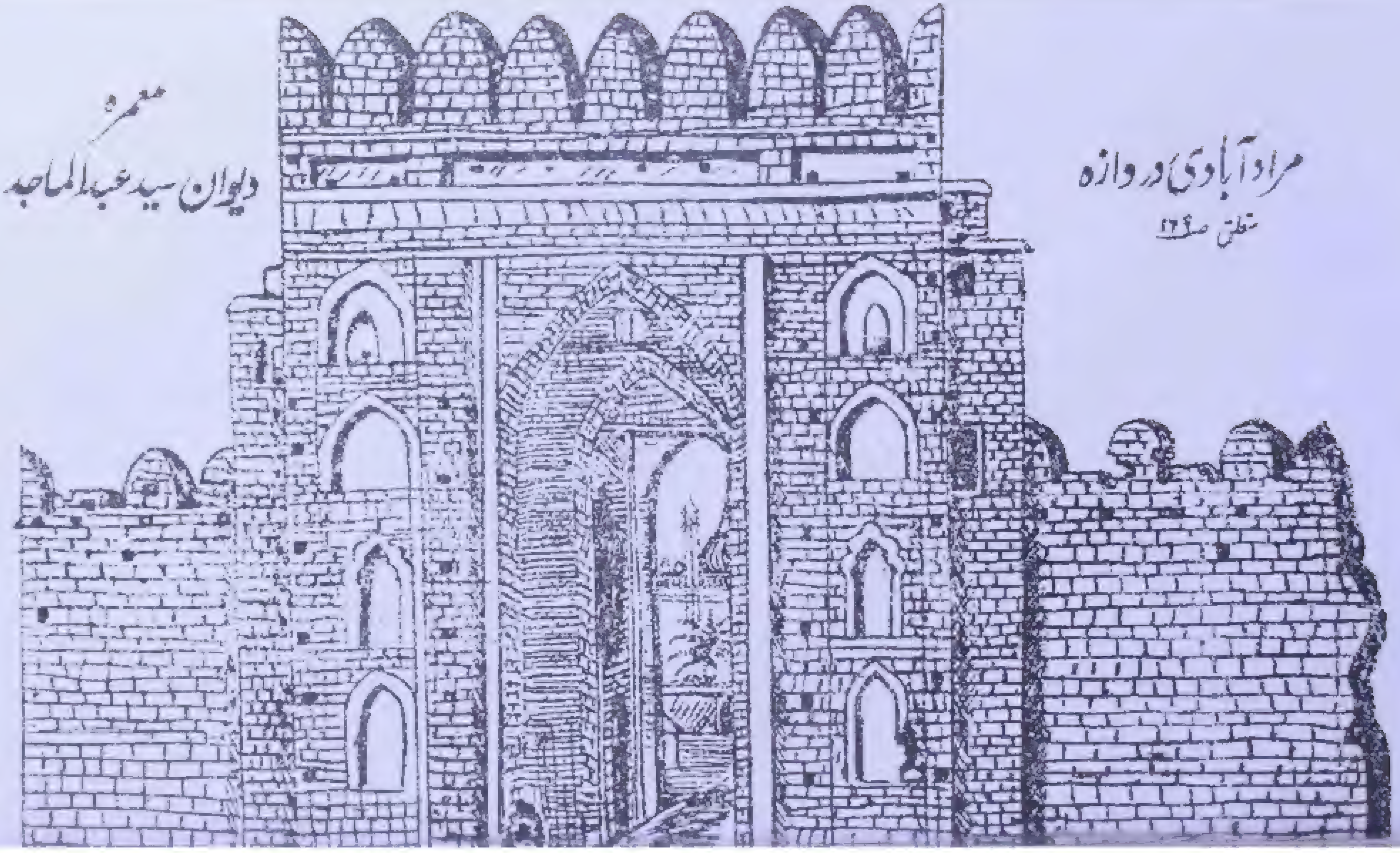
مراد آبادی دروازہ
متعلق ص ۱۲۶
معمرہ
دیوان سید عبدالماجد

متصل چلی گئی ہے وہ اسی قلعہ کی دیوار ہے۔ جنوبی فصیل کا پتہ سرائے پھوڑ کی شکستہ دیواروں سے چلتا ہے۔ شمالی فصیل کا کوئی نشان باقی نہیں رہا۔ چھنگا دروازہ بھی اسی قلعہ کی فصیل کا دروازہ سمجھئے۔ ۱۰۶۷ھ میں میراں سید عبد الماجد کے فرزند دیوان سید محمود نے اس قلعہ کے اندر بہ اہتمام کمال خان ایک فراخ و کشادہ بازار بنوایا جو اب "بڑے بازار" سے موسوم ہے۔ تاریخ تعمیر کا مصرعہ بھی کسی نے کمال کا موزوں کیا ہے۔ ع

کمال آراستہ بازار محمود

اس قلعہ کے آثار کی تلاش و جستجو میں ایک دن خاکسار مؤلف چلتا پھرتا تالاب کنک پر جا نکلا شکستہ بارہ دری میں آکر کھڑا ہوا تھا کہ چشم تصور نے ایک پُر بہار منظر سامنے پیش کر دیا جو کبھی عہد شاہجہانی و عالمگیری واقعتاً یہاں ہوگا۔ عالی شان دیوانخانے' وسیع محلسرائیں' پُر فضا پائیں باغ' آراستہ بازار' ہر طرف چہل پہل' خوشی و خرمی۔ وجیہہ و شکیل باشندے' مہذب و باوقار مجلسیں' سنجیدہ مذاق' علم و عمل کا چرچا' اذان کا شور' تکبیر کی آوازیں' پھر یکایک پردہ ہٹا' ایک نیا منظر سامنے آیا۔ مکان بھی وہی اور مکین بھی وہی لیکن نہ وہ متانت و سنجیدگی' نہ وہ علمی چرچے' دن رات عیش و عشرت کے جلسے' یاران بادہ پیما کے جمگھٹے' طبلہ و سارنگی کے شور' قہقہوں کی آوازوں سے کان کے پردے پھٹے جاتے تھے۔ ابھی اس منظر کو نظر بھر کر بھی نہ دیکھنے پایا تھا کہ ایک اور مرقع سامنے آیا اس کو دیکھ کر تو انسانیت شرمانے لگی اور شرم و حیا نے بھی نظریں نیچی کر لیں۔ اتنے میں نہ وہ منظر تھا اور نہ وہ سماں۔ میں تھا اور قلعہ کے شکستہ کھنڈر۔ ؎

امروہہ کا باغ تھا کبھی یہ   فردوس کا داغ تھا کبھی یہ
ہر غم سے فراغ تھا کبھی یہ   پُر نور چراغ تھا کبھی یہ

اب تو فقط اک کھنڈر پڑا ہے
اس گھر کو فلک بھی رو رہا ہے

یہاں سے آگے بڑھا، چند شکستہ مکان نظر پڑے جو کچھ زیادہ عرصہ نہیں گذرا گلزار بنے ہوئے تھے مگر اب

ہیں مکاں صورتِ شکستہ دلاں
در کھلے مثل دیدۂ حیراں

غرضکہ قلعہ کے آثار قدیمہ میں اب صرف دو دروازے اور فصیل کے چند ٹکڑے باقی رہ گئے ہیں جو درد مند دلوں کو آٹھ آٹھ آنسو رلانے اور سرائے فانی کا نقشہ آنکھوں کے سامنے پیش کر دیتے ہیں۔ کل جس جگہ نوبت بجتی تھی آج وہاں زاغ و زغن کا بسیرا اور بوم کا پہرا ہے

کل جہاں پر تھا بلبلوں کا ہجوم
آج اُس جا ہے آشیانۂ بوم

کل جہاں پر شگوفہ گل تھے
آج دیکھا تو خار بالکل تھے

اب تک تو قلعہ کا نام باقی ہے آیندہ شاید یہ بھی باقی نہ رہے۔ ؎

ڈر ہے کہیں یہ نام بھی مٹ جائے نہ آخر
مدت سے اسے دورِ زماں میٹ رہا ہے

چھنگا دروازہ اسکو بھی قلعۂ سید عبدالماجد کا شمالی دروازہ بتایا جاتا ہے۔ اب اس نام سے ایک محلہ موسوم ہو گیا ہے۔ وجہ تسمیہ محقق نہ ہو سکی۔

عیدگاہ بیرون شہر جانب غرب متصل درگاہ شاہ عبدالمجید علوی ایک مرتفع مقام پر واقع ہے۔ ابتدائً یہ عمارت مختصر تھی۔ شیخ غلام احمد "شاہی گماشتہ و وقائع نگار و ہرکارۂ بادشاہی" نے ۱۰۷۴ھ میں اسکو از سر نو تعمیر کرایا جس کا حسب ذیل قطعہ تاریخ کندہ ہے

---

[1] صاحب تاریخ اصغری و واسطیہ نے لکھا ہے کہ "عیدگاہ شہر سے غرب کی جانب بہت وسیع بنائی ہوئی شیخ غلام محمد کارندہ سید غلام اسد اللہ خان عرف میر کلو کی ہے" لیکن یہ بیان محض غلط اور شاید نسلی تعصب کا ثبوت ہے۔ شیخ غلام محمد شاہی عہدہ دار اور متمول و بارسوخ شخص تھے۔ امروہہ میں خدمات وقائع نگاری پر مامور تھے۔ وہ سید اسد اللہ خان کے زمانہ سے بہت پیشتر ۱۰۳۵ھ سے شاہی گماشتہ تھے اور رسالِ کاغذات شاہی کی خدمات بھی ان سے متعلق تھیں۔ وہ اگر سید اسد اللہ خان کے، جن کا نام بھی صاحب اصغری نے صحیح نہیں لکھا، کارندہ ہوتے، تو اس حیثیت سے عیدگاہ کی تعمیر کرتے تو کتبہ میں جو آج تک عیدگاہ کی دیوار پر نصب ہے "کارندہ" کے بجائے "آقا"

ساخت بہرِ خدا غلام احمد   ایں مبارک اساس نیک بنا
بہرِ تاریخ ایں سروش زغیب   "عیدگاہ نجیبہ" داد ندا

امروہہ میں شیعہ سنیوں کے باہمی اختلاف کے نتیجہ میں سنہ ۱۹۰۵ھ سے شیعوں کو عیدگاہ جانے کی حکومت نے ممانعت کر دی ہے۔ عیدین کی نماز قاضی شہر پڑھاتے تھے۔ عہد سلطنت اسلامی میں "مبلغ پنجاہ روپیہ بہائے خلعت عید الضحیٰ منجانب فوجدار امروہہ" قاضی صاحب کو ملتا تھا۔ انتزاع سلطنت اسلامی کے بعد بھی قاضی شہر نماز پڑھاتے رہے لیکن جب سے اس خاندان کے افراد نے بھی شیعہ مذہب اختیار کر لیا یہ سلسلہ موقوف ہو گیا اور اسوقت سے امام اہلسنّت وجماعت نماز پڑھاتے ہیں۔ عہد اسلامی میں عیدگاہ کے لئے ایک خادم جاروب کشی کے لئے مقرر تھا۔ سنہ ۱۱۶۰ھ میں حسب سند جاروب کش کو ۱۲ ار درماہہ ملتا تھا۔ اب نہ جاروب کشی کا انتظام ہے اور نہ پوری طرح مرمت ہوتی ہے۔ برجوں کے جو کلس شکستہ ہو گئے ہیں ان کو بھی درست نہیں کرایا جا سکا۔ فرش بھی جابجا شکستہ ہو گیا ہے۔

شیخ صدّو[1]

امروہہ کے تاریخی حالات یقیناً ناتمام وناکمل متصور ہونگے اگر ان میں اُن بزرگوار کا کوئی تذکرہ نہ کیا جائے جو شمالی ہندوستان ہی میں نہیں بلکہ بعض دور دراز صوبوں میں شیخ صدّو کے نام سے مشہور ہیں مگر افسوس جسقدر شہرت شیخ صدّو کے نام کو حاصل ہے اِن بزرگوار کے تاریخی اور صحیح حالات اتنے ہی زیادہ تاریکی میں مستور ہیں۔ زبانی روایتوں سے البتہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ گیارہویں صدی ہجری کے نصف آخر کے سنین میں امروہہ کی قدیم جامع مسجد یعنی مسجد کیقبادی کا

(بقیہ صفحہ ۱۳۲)

کا نام درج ہوتا۔ کتبہ کی عبارت ہی ان "مورخین" کے بیان کی تکذیب کے لئے کافی ہے۔

[1] اکثر لوگ "صدّو" کو "سدّو" لکھتے ہیں۔ "صدّو" چونکہ "صدر الدین" کا مخفف تھا اس لئے قدیم تحریرات میں یہ نام "ص" سے لکھا جاتا تھا نہ "س" سے۔

ایک موذن شیخ صدرالدین[1] عرف شیخ صدّو تھا۔ اس کے باپ کا نام تو معلوم نہیں، ماں کا نام البتہ آسیا یا عائشہ مشہور ہے، اس شخص کو عملیات کا بہت شوق تھا، بیان کیا جاتا ہے کہ زین خان نام ایک موکل اُسکے تابع تھا، یہ بھی کہا جاتا ہے کہ زین خان موکل نے شیخ صدّو کی کسی بے احتیاطی کی وجہ سے یہ حالت ناپاکی قابو پاکر اسے مار ڈالا۔ اس وقت سے اس کی روح آوارہ پھرتی ہے اور یہ بزرگوار خصوصاً عورتوں پر اپنا عمل کرتے ہیں اور جس طرح پنجاب میں سخی سرور یا پیار عورتوں پر "سخی سرور" آجاتے ہیں اسی طرح اس صوبہ میں خصوصاً اضلاع ایٹہ، متھرا، علی گڈھ وغیرہ کے ادنیٰ اور جاہل طبقے کے ہندو اور مسلمانوں میں شیخ صدّو بدنام ہیں۔

معلوم ہوتا ہے کہ ۱۱۹۶ھ میں شیخ صدّو کے میلہ نے خاصی رونق حاصل کر لی تھی لوگ دور دور سے آنے لگے تھے۔ اس سنہ میں امروہہ کے ایک کائستہ لالہ دولت رائے ایک تحریر میں لکھتے ہیں کہ:۔

لالہ جے سنگھ رائے معہ قبیلاں برائے ذات میراں (غالباً میاں)، صدّو در امروہہ آمدہ بودند، ملاقات فدوی کردند۔۔۔۔۔ الخ	لالہ جے سنگھ مع اپنے اہل خاندان میراں (غالباً میاں) صدّو کی ذات دینے امروہہ آئے تھے۔ مجھ سے بھی ملاقات ہوئی۔۔۔۔۔۔۔ الخ

شیخ صدّو کے معتقدین اس کا یقین رکھتے ہیں کہ اس عامل کی زندگی میں اس کے موکل خوبصورت اور جوان عورتیں اس کے پاس لایا کرتے تھے اس لئے مرنے کے بعد سے اُس کی روح خوبصورت اور جوان عورتوں پر آجاتی ہے، اس سے گلو خلاصی کی تدبیر یہ ہے کہ امروہہ کی اس نہایت قدیم

---

[1] صدّو والے شیوخ اپنا سلسلۂ نسب شیخ صدرالدین تک منتہی کرتے ہیں جنہیں وہ امام مسجد جامع بتاتے ہیں۔ اُس زمانہ میں اس مسجد کے امام حاجی مولوی محمد امین بن محمد حسینی متوطن صوبہ بہار تھے جن کا افادۂ درس یہاں مدتوں جاری رہا اور بعد انتقال وہ اسی مسجد کے پیش دروازہ چبوترہ پر مدفون ہوئے۔ ان کی مدد معاش کے لئے ایک ملک محمود پور علاقہ پرگنہ سرسی منجانب سلطنت اسلامی عطا ہوئی تھی۔ ان کی نسل کا امروہہ میں کوئی خاندان نہیں انکے خادم کا نام شیخ عبدالقادر ولد شیخ مصطفیٰ تھا

مسجد کے اندر، جو ۶۹۶ھ سے ۱۲۰۰ھ کے بعد تک یعنی تقریباً پانسو برس مسلسل امروہہ کی مسجد جامع تھی اور اب عوام النّاس میں "سدّو (صدّو) کی مسجد" یا شیخ سدّو (صدّو) کی خانقاہ کے نام سے شہرت رکھتی ہے، اس میں لوہے کی جو زنجیر[1] بیچ کے گنبد میں لٹکی ہوئی ہے اور جو یقیناً فانوس کے آویزاں کرنے کی زنجیر ہے اور اب "مُراد کی زنجیر" کہلاتی ہے، اُسے ہاتھ سے مس کرلیا جائے، نیز شیخ صدّو، اس کی ماں مسمّاۃ عائشہ اور اس کے موکّل زین خان کے نام پر چڑھاوا چڑھایا جائے جس کا تناسب یہ قرار دیا گیا ہے کہ شیخ صدّو کے طاق پر اگر پانچ روپے چڑھائے جائیں تو سوا روپیہ زین خان کے طاق پر اور پانچ آنہ مسمّاۃ عائشہ کے طاق پر۔ ان لوگوں کے گمان میں شیخ صدّو کا مقام اس خانۂ خدا کے اندر وسط مسجد کا پیش طاق، اس کی ماں کا شمالی پیش طاق اور موکّل زین خان کا جنوبی پیش طاق ہے، ان مقامات پر علاوہ زرِ نقد کے بکرا، مُرغ، کپڑا اور مٹھائی ذخیرہ کا چڑھاوا چڑھایا جاتا ہے جس کو ان کی اصطلاح میں "میاں کی جات (ذات) دینا" کہتے ہیں۔ چڑھاوے میں ایک صحنک، ایک کوزہ اور "میاں" کا رومال بھی ہوتا ہے۔ جو معتقدین "میاں کی جات" دینے آتے ہیں، "حاشتی" یعنی حاجتی کہلاتے ہیں۔

تقریباً بیس پچیس سال پیشتر تک ہزارہا ہندو اور مسلمان، جن میں غالب حصّہ ہندوؤں کا ہوتا تھا، دور دراز مقامات سے "میاں کی جات (ذات) دینے" ہر چہار شنبہ کو امروہہ آتے اور ہزارہا روپیہ نقد اور چڑھاوے کی چیزوں کی قیمت کی مجموعی رقم تین چار ہزار روپے تک پہنچتی تھی۔

صدّو کی آمدنی پانچ مساوی حصوں میں تقسیم کی گئی تھی جن میں سے تین حصّے

---

[1] اس زنجیر کو قدیم بتخانہ کی زنجیر بتایا جاتا ہے لیکن اس کی ساخت سے صاف ظاہر ہے کہ یہ خیال صحیح نہیں زیادہ قرین قیاس یہ ہے کہ یہ زنجیر مسجد جامع کے فانوس کی زنجیر ہے۔

سیدوں کے اور دو حصے صندو والے شیخوں کے قرار دے گئے۔ یہ خاندان، جو صندو کی آمدنی کے مالک و مختار بنے، یقیناً امروہہ کی شاہی مسجد جامع کے متوسلین و ملازمین یعنی اُس زمانہ کے امام و مؤذن و جاروب کش وغیرہ کی نسل سے ہیں۔ سادات کے بعض خاندانوں علی الخصوص نبیرگان سید محمد میر عدل اور سید مبارک کو شہنشاہ اکبر کے زمانہ سے خالصہ کا حق زمینداری عطا ہوا تھا جس سے مراد یہ تھی کہ علاوہ دیگر سادات و شرفاد کے، جو معافیدار تھے، باقی جملہ اجلاف و پیشہ ور اقوام باشندگان امروہہ سے، جو بطور رعیت خالصہ کی اراضی میں آباد ہوں، نیز سرایوں، بازاروں، میلوں وغیرہ کی آمدنی سے حق زمینداری ان سادات کو حاصل ہو۔ اس سلسلہ میں صندو کے میلہ کی آمدنی کا ایک حصہ بھی بطور حق زمینداری ان سادات کو ملتا رہا۔ آمدنی جب وافر ہونے لگی تو وہ ایک ایسی جائداد بن گئی جس کو ان لوگوں نے "معافی" کے لفظ سے تعبیر کرنا شروع کر دیا۔ چڑھاوے کی اشیا کا نام "ابواب" قرار دیا گیا۔ حصے سہام پر منقسم ہوئے، جو بطور ورثہ و ترکہ تقسیم ہونے لگے۔ ان حصص و سہاموں کی بیع و شرا بھی مثل دیگر املاک و جائداد کے ہونے لگی۔ رفتہ رفتہ بعض خاندانوں کی معاش کا انحصار کلیتاً اسی آمدنی پر ہو گیا۔ اور کچھ افراد اس کی بدولت صاحب جائداد اور رئیس بن گئے۔

سوا سو برس تک شیخ صندو کے میلہ کا ہنگامہ خوب بارونق برپا رہا، اسلامی عبادتگاہ میں مشرکانہ رسمیں دھڑلے سے ادا ہوتی رہیں، لیکن امروہہ کے دیندار، غیرتمند مسلمان، جو مساجد کے سامنے باجا بجائے جانے، رام ڈول کے جلوس کے کسی سڑک پر گزر جانے یا ایام عشرۂ محرم میں کسی برات کے باجے کی آواز تک سننے کے متحمل نہیں، ان باتوں پر جو مارنے مرنے کو تیار ہو جاتے ہیں، وہ حمیت دینی کا دم بھرنے والے مسلمان، خانۂ خدا کی بےحرمتی کا نظارہ اپنی آنکھوں سے دیکھتے رہے۔ جس متبرک مقام پر کبھی امروہہ کے ان ہی سیادت و مشیخت مآب مسلمانوں کے آبائے کرام کی پیشانیاں معبودِ حقیقی کی عبادت میں جھکتی تھیں، جہاں

کبھی حضرت شاہ ولایت، حضرت شاہ نصیر الدین چشتی، حضرت شاہ ابن بدر چشتی قدس اللہ اسرارہم نے بلکہ یہاں کے مختلف خاندانوں کے مورثوں نے نمازیں پڑھی ہونگی، جس مقام کو ان بزرگوں کی نورانی پیشانیاں سجدہ کی حالت میں مس کرتی ہونگی آہ! ثم آہ! اسی متبرک مقام کو مشرکوں، پنج ذات کے ہندؤں حتیٰ کہ بھنگی چماروں کے گردآلود پیروں کی خاک نجس و ناپاک کرتی رہی اور بعض مسلمان تانبے، چاندی کی چند ٹکلیوں کے حصول کے لئے ہاتھ پھیلائے، ان کے پیچھے دوڑتے رہے!! خدائے قدوس کی عبادت اور تکبیر کی آوازوں کی بجائے شیخ صدو موکل زین خان اور مسماۃ عائشہ کی علاً پرستش ہوتی اور ان کے نام کی جے پکاری جاتی رہی اور باوجود ان تمام مشرکانہ افعال و اعمال کے یہ "مسلمان" مسلمان ہی رہے اور دین و ایمان کے مدعی بھی! ؎

کرے غیر گر بت کی پوجا تو کافر — جو ٹھیرائے بیٹا خدا کا تو کافر
کہے آگ کو قبلہ اپنا تو کافر — کواکب میں مانے کرشما تو کافر

مگر مومنوں پر کشادہ ہیں راہیں
پرستش کریں شوق سے جسکی چاہیں

امروہہ کے مسلمان توحیثیت دین کی آزمائش میں پورے نہ اترے، علانیہ شرک پرستی کے سدباب کے لئے انھیں کسی عمل کی توفیق نہ ہوئی، غیرت دین اور جوش ایمان کے اظہار کا زریں موقع انہوں غفلت اور مداہنت کی بدولت اپنے ہاتھ سے کھو دیا بالآخر خود غیرت حق کو حرکت ہوئی اور خانۂ خدا کو شرک و بدعات سے پاک کرنے کا ذریعہ پیدا ہوا۔ اترولی کے سوتع سے تاسوں نے امروہہ کے صدو والوں کو شکست فاش دی۔ صدو کے معتقدین نے امروہہ آنا چھوڑ دیا، اب شاید کوئی بھولا بھٹکا ادھر آنکلتا ہو ورنہ کثیر تعداد اترولی (ضلع علی گڈھ) جاتی ہے۔

امروہہ کے مسلمانوں کے لئے یہ ایک قیمتی موقع ہے! کیا وہ اب بھی اپنا فرض ادا کرنے کے لئے تیار ہونگے؟ یاد رکھو! اسلام کے نزدیک شرک سے بدتر کوئی گناہ نہیں

إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ	اللہ تعالیٰ تمھارے تمام گناہوں سے درگذر کرسکتا ہے مگر اس کو کبھی معاف نہیں کرسکتا کہ تم اسکی محبت میں کسی دوسرے کو شریک کرو۔

ہاں، اے امروہہ کے مسلمانو! اے صدیوں والے شیخو اور سیدو!! اور آہ، اے خازنگرانِ دُزدانِ حقیقت توحید اسلامی!!! اسلام تم سے تمھارے ادائے فرض کا طالب ہے، خدائے براہیم و محمد علیہما السلام کی شریعت شرک کی نجاست سے توحید کی حفاظت چاہتی ہے، قرآن کریم اسی کو حقیقت اسلامی بتاتا ہے، تمھارے بزرگوں کی، بانیان مسجد کی روحیں بےچین و بیقرار ہیں، خدارا اب بھی اپنا فرض پہچانو! اٹھو اور اسی خانۂ خدا کو مشرکانہ رسموں کی نجاست سے پاک کرو!! اور

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ نَسُوا اللّٰهَ فَأَنْسٰهُمْ أَنْفُسَهُمْ ؕ أُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ○	اُن لوگوں کی طرح مت بنو، جنھوں نے خدا کو بھلایا، نتیجہ یہ نکلا کہ خود اپنے کو بھول گئے۔ وہ یقیناً فاسقوں میں سے تھے۔

اسلامی مدارس

عہد اسلامی میں موجودہ زمانہ کی طرح مدارس کے لئے جداگانہ عمارتیں بنانے کا دستور نہ تھا، مسلمانوں کا پہلا مدرسہ حقیقت میں وہ مسجد نبوی تھی جس کو حضور سرورِ کائنات نے مدینہ منورہ میں بنایا تھا، مسجد نبوی کے بعد سے دنیا میں جتنی مسجدیں تعمیر ہوئیں انہیں اسلامی عبادتگاہ ہونے کے علاوہ آپ اسلامی مدارس سے بھی تعبیر کرسکتے ہیں۔ امروہہ کے اسلامی مدارس بھی زیادہ تر یہی مساجد تھیں، طریقہ تعلیم بھی سادہ تھا، استاد مسجد میں آکر بیٹھ جاتا اور اس کے گرد و پیش شاگردوں کا حلقہ بندھ جاتا۔ علم پڑھانے کے لئے نہ کسی مزد کے طالب ہوتے اور نہ

فیس کے، محض خالصاً للہ درس دیتے ۔ اسلامی سلطنت ان کے اخراجات کی کفیل تھی ۔ ان ہی مدارس کے تعلیم یافتہ چٹائی کے فرش پر بیٹھکر پڑھنے والے وہ علمائے عظام ہوئے جن کے فضائل و کمالات سے تذکروں اور تاریخوں کے صفحات پُر ہیں لیکن افسوس نہ وہ مدارس باقی رہے اور نہ وہ خالصاً للہ تعلیم دینے والے اُستاد اور نہ وہ علم کے سچے شیدائی شاگرد ۔ جو چند دینی مدارس اب موجود ہیں کافی سرمایہ نہ ہونے کی وجہ سے ان کی تعلیمی و انتظامی حالت قابل اطمینان نہیں ۔

مدارس وہ تعلیم دیں کے کہاں ہیں ۔۔۔ مراحل وہ علم دینی کے کہاں ہیں

وہ ارکان شرع متیں کے کہاں ہیں ۔۔۔ وہ وارث رسولِ امیں کے کہاں ہیں

رہا کوئی اُمت کا ملجا نہ ماوا

نہ قاضی، نہ مفتی، نہ صوفی، نہ مُلّا

۱۔ مدرسۂ معزّیہ

مسجد کیقبادی کی تعمیر کے ساتھ یہ مدرسہ بھی اسی مسجد میں جاری ہوا جو غالباً امروہہ کا سب سے پہلا مدرسہ تھا، لیکن افسوس سوائے نام کے مدرسہ کا کچھ حال معلوم نہ ہو سکا، دیرینہ کاغذات کے مطالعہ سے البتہ اتنا پتہ ضرور چلتا ہے کہ مسجد کے جنوبی و شرقی حصہ میں، جہاں اب بعض لوگوں کے مسکونہ مکانات و عمارتیں ہیں، طلبہ کے رہنے کے حجرے وغیرہ بنے ہوئے تھے ۔ جنوبی حصہ کے متصل حضرت شاہ نصیر الدینؒ کی خانقاہ تھی، وہاں آبا کنان محلہ نوگیاں کے مکانات ہیں ۔ سنہ ۱۱۳۹ھ تک اس مدرسہ میں علماء کا افادۂ درس جاری رہا ۔ مدرسہ کے غالباً آخری مدرس حاجی مولوی محمد امین بن مولوی محمد علی متوطن صوبہ بہار کے انتقال کے بعد جو مسجد جامع کے پیش دروازہ مدفون ہوئے اس مدرسہ کی تعلیمی حالت اچھی نہیں رہی ۔ بعد میں سید اسد اللہ خاں عرف میر کلّو نے اسی ضرورت کی وجہ سے اپنا مدرسہ جاری کیا ۔

۲۔ مدرسۂ مولوی دوست محمدؒ

مولوی دوست محمد بن شیخ محمد شاکر بن شیخ نور محمد بن شیخ کبیر بن شیخ گدائی نے یہ مدرسہ ابتدائے عہد عالمگیری میں غالباً

متصل مجلد ترستی جاری کیا تھا جو عرصہ تک جاری رہا۔ مولوی دوست محمد کے بعد ان کے شاگرد رشید مولوی شیخ سلطان الدین محمد بن شاہ قیام الدین محمد درس و تدریس میں مشغول رہے۔ اس زمانہ میں مدارس کے ہونہار اور غیر مستطیع طلبہ کو اسلامی حکومت کی جانب سے وظائف بھی ملتے تھے۔ ذیل میں اس مدرسہ کے ایک ہونہار طالب علم شیخ فیض محمد برادرزادہ مولوی سلطان الدین محمد کے موسومہ ایک پروانہ کی نقل تاریخی دلچسپی کے خیال سے درج کی جاتی ہے۔

محمد فرخ سیر
بادشاہ غازی
افضل الدین فدوی

حضرت ظل سبحانی

چوں بوضوح پیوست کہ یک روپیہ ماہہ باسم فیض محمد طالب علم از تلامذہ شیخ سلطان الدین محمد
بموجب اسناد حکام سابق بر محصول سایر قصبہ امروہہ از قدیم مقرر است و سوائے
آں ہیچ ممر وجہ معیشت نہ دارد بنا بر آں تصدق فرق مبارک بندگان حضرت قدر قدرت
قضا صولت خدیو گیہاں خداوند زمین و زماں بحال داشتہ شد
باید کہ درماہہ مذکورہ ماہ بماہ بمشار الیہ می رسیدہ باشد کہ صرف مایحتاج خود نمودہ بہ
دعائے دولت ابد مواصلت مواظبت نمودہ باشد۔

بتاریخ ہشتم شہر ذی قعدہ سنہ جلوس والا قلمی شد۔

تکمیل تعلیم کے بعد مولوی فیض محمد کو بموجب پروانہ مہری "عظمت اللہ خان بہادر فدوی محمد شاہ بادشاہ غازی" دو روپیہ یومیہ بطور مدد معاش ملتے رہے۔ اس کے بعد اس مدرسہ کے حالات دریافت نہ ہوسکے۔

مولوی فیض محمد کے کوئی عقب نہیں ان کے بھائی شیخ بشارت اللہ عرف شیخ بساون کے تین بیٹے ہوئے۔ ایک تبارک علی جن کی اولاد میں شیخ محمد اختر بن شیخ احمد علی بن نیاز علی مذکور ہیں

(متعلق صفحہ ۱۳۹)

لہ مولوی دوست محمد کے خاندان کا شمار قوم کلال میں ہوتا ہے لیکن ایک دستاویز صدور حال عہد عالمگیری میں اس خاندان کو شیخ صدیقی بھی لکھا ہے

دوسرے ولایت علی جن کی اولاد میں منشی عبد القیوم عطار بن حکیم عبد اللہ و عبد السلام و عبد الحکیم و عبد القدیر و عبد العزیز بن حافظ سعد اللہ بن ولایت علی مذکور ہیں تیسرے حکیم منور علی جن کے پوتے شیخ نور محمد بن حکیم برکت اللہ ہیں۔

۳۔ مدرسۂ میر کلّو میر اسد اللہ خان عرف میر کلّو منصب دار پنجہزاری عہد عالمگیر ثانی نے، جو سُنی المذہب تھے، اپنے مکانات سے متصل ۱۱۶۷ھ میں ایک وسیع مسجد تعمیر کی۔ اسی میں یہ مدرسہ بھی جاری کیا۔ ۱۱۸۳ھ میں موضع جھرن کے بیس بسوے مسجد و مدرسہ کے مصارف کے لئے وقف کئے۔ وقف نامہ مرقومہ ۹ رشعبان ۱۱۸۳ھ میں مصارف وقف کی تشریح ان الفاظ میں کی گئی ہے:۔

"درو جہ کفاف موذن و امام و مدرس و علماء و طلباء و حفاظ جہت اذان و اقامت و قیام نماز و درس و تدریس علوم دینی و اشتغال حدیث۔"

اسلامی حکومت کی جانب سے بھی ایک روپیہ یومیہ مدرسہ کو امداد ملتی تھی۔ میر کلّو کی وفات ۱۱۹۲ھ کے بعد بھی عرصہ تک یہ مدرسہ اسی عمدگی کے ساتھ جاری رہا لیکن بعد میں متولی صاحبان کے تبدیلی عقائد کی وجہ سے مدرسہ کے انتظامات میں کچھ خلل پیدا ہو گیا تھا، اب ۱۳۴۴ھ حضرت عزیز یا محبوب عباسی کی کوششوں کی بدولت مدرسہ کی نشاۃ ثانیہ کا آغاز ہوا ہے۔

۴۔ مدرسۂ خورشید جاہی سید سعید حسن بن سید ظہور حسن نبیرۂ سید دوست علی (محلہ گنگولی) کی تحریک سے ۱۲۹۹ھ میں یہ مدرسہ جاری ہوا۔ نواب خورشید جاہ بہادر اس زمانہ میں حیدرآباد دکن سے شمالی ہند کی سیر و سیاحت کے لئے تشریف لائے تھے۔ کسی تقریب سے ان کا مرادآباد بھی آنا ہوا وہاں سے امروہہ تشریف لائے اور ان ہی کے نام سے یہ مدرسہ بھی موسوم کیا گیا۔ سید سعید حسن مرحوم نے اجراء مدرسہ کے متعلق ایک پمفلٹ لکھا جس میں پرانے طرز کے مکاتب کی تعلیم کے نقائص اور طریقۂ تعلیم کی اصلاح پر بحث کی گئی تھی اور اہل شہر سے مدرسہ کے اجراء، مقاصد و اغراض، نصاب تعلیم و نظم و نسق مدرسہ کے متعلق مشورہ بھی طلب کیا گیا تھا

جو جوابات موصول ہوئے ان کو بھی ایک رسالہ کی صورت میں طبع کرا کے شایع کیا گیا۔ غرضکہ بڑے اہتمام سے یہ مدرسہ ابتداءً سید مرتضیٰ علی کے مکان (محلہ گذری) میں جاری ہوا لیکن افسوس صرف چند سال جاری رہ کر بند ہو گیا۔

۵۔ تاج المدارس مدرسۂ خورشید جاہی کے ساتھ ہی ساتھ یہ مدرسہ بھی بعض اکابر شہر کی تحریک پر ابتداءً مولوی سبحان علی (پیرزادہ) کے مکان (محلہ چاہ شور) میں جاری ہوا۔ حکیم زین العابدین منتظم اور شیخ عبداللہ و شیخ عظیم اللہ (قوم کلال) سکریٹری تھے۔ چند سال تک یہ مدرسہ بہت اچھی حالت میں جاری رہا، کسی اختلاف کی وجہ سے شیخ عبداللہ نے انتظامات سے دستکشی اختیار کر لی تو مولوی نادر شاہ خاں مرحوم مدرسہ کے سکریٹری ہوئے بعد میں اس مدرسہ کا الحاق جامع مسجد محلہ مولانہ کے مدرسہ سے ہو گیا۔

۶۔ تاج المدارس ثانی شیخ عبداللہ نے پہلے مدرسہ سے دستکش ہو جانے کے بعد منشی امام الدین (کمبوہ) کے مکان (محلہ شاہی چبوترہ) پر یہ مدرسہ جاری کیا۔ اس مدرسہ کو نواب **وقار الملک** مرحوم و مغفور کی سرپرستی حاصل ہو گئی۔ اس وقت سے اس مدرسہ نے اچھی ترقی حاصل کی، انگریزی کی تعلیم کا بھی اس مدرسہ میں اجرا ہوا۔ امروہہ گورنمنٹ اسکول کی حالت جب ایسی خراب ہو گئی کہ سررشتۂ تعلیم نے اس کی اعلیٰ جماعتوں کے بند کرنے کا قصد کیا تو نواب صاحب ممدوح نے اس مدرسہ کا الحاق بھی سرکاری اسکول سے کر دیا اور اس زمانہ میں نواب صاحب کی مساعی جمیلہ کی بدولت سرکاری اسکول میں مسلمان طلبار کی مذہبی تعلیم کا بھی بندوبست کیا گیا۔ جس کے اخراجات ممدوح ہی ادا کرتے رہے۔

۷۔ مدرسۂ اسلامیہ مسجد جامع (واقع محلہ مولانہ) سنہ ۱۲۷۲ھ / ۱۸۵۶ء کے کچھ عرصہ بعد جب مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ امروہہ تشریف لائے تو آپ کی تحریک پر مسجد جامع میں مدرسہ قائم ہوا جس کا نام "قاسم العلوم" رکھا گیا۔ اس کے مہتمم مولوی محب علی خان عباسی اور مولوی رافت علی (دربار کلاں) تھے اور مولانا آل حسن نخشبی اور مولوی

محمد حسین جعفری اس کے اساتذہ میں سے تھے۔ چند سال بعد یہ مدرسہ بند ہوگیا۔ ۱۳۲۱ھ جب حضرت مولانا مولوی احمد حسن محدث امروہوی مراد آباد کے مدرسہ اسلامیہ واقع شاہی مسجد سے مستعفی ہو کر امروہہ تشریف لائے اور اپنے مکان پر طلبہ کو درس دینا شروع کیا تو مولوی نادر شاہ خان مرحوم حضرت قبلہ گاہی مولوی علی محمد عباسی مرحوم کی تحریک پر مدرسہ قاسم العلوم کا پھر احیا کیا گیا۔ حضرت مولانائے محدث امروہوی کے علم و فضل کی شہرت اور آپ کی زبردست شخصیت نے اس مدرسہ کو چند ہی روز میں اوجِ کمال پر پہنچا دیا۔ اس کی شہرت دور دور پہنچی، بنگال و بہار، پنجاب، صوبۂ سرحدی بلکہ بیرون ہند سے طلبا جوق جوق آنے لگے اور امروہہ کے فیض علم کا سرچشمہ جو حوادثِ روزگار سے خشک ہو گیا تھا پھر جاری ہوا۔ اہل شہر نے بھی ساز نوازی و علم دوستی کا ثبوت دیا، طلبا کے قیام و طعام کا بھی حسن و خوبی انتظام کیا۔ مسٹر نیول، مؤلف ڈسٹرکٹ گزیٹیر اس مدرسہ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "یہ مدرسہ عربیہ ہمیشہ سے مرکز علم رہا ہے اور اس میں ہندوستان کے ہر حصہ سے طلبہ کھنچ کر آتے ہیں"۔ مدرسہ کے انتظامات کا بار شروع زمانہ سے زیادہ تر مولوی نادر شاہ خان مرحوم کے ذمہ رہا، درمیان میں کچھ عرصہ کے لئے منشی عبدالحمید عباسی بھی مہتمم رہے، سید امتیاز علی منصف مرحوم اور بعض دیگر حضرات نے بھی وقتاً فوقتاً مدرسہ کا انتظام اپنے ہاتھ میں لیا لیکن جب بعد میں اس قدیم مدرسہ کی کشتی اختلافات کے بھنور میں جا پھنسی تو پھر اسی مسن مگر جوان ہمت بزرگ مولوی نادر شاہ خان نے باوجود پیرانہ سالی اور معذوری کے انتظامات کا بار اپنے کندھوں پر اٹھا لیا لیکن افسوس بعض ترفع پسند اور کوتاہ اندیش لوگوں نے اختلافات کو یہاں تک ہوا دی کہ بالآخر ایک کے بجائے "دو" اور دو کے بجائے تین مدرسے اسی ایک شہر میں قائم ہو گئے۔ جداگانہ مدرسوں کا قائم ہونا اور اجتماعی کوششوں کا انتشار بجائے خود باعث ضعف و اختلال ہے لیکن رقیبانہ چشمک اور تفرقہ اندازی اس سے بھی بدتر۔ تینوں مدرسوں کی مالی اور انتظامی حالت خراب ہے۔

پڑے ہیں جا بجا ٹوٹے ہوئے اطرافِ عالم میں   کھنڈر لاکھوں ہمارے تفرقوں کی یادگار اب تک

مولوی نادر شاہ خان مرحوم کے انتقال کے بعد سے اسی مدرسہ کے تعلیم یافتہ مولوی حاجی سید معظم حسین دبان اب مہتمم ہیں اور مولنا حافظ عبدالرحمن صاحب شاگرد رشید مولانائے محدث امروہوی صدر مدرس ۔ تعداد اساتذہ ۱۱، تعداد طلبا ۲۵۰، اخراجات ماہانہ تقریباً ۳۰۰ ؁ ۔

۸۔ مدرسہ محمدیہ | یہ مدرسہ اعلیٰ پیمانہ کا مدرسہ نہ تھا، ایک بڑا مکتب خانہ تھا جسے حکیم عبدالسلام صدیقی مرحوم نے محلہ قریشی میں سنہ ۱۳۱۰ھ کے قریب جاری کیا تھا۔ نصاب تعلیم وہی طرز قدیم کا تھا۔ حافظ محمد حسین جو بعد میں مدرسہ "قاسم العلوم" میں شاہ پرنسپل تھے اس کے مدرس تھے ۔ چند سال جاری رہ کر بند ہو گیا۔

۹۔ سید المدارس | سید المدارس کی بنیاد بطور ایک معمولی اردو مکتب کے محض چندہ سے بتحریک حکیم محمد علی خان ۱۶ اراگست سنہ ۱۸۹۲ء کو قایم ہوئی۔ سنہ ۱۸۹۴ء میں علاوہ اردو کے فارسی کی ابتدائی تعلیم بھی جاری ہو گئی، عربی تعلیم کا بھی اضافہ ہوا اور اس طرح یہ مکتب ایک مستقل عربی مدرسہ کی صورت میں تبدیل ہو گیا اور صرف ماتحت دفعات میں اتنا اردو و انگریزی باقی رکھا گیا جس سے طلبہ نکلکر اگر گورنمنٹ مدارس میں داخل ہونا چاہیں تو اُن کو سہولت و آسانی ہو۔

شیعان امروہہ کے لئے یہ سب سے پہلا مبارک موقع تھا کہ اپنی زبان اور مذہبی تعلیم کی درسگاہ سرزمین امروہہ پر صورت پذیر ہوئی۔ مولوی سید نذر حسین مرحوم ساکن محلہ مجھرہ نے بتحریک اپنے لائق داماد مولوی سید اعجاز حسن مرحوم اپنی کل معقول جائداد مدرسہ کے حق میں وقف فرمادی، پھر ایک وقف مسماۃ تاجرہ خاتون زوجہ علی ابن الحسین ساکنہ محلہ شفاعت پوتہ کی طرف سے مکمل ہوا اور اس طرح مدرسہ کے دائمی بقا کے اسباب فراہم ہو گئے۔

سنہ ۱۹۰۳ء میں مدرسہ کی موجودہ عالی شان عمارت کی بنیاد ڈالی گئی جو چھ کمروں اور ایک وسیع ہال اور دو برآمدوں پر مشتمل ہے اسکی تعمیر حکیم سید محمد صاحب اور ان کے خاندان کی عالی توجہہ کا نتیجہ ہے۔

اس عمارت کا افتتاح ۱۹۰۵ء میں سر جیمس لیٹوش بہادر سابق لفٹنٹ گورنر صوبجات متحدہ نے فرمایا اور اسی موقع پر یہ حکم نافذ ہوا کہ سادات امروہہ کی تعلیم گاہ سے آٹھ لڑکے ہر سال گورنمنٹ ہائی اسکول امروہہ میں بلا فیس تعلیم پا سکتے ہیں۔

عرصۂ دراز تک مدرسہ میں عربی کا نصاب قدیم جاری رہا۔ اب چند سال سے علاوہ درس نظامی کے الہ آباد یونیورسٹی کا مجوزہ نصاب درجۂ مولوی و عالم و فاضل بھی جاری ہے اور انتہائی درجہ بخطاب سید الافاضل قائم ہے۔

مدرسہ کی مستقل آمدنی میں علاوہ جائداد موقوفہ کے سرکاری امداد، میونسپل بورڈ کی امداد اور ہز ہائینس نواب صاحب بہادر رامپور کی کافی اعانت بھی ہے۔

مدرسہ میں دس مدرس اور ایک سو انیس طلبہ ہیں۔ اس مدرسہ سے صوبہ بہار، پنجاب، دہلی وغیرہ کے بہت سے تشنگان تعلیم سیراب اور اجازت سے مشرف ہوئے۔ جناب مولانا سید محمد صاحب مجتہد، جو وسیع الاخلاق اور روشن خیال عالم ہیں، صدر مدرس ہیں۔

۱۰۔ نور المدارس اصل میں اس مدرسہ کا نام "اشرف المدارس" تھا۔ ۱۳۰۶ھ میں یہ مدرسہ حضرات شیعہ نے محلہ دانشمندان میں جاری کیا تھا۔ ۱۹۰۴ء میں حاجی سید نور الحسن محلہ دانشمندان کے ایک شیعہ بزرگ نے اپنی اور اپنی زوجہ کی کل جائداد بذریعہ وقف نامہ مورخہ ۲۸ر۲۹ر دسمبر ۱۹۰۳ء مدرسہ کے لئے وقف کر دی اس لئے اس مدرسہ کا نام بھی ان کے نام پر "نور المدارس" رکھا گیا۔ مذہب اثنا عشری کی دینیات کے علاوہ سررشتہ تعلیم کے فارسی و عربی امتحانات کے لئے طلبہ کا تیار کرنا اس مدرسہ کی خصوصیت ہو گیا۔ مولانا حاجی سید مرتضیٰ حسن صاحب نے اپنا تمام وقت عزیز طلبا کی درس تدریس میں صرف کیا، ان کی محنت و جانفشانی سے مدرسہ نے خوب ترقی کی، متعدد طلبہ امتحانات میں کامیاب ہو کر برسر روزگار ہوئے۔ سررشتہ تعلیم نے بھی مدرسہ کی پوری امداد کی لیکن افسوس کچھ عرصہ سے باہمی اختلاف کی بنا پر مولانائے ممدوح نے مدرسہ سے اپنا تعلق علیحدہ کر لیا اور اب مدرسہ کی تعلیمی حالت بھی پست ہو گئی ہے۔

۱۷۔ اِمام المدارس

ابتداءً یہ مدرسہ امامیہ مذہب اثنا عشریہ کی دینی تعلیم کی غرض سے سنہ ۱۹۰۱ء میں قائم ہوا۔ شمس العلماء مولانا سید نجم الحسن صاحب مجتہد نے افتتاح کیا۔ سنہ ۱۹۰۳ء میں بیادگار جشن تاجپوشی ملک معظم ایڈورڈ ہفتم انگریزی تعلیم کے درجے بھی کھولے گئے۔ سنہ ۱۹۰۸ء میں آٹھویں جماعت تک تعلیم دی جانے لگی۔ سید نقی حسن مرحوم کی کوششوں کی بدولت جو اس زمانہ میں تاحیات مدرسہ کے منیجر رہے سنہ ۱۹۱۶ء میں مدرسہ کا سررشتہ تعلیم سے الحاق ہو گیا اور سنہ ۱۹۱۸ء سے مبلغ ۔ ماہوار مدرسہ کو سرکاری امداد ملنا شروع ہوئی، رفتہ رفتہ اس میں اضافہ ہوتا رہا، اب دو سو دس روپیہ ماہوار امداد ملتی ہے۔ یہ مدرسہ اپنی تعلیمی اور انتظامی حالت کے لحاظ سے بہت غنیمت ہے، اس کا اجرا، قیام و استحکام اور ترقی سب کا دارومدار سادات محلہ دربار شاہ ولایت (دیگر)، کی مآل اندیشی اور تعلیمی دلچسپی کی بدولت ہے۔ مدرسہ کے بانیوں میں حاجی سید مقبول احمد، حکیم مولوی سید مصطفیٰ اور سید محمد باقر کے نام خصوصیت سے قابل تذکرہ ہیں۔ موجودہ مہتمم مولوی سید محمد مجتبیٰ معروف بہ مولوی سید چاند ہیں اور ہیڈ ماسٹر سید محمد تقی بی۔اے (علیگ) ایل۔ٹی ہیں۔ فی الحال مدرسہ کا کچھ حصہ امام باڑہ کی عمارت اور کچھ کرایہ کے مکانات میں ہے۔ لیکن اس کی شدید ضرورت ہے کہ مدرسہ کی اپنی عمارت ہو جس کے لئے غالباً زمین پہلے سے موجود ہے۔ کیا مسلمانان امروہہ کبھی خواب غفلت سے بیدار ہو کر اپنے بچوں کی تعلیم کا معقول بندوبست کرنے پر آمادہ ہوں گے؟

امروہہ میں ایک ہندو اسکول ہے اور ایک یہ مسلم اسکول لیکن دونوں اسکولوں کی مالی حالت ان کی رفتار ترقی دونوں قوموں کی ذہنیت، ان کے قول و عمل، ان کے غفلت و بیداری کا عبرتناک اور سبق آموز ثبوت پیش کر رہی ہے۔ ہندو اسکول اس مسلم اسکول سے تقریباً بارہ برس بعد قائم ہوا ہے، آج اس کی عمارت کی تعمیر شروع ہو رہی ہے، اس کے لئے اسکول کے پاس تقریباً پچاس ہزار روپیہ کی مجموعی رقم اسکول فنڈ اور گورنمنٹ کی امداد کی موجود ہے۔ مسلم اسکول کے پاس عمارت ملی تعمیر فنڈ میں بھی کچھ ہے، اس کا جواب اور حسرتناک جواب ذرا

اسکول کے مہتمم مولوی سید محمد مجتبیٰ کے پاس جاکر ان کی زبان سے سنئے !! واحسرتا !!!

یاران تیز گام نے محمل کو جالیا   ہم محو نالۂ جرس کارواں رہے

کیا امروہہ کے تیس ہزار مسلمان، جن میں بعض ایسے دولتمند اور ایسے ایسے تعلیم یافتہ حضرات بھی شامل ہیں جو آج اس بیسویں صدی میں بھی شادی کی تقریبات کے موقع پر دور دور سے رنڈیاں بلوا کر ناچ کرانے اور ان خرافات میں سیکڑوں روپیہ صرف کر دینے میں تامل نہیں کرتے آئے دن ڈپٹی صاحب اور جنٹ صاحب اور کوتوال صاحب اور نہ معلوم کن کن صاحب کی دعوتوں، ٹی پارٹیوں، ڈراموں اور ناٹکوں میں بیدریغ خرچ کرنے کو موجود ہیں، تو کیا یہ مسلمان دولتمند تعلیم یافتہ، ضروریات زمانہ سے باخبر مسلمان، چند ہزار روپیہ اسکول کی عمارت کے لیے جمع نہیں کر سکتے؟ ان سطور کے لکھے جانے کے بعد معلوم ہوا کہ اسکول کی عمارت کے سنگ بنیاد رکھنے کا اہتمام ہو رہا ہے۔

مسلم اسکول سنہ ۱۹۱۲ء میں صاحبزادہ آفتاب احمد خان مرحوم، جو اس زمانہ میں آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے آنریری جائنٹ سکریٹری تھے، انجمن سادات امروہہ کے جلسہ کی صدارت کے لئے امروہہ تشریف لائے۔ خاکسار مؤلف بھی جناب ممدوح کی معیت میں حاضر ہوا۔ اس وقت اپنے وطن کی تعلیمی پستی کا جو احساس مجھے ہوا اس سے متاثر ہو کر ایک رسالہ "مسلمانان قصبہ امروہہ کی خدمت میں انکے تعلیمی حالات اور ضروریات کے متعلق ایک ضروری التماس" کے عنوان سے لکھا جسے کانفرنس نے اپنے صرفہ سے شایع کرا کے مارچ سنہ ۱۹۱۲ء میں امروہہ میں تقسیم کیا۔ رسالہ مذکور کے آخر میں مسلم اسکول کے قائم کرنے کی تحریک کی گئی تھی۔ رسالہ کی اشاعت کے بعد اسکی کوشش کی گئی کہ امام المدارس کو ترقی دی جائے اور اس کے انتظام و اہتمام میں مسلمانان شہر کی کافی نیابت ہو۔ اس سلسلہ میں خاکسار مؤلف بار بار علیگڑھ سے امروہہ حاضر ہوا، لیکن افسوس مسلمانان شہر کو متفقہ و متحدہ کام کرنے کی توفیق نصیب نہ ہوئی اسلئے مئی سنہ ۱۹۱۳ء میں بہ سرپرستی نواب وقار الملک مرحوم "مسلم اسکول" کا آغاز ہوا۔ رفتہ رفتہ اسکول نے اچھی ترقی کی۔ شیخ کریم بخش منشی انسپکٹر سکریٹری اور مکرمی ظہیر الدین احمد و حکیم اسرار الحق

معاون سکریٹری تھے۔ سنہ ۱۹۱۴ء میں ہز آنر سر جیمس مسٹن لفٹننٹ گورنر صوبجات متحدہ جب بہ تقریب دورہ امروہہ تشریف لائے اس اسکول کے جلسہ میں بھی شرکت فرمائی اور جیب خاص سے چندہ بھی عنایت کیا۔ اسکول کے معاون سکریٹری رئیس الدین احمد صاحب نے ایک مکان بھی اسکول کے لئے وقف کیا، طلبہ کی تعداد بھی بہت کافی ہوگئی، مڈل کلاس تک تعلیم کا انتظام تھا اساتذہ بھی قابل اور سند یافتہ تھے، اہل شہر کو اسکول کے ساتھ دلچسپی بھی، چندہ کے علاوہ سرکاری امداد بھی کافی ملتی تھی لیکن افسوس مدرسہ کے منتظمین کے آپس کے لایعنی جھگڑوں اور کشمکش نے بالآخر اسکول کا خاتمہ کر دیا اور چند سال جاری رہ کر یہ مدرسہ بھی بند ہوگیا۔ واحسرتا!

ہزاروں باغ ویراں ہوگئے آپس کے جھگڑوں میں پلٹ کر بھی نہیں آئی جہاں فصل بہار اک بار

۱۳۱۔ ہندو اسکول: اس مدرسہ کا پورا نام "تیج رام جارج کارونیشن ہندو اسکول" ہے۔ سنہ ۱۹۱۲ء میں جاری ہوا۔ لالہ تیج رام قوم دیش مہیسری نے جو لالہ چھبالال کے چچا تھے لاولد انتقال کیا۔ لالہ چھبالال نے پنڈت لال گوپال وکیل کے مشورہ سے دان خیرات کی رقم بجائے پنڈتوں کے دینے کے ایک مدرسہ کے قایم کرنے میں صرف کی۔ ابتداءً پنڈت لال گوپال سکریٹری اور لالہ چھبالال منیجر رہے۔ ملک معظم کی تخت نشینی کے زمانہ میں یہ اسکول جاری ہوا تھا اس لئے "جارج کاروننیشن اسکول" سے موسوم کیا گیا۔ فی الحال اسکول میں مڈل کلاس تک تعلیم دی جاتی ہے۔ مدرسہ کی عمارت کے لئے بھی چندہ بیس ہزار روپیہ جمع ہے۔ کل عمارت کی لاگت کا اندازہ تقریباً پچاس ہزار روپیہ ہے جس میں سے نصف رقم کے عطیہ کا گورنمنٹ نے وعدہ کیا ہے۔ زمین بھی حاصل کر لی گئی ہے۔ آج کل ڈاکٹر پریم ناتھ سکریٹری اور لالہ چھبالال منیجر ہیں طلبہ کی تعداد تقریباً تین سو ہے۔ تعلیمی و انتظامی حالت قابل اطمینان ہے۔

۱۳۲۔ گورنمنٹ ہائی اسکول: یہ اسکول سنہ ۱۸۶۳ء میں ابتداءً اینگلو ورنیکولر اسکول کے طرز پر قایم ہوا۔ پھر ہائی اسکول کے درجہ تک ترقی ہوئی۔ عرصہ دراز تک

یہ اسکول اس عمارت میں رہا جہاں اب منصفی کی عدالت ہے۔ سنہ ۱۹ء میں موجودہ عمارت متصل ریلوے اسٹیشن تعمیر ہوئی۔

امروہہ کی مصنوعات

مٹی کے برتن امروہہ کی یہ بہت مشہور اور قدیم صنعت ہے۔ چکنی مٹی سے جسے "گوال چیا" کہتے ہیں، برتن بنائے جاتے ہیں۔ یہ مٹی تالابوں کی تہ میں سے نکلتی ہے جو بہت باریک اور ہلکی اور رنگ میں سیاہی مائل اور پکنے کے بعد سرخ ہو جاتی ہے۔ یہ صنعت ہندو کوزہ گروں کی مخصوص صنعت ہے۔ طرح طرح کی چیزیں بناتے اور طلائی و نقرئی کام ان پر کراتے ہیں۔ صاحب "مرات آفتاب نما" لکھتے ہیں۔[1]

امروہہ شہرے مطبوع است، اکثر قوم سادات درانجا سکونت پذیرفتہ اند۔ ظروف گلی بنہایت نازک و باریک منقش بہ نقوش گوناگون و مذہب بوقلمون در انجا می سازند حتیٰ کہ حقہ گلی مع سرپوش و چلم و چنبر بہ قیمت یک اشرفی تا دہ دہ می ارزد، کوزہ و کاسہ ہم بریں قیاس۔	امروہہ ایک اچھا شہر ہے، سادات کی اکثر قوموں نے وہاں سکونت اختیار کی ہے۔ مٹی کے برتن نہایت نازک اور باریک جن پر طرح طرح کے نقش و نگار ہوتے اور جنھیں طرح طرح سے سجاتے ہیں وہاں بنائے جاتے ہیں حتیٰ کہ مٹی کا حقہ مع سرپوش، چلم و چنبر بھی بنتا ہے جس کی قیمت ایک اشرفی سے دس اشرفی تک میں بکتی ہے۔ کوزہ اور پیالہ کا اسی پر قیاس کیجئے

تقریباً اسّی برس پیشتر تک امروہہ کی یہ صنعت خوب رونق پر تھی۔ مٹی کے برتن تحفۃً دور دور بھیجے جاتے تھے حتیٰ کہ خدیو مصر کے محل میں بھی امروہہ کے ان برتنوں کو جگہ دی گئی تھی۔[2] شروع عملداری قوم برطانیہ میں امروہہ کے رؤسا "صاحبان عالی شان" کو

---

[1] مرات آفتاب نما (قلمی)، مصنفہ سید عبدالرحمٰن المخاطب بہ شاہ نواز خان ہاشمی بنبانی ثم الدہلوی در زمان ابو الظفر شاہ عالم بادشاہ غازی۔ [2] سفرنامہ مولوی سمیع اللہ خان مرحوم۔

یہ برتن تحفہ میں بھیجا کرتے تھے۔ سید امان علی خان (گھڑیال والے) کے موسومہ جنکو اس زمانہ کے انگریز "نواب" کے لقب سے مخاطب کرتے تھے، ایک انگریز عہدہ دار کی فارسی تحریر کا عکس اس موقع پر درج کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ دیکھئے اعلیٰ طبقہ کا ایک انگریز امروہہ کی اس صنعت کا کن تعریفی الفاظ میں تذکرہ کرتا ہے:۔

نرگس دان وغیرہ ظروف سفالی...... مرسول شدہ ...... بطبع خاطر افتاد۔ الحق ہمہ قابل تحسین و آفرین اند و در خوش قسمی و شستگی یکے زیادہ از دیگرے بنظر در آمد در تعریف صنعت کارستانی کاریگران آنجا از خامہ دو زبان نہ می تواند گردید۔	نرگس دان وغیرہ مٹی کے برتن جو ارسال فرمائے نہایت پسند آئے۔ سچ یہ ہو کہ ان میں ہر ایک قابل تعریف اور توصیف ہے۔ عمدگی اور شستگی میں ایک سے ایک بڑھ کر۔ وہاں کے کاریگروں کی صنعت اور کام کی تعریف زبان قلم سے نہیں ہو سکتی۔

افسوس اس صنعت کے قدر دان نہ رہے تو یہ صنعت بھی مٹ گئی۔ خاندانی کوزہ گروں میں سے جو چند افراد باقی ہیں وہ اب بھی مٹی کے برتن بناتے ہیں مگر اب وہ بات کہاں!

لقچے کے پلنگ

لقچہ کا پلنگ بھی امروہہ کی قدیم صنعت تھی۔ بنانے والے اب بھی موجود ہیں مگر بنوانے والے کہاں۔ عہد محمد شاہ بادشاہ کے ایک عہدہ دار میر فتو مراد آباد سے امروہہ کے ایک اہلکار لالہ کشن چند سے ایک تحریر میں آم کے مربہ و اچار کو بھیجنے کے ساتھ "چارپائی لقچہ کلاں" کی فرمائش بھی کرتے ہیں۔ ذرا اس زمانہ کے ہندو مسلمانوں کے رابطۂ اتحاد و تعلقات کا اندازہ طرز تحریر سے کیجئے۔ القاب میں ہندو مسلمان کا کوئی فرق نہیں۔ "در حفظ الٰہی بودہ" کے الفاظ ملاحظہ ہوں اور آج کی تنگ ظرفی بھی ملحوظ خاطر رہے۔

"عزت و خصوصیت دستگاہ لالہ کشن چند در حفظ الٰہی بودہ بعافیت باشند۔ ......

تحریر آنکہ ...... و اچار و مربائے انبہ و چارپائی لقچہ کلاں تیار کنانیدہ ارسال حضور نمایند۔ ہر چند زودی برسد مجرائے شماست و برائے انبہ از حضور بسیار تاکید است باید کہ وختہائے انبہ کہ قسم اوّل و کلاں باشند خرید نمودہ در قید خود نگاہ دارند و قیمت آں نعت

خط مسٹر آر۔ سی۔ گیلن

موسومہ

(نواب) سید امان علی خان (گھڑیال والے)

شکل نمبر ۱۵

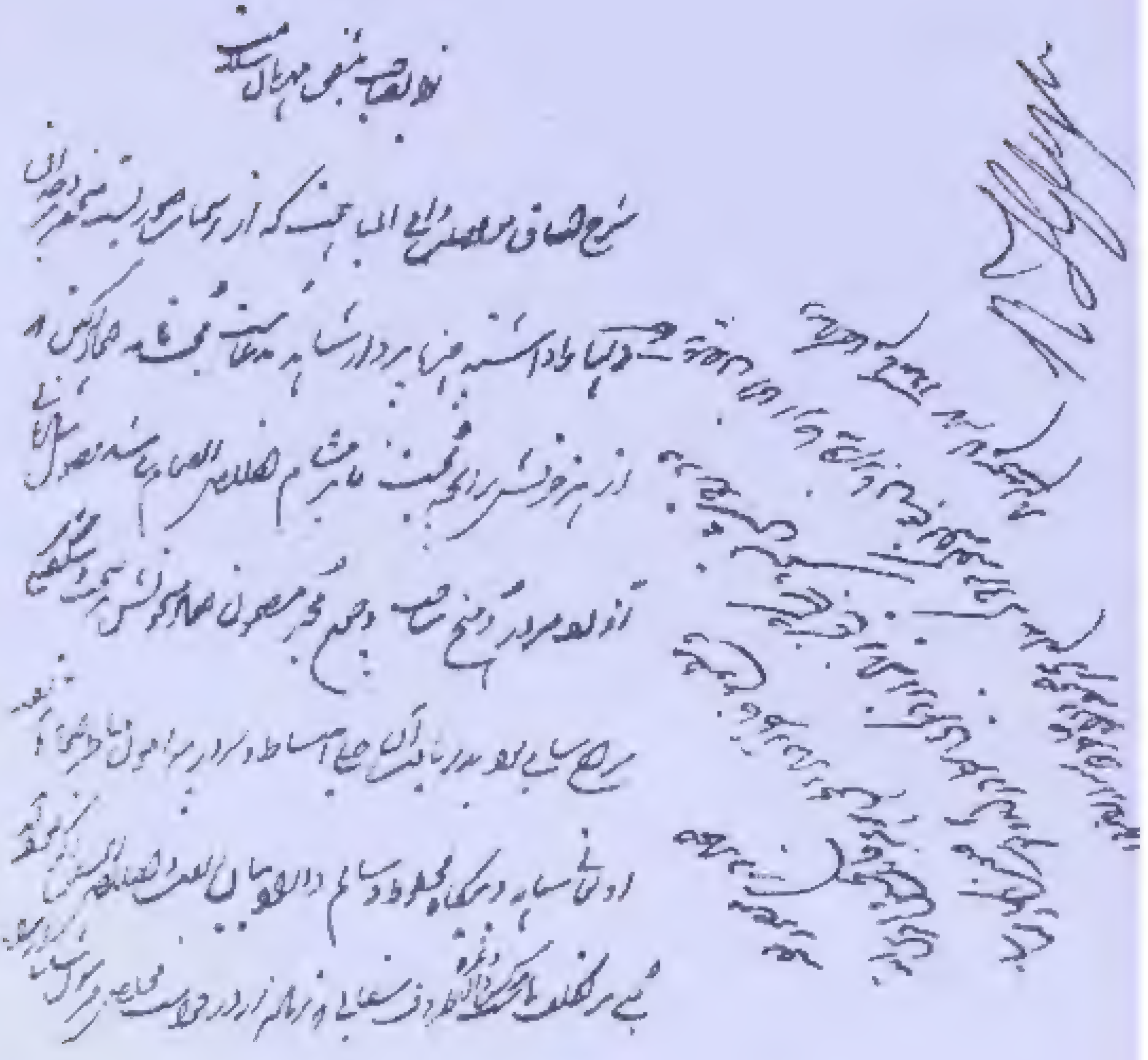

بدمہند - دریں خدمت تغافلے نباید کرد۔"

تحریر فی التاریخ یازدہم شوال سنہ جلوس معلی (مطابق ۱۲۱۱ھ / ۱۷۹۶ء)

بقچہ کے پلنگوں کے سوائے اور قسم کے پلنگ تسبیحہ اور پچ سیجہ بھی بنتے تھے۔

رتھ اور بہلی رتھ اور بہلی کی صنعت بھی یہاں قدیم سے ہے۔ یہاں کے بڑھئوں میں بعض خاندان صرف رتھ اور بہلی بنانے کا کام کرتے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ خوب بناتے ہیں۔ دور دور کے میلوں میں لے جاتے اور فروخت کرتے ہیں۔ اگرچہ زمانۂ حال میں سواری کی دوسری ایجادوں نے اس صنعت پر خاص اثر ڈالا ہے لیکن پھر بھی یہ صنعت بالکل مسدود نہیں ہوئی۔

ڈھولک اور پتیاں امروہہ میں ڈھولک اور پتیاں بھی اچھی بنتی ہیں اور دور دور جاتی ہیں آم کی لکڑی ان کی ساخت میں استعمال ہوتی ہے۔

قالین سازی امروہہ میں اس صنعت کے موجد صادق علی تھے جنہوں نے بیکانیر میں مرزاپور کے ایک جولاہے سے اس صنعت کو سیکھا اور امروہہ میں جاری کیا۔ نہایت خوبصورت اور سستے قالین یہاں تیار ہوتے ہیں ان کے لئے اون یہیں تیار کیا جاتا ہے۔ گنڈریہ عورتیں اس کو کاتی ہیں۔

امروہہ کی کشتی نما ٹوپیاں تقریباً پچیس برس پیشتر تک امروہہ میں ریشم اور کلابتون کے کام کی کشتی نما ٹوپیوں کی صنعت خوب رونق پر تھی۔ صدہا اشخاص اور بالخصوص بعض بیوہ عورتوں کی معاش کا انحصار اسی کام پر تھا۔ جب سے ترکی و ایرانی ٹوپیوں کے نئے نئے فیشن نکلنے لگے اس صنعت پر بھی اوس پڑ گئی۔

امروہہ کے باشندے

عہد قدیم کے باشندگان امروہہ کی تعداد کا صحیح اندازہ کرنا بہت دشوار ہے، تاہم لشکر اسلامی کی موجودگی سے یہ قیاس ہو سکتا ہے کہ موجودہ آبادی سے اس وقت تعداد یقیناً بہت زیادہ ہوگی۔ انگریزی حکومت کے ابتدائی زمانہ سے موجودہ زمانہ تک یہاں کے باشندوں کی جو تعداد مختلف سنین میں رہی ہے اس کا گوشوارہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے:-

سنہ	کل تعداد باشندگان	کمی	بیشی
سنہ ۱۸۴۷ء	۷۱،۶۶۷ ※	•	•
سنہ ۱۸۵۳ء	۳۵،۲۸۴	۳۶،۳۸۳	•
سنہ ۱۸۶۵ء	۳۲،۳۱۴	۲،۹۷۰	
سنہ ۱۸۷۲ء	۳۴،۹۰۴	•	۲،۵۹۰
سنہ ۱۸۸۱ء	۳۶،۱۴۵	•	۱،۲۴۱
سنہ ۱۸۹۱ء	۳۵،۳۲۰	۸۲۵	•
سنہ ۱۹۰۱ء	۴۰،۰۷۷	•	۴،۷۵۷
سنہ ۱۹۱۱ء	۴۲،۴۱۰	•	۲،۳۳۳
سنہ ۱۹۲۱ء	۴۰،۴۴۸	۱،۹۶۲	•

سنہ ۱۹۲۱ء کی مردم شماری کی رو سے منجملہ کل تعداد باشندگان نصف سے قدرے زائد عورتوں کی تعداد ہے اور نصف سے کچھ کم مردوں کی۔ شہر میں کل مکانات کی تعداد ۹۵۵۹ ہے۔ مختلف مذاہب کے پیروؤں کی تعداد حسب ذیل ہے:-

※ معلوم ہوتا ہے یہ اعداد صحیح نہیں ورنہ آٹھ سال میں تقریباً (چھتیس ہزار) باشندوں کی تعداد کا کم ہو جانا قرین قیاس نہیں ہو سکتا۔

مجموعی تعداد باشندگان امروہہ		ہندو			مسلمان			آریہ، عیسائی وغیرہ		
مرد	عورت	کل تعداد	مرد	عورت	کل تعداد	مرد	عورت	کل تعداد	مرد	عورت
۱۹،۹۸۵	۲۰،۳۶۴	۱۰،۱۷۸	۵،۲۷۹	۴،۸۹۹	۲۹،۵۶۰	۱۴،۳۴۴	۱۵،۲۱۶	۶۱۱	۳۶۲	۲۴۹

ہندو باشندے

امروہہ کے ہندو باشندوں کی تعداد ۱۹۲۱ء کی مردم شماری کی رو سے ۱۰،۱۷۸ ہے، جن میں ۵،۲۷۹ مرد اور ۴،۸۹۹ عورتوں کی تعداد ہے۔

اس شہر کے ہندوؤں میں چھ مختلف قوموں کے لوگ ہیں یعنی (۱) برہمن (۲) ویش (۳) کھتری (۴) جاٹ (۵) کائستھ (۶) شودر۔ ان میں سے ہر ایک قوم کے بہت سے گوتر اور آل (خاندان) ہیں۔

برہمن برہمنوں میں یہاں سب سے زیادہ تعداد گوڑ برہمنوں کی ہے، اس کے بعد سارسوت کی۔ کانِ کبج، گوتم اور گجراتی برہمنوں کے صرف چند گھر ہیں۔

۱۔ گوڑ برہمن:۔ ان کا نکاس چونکہ ملک گوڑ (نواح بنگال) سے ہے اسلئے اس نام سے مشہور ہوئے۔ امروہہ میں ان کی تعداد تقریباً آٹھ سو ہے۔ ان میں تقریباً آٹھ ہی آل (خاندان) ہیں یعنی جوشی۔ تباڑی۔ شکل۔ چترویدی۔ مقتدر۔ پوٹھیہ۔ پانڈے۔ اور کالے۔ یہ لوگ ہندوؤں کے اکثر محلوں میں ساکن ہیں۔

ان میں زیادہ قدیم خاندان پنڈت بھگوت دت ساکن بھاگیرت ٹولہ کا ہے۔ پنڈت جی کے اجداد میں پنڈت گھمل رواس مقتدر منجم، طبیب اور مذہبی علوم میں خاص قابلیت رکھتے تھے۔ عہد شاہ جہان بادشاہ میں حسب ذیل پروانہ کے ذریعہ ان کو قوم ہنود ساکنان امروہہ کا منصب چودھرائیت دیا گیا تھا۔

نقل پروانہ

عاملان حال و استقبال پرگنہ امروہہ سرکار سنبھل
مضاف صوبہ دار الخلافہ شاہجہان آباد بدانند۔
درین ولا بظہور پیوست کہ تھجمل مصر در طریقہ برہمنی
خیلے خبردار و بحسب منجمی و طبابت بسیار ہوشیار
لہذا نظر بر استحقاق او نمودہ چوکراتی قوم برہمنان
ششم حصہ و سوم یک تنکہ شادیانہ ہنگام شادی
کتخدائی و کار خیر و تولد فرزند شرفا و غربا قوم ہنود
ساکنان قصبہ مذکور مقرر نمودہ شد باید کہ مشار الیہ
را در چوکراتی دخیل کنانیدہ وجہہ مقررہ می دادہ
باشند بوجہے اہمال نسازند۔ درین باب تاکید
دانستہ حسب المسطور بعمل آرند۔
تحریر فی التاریخ بست ہفتم شہر صفر سنہ ۶ مطابق ۱۱۵۷ھ

پرگنہ امروہہ سرکار سنبھل متعلق صوبہ دار السلطنت شاہجہان آباد
(دہلی) کے حکام کو معلوم ہو کہ ہمارے سامنے ظاہر کیا گیا ہے
کہ تھجمل مصر ہندوؤں کے مذہبی علم سے خوب واقف ہے
اور منجمی اور طبابت میں بھی بہت ہوشیار ہے لہذا اس کے
استحقاق کو مد نظر رکھکر برہمنوں کی چوکراتی کا چھٹا حصہ
اور امروہہ کے ہندوؤں میں بیاہ شادی کے موقع پر
اور کار خیر میں اور ہندوؤں کے شرفا اور غریبوں میں
بیٹے کے پیدا ہونے کی تقریب کے موقع پر ایک تنکہ بطور حق ادا کیا جانا
مقرر کیا گیا لہذا چاہئے کہ نامبردہ کو چوکراتی پر دخل کر کے مقررہ
حق دلاتے رہیں اور کسی وجہ سے اس میں دریغ نہ کریں اور
اس معاملہ میں تاکید جانکر حسب ہدایت عمل کریں۔
مورخہ ۲۷ ماہ صفر سنہ ۶ جلوس مطابق ۱۱۵۷ھ مطابق ۱۷۴۴ء

تھجمل داس مصر کے لال من داس مصر ان کے کیسری مل مصر ہوئے۔ کیسری مل مصر کے پانچ بیٹے ہوئے۔ راجی مل، ہر سہائے، رام نرائن، رام پرشاد اور سالگ رام۔ راجی مل کے پوتے پنڈت بھاگوت دت مصر ہیں۔ دوسرے اشخاص کی اولاد میں پنڈت برج بلبھ ولد سندر لال وغیرہ ہیں۔

شاہان اسلام کی جانب سے جہاں سلطان فقرا و مشائخ کو روزینے ملتے تھے وہاں اہل ہنود کے پروہتوں اور پنڈتوں کی بھی مدد معاش مقرر تھی۔ روزینہ کی فہرست میں امروہہ کے متعدد برہمنوں کے نام نظر آتے ہیں۔ مثلاً سنہ ۱۱۰۰ھ میں امروہہ کے حسب ذیل پنڈتوں کو مدد معاش میں اسلامی سلطنت کی جانب سے روزینہ ملتا تھا:-

رام کشن چوبے	بمن سکھ مصر	صاحب بدانت	سندر رام گجراتی	اگن برہمن	والی مصر	سگھا مصر
۲۷ دام	۲۵ دام	۲۵ دام	۲۵ دام	۲۵ دام	۲۵ دام	۲۰ دام

اس قسم کی مدد معاش بہت پہلے سے مقرر تھی شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر کے زمانہ میں بھی بدستور ملتی رہی۔ مسلمان بادشاہوں کے ظلم و ستم کے افسانے تراشنے والے ذرا ان باتوں پر بھی نظر رکھیں، سلطنت اور رعایا کے ان تعلقات کو بھی تو دیکھو اور پھر جو دل چاہے کہو۔

تمہیں لے دے کے ساری داستاں میں یاد ہے اتنا کہ عالمگیر ہندو کش تھا، ظالم تھا، ستمگر تھا

گوڑ برہمنوں میں پنڈت ہر پرشاد ہزاری، پوہتیہ چھیدی لال ساکنان محلہ چوک، جو آلدمل ساکن محلہ کوٹ، قابل تذکرہ ہیں۔ ان ہی میں جوشی بھی شامل ہیں۔ جوشی حقیقتاً جوتشی کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔ ان میں پنڈت گلاب سنگھ جوشی بی۔ اے سب جج پرتاب گڈھ اور ان کے بھائی پنڈت نند کشور جوشی وکیل امروہہ نامور ہیں۔ چترویدیوں میں چوبے بھاگوت داس ولد چوبے موہن لال کا خاندان ہے جو اپنے زمانہ کے بڑے ساہوکار تھے۔ ان کی ہنڈی چلتی تھی۔ ان کی نسل میں چوبے کنج بہاری ہیں جو ملکی کاموں سے دلچسپی رکھتے ہیں۔

۲۔ سارسوت برہمن :- ان کے بزرگ ابتداءً دریائے سرسوتی (پنجاب) کے قریب کے رہنے والے تھے اسلئے سارسوت کہلائے۔ ان میں بھی مختلف آل (خاندانوں) کے لوگ ہیں امروہہ میں ان کے تقریباً سات آل ہیں یعنی سنڈھ، شوہری، کلتہ، پاٹھک، بھارت دواجی، ترویدی اور جوشی۔ ان کی تعداد بمقابلہ گوڑ برہمنوں کے بہت کم ہے یعنی امروہہ میں تقریباً تین سو کی تعداد ہے جو زیادہ تر محلہ کالا کنواں، بڑا بازار اور چوک وغیرہ میں رہتے ہیں۔ محلہ کالا کنواں پر پنڈت کامتا پرشاد اور ان کے فرزند پنڈت گیا نند اور محلہ جاٹ بازار میں ڈاکٹر چھیدی پرشاد اور ان کے بھائی حکیم روپ کشور ان میں نامور ہیں۔ ڈاکٹر چھیدی پرشاد ترویدی غالباً اپنی قوم کے پہلے فرد ہیں جنہوں نے اپنے فرقہ کی قدامت پسندی کے خیالات کے خلاف سمندر پار جا کر انگلستان سے D.P.H. (ڈپلومہ آف پبلک ہیلتھ) کی سند حاصل کی۔ فی الحال لکھنؤ میں ہیلتھ آفیسر کے

عہدہ پر مامور ہیں۔

۳۔ کان کبج برہمن ان کا نکاس قنوج سے ہے اسلئے کان کبج کہلائے۔ ان کی تعداد امروہہ میں بہت کم ہے، ان میں ایک شخص جوگل کشور ساکن محلہ منڈی چوب ایام غدر ۱۸۵۷ء سے پہلے نامور طبیب تھے۔ شعر وسخن سے بھی ذوق تھا مگر شعر ایسا کہتے تھے کہ بہ ظاہر موزوں ہوتا تھا مگر مطلب خبط۔ یہ شعر ان کا مشہور ہے ؎

اس کے غم میں مجکو اک رونا بہانا ہوگیا   اشک جو آنکھوں سے نکلا پنبہ دانا ہوگیا

اس کے علاوہ گوتم اور گجراتی برہمنوں کے بھی چند گھر امروہہ میں ہیں جو محلہ کوٹ دکالا کنوئیں میں ساکن ہیں۔

اس کے علاوہ ٹرنے بھی امروہہ میں ہیں جو برہمن ہونے کے مدعی ہیں لیکن برہمن ان کے دعوے کو تسلیم نہیں کرتے۔ ان کے نسب کے متعلق یہ روایت مشہور ہے کہ برہمن مرد اور شودر عورت سے یہ نسل چلی۔ یہ لوگ عام طور سے جوتشی کا پیشہ کرتے ہیں اور خیرات لیتے ہیں۔

ویش ویشوں میں اگروال، گہنی، مہلیسری، کھنڈیل وال خاندانوں کے لوگ امروہہ میں ساکن ہیں۔ ان میں کوئی خاندان یہاں زیادہ قدیم نہیں ہے۔ مہاجنی ساہوکاری اور غلہ وغیرہ کی تجارت ان کا عام پیشہ رہا ہے۔ اسی کی بدولت بعض خاندانوں نے اچھی دولت اور زمینداری وجاہت اور معافی پیدا کی۔ محلہ کوٹ کے اگروال ویشوں میں چند افراد نے اعلیٰ تعلیم بھی حاصل کی ہے۔

۱۔ اگروال:۔ ان کا نکاس اگروہہ (علاقہ ہریانہ) متصل ضلع حصار (پنجاب) سے ہے اسلئے اگروال کہلائے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ سلطان شہاب الدین غوری کے زمانہ میں یہ لوگ اپنے قدیم وطن سے منتشر ہوئے۔ ان کی آبادی زیادہ تر محلہ کٹرہ غلام علی، بیگم سرائے، بڑا بازار اور محلہ کوٹ میں ہے۔

کٹرہ غلام علی کے اگروال ویشوں میں لالہ نند کشور ولد لالہ گنگا رام کا خاندان ہے۔ ان کا

ساہو ونکٹیش پرشاد امروہہ میونسپلٹی کے سب سے پہلے چیرمین اپنے عادات و خصائل کے اعتبار سے نیک نام و ہر دل عزیز ہیں۔ اسی محلہ میں ڈاکٹر نروتم سرن، لالہ بدھری جی وغیرہ میں بیگم سرائے میں خزانچی نند کشور اور لالہ بابو لال کا خاندان ہے۔

محلہ کوٹ میں اگروال ونشیوں کے دو خاندان ہیں۔ پہلا خاندان لالہ جوہری مل کا ہے جو ایام غدر ۱۸۵۷ء میں امروہہ کے متمول اور مشہور ساہوکار تھے۔ ان کے فرزند لالہ گوبند پرشاد کے اولاد صلبی نہ تھی اسلئے ساہو دیوکی نندن کو جن کا حال ہی میں انتقال ہوا، اپنا متبنیٰ کیا۔ ساہو موصوف کے بھی اولاد پسری نہیں۔ اسی خاندان میں لالہ جگموہن سرن اور لالہ برج نندن پرشاد میونسپل کمشنر بھی ہیں۔ اگروالوں کے اسی خاندان کی دوسری شاخ میں ساہو بنواری سرن کا خاندان ہے جن کے لائق فرزند رام بلبھ سرن بی۔ اے، بی۔ ٹی انجہانی غالباً اپنی قوم کے پہلے فرد تھے جنھوں نے اعلیٰ تعلیم حاصل کی تھی۔ ۹ر مارچ ۱۸۹۱ء میں پیدا ہوئے۔ اکیس سال کی عمر میں الہ آباد یونیورسٹی سے بی۔ اے۔ کی سند حاصل کی۔ انگریزی علم ادب اور اقتصادیات (Political Economy) کے ساتھ عربی فارسی ان کے مضامین میں داخل تھی۔ درس و تدریس سے خاص دلچسپی کی بنا پر ہندو اسکول امروہہ کی ہیڈ ماسٹری کا عہدہ قبول کیا، ایل۔ ٹی کا امتحان بھی پاس کیا اور اپنے فرائض کو بہت خوبی و خوش اسلوبی سے انجام دیا۔ وسیع الخیال اور ہندو مسلم اتحاد کے عملاً حامی تھے۔ افسوس عمر نے وفا نہ کی۔ عین عالم جوانی میں ۱۷ر اگست ۱۹۲۱ء کو عالم آخرت کو کوچ کیا۔ ان کے دونوں بھائی ساہو بابو رام اور ساہو برج موہن بھی اپنے کاروبار میں ہوشیار ہیں۔ اسی خاندان میں ڈاکٹر پریم ناتھ اور بابو سوم ناتھ بی۔ اے پسران لالہ بھولا ناتھ اور بابو رام کشن بی۔ اے ایل ایل بی وکیل امروہہ انکے برادر حقیقی بابو کشوری لال بی۔ اے ایل ٹی بھی ذی لیاقت ہیں۔ لالہ منا لال اور لالہ بدری پرشاد بھی اسی خاندان سے ہیں۔

محلہ کوٹ میں اگروال کا دوسرا خاندان بابو رام سروپ پروفیسر کرسچن ٹریننگ کالج

لکھنو کا ہے انکے بھائی بھی محکمہ جنگلات میں کنسرویٹر کے عہدہ پر مامور ہیں۔

۲۔ **گھئی**:۔ ان کی وجہ تسمیہ کے متعلق ایک روایت یہ ہے کہ گھی کا روزگار زیادہ کرنے سے اور دوسرے یہ کہ ویشیوں میں گھنیا ہیں اسلئے گھئی کہلائے یہ لوگ زیادہ تر محلہ کالی گبری، کالا کنواں اور چوک میں رہتے ہیں۔ ان میں سے بعض خاندانوں نے دادوستد کے کاروبار کی بدولت جائداد معافی و زمینداری بھی پیدا کرلی ہے۔ ان میں لالہ جھبا لال ولد لالہ بیج ناتھ منیجر ہندو سکول، انکے برادرزادہ لالہ مدن موہن میونسپل کمشنر، لالہ جوگل کشور ولد لالہ کنہئی لال انکے بھائی لالہ بخت بہاری، لالہ رگھبیر سرن بی۔اے ایل ایل بی آنریری اسسٹنٹ کلکٹر، لالہ موہن چند پسران لالہ بالک رام، لالہ مہابیر پرشاد ولد لالہ جھاؤ مل و لالہ جگت نراین ممتاز ہیں۔ محلہ کوٹ میں گھئی ویشوں کا ایک خاندان لالہ ملا رام کا ہے جن کی اولاد میں بابو ہزاری لال قانون گو اور بابو رام سیکریٹری آریہ سماج اور لالہ جگدیش سرن ہیں۔

۳۔ **مہیشری**:۔ ان کا نکاس رہتاس گڈھ سے بتایا جاتا ہے۔ زیادہ تر یہ لوگ بڑا بازار اور جاٹ بازار میں رہتے ہیں۔ لالہ نانک چند میونسپل کمشنر ان میں ناموری ہیں

۴۔ **کھنڈیل وال**:۔ ان کا نکاس بھرت پور سے ہے۔ امروہہ میں ان کی تعداد کم ہے اور زیادہ تر محلہ کوٹ میں ساکن ہیں۔ ان میں ایک نوجوان گریجویٹ ہے۔

کھتری

کھتریوں کا شمار بعض لوگ ویشوں میں کرتے ہیں۔ ان کے نسب کے متعلق یہ روایت مشہور ہے کہ راجپوت مرد اور ویشیں عورت سے جو نسل چلی وہ کھتری کہلائی۔[۱] یہ لوگ زیادہ تر کوچہ کھتریان، بڑا بازار میں ساکن ہیں، ان میں ٹنڈن وغیرہ کئی اہل کے لوگ ہیں۔ مہاجنی، کپڑے و غلہ وغیرہ کی تجارت عام پیشہ ہے۔ اسی کی بدولت بعض خاندانوں نے کافی جائداد بھی پیدا کی ہے۔ لالہ انند سروپ آنریری مجسٹریٹ اور انکے برادرزادہ لالہ راجہ رام، لالہ منگل سین میونسپل کمشنر ان میں متمول اور نمودار ہیں۔

۱؎ ضمیمہ منو دھرم شاستر ہندی ایڈیشن صفحہ ۲۹۹۔

جاٹ

اس قوم کے نسب کے متعلق مختلف روایات ہیں، بعض ان کو راجپوتوں کی شاخ سمجھتے ہیں اور بعض کا خیال ہے کہ یہ غیر آریہ ہیں، بعض ان کو انڈو سیتھین (Indo Sythian) کہتے ہیں لیکن قول مرجح یہ ہے کہ یہ لوگ گدھہ غزنی (کابل) سے ہندوستان آئے۔ غزنی میں "یوتی" Yu-ti نام ایک قوم کا پتہ چلتا ہے جو قدیم زمانہ میں وہاں سے ہندوستان آئی۔[1] عربی تاریخوں میں بھی "زط" یعنی جٹ قوم کا تذکرہ ملتا ہے جو قدیم زمانہ میں جنوبی ایران سے عراق عرب تک پھیلی ہوئی تھی۔ ہندوستان کے جاٹوں کی خاندانی روایتوں میں بھی بیان کیا گیا ہے کہ ان کا نکاس گدھہ غزنی سے ہے۔ بہرحال ان کے نسب کے متعلق کوئی روایت بھی صحیح ہو ان کی دو بڑی شاخیں ہیں یعنی دیس والے اور پچھادے۔ امروہہ اور یہاں کے قرب وجوار کے جاٹ زیادہ تر پچھادے ہیں یعنی پچھم سے آئے ہوئے۔ پنجاب میں جاٹوں کا زیادہ حصہ مسلمان ہے۔ امروہہ میں پہلے ان کی آبادی زیادہ تر "جاٹ بارہ" میں تھی جسے اب جاٹ بازار کہا جاتا ہے۔ یہاں ناظر (بعد میں راجہ) گور سہائے والد ہرست سنگھ کی سکونت بھی تھی۔ بعد میں یہ لوگ تمام آباد جا رہے۔ اب ان جاٹوں کی آبادی زیادہ تر محلہ قریشی میں ہے۔ ان میں چودھری ہیت رام اور چودھری منگل سین نمودار ہیں۔

کائستھ

کائستھوں کے نسب کے متعلق بھی مختلف روایتیں ہیں۔ منوجی کی قدیم تقسیم اقوام کے مطابق کائستھوں کا شمار ان چار ذاتوں یعنی برہمن، چھتری، ویش اور شودر میں سے کسی میں نہیں ہوتا لیکن جو لوگ ان کا شمار شودروں میں کرتے ہیں وہ غلطی کرتے ہیں۔[2] کائستھ ہندوستان کی شریف قوم ہیں ان میں سے سورج ونش خاندان کچھ عرصہ امروہہ پر حکمراں رہا ہے۔ ایک روایت یہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ جب پرسرام نے چھتریوں کی نسل کا قلع قمع کر دیا تو ان کی حاملہ عورتیں غنیم کے خوف سے مفرور اور روپوش ہو گئیں اور جو بچے ان سے پیدا ہوئے وہ کائستھ یعنی جسموں کے اندر چھپے ہوئے کہلائے۔

---

[1] سیوہارہ میں سربستہ کی ایڈیشن صفحہ ۳۳۔ [2] "چھاپا" ... کائستھوں ... [illegible]

کالستھ کا لفظ سنسکرت زبان کے الفاظ [illegible] یعنی جسم اور [illegible] باقی یا پوشیدہ سے مشتق بتایا جاتا ہے۔ بہر حال ان کے نسب کے متعلق کوئی روایت بھی قابل قبول ہو یہ قوم ذہانت اور علم ودانش میں ایک نامور اور ممتاز قوم ہے۔ مسلمانوں کے عہد سلطنت میں دفاتر اور دارالانشاء کا کام زیادہ تر اسی قوم کے افراد کرتے تھے۔ ان میں صدہا اشخاص فارسی کے خوش استعداد ادیب شاعر اور عالم ہوئے، عربی و فارسی کی تعلیم ان میں عام تھی۔ اکثر کالستھ خاندانوں کے افراد پہلے دینیات قرآن شریف وغیرہ کی تعلیم بھی حاصل کرتے مشائخ اور اولیاء اللہ سے عقیدت رکھتے اور بعض اسلامی طرز سے عبادت بھی کرتے تھے۔ امروہہ کے بعض کالستھ خاندانوں کو حضرت قطب عالم شاہ اعزالدینؒ اور شاہ ولایتؒ سے خاص عقیدت تھی۔ نصف صدی پیشتر تک یہ لوگ ان حضرات کے عرس کا انتظام بھی اچھے پیمانہ پر کرتے تھے اور بعض اب بھی کرتے ہیں۔

انگریزی عہد میں ہندوستان کے کالستھوں نے علوم مروجہ کی تحصیل اور مغربی طرز معاشرت کے اختیار کرنے میں بہ نسبت اور اقوام کے فوقیت حاصل کی ہے۔ امروہہ کے کالستھوں میں بھی بعض افراد نے انگریزی کی اعلیٰ تعلیم حاصل کی ہے اور اچھے عہدوں پر مامور ہیں۔

کالستھوں میں بھی ہندوؤں کی اور قوموں کی طرح متعدد شاخیں ہیں جن میں سے خاص یہ ہیں:۔ ماتھر، بھٹناگر، سکسینہ، سورج دھج، سریباستب، گور، کرن، نگم، بالمیک، اشٹ، ابھتانہ، کالسرشٹ، ان میں اول الذکر چار خاندانوں کے لوگ امروہہ میں آباد ہیں۔

۱۔ ماتھر کالستھ:۔ ماتھر کالستھوں کا نکاس متھرا سے بیان کیا جاتا ہے اسلئے ماتھر کہلائے۔ ان میں بھی یہاں تین خاندان ہیں ایک خاندان قانون گویان ساکن محلہ چوک کا دوسرا

(گذشتہ سے پیوستہ)
کیا ہے اور لکھا ہے کہ ایک شودر جوتی دت نامی اپنے فرائض کی بجا آوری میں ایسا ہوشیار اور کارگذار تھا کہ جس شاہزادے کا ملازم تھا اس نے "کالستھ" کا خطاب اسے دیا۔ سنسکرت میں "کے" کے معنی "گھر" کے اور "ستھتی" کے معنی "دشمن پذیر ہونے کے" [illegible] کو اس توجیہ سے اتفاق نہیں ہے۔ (سیوائرت سر جیستر ہی ایلیٹ)

بڑھ تلے والے کایستھوں کا تیسرا خاندان ساکنان محلہ کالا کنواں کا

خاندان قانون گویان کے مورث لالہ متھرا داس ولد لالہ رام داس بعہد شہنشاہ جلال الدین اکبر دہلی سے امروہہ آئے اور تیرہ مواضعات پرگنہ امروہہ کے عہدہ "چودھرائی و قانون گوئی و مقدمی" پر مامور ہوئے۔ لالہ متھرا داس کے دو فرزند ہوئے لالہ پرمانند اور لالہ سری رام یہ دونوں بھائی بعد وفات اپنے والد لالہ متھرا داس کے حسب فرمان شہنشاہ نور الدین جہانگیر مجریہ ۲۷۔ ماہ ابان ۶ جلوس مطابق ۱۰۲۱ھ خدمت آبائی یعنی "چودھرائی و قانون گوئی و مقدمی پر مامور رہے۔ لالہ سری رام کو ۱۰۲۵ھ میں ایک سو بیگہ آراضی معافی حسب فرمان مندرجہ ذیل نسلاً بعد نسلٍ مدد معاش میں عطا ہوئی۔ اللہ اکبر۔

دریں وقت میمنت اقتران فرمان عالی شان سعادت نشان شرف اصدار و عز ایراد یافت که موازی یک صد بیگہ زمین یک حصہ مزروع و سہ حصہ افتادہ از موضع سرپرام پور پیمودہ من اعمال پرگنہ امروہہ سرکار سنبھل از ابتدائے خریف اوائیل در وجہ انعام سری رام بافرزندان حسب الضمن مقرر و مفوض باشد کہ حاصلات آں را فصل بہ فصل و سال بہ سال در وجہ معیشت خود خرج و صرف نمودہ بدعاگوئی دوام دولت ابد قریں اشتغال نمودہ باشند می باید کہ حکام و عمال و جاگیرداران و کروریان حال و استقبال در استمرار و استقرار این حکم اقدس داعلی کوشیدہ آراضی مذکورہ را پیمودہ و چک بستہ بہ تصرف مشارالیہم بازگذاشتہ اصلاً تغیر و تبدل بداں راہ نہ دہند .... الخ۔

تحریر بتاریخ غرہ اُردی بہشت ماہ الٰہی ۱۱ جلوس (مطابق ۱۰۲۵ھ)۔

لالہ سری رام کی اولاد امروہہ میں نہیں ہے ان کے بھائی لالہ[1] پرمانند کی نسل میں قانون گوئی کا

---

[1] رائے بہادر بابو بشمبھر ناتھ آنجہانی نے اپنے خاندانی حالات کے متعلق ایک مطبوعہ تحریر میں بیان کیا ہے کہ لالہ پرمانند کے فرزند برجنا تھ داس "آخر زمانہ شاہجہاں اور شروع زمانہ اورنگ زیب بادشاہ میں وزیر تھے"۔ اس عہد کی مستند کتب تاریخ مطبوعہ و قلمی موجود ہیں اور تقریباً تمام کتب خاکسار مولف کے زیر مطالعہ رہی ہیں لیکن ان میں

عہدہ متوارث ہو گیا اور اسی وجہ سے یہ خاندان "قانون گویوں" کا خاندان مشہور ہے۔ ان میں لالہ محکم سنگھ قانون گو تھے جو رائے بہادر بابو شیو نراین کے اجداد میں چھٹی پشت میں ہوتے ہیں ان کے نام سے "محکم سرائے" آج تک مشہور ہے۔ لالہ محکم سنگھ کے فرزند لالہ شیام لال ان کے فرزند لالہ جواہر مل اور انکے فرزند لالہ جے گوپال ہوئے یکے بعد دیگرے آبائی عہدے پر مامور رہے۔ آخر الذکر ایام غدر ۱۸۵۷ء میں امروہہ کے قانون گو تھے۔ ان کے علاوہ اس زمانہ میں دوسرے قانون گو ہر پرشاد تھے جو خاندان ساکن محلہ کالا کنوئیں میں سے تھے۔ ان دونوں کی شہادت بھی سید شبیر علی خاں کے خلاف مقدمۂ بغاوت میں ہوئی تھی۔ لالہ جے گوپال کے دو لایق فرزند تھے لالہ چھید الال اور بابو جگت نراین۔ اول الذکر ابتداءً شکوہ آباد کے منصف اور بعد میں سب جج رہے۔ ان کے دو ہی فرزند ہوئے یعنی رائے بہادر بابو شیو نراین اور بابو دھرم نراین۔ رائے بہادر موصوف حکومت کے خیر خواہ، نیک نام رئیس، درباری، اسپشل مجسٹریٹ درجہ اول، چیرمین امروہہ میونسپل بورڈ، اپنے عادات و خصائل کے اعتبار سے ہر دل عزیز تھے۔ مفاد عامّہ کے کاموں میں اپنے اوقات کا بیشتر حصّہ صرف کرتے تھے' ان ہی خدمات کے اعتراف میں آپ کو ۱۹۲۰ء میں "رائے بہادر" کا خطاب حکومت نے عطا کیا۔ ۱۹۲۳ء میں انتقال ہوا۔ ان کے لایق

(گذشتہ سے پیوستہ)

کوئی تذکرہ لالہ ہر جناتھ کی وزارت یا کسی اعلیٰ منصب پر مامور ہونے کا نہیں ملا۔ ایک دوسری مطبوعہ انگریزی تحریر میں بیان کیا گیا ہے کہ رائے بہادر موصوف کے اجداد شاہان مغلیہ کے عہد میں خطاب یافتہ اور جاگیردار تھے۔ اس کا بھی خاکسار مؤلف کو کوئی تاریخی ثبوت نہیں ملا اور نہ کوئی فرمان دکھلایا گیا۔ "قانون گوئی وچودھرائی و مقدمی" کا عہدہ دار تو منصبدار بھی نہیں ہوتا تھا اور خطاب صرف اعلیٰ منصبدار کو عطا ہوتا تھا اور جاگیر بھی منصبدار کو ملتی تھی۔ ملک مدد معاش اور معافی جس کو اس زمانہ کی اصطلاح میں "سیورغال" کہتے تھے البتہ اس قسم کے عہدہ داران کو دی جاتی تھی مثلاً ملک مندرجہ فرمان موسومہ لالہ سرب رام ہندوستان کے اکثر مقامات پر کائستھ خاندان کے افراد عہد حکومت اسلامی میں قانون گوئی کے عہدہ پر مامور رہے ہیں۔ کفایت شعاری و سلامت روی سے اکثر خاندانوں نے اچھی اچھی

دہونہار فرزند بابو کاشی نرائن بھی ذی لیاقت اور ہر دلعزیز ہیں۔ رائے بہادر کے برادر حقیقی بابو دھرم نرائن ذی لیاقت و خوش اخلاق ہیں، علی گڈھ کالج کے ابتدائی دور میں تین سال تک تعلیم حاصل کی ۱۸۹۴ء میں کلکٹری مرادآباد میں کچھ عرصہ عہدہ دار رہے۔ ۱۹۲۰ء میں ڈسٹرکٹ بورڈ مرادآباد کے چیرمین منتخب ہوئے تین سال تک عمدگی سے ان خدمات کو انجام دیا۔ آپ خانہ نشین ہیں۔ انکے ایک صاحبزادے برج نرائن سلمہ علی گڈھ مسلم یونیورسٹی کے تعلیم یافتہ ہیں ۱۹۲۵ء میں بی۔اے کی سند حاصل کی۔

بابو چھیدالال کے بھائی بابو جگت نرائن باوجود متمول اور ذی مقدرت ہونے کے محض دلچسپی کے لحاظ سے اپنے موروثی عہدہ قانون گوئی کا کام بذات خود انجام دیتے رہے۔ امروہہ میں بڑے نیکنام اور ہر دلعزیز تھے۔ ان کے بھی دو ہی فرزند ہوئے بابو ہرنرائن اور بابو رام نرائن۔ بابو ہرنرائن صاحب ۱۹۱۲ء میں آنریری مجسٹریٹ ہوئے، ۱۹۲۵ء سے اسپیشل مجسٹریٹ ہیں۔ میونسپل اور پبلک معاملات سے دلچسپی ہے۔ اپنے اصول کے پابند اور فرض شناس ہیں امسال راؤ بہادر خطاب ملا ہے۔

دوسرا قدیم اور ذی وجاہت خاندان بڑے تلے والے ماتھر کایستھ صاحبان کا ہے۔ خاکسار مؤلف نے اس خاندان کے دیرینہ کاغذات دیکھنے کی ہر ممکن کوشش کی لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ مجبوراً صاحب تاریخ اصغری کے بیان پر اکتفا کرتا ہوں، وہ اس خاندان کے تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ:۔ ؎

اگرچہ کوئی شجرہ یا فہرست بازبان دستیاب نہیں ہوا مگر بعض اولاد رائے بختاور سنگھ سے سنا گیا کہ میاں رام جن کے باپ صورت سنگھ ملقب بہ کروری تھے سہارنپور سے امروہہ میں آئے جس کو تخمیناً ساڑھے تین سو برس کا عرصہ ہوا بیٹے ان کے دولت رائے دفتر بادشاہی کے افسر مقرر ہوئے اور حسن خدمت کے صلہ میں بہ خطاب راؤ سرفراز ہوئے۔ ان کے بیٹے رائے بختاور سنگھ جن کے نام سے یہ کلہ مشہور ہے وکیل بادشاہ ہوئے اور رائے کا خطاب پایا انکے پانچ بیٹے ہوئے، ایک رائے سلامت سنگھ دوسرے راؤ نعمت سنگھ تیسرے راحت سنگھ چوتھے امانت سنگھ پانچویں ٹیک رائے۔ یہ پانچوں بھائی بادشاہ کی معزز نوکریوں پر مل

رسالداری وغیرہ کے مامور رہے۔ نعمت سنگھ کو راؤ کا خطاب ہوا اور عہد نواب وزیر بہادر
میں رائے سلامت سنگھ نے پچیس برس تک بھجوئی وغیرہ کی تحصیلداری کی اور امان سنگھ
کو کام سائر کا ملا اور عملداری صاحبان عالی شان (ایسٹ انڈیا کمپنی) میں بھی اکثر آدمی
اس خاندان کے عمدہ عمدہ عہدوں پر مقرر ہوتے رہے الخ"[1]

موجودہ زمانہ میں بھی بابو چھیل بہاری لال بی۔ اے۔ عرصہ تک ڈپٹی کلکٹر رہے اب کسی ریاست میں دیوان ہیں، پرانی تہذیب کا نمونہ اور بااخلاق شخص ہیں۔ بابو شیو ناتھ سنگھ اور بابو گلشن بہاری مختار عدالت اسی خاندان میں ہیں۔ منشی سنگن لال بھی جو کچھ عرصہ سے داد و ستد کا کاروبار کرتے ہیں اسی خاندان سے ہیں۔

تیسرا خاندان ماتھر کائستوں کا محلہ کالا کنوئیں میں ساکن ہے۔ ان کے مورث لالہ گھنشیام داس[2] عرف ٹھاکر کنہا کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ وہ ابتدائے عہد مغلیہ میں امروہہ کے عہدہ قانون گوئی پر مامور تھے اور ۲۵ مواضعات ان کے حلقہ قانون گوئی میں شامل تھے[3]۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ

---

[1] تاریخ اصغری صفحہ ۱۰۱۔ [2] ان کا نام تاریخ اصغری نے لالہ کھمن راج عرف ٹھاکر کنہا تحریر کیا ہے۔ [3] بابو بھگوتی سہائے وکیل امروہہ تحریر فرماتے ہیں کہ اس خاندان کے مورث ٹھاکر گھنشیام داس نے جو متھرا میں سکونت رکھتے تھے، ہمایوں بادشاہ کو اس وقت کہ شاہ موصوف شیر شاہ سوری سے شکست کھا کر سندھ جاتے ہوئے متھرا سے گذرا مدد دی تھی جس کے صلہ میں اس بادشاہ نے ہندوستان پر دوبارہ تسلط کرنے کے بعد ۹۶۲ھ میں ٹھاکر گھنشیام داس کو امروہہ میں ۲۵ مواضعات جاگیر میں دئے اور عہدہ قانون گوئی پر مامور کیا۔ عطائے جاگیر کا کوئی فرمان نہیں دکھایا گیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ مواضعات جاگیر میں نہیں دئے گئے تھے بلکہ ان مواضعات کی قانون گوئی پر ان کا تقرر ہوا تھا۔ قانون گو کے پروانۂ تقرری میں مواضعات کی تفصیل درج ہوا کرتی تھی، فارسی تحریر سے ناواقفیت کی بنا پر ان مواضعات کو جاگیر سمجھ لیا گیا۔ قانون گو کے کسی عہدہ دار کو ایسی بڑی جاگیر کا دیا جانا ہرگز قرین قیاس نہیں۔ علاوہ ازیں ۹۶۲ھ جس میں یہ جاگیر عطا ہونا بیان کی جاتی ہے، مطابق ہوتا ہے ۱۵۵۵ء سے اور یہ وہ زمانہ ہے جبکہ ہمایوں بادشاہ ایران چلا گیا تھا

بابو بھگوتی سہائے بی۔اے ایل ایل بی وکیل امروہہ نے اس وقت جبکہ کتاب کی طباعت کا کام تقریباً ختم ہو چکا تھا عہد جہانگیری کا اصل فرمان خاکسار مؤلف کو دکھایا جس کے ذریعہ ان کے اجداد میں سے سندرداس اور مہر رائے پسران راگھوداس کو بارہ مواضعات کا عہدہ چودھرائی و مقدّمی اور پرگنہ امروہہ کا عہدہ **قانون گوئی** منجانب سلطنت اسلامی عطا ہوا تھا۔

فرمان کی عبارت سے ظاہر ہے کہ اس خاندان کے مورث جو ابتدأً ان عہدوں پر مقرر ہوئے "گھنشام داس عرف ٹھاکر کہنا" نہیں تھے بلکہ ان کا صحیح نام راگھو داس تھا۔ نیز عہدۂ چودھرائی و مقدّمی کے مواضعات کی تعداد ۲۵ نہیں بلکہ صرف ۱۲ تھی۔ ان بارہ مواضعات کو اس زمانہ کی اصطلاح میں "پتہ کنہاں" سے موسوم کیا جاتا تھا۔ چونکہ اس فرمان کی عبارت سے خاندان کائستھ چنیان ساکنان محلہ کالا کنواں کے خاندانی حالات پر یک گونہ روشنی پڑتی ہے اسلئے فرمان مذکور کے اندراج کی بدقت تمام ایک صورت نکالی گئی :-

چوں خدمت چودھرائی و مقدمی پتہ کنہاں و قانون گوئی پرگنہ امروہہ ... متعلق
کہ دوازدہ مواضع از پتہ مذکور حسب الضمن مہر راگھوداس قانون گوئی متعلق
بودہ چنانچہ دریں باب اسناد معتبر فرزندان او بدست دارند در ینولا سندرداس
و مہر رائے پسران [illegible]

گذشتند و بعرض مقدس رسید که راگھوداس فوت شد حکم جہان مطاع گردوں
ارتفاع بہ............ بہ پدر آنہا متعلق بودہ بمشار الیہا مفوض و
مرجوع بودہ باشد کہ کما ینبغی بلوازم مذکور قیام واقدام نمودہ در آبادانی و
بہ............ سعی و دولت خواہی بجا آورند و نگذارند کہ در پتہ مذکور بلیہ
دستم بشرکی واقعہ شود۔ الخ۔

پشت فرمان پر حسب ذیل عبارت مع تفصیل مواضعات پتہ کنہاں درج ہے

بتفصیل مواضع پتہ کنہاں بموجب یادداشت بدستخط جمدۃ الملکی مدار المہامی
اعتماد الدولہ آنکہ یادداشت چوں مواضع ذیل از اعمال پرگنہ امروہہ راکہ پتہ کنہاں
نام است بہ راگھوداس چودھرائی و مقدمی آں مواضع و قانون گوئی امروہہ سرکار
سنبھل تعلق داشتہ چنانچہ اسناد معتبر بدست دارند............
سال لباق............ اعلی اشرف ہمہرین منوال صورت ہیں
یافتہ است دریں ولا مشار الیہ ودلیت حیات سپردہ سندر داس دہر رائے
فرزندان مشار الیہ بدرگاہ معلی آمدہ حکم شد کہ تعلقات مواضع مذکور بدستور سابق
بہ سندر داس و ہر رائے فرزندان موصی الیہ و اولاد مقرر و مسلم دارند۔ شرح
حاشیہ بدستخط جمدۃ الملکی مدار المہامی۔ اسناد خود را بنظر در آوردہ بر طبق آں فرمان
عالی شان درباب چودھرائی مواضع مذکورہ مرقوم سازند۔

دوازدہ مواضع با مزرعہ متعلقہ پتہ کنہاں :۔

(۱) گھستو پور (۲) موہن پور (۳) عسکرپور (۴) راجپور (۵) نصیر پور با مزرعہ شیام پور
(۶) محمود پور (۷) منبہلہ (۸) مسعود پور (۹) رائے پور (۱۰) داس پور (۱۱) لبانا۔
(۱۲) دولہ پور

سالہ ۱۲۸ کاغذ دریدہ۔

ٹھاکر کہنیا کے پوتے کی شادی خاندان قانون گویان ساکن محلہ چوک میں ہوئی تھی، وہ اپنا نابالغ لڑکا چھوڑ کر فوت ہو گئے تھے، زمانہ نابالغی میں تمام کام ننھیال والوں نے کیا، بالغ ہونے پر جب انھوں نے اپنا کام واپس چاہا تو ننھیال والوں نے حق پرورش کا استغاثہ عہد جہانگیر میں کیا اس وقت ننھیال والوں کی خدمت کا لحاظ کر کے قانون گوئی کے مواضعات نصف نصف ان دونوں خاندانوں میں تقسیم کر دیے گئے۔ یہ روایت بابو بھگوتی سہائے بی۔اے ایل ایل بی وکیل امروہہ نے اپنے خاندانی حالات کے تذکرے میں قلمبند کر کے بھیجی ہے مگر خاندان قانون گویان کے اس فرمان عہد جہانگیری کے مضمون کے لحاظ سے، جس کا حوالہ کسی دوسری جگہ دیا گیا ہے، یہ روایت صحیح نہیں معلوم ہوتی۔ بہر حال واقعات جو کچھ بھی ہوں قانون گوئی کا عہدہ اس خاندان میں بھی عرصہ دراز تک رہا۔ ایام غدر ۱۸۵۷ء میں لالہ سمبر پرشاد قانون گو اس خاندان کے تھے، ان کے فرزند لالہ سنت پرشاد بھی قانون گو رہے۔ ان کے کوئی اولاد نہ تھی۔ اسی خاندان میں منشی من موہن لال بروقت ضبطی ملک اودھ لکھنؤ میں سررشتہ دار تھے، اس خاندان کے اور لوگ بھی حکومت انگریزی کے اچھے اچھے عہدوں پر مامور رہے ہیں موجودہ زمانہ میں بابو گوبند سروپ جج، بابو گوپال سروپ ڈپٹی کلکٹر، رائے صاحب جھیدا لال دیوان ریاست ناگود، جن کے چھوٹے بھائی بابو بھگوتی سہائے امروہہ میں وکالت کرتے ہیں، اسی خاندان میں نامور ہیں۔

سکسینہ کائستھ:- ان کی آبادی زیادہ تر محلہ منڈی چوب میں ہے۔ ان میں اکثر لوگ پٹواری

(گذشتہ سے پیوستہ)

اور سلطان فرید خاں الملقب بہ شیر شاہ سریر آرائے سلطنت تھا۔ اس سے پندرہ سال بعد ہمایوں ہندوستان واپس آیا ہے۔ ٹھاکر موصوف نے ہمایوں بادشاہ کی کوئی بڑی خدمت کی ہوتی جس کے صلہ میں وہ ۵۰۰ مواضعات کی جاگیر کے مستحق ہوتے تو قانون گوئی جیسے معمولی عہدہ کے بجائے ان کو کوئی بڑا منصب عطا ہوتا۔ اس اعتبار سے یہ روایت بھی ان روایتوں میں سے معلوم ہوتی ہے جو امروہہ کے ہندو مسلمانوں کے اکثر خاندانوں میں تعزز خاندانی کے سلسلہ میں مشہور ہیں لیکن کوئی تاریخی حیثیت ان کو حاصل نہیں۔

بھتے رہے ہیں اور اب بھی ہیں جن میں لالہ بھولا ناتھ اور لالہ دلواری لال وغیرہ ممتاز ہیں۔

بھٹناگر کائستھ :- ان کا نکاس بھٹنیر سے ہے اسلئے بھٹناگر کہلائے۔ سلطان غیاث الدین بلبن کے زمانے سے اس قوم کے لوگ مسلمان بادشاہوں کے دفاتر میں ملازم رہے۔ سلطان موصوف کے فرزند نصیر الدین قراخان کی عنایت اس قوم کے بعض اشخاص پر مبذول رہی۔ صوبہ بنگال کی عنان حکومت جب اس شہزادہ نے اپنے ہاتھ میں لی بھٹناگر کائستھوں کے متعدد اشخاص اس کی ملازمت میں تھے۔ بعض مقامات پر اس قوم کے لوگوں نے قانون گوئی وغیرہ کی خدمات انجام دیں۔ شراب خوری کا رواج ان میں زیادہ تھا۔ امروہہ میں یہ خاندان بھاگیرت ٹولہ میں ساکن ہے۔ ان میں بھی لوگ پٹواری رہے ہیں۔ لالہ روشن لال تھانہ دار ان میں ممتاز تھے۔

اہیر برہما پران میں بیان کیا گیا ہے کہ یہ لوگ چھتری مرد اور ویش عورت کی نسل سے ہیں لیکن قول مرجح یہ ہے کہ اہیر راجپوتوں کی اس یادو بنسی شاخ سے نکلے ہیں جن کا پیشہ مویشی چرانے کا تھا۔ رامائن و مہابھارت میں اہیرا (Abhiras) کا ذکر آتا ہے۔ دریائے تاپتی سے دیوگڈھ تک قطعات زمین کو اہیرانہ یعنی مویشی چرانے والوں کا ملک کہا جاتا تھا۔ ابتداً اس قوم کو سیاسی اقتدار بھی حاصل رہا۔ فرشتہ اور خزانہ عامرہ میں قلعہ اسیر گڑھ کو ان کی یادگار بتایا اور بیان کیا گیا ہے۔ الغرض ان کی تین بڑی شاخیں ہیں نند بنسی یادو بنسی اور گوال بنسی۔ امروہہ میں یادو بنسی اہیروں کی آبادی ہے جو زیادہ تر متصل محلہ بگلہ رہتے ہیں اور کچھ اہیر محلہ سرائے وغیرہ میں آباد ہیں۔ روساء اور زمینداروں کے یہاں ملازمت اور بیل بانی کی خدمت کرنا ان کا عام پیشہ رہا ہے۔

کاشتکاری پیشہ اقوام ہندؤں کی کاشتکاری پیشہ اقوام میں کاچھی (باغبان) اور مورہ قوم کے لوگ ہیں۔

کاچھی :- یہ قوم نہایت محنتی قوم ہے اور ہندوستان کے بڑے

حصہ میں باغبانی وغیرہ ان کا موروثی پیشہ ہے۔

لودہ:- یہ بھی کاشتکاری پیشہ ہیں۔ ان کے نسب کے متعلق بھی مختلف روایتیں ہیں۔ ایک یہ چھتری عورت اور اہیر مرد کی نسل ہیں دوسرے یہ چھتری مرد اور نیچ قوم کی عورت کی اولاد ہیں۔

شودر اقوام

۱- **بھڑبھونجا:-** ان کے متعلق روایت ہے کہ کہار مرد اور شودر عورت کی نسل سے ہیں۔ ان میں بھی سات کوری یا شاخیں بیان کیجاتی ہیں یعنی کنوجیا، سکسینہ اور ارتا وغیرہ۔ امروہہ میں یہ لوگ زیادہ تر اپنا پیشہ کرتے ہیں۔ تعداد بھی مختصر ہے۔

۲- **ہندو حلوائی:-** ان میں مختلف گوتر ہیں یعنی چھیپلا، بکرا، دوبے، کنوجیا، تلبھوجا وغیرہ۔ امروہہ میں ان کی تعداد بہت مختصر ہے اور اپنا پیشہ کرتے ہیں۔

۳- **دھوبی:-** دھوبیوں میں بھی مختلف گوتر ہیں یعنی پکھیا، کنوجیا، مگھیا، بیلوار، باتھم سرجا باتھم، ہبرکا، اجودھیا اور گوسر۔ امروہہ میں دھوبی زیادہ تر نگھیا گوتر کے ہیں۔ ہبرکا گوتر کے تین چوتھائی دھوبی مسلمان ہیں جو زیادہ تر لکھنؤ وغیرہ میں پائے جاتے ہیں۔ امروہہ میں صرف دو چار دھوبی مسلمان ہیں جو حال ہی میں باہر سے آگئے ہیں ورنہ زیادہ تر ہندو ہیں۔ ان کے عورت اور مردوں کی اخلاقی حالت بھی پست ہے۔ شراب نوشی کا بھی ان میں رواج ہے۔

۴- **چمار:-** بدما، دراآ اور برھادیورتا وغیرہ، ان کے متعلق بیان کیا گیا ہے کہ ملاح اور چنڈال عورت سے جو نسل چلی وہ چمار کہلائی۔ ان کی بھی سات گوتر بیان کی جاتی ہیں یعنی جتوا، کیان، کورل، جلیدآرہ، جھوسیا، برہیریا اور کوری یا کورچرا۔ آخر الذکر زیادہ تر اودھ میں ہیں اور جولاہہ کا پیشہ کرتے ہیں۔ چماروں کا عام پیشہ چمڑے کا کاروبار ہے۔ جسمانی ساخت کے اعتبار سے یہ قوم سیاہ فام بیان کی گئی ہے۔ مثل مشہور ہے کہ گندمی رنگ چمار اور سیاہ فام برہمن شاذ ہوتا ہے۔

करिआ ब्रह्मन गोर चमार । इनके साथ न उतरिये पार

بمرورِ ایام مختلف اقوام کے میل سے ان کے بعض افراد کے رنگ و ذہن میں بھی تبدیلی پیدا ہوگئی ہے۔ امروہہ کے مختلف مقامات پر کنارہ آبادی ان کی سکونت ہے۔

۵۔ بھنگی:۔ پرانوں میں کہا گیا ہے کہ برہمن مرد اور شودر عورت کی اولاد بھنگی کہلائی۔ ہندوستانی قومیت کا سب سے ادنیٰ عنصر یہی مظلوم قوم ہے۔ مختلف مقامات پر مختلف ناموں سے موسوم ہے یعنی بھنگی، لال بیگی، خاکروب، حلال خور، مہتر، چوہڑا وغیرہ۔ ان میں جو لوگ اپنے ہندو آباء و اجداد کے طریقہ پر رہے وہ لال گرو کی پوجا کرتے ہیں اور جو مسلمانوں کے تمدنی اثرات میں آگئے لال بیگ کو مانتے ہیں۔ ان میں بھی مختلف گوتر ہیں یعنی بنی وال، بیلپروار، ٹانک، گہلاٹ، کھوکی، گاگرا، سروہی، چندالیہ، سرساوال، سرمیار۔ بھنگی بھی چند قوموں مثلاً دہانک، سیکری، راوت اور ہیلوں کو اپنے سے نیچ سمجھتے ہیں۔

مذہباً بھنگی نہ ہندو ہیں نہ مسلمان۔ بعض رسمیں مسلمانوں کی انھوں نے اختیار کرلی ہیں، مردوں کا دفن کرنا، لال بیگ کے نام کی قربانی کرنا اور مردوں کے تیجے کی رسمیں ان میں عام ہیں۔ عشق و محبت کے جذبہ کی قوت نے ہندو مسلمانوں کے اعلیٰ طبقہ اور اونچی ذات کے بعض لوگوں کو سوسائٹی کے قواعد توڑنے پر بارہا مجبور کیا ہے۔ آج بھنگیوں میں خوبصورتی کے جو نمونے نظر آتے ہیں وہ ان ہی تعلقات کا نتیجہ سمجھئے۔ یہ لوگ بھی شہر کی آبادی کے کنارے ہر چہار طرف آباد ہیں۔ بڑے خدمتی اور محنتی ہیں۔ ان کے علاوہ کوٹے، کمہار وغیرہ یہاں آباد ہیں۔

امروہہ کے مسلمان

سنہ ۱۹۲۱ء کی مردم شماری میں امروہہ کے مسلمانوں کی تعداد ۲۹،۴۵۰ تھی، جن میں مرد ۱۴،۲۳۴ اور عورتیں ۱۵،۲۱۶ شامل ہیں۔ بہ اعتبار نسب مسلمانانِ امروہہ کو تین حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے یعنی عربی النسل، عجمی النسل اور ہندی الاصل۔

عربی النسل

ان میں بھی تین مختلف شاخوں کے لوگ امروہہ میں ہیں یعنی ہاشمی، قریشی اور انصاری۔ ہاشمیوں اور قریشیوں کے تو یہاں متعدد خاندان ہیں لیکن صحیح النسب انصاریوں کے صرف چند گھر ہیں۔

سادات بنی ہاشم:- امروہہ میں جتنے ہاشمی ہیں وہ سب ایک ہی دادا یعنی جناب عبدالمطلب کی نسل سے ہیں۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ جناب ہاشم کے فرزندوں میں سوائے عبدالمطلب کے اور کسی کی نسل دنیا میں باقی نہیں۔

لیس فی الارض ہاشمی الا من ولد عبدالمطلب بن ہاشم[1]	سوائے اولاد عبدالمطلب بن ہاشم کے دنیا میں اور کوئی ہاشمی نہیں۔

جناب عبدالمطلب کے بھی صرف دو بیٹوں یعنی جناب ابوطالبؑ و حضرت عباسؓ کی نسل میں سے چند خاندان یہاں ہیں یعنی اولاد حضرت علیؑ، اولاد حضرت عقیلؓ، اولاد حضرت جعفر طیارؓ ابنائے جناب ابوطالب اور اولاد حضرت عبداللہ بن عباسؓ۔

بہ اعتبار حسب و نسب اہل عرب میں سے قریش کو، قریش میں سے بنو ہاشم کو، اور بنی ہاشم میں سے بنو عبدالمطلب کو جو شرف و فضیلت حاصل ہے وہ محتاج تشریح نہیں۔ حضور سرور کائنات کا ارشاد ہے:-

خیر العرب مضر وخیر مضر قریش وخیر قریش بنو عبد مناف وخیر بنی عبد مناف بنو ہاشم وخیر بنو ہاشم بنو عبدالمطلب واللہ ما افترق فرقتان منذ خلق اللہ آدم الا کنت فی خیرہما[2]	بہترین عرب کے بنی مضر ہیں اور بہترین بنی مضر کے قریش اور بہترین قریش کے بنو عبد مناف اور بہترین بنو عبد مناف کے بنو ہاشم اور بہترین بنو ہاشم کے بنو عبدالمطلب۔ خداوند کریم نے جب سے حضرت آدم کو پیدا کیا اور فرقے بنائے مجھکو بہترین فرقوں میں پیدا کیا۔

---

[1] معارف ابن قتیبہ۔ [2] خصائص کبریٰ صفحہ ۳۷۔

شجرۂ نسب خاندان بنی ہاشم

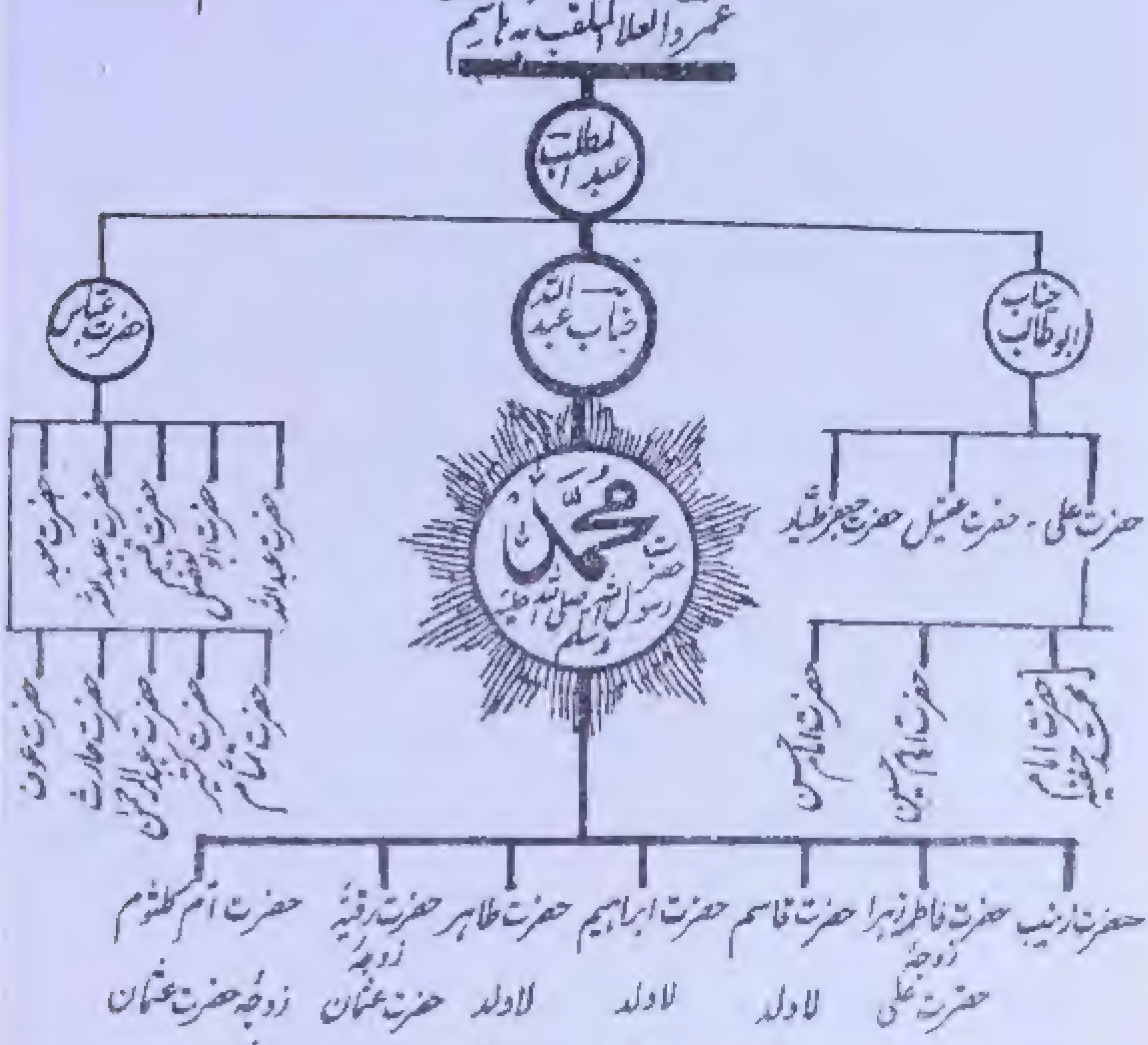

یہی خاندان، خاندان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہے، یہی لوگ اہل بیت و آل محمد ہیں یہی خمس و ذوی القربیٰ کے مستحق ہیں اور ان ہی پر صدقہ و زکوٰۃ حرام ہے ۔

بسان محمد علیہ السلام — زکوٰۃ است بر آل ہاشم حرام

پسند است ایں قوم را زاں شرف — کہ پاک اند چوں دُر بجوف صدف

ان ہی میں خواجہ کونین حضرت محمد مصطفےٰ امام الثقلین علی مرتضیٰ رض سیدۃ النساء فاطمہ زہرا، سید الشہدا حضرت حمزہ رض سید العرب و عم حضرت شفیع الناس حضرت عباس رض ذوالجناحین حضرت جعفر طیار رض، انجع العرب حضرت عقیل رض، سید شباب اہل الجنۃ حضرت امام حسن رض و حضرت امام حسین رض

حبر الامۃ سیدنا عبداللہ بن عباسؓ تھے۔ اس خاندان کا حسب و نسب، بزرگی و شرف اظہر من الشمس ہے۔ سیدنا عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں ؎

نَحْنُ اَهْلُ الْبَيْتِ شَجَرَةُ النُّبُوَّةِ وَ مُخْتَلِفُ الْمَلٰئِكَةِ وَاَهْلُ بَيْتِ الرِّسَالَةِ وَاَهْلُ الْبَيْتِ الرَّحْمَةِ وَ مَعْدَنُ الْعِلْمِ۔[1]	ہم اہل بیت خانۂ نبوت کے ستون ہیں ہمارا ہی گھر فرشتوں کی گذرگاہ تھا کہ یکے بعد دیگرے نزول کرتے رہتے تھے۔ ہم رسول اللہ کے گھر والے ہیں۔ ہم رحمت و معدن علم کے اہل بیت ہیں۔

شاعر کہتا ہے۔[2]

تعالی اللہ زہے قوم سرافراز — مقیمان حریم لطف و اعزاز
ازیشاں خانۂ دیں گشت پرنور — وزیشاں ملک احساں گشت معمور
فلک روشن ز نور رائے ایشاں — ملک بوسیدہ خاک پائے ایشاں
بود سر خیل ایں قوم مکرّم — وصیؐ سرور اولاد آدم
علی مرتضیٰؓ کز رفعت قدر — سپہر شرع را شد چوں مہ و بدر
دگر آں نور چشم اہل بینش — حسنؓ مہر سپہر آفرینش
دگر از جملۂ ایشاں حسینؓ ست — کہ مہرش مومناں را فرض عین است
دگر آں سید اہل شہادت — کہ عم مصطفیٰ[3] بود از سعادت
دگر عباسؓ کو عم نبیؐ بود — ز ارباب حسب ایم اجنبی بود
دگر جعفرؓ کہ از غایات اعزاز — نماید در بہشت عدن پرواز
دگر اولاد ایں جمع گرامی — کہ ملک شرع را بودند حامی
علوئے قدر ایں قوم شرفناک — بود برتر ز وصف عقل و ادراک
سلامے عطرساں چوں نافۂ چیں — درودے چوں نسیم صبح مشکیں

---

[1] معارف ابن قتیبہ [2] خصائص کبریٰ صفحہ ۲۰۴ [3] یعنی حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

نثارِ تربتِ پُر نورِ ایشاں — قرینِ روضۂ معمورِ ایشاں

لفظِ سیّد کا اطلاق

عربی زبان میں سیّد کا لفظ مختلف معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ سیّد اللہ تعالیٰ کو بھی کہتے ہیں، آقا کو بھی، رئیس و مقدّم کو بھی اور حلیم و کریم کو بھی۔

صاحب لسان العرب کہتے ہیں:۔ [1]

السیّد یطلق علی الرّب والمالک والشریف والفاضل والحلیم ومتحمل اذی قومہ والمزوج والرئیس والمقدّم ۔	سیّد رب اور مالک کو کہتے ہیں اور شریف، فاضل اور بُردبار کو بھی نیز اُس شخص کو جو اپنی قوم کی تکالیف برداشت کرے اور شوہر، رئیس اور مقدّم کو بھی

سیّد کے معنی افضل اور سردار کے بھی ہیں، ایک بدوی عرب جو اکثر حضور سرورِ کائنات کی خدمت میں حاضر رہتے تھے ان کی نسبت حضور نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا:۔

ھٰذا سیّد اھل الوبر { یہ جنگل کے لوگوں کے سردار ہیں

اسی طرح یوم جمعہ کی نسبت فرمایا گیا سیّد الایام یوم الجمعہ (یعنی دنوں میں افضل جمعہ کا دن ہے) یا سیّد الطّعام اللّحم (یعنی کھانوں میں افضل کھانا گوشت ہے) یہاں سیّد کے معنی افضل کے ہیں۔ سیّد اور شریف ہم معنی ہیں۔

السّودد والشرف معروف { یعنی سیادت و شرافت مترادف المعنی ہیں

غرضکہ سیّد کا لفظ عربی زبان میں حسب موقع و محل مختلف معنی میں آتا ہے۔ اصطلاحاً تمام بنی ہاشم پر اس کا اطلاق ہوتا ہے اور ہر ہاشمی بلا تخصیص الشریف یا السیّد سے ملقّب کیا جاتا ہے۔ صاحب ضاحیۃ الطرب لکھتا ہے:۔ [2]

اما بعد الاسلام فخص الشریف العربی فی سلالت الہاشمیۃ ویعبّر عنھا باھل البیت رائے صاحب الشریعۃ الاسلام	بعد اسلام کے عربی شرف خاندان ہاشم کے لئے مخصوص ہو گیا ہے یہی اہل بیت کے نام سے تعبیر کئے جاتے تھے (یعنی صاحب شریعت اسلامیہ کے گھر والے) ۔

---

[1] لسان العرب [2] ضاحیۃ الطرب فی تقدمۃ العرب ۔ مطبوعہ بیروت صفحہ ۳۸۔

فلا يعرف الشريف رسمًا ويطلق عليه لقب السيد الا اذا كان نسبه متصلا باحد من اهل البيت بدون التفات الى حالته ولا الى صنعته۔

پس رسمی کوئی شریف نہیں کہلائیگا کہ اس پر لقب سید کا اطلاق ہو، مگر اس وقت کہ اسکا نسب اہلبیت میں سے کسی کے ساتھ متصل ہو بغیر اس کی دنیوی حالت اور اسکے فن و پیشہ کے خیال کیے ہوئے۔

چنانچہ علامہ جلال الدین سیوطی نے رسالۂ زینبیہ میں اس کی تصریح کی ہے:۔

اسم الشريف يطلق فى الصدر الاول على كل من كان من اهل البيت سواء كان حسنيًا ام حسينيًا ام علويًا من ذرية محمد بن الحنفية وغيره من اولاد على بن ابى طالب ام جعفريًا ام عقيليًا ام عباسيًا ولهذا تجد تاريخ الحافظ الذهبى مشحونا فى التراجم بذلك يقول الشريف العباسى الشريف العقيلى الشريف الجعفرى الشريف الزينبى فلما ولى الفاطميون بمصر قصروا اسم الشريف على ذرية الحسن والحسين فقط واستمر ذلك بمصر الى الآن۔[1]

شریف (یعنی سید) کے لفظ کا اطلاق صدر اول میں تمام اہلبیت کے افراد پر ہوتا تھا خواہ وہ حسنی ہوں یا حسینی یا علوی، اولاد محمد بن حنفیہ سے ہوں یا سوائے ان کے حضرت علی ابن ابی طالب کی دوسری اولاد سے ہوں یا جعفری ہوں یا عقیلی یا عباسی۔ یہی وجہ ہے کہ ہم تاریخ حافظ ذہبی میں یہ دیکھتے ہیں کہ بھرے ہوئے ہیں لوگوں کے حالات میں انکے ساتھ یہ الفاظ کہا جاتا ہے ان کو سید عباسی، سید عقیلی، سید جعفری و سید زینبی لیکن جب بنی فاطمہ کی سلطنت مصر میں قائم ہوئی تو انہوں نے لفظ شریف (یعنی سید) کو منحصر کر دیا اولاد جناب حسن و جناب حسین کے لئے فقط اور یہ دستور اب تک مصر میں جاری ہے:

ہندوستان میں بھی اہل مصر کی تقلید کی گئی اور سید کا لقب بالعموم بنی فاطمہ کے لئے استعمال ہونے لگا۔ علامہ جلال الدین سیوطی آگے چلکر لکھتے ہیں کہ:۔

---

[1] اسعاف الراغبین صفحہ ۱۱۲ مطبوعہ مصر۔

قال الحافظ ابن حجر فی کتاب الالقاب الشریف ببغداد لقب لکل عباسی وبمصر لقب لکل علوی ولاشک ان المصطلح القدیم اولیٰ وهو اطلاقه علی کل علوی و جعفری وعقیلی وعباسی کما صنعه الذهبی وکما اشار الیه الماوردی من اصحابنا والقاضی ابو یعلی الفراء من الحنابلة کلاهما فی الاحکام السلطانیة ونحو قول ابن مالک فی الالفیه ۔ ؎	حافظ ابن حجر (عسقلانی) کہتے ہیں کتاب القاب میں کہ شریف (یعنی سید) بغداد میں ہر عباسی کا لقب ہے اور مصر میں ہر علوی کا۔ اور اس میں شک نہیں کہ قدیم مصطلح بہتر ہے اور وہ یہ ہے کہ اطلاق اسم شریف (یعنی سید) کا ہر علوی و جعفری و عقیلی و عباسی پر ہوتا ہے جیسا کہ ذہبی نے تحریر کیا ہے اور جس طرح ماوردی نے کہ ہمارے اصحاب میں سے ہیں اشارہ کیا ہے اور قاضی ابو یعلی فراء نے جو حنبلیوں میں سے ہیں احکام سلطانیہ میں ذکر کیا ہے اور اسی طرح قول ابن مالک کا الفیہ میں ہے

نسباً تمام بنو عبد المطلب مساوی الحیثیت ہیں اور باعتبار نسب ایک کو دوسرے پر قطعاً کوئی فوقیت نہیں۔ ان سب پر لفظ شریف اور سید کا اطلاق ہوتا ہے۔ حضور سرور کائنات کا ارشاد ہے۔ ؎

بنو عبد المطلب سادات اهل الجنة ﴿ عبد المطلب کی اولاد اہل جنت کی سردار ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سید کا لفظ اپنے اہل بیت کے مختلف افراد کے لئے مختلف موقعوں پر استعمال فرمایا ہے مثلاً حضرت فاطمہ صلوٰۃ اللہ علیہا کے لئے سیدة النساء اهل الجنة فاطمة یا اپنے عم محترم حضرت حمزہ کے لئے سید الشهداء حمزة یا حضرات حسنین علیہما السلام کے لئے سید شباب اهل الجنة الحسن والحسین یا حضرت عباس اور حضرت علی رض کے لئے انما سید العرب یا حضرت جعفر طیار کے لئے سید الشهداء جعفر۔ حضرت ابن مسعود رض سے یہ حدیث مروی ہے اور تقریباً ان ہی الفاظ میں دوسری حدیث حضرت علی سے مروی ہے۔ ؎

؎ اسعاف الراغبین صفحہ ۱۱۲ مطبوعہ مصر ؎ ینابیع المودۃ از جامع الصغیر علامہ جلال الدین سیوطی صفحہ ۱۵۔

قال رأيت النبي صلى الله عليه وسلم	فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرتؐ کو دیکھا کہ حضرت
امثل بید العباس بن عبد المطلب	عباسؓ کے ہاتھ کو پکڑ کر اونچا کیا اور فرمایا کہ یہ میرے
قال هذا عمی وصنو ابیه وسید	چچا ہیں، میرے باپ کے مثل ہیں اور میرے اعمام
عمومتی من العرب وهو معی فی	میں عرب کے سید (سردار) ہیں اور یہ میرے
السنام الاعلیٰ من الجنة۔	ساتھ ہونگے جنت کے درمیانی اعلیٰ حصہ میں۔

صاحب ناسخ التواریخ شیعی مذہب لکھتے ہیں:۔

"عباسؓ ابن عبد المطلب عم رسول خدا ئیست و سیدے از سادات اصحاب علی علیہ السلام"[۲]

سید شریف رضی برادر علم الہدیٰ سید مرتضیٰ فاطمی جو بغداد میں نقابت الاشراف[۱] کے معزز عہدہ پر مامور تھے، امیر المومنین القادر باللہ العباسیؒ کو مخاطب کرکے کہتے ہیں[۲]

عطفا امیر المومنین فاننا — فی دوحة العلیاء لا نتفرق

مابیننا یوم الفخار تفاوت — ابداً کلاناً فی المعالی معرق

الا الخلافة میزتک فاننی — انا عاطل منها وانت مطوق

یعنی اے امیر المومنین متوجہ ہو کر سن ہم دونوں نسب کے شجرۂ بلند میں ایک دوسرے سے جدا نہیں ہیں ہم دونوں میں فخر بیان کرنے کے وقت کسی قسم کی جدائی نہیں ہے خلافت نے تمھیں امتیاز بخشا ہے میں اس سے بے بہرہ ہوں اور وہ تمھارے گلے کی آرائش ہے

غرضکہ نسب کے معاملہ میں ایک ہاشمی کو دوسرے ہاشمی پر مطلق کوئی فضیلت نہیں۔ جو شخص کسی عباسیؒ کسی جعفریؒ کسی عقیلیؒ کسی علویؒ کو کسی فاطمیؒ سے نسبی معاملہ میں جدا کرتا ہے وہ بربنائے جہالت ایسا کرتا ہے۔ ان سب کا نسب قطعاً ایک ہے۔ کتاب حملہ

---

[۳] (مستعلق صفحہ ۱۷۴) ابن النجار از کنز العمال صفحہ ۶۸]

[۱] ناسخ التواریخ جلد ۳ از کتاب دوم صفحہ ۹۹۔ [۲] نقابت الاشراف کا عہدہ بغداد میں بہت معزز عہدہ خاندان نبوت کی تولیت کے امور سے متعلق تھا۔ [۳] تاریخ تمدن جرجی زیدان۔

حیدری مصنفہ سید مصطفےٰ اثیمی مذہب میں، جو جناب سلطان العلماء سید محمد مجتہد لکھنو کے ایماء سے شائع ہوئی اور آپ نے دیباچہ لکھا، حضرت عباسؓ عم رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے تذکرہ میں مختلف اشعار درج ہیں جن میں سید کا لفظ استعمال کیا گیا ہے لے۔

که عباس آں سید نامور　　مرا هست اکنوں بجائے پدر

بخندید حجاج از خرمی　　بدو گفت ای سید هاشمی

دگر باعث شهرت آں خبر　　چنیں گفت کاے سید نامور

بگفتند با خنده و خرمی　　که اے نامور سید هاشمی

صاحب عماد السعادت، جو شیعی مذہب فاطمی سید ہیں، ایک عباسی سید، نواب ثابت جنگ میر علی قلی خان عباسی کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

"اگرچہ خان مشار الیہ سید عباسی النسب و برادرزادہ حسن قلی خان وزیر شاہ طہماسپ صفوی ثانی است" ۲ے

خلاصہ کلام یہ کہ سید و شریف کا لقب ہر ہاشمی کا لقب ہے خواہ وہ حسنی و حسینی ہو یا علوی و عقیلی یا جعفری و عباسی۔ یہی لوگ آپس میں ایک دوسرے کے عصبہ و ہم کفو ہیں۔ سلطنت کی رقابتوں اور جھگڑوں نے البتہ بھائی بھائی میں بُعد و جدائی پیدا کر دی تھی ورنہ پہلے سب ایک ہی خاندان تھا، باہم ارتباط و اتحاد اور محبت و خلوص تھا۔ آج امر و مبتہ کے ایک شیعہ فاطمی اور سُنی عباسی میں بدقسمتی سے بُعد و مخالفت کی ایک خلیج حائل ہے لیکن پہلے ان ہی کے مورثوں میں باہم کوئی الفت

لے حملۂ حیدری مطبوعہ صفحہ ۴۲ و ۵۰۔ ۲ے عماد السعادت مطبوعہ

محبت تھی۔ ذرا چچا بھتیجے کے تعلقات محبت کا حال تاریخ میں دیکھئے۔[۱]

عن صہیب قال رأیت علیا یقبل ید العباس ورجلیہ	حضرت صہیب فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت علی کو دیکھا کہ حضرت عباس رضؓ کے ہاتھ پیر کو بوسہ دیتے تھے

پھر حضرت عباسؓ کو جو محبت اپنے اس فخرِ خاندان اور لائق بھتیجے حضرت علیؓ سے تھی اور جس درجہ وہ ان کو خلافت کا مستحق سمجھتے تھے اس کا اندازہ آپ کے اُن مقولوں سے ہو سکتا ہے جو کتبِ تاریخ میں مندرج ہیں۔ حضرت عباسؓ کے بعد آپ کی اولاد امجاد بھی خلافت کے جھگڑوں میں حضرت علیؓ کے ساتھ رہی حالانکہ حضرت علیؓ کے حقیقی بھائی حضرت عقیل جناب امیر معاویہ کے ساتھی تھے اور جنگ صفین تک میں اپنے بھائی سے علیحدہ رہے۔[۲] اس زمانہ میں شادی بیاہ بھی صرف اپنے خاندان میں محدود تھا۔

کان سائر بنات علی عند ولد العقیل وولد العباس[۳]	حضرت علیؓ کی سب صاحبزادیاں حضرت عقیل اور حضرت عباسؓ کے صاحب زادوں کو منسوب ہوئی تھیں۔

نسب باپ سے لیا جاتا ہے یا ماں سے

علم نفسیات و تشریح الابدان لوران تمام مباحث سے قطع نظر کرکے جو نطفہ و استقرار حمل کے مسائل سے متعلق ہیں محض اقوام عالم کے دستور و رواجات پر اگر نظر کی جائے تو یہ حقیقت آشکارا ہوتی ہے کہ متمدن دنیا کا کوئی طبقہ ایسا نہیں جس میں نسب باپ سے نہ لیا جاتا ہو۔ انسانوں کے علاوہ جانوروں تک کی نسل بھی نر ہی کی جانب منسوب کی جاتی ہے۔

اس حقیقت مسلمہ عالم کے خلاف جن اشخاص نے بنوہاشم یا بنوعبد المطلب میں فاطمی و غیر فاطمی کی تفریق شروع کی تھی انھوں نے اُس زمانہ کی سیاسی ضرورتوں اور مقاصد حالیہ کی بنا پر ایسا کیا تھا اور اس پروپیگنڈے کا منشا و مقصد بھی صرف اس قدر تھا کہ ایک

---

[۱] کنز العمال از ابن المقری فی الرخصۃ [۲] شہد عقیل صفین مع معاویہ (عمدۃ المطالب) [۳] سیاست و تجسیہ مطبوعہ مصر ...

ہی خاندان کی مختلف شاخوں میں سے ایک شاخ کی کوئی وجہ فضیلت قرار دیکر اپنے طرفداروں کی جماعت میں اضافہ کیا جائے۔ اس سیاسی پروپگنڈے کا ثبوت اُن بہت سی موضوع احادیث سے چلتا ہے جو بنو فاطمہ و بنو عباس کی مدائح میں اُس زمانہ میں تصنیف ہوئی تھیں۔

نسب کے معاملہ میں نسبت مادری کے اصول کو اگر اہمیت دی جائے تو وہ نتیجہ پیدا ہوتا ہے جس کا ذکر صاحب عماد السعادت نے کیا ہے، وہ لکھتے ہیں کہ:-[1]

در توران رسمی است که سیادت از طرف مادر می‌گیرند و بحث‌ها بریں دارند، اگر پدر شیخ است یا مغل و مادر شخص سیده باشد سید است، شیخ نیست به خلاف اہل ایران که آنجا چنیں کس را که از بطن سیده متولد است شریف می‌نامند از ہمیں جہت اکثر تورانیاں در توران و جمعے جامیان و امیر الدین خان در ہند ملقب به میر اند با آنکه نسب ایشان منتہی به شیخ شہاب الدین سہروردی است و شیخ شہاب الدین رحمۃ اللہ علیه از نسل محمد بن ابوبکرؓ بوده۔ بلکه بریں ہم موقوف نیست که مادر شخص سیده باشد ہمسر یا مادر مادر و مادر پدر نباشد، مانع کیست و خواہے سیادت باید کرد۔

ملک توران میں یہ دستور ہے کہ سیادت ماں کی جانب سے لی جاتی ہے۔ وہاں کے لوگ اس کے متعلق بحثیں کرتے ہیں مثلاً اگر کسی شخص کا باپ شیخ یا مغل ہو مگر ماں سیدانی ہو تو وہ شخص شیخ نہیں ہوگا بلکہ سید ہوگا برخلاف اس کے اہل ایران ایسے شخص کو جو کسی سیدانی کے بطن سے پیدا ہو شریف کہتے ہیں۔ اسی وجہ سے تورانیوں کے اکثر باشندے، اور ہندوستان کے آصف جاہی اور امیر الدین خان میر کے لقب سے ملقب ہیں حالانکہ ان کا نسب شیخ شہاب الدین سہروردی پر منتہی ہوتا ہے اور شیخ شہاب الدین سہروردی محمد بن ابوبکرؓ کی نسل سے تھے۔ جب یہ بات ہے تو اسی پر کیا موقوف ہے کہ ماں سیدانی ہو بلکہ کسی کی نانی یا دادی بھی سیدانی ہو تو سے سیادت کا دعویٰ کرنا چاہیے، اس طرح سید بننے میں آخر مانع کیا بات ہے۔

ہندوستان کے بعض مقامات پر بھی اس مہمل دستور کی تقلید کی گئی اور شاید اب تک کیجاتی

---

[1] عماد السعادت صفحہ ۷۱۔

ہے کہ کسی شیخ یا مغل نے کسی سیدانی سے نکاح کر لیا، اور اس کے بطن سے جو اولاد ہوئی سید کہلانے لگی، گویا آباؤ اجداد شیخ یا مغل تھے ان کی اولاد نے نسبِ مادری کی بنا پر نسب میں ترقی حاصل کی اور شیخ یا مغل سے سید ہو گئے۔ یہ نتیجہ ہے اسی مادری نسب کے اہمیت دینے کا۔ لیکن عجیب بات یہ ہے کہ جب نسب کا انحصار ماں پر رکھا جاتا ہے تو سادات کے وہ سیکڑوں خاندان جن کا مادری نسب غیر کفو کی عورتوں حتیٰ کہ کنیزوں سے چلتا ہے وہ کیوں سید کے سید بنے ہوئے ہیں، یہاں کیوں نسبِ مادری ترک کیا گیا۔ کسی ایک اصول کی پابندی ہونی چاہئے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ اصول ہی لغو اور مہمل ہے۔ نسب کی نسبت ماں سے نہیں باپ سے ہے اور یہی اصول مسلمۂ اقوامِ عالم ہے۔

لیکن اس سے زیادہ لغو اور مہمل وہ قدریہ ہے کہ بعض لوگ سیادت کا انحصار سلسلۂ نسب پر نہیں بلکہ مذہب پر کرتے ہیں، ان لوگوں کے نزدیک شیعیت اور سیادت مترادف المعنی ہے۔ مثلاً بعض شیعہ حضرات لفظ سید کا اطلاق بنی ہاشم و بنو عبد المطلب میں سے صرف بنی فاطمہ کے لئے مخصوص کرتے ہیں لیکن غیر بنی فاطمہ خواہ بنو ہاشم ہوں یا غیر بنو ہاشم جب شیعی مذہب اختیار کر لیتے ہیں تو محض شیعیت کی بدولت سیادت کا دروازہ ان کے لئے کھل جاتا ہے اور وہ میر صاحب یا سید صاحب سے مخاطب ہونے لگتے ہیں لیکن ان ہی کے ہم جدی، جو شیعیت قبول نہیں کرتے، شیخ صاحب کہلاتے ہیں۔ اس کی ایک مضحکہ انگیز مثال صاحب تاریخ واسطیہ کی تحریر صفحہ نمبر ۳۰ پر ہے۔ بنو عقیل فاطمی نہیں اور اسلئے امروہہ کے اکثر شیعہ حضرات کے نزدیک جو بنی عبد المطلب میں سے غیر بنی فاطمہ کو مستحق سیادت نہیں سمجھتے، سید نہیں ہیں لیکن امروہہ کے عقیلی چونکہ اب مذہباً شیعہ ہیں اسلئے صاحب واسطیہ کے نزدیک سید ہیں، سادات امروہہ کی برادری میں شامل ہیں، ان سے ان کے رشتے ناتے ہیں اور سب سے بڑھکر یہ کہ صاحب تاریخ واسطیہ نے ان کو سیادت کا سرٹیفکیٹ عطا کیا ہے۔ ان کا نسب سیادت گو وہ غلط ہی سہی، مؤلف واسطیہ نے جو بقول خود "قدوۂ ارباب محترم صاحب قلم آل

رسول، عترۃ الزہرا آل البتول عالی نسب والا حسب السید رحیم بخش صاحب امروہوی نے اپنی کتاب میں درج فرمادیا ہے لہٰذا یہ سندی شدہ ہیں۔ صاحب تاریخ واسطیہ اگر بقید حیات ہوتے تو خاکسار مؤلف ان کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کرتا کہ جناب کے نزدیک عقیلی اگر نسباً سید کہلانے کے مستحق ہیں تو پھر جعفری کیوں نہیں، تو پھر علوی کیوں نہیں، تو پھر عباسی کیوں نہیں؟ نسباً تو یہ سب ایک ہیں، پھر ان میں یہ تفریق کیوں؟ غالباً وہ یہی جواب دیتے کہ صاحب ہمارے نزدیک ہر شیعہ خواہ وہ شیخ ہو، میراثی ہو، نائی ہو غرض کوئی ہو سید اور ہر سنی خواہ وہ ہاشمی و مطلبی کیوں نہ ہو شیخ ہے۔ چنانچہ اس کی تائید میں امروہہ ہی میں متعدد مثالیں مل سکتی تھیں۔

حضرات حسنین علیہم السلام کو جو شرف اور بزرگی جناب سیدۃ النساء فاطمہ زہرا بنت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بطن سے متولد ہونے میں حاصل تھی وہ صرف ان ہی حضرات تک محدود تھی، اپنے ذاتی فضائل کے اعتبار سے بھی یہ دونوں بزرگ ہستیاں مسلمانوں کے نزدیک محبوب ہستیاں تھیں، وہ بیشک سید الشادات تھے، لیکن نسب کے معاملہ میں نسبت مادری کو ان کی اولاد امجاد میں بھی اہمیت دی جائے تو پھر سوچیے کیا نتیجہ برآمد ہوگا؟

امروہہ کے ہاشمی خاندان

امروہہ میں حضرت علی رضی کی نسل سے زیادہ تر حسنی و حسینی سادات ہیں، بعض لوگ اپنے کو آپ کے نامور فرزند امام محمد بن حنفیہ کی اولاد سے بھی بتاتے ہیں جو اہل ہند کی اصطلاح میں "علوی" مشہور ہیں۔

حسنی: ان میں بڑا خاندان اولاد سید سراج الدین قادری کا ہے جن کا سلسلۂ نسب حضرت محی الدین شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ تک پہنچتا ہے۔ ان کی زیادہ تر سکونت محلہ جلد میں ہے کچھ لوگ محلہ شاہ علی سرائے میں بھی ساکن ہیں۔

دوسرا خاندان حضرت شاہ شکر اللہ عارف باللہ قادری دستار سیاہ (کالی پگڑی) کا ہے حضرت

شاہ صاحب کا سلسلۂ نسب شاہ ابو تراب شیرازی قدس سرہٗ سے متصل ہوتا ہے۔ اس خاندان میں اب صرف چند اشخاص باقی ہیں۔

حسینی :- ان میں سب سے قدیم، تعداد میں سب سے زیادہ اور معزز و باوقار خاندان اولاد سید العارفین سید حسن الملقب بہ سید شرف الدین شاہ ولایت کا ہے، حضرت ممدوح کا سلسلہ نسب حضرت امام علی نقی رضؓ سے متصل ہوتا ہے۔ ان سادات نقوی کی سکونت شہر کے اکثر محلّوں میں ہے۔ آپ کے فرزند اکبر قاضی سید امیر علی کی نسل سے اکثر لوگ محلہ لکڑہ، حقانی میں اور کچھ گھر محلہ قاضی زادہ، محلہ جنڈو اور محلہ چیدرن میں ملقب بہ متوّلی ہیں۔ ان کے علاوہ موضع اغوانپور، شہر بریلی و دہلی وغیرہ میں ساکن ہیں۔

آپ کے فرزند اصغر سید عبدالعزیز کی اولاد سے امروہہ میں اکثر لوگ محلہ دربار کلاں، ملک ذہنی گذری، شفاعت پوتہ، مجاپوتہ، ارزانی پوتہ (محلہ بنگلہ) چبوترہ، کٹرہ غلام علی، راجہ سرائے میں ساکن ہیں اور کچھ گھر محلہ سرائے کہنہ، حقانی و گھیر کرم علی خان میں ہیں اور کچھ لوگ امروہہ سے باہر مثلاً سنبھل، فیروز پور و کنور پور ضلع فتح پور ہسوہ میں سکونت رکھتے ہیں۔

دوسرا خاندان حسینی سادات کا قاضی زادگان کا ہے۔ تاریخ واسطیہ کی اشاعت سے پیشتر تک اس خاندان کے حضرات اپنے کو حضرت شاہ ولایتؒ کے بھائی کی اولاد بتاتے رہے۔

تا امیدم سن رسیدہ حضرات قاضی زادہ نیز می گویند کہ ما از اولاد برادر صاحب ولایت بودند۔	اس وقت تک حضرات قاضی زادگان کے بڑے بوڑھے بھی کہتے رہے ہیں کہ ہم حضرت شاہ ولایت کے بھائی کی اولاد ہیں۔

امروہہ کے تاریخی حالات میں سب سے قدیم کتاب مولوی محب علی خان عباسی کی تالیف "آئینۂ عباسی" ہے جو اب سے تقریباً ۸۰ برس پہلے شایع ہوئی تھی، اس میں مختلف خاندانوں کے نسب کے متعلق وہی روایات درج کی گئی ہیں جو زمانۂ حال کے جدت پسند طبائع کے اختراعات سے

---

[1] اس شاخ کا سلسلۂ نسب مندرجہ تاریخ واسطیہ صحیح نہیں۔ تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو حصہ دوم۔ [2] بیاض قلمی مولوی سید محمد حسن نا... [illegible]

بہت پیشتر سے خود ان خاندانوں اور سکنائے شہر میں سلف سے مشہور چلی آتی تھیں۔
قاضی زادہ صاحبان کے نسب کے متعلق صاحب آئینۂ عباسی لکھتے ہیں :-

"ایک گروہ ملقب بہ قاضی زادہ اُن کے بزرگ پہلے سیّد صاحب (یعنی حضرت
شاہ ولایتؒ) کے ہمراہ ان کے یہاں آئے ہیں اور سیّد صاحب سے عقیدت حاصل
کی۔ بڑے شریف اور معزز ہیں۔ الخ" [1]

لیکن تاریخ واسطیہ کے مؤلف نے، جو خاندان قاضی زادگان میں سے تھے، اپنے خاندان کا
سلسلۂ نسب حضرت شاہ ولایتؒ کے فرزند اکبر قاضی سیّد امیر علی سے جا ملایا ہے جو از روئے تحقیق
ہرگز صحیح نہیں۔ ان کی سکونت زیادہ تر محلہ کوچہ قاضی، محلہ بھوکہ دھوتے والا، مجاپوتہ و چپیدر
و صندو میں ہے۔ ایک گھر کندر کی ضلع مراد آباد میں ساکن ہے (تفصیلی بحث کے لئے ملاحظہ ہو حصہ دوم)۔
تیسرا خاندان ملقب بہ نوگیاں حضرت شاہ نصیر الدین جشنی قدس سرہ کی نسل سے ہے،
جن کا سلسلۂ نسب سیّد عمر اشرف بن امام زین العابدینؒ تک منتہی ہوتا ہے۔ امروہہ میں ان کی تعداد
بہت مختصر ہے اور زیادہ تر محلہ نوگیاں میں ساکن ہیں۔ شاہ صاحب کے عم محترم سیّد عزیز الدین
کی نسل سے ایک بڑا خاندان موضع نوگانوہ میں ساکن ہے، ان ہی میں سیّد عبد الرؤف بن ڈاکٹر
سیّد خادم علی بھی ہیں جو محلہ نوبت خانہ میں سکونت رکھتے ہیں۔
حضرات نخشبی [2] کا خاندان بھی امروہہ میں قدیم اور معزز خاندان ہے، تاریخ اصغری نیز نخبۃ التواریخ
میں، جو اسی خاندان کے ایک ذی استعداد عالم مولانا آل حسن نخشبی کی تالیف ہے، اس خاندان کا

---

[1] آئینۂ عباسی مؤلفہ مولوی محبّ علی خان عباسی۔ [2] نخشبی سے مراد ہے "نخشب کا رہنے والا"۔ ساتویں صدی ہجری کا مشہور
شاعر شیخ ضیاء الدین نخشبی جس نے بدایوں میں اقامت اختیار کی تھی، اپنے اصلی وطن کا ذکر کرتا ہے اور کہتا ہے سارا شہر سے
دہر جائے متاعِ قیمتی خیزد ؛ ضیا از نخشب و شکر ز مصر و سعدی از شیراز۔ نخشب کو عرب کے جغرافیہ نویس نسف بھی
لکھتے ہیں۔ یہ مقام سندھ کے علاقہ میں بخارا و سمرقند کے مابین واقع ہے۔ موجودہ زمانہ میں اس مقام پر شہر قرشی بسا ہوا ہے۔

سلسلۂ نسب حضرت خواجہ مودود چشتیؒ سے متصل کیا گیا ہے' اور بعض کتب سیرۃ المشائخ میں حضرت خواجہ ممدوح کو امام علی نقیؑ کی نسل سے بتایا گیا ہے' تقریباً ڈھائی تین سو برس پیشتر اس خاندان کے بزرگ اپنے ناموں کے ساتھ سید یا مودودی کا لفظ نہیں لکھتے تھے نیز قدیم کاغذات میں اس خاندان کے بعض اشخاص اپنے ناموں کے ساتھ "شیخ" کا لفظ بھی لکھتے رہے ہیں غالباً اسی وجہ سے مؤلف تاریخ واسطیہ نے اس خاندان کا شمول سادات امروہہ میں نہیں کیا۔ (تفصیلی بحث کے لئے ملاحظہ ہو حصّہ سوم) اس خاندان میں بھی اب صرف چند گھر امروہہ میں ہیں' کچھ محلہ نخشبی میں باقی ایک دو محلے بچدرہ و بیگم سرائے میں ہیں۔

ان قدیم خاندانوں کے علاوہ یہاں حسینی سادات کے چند اور خاندان ہیں جن کے مورث عہد مغلیہ میں وقتاً فوقتاً بیرونجات سے امروہہ میں آکر متوطن ہوئے۔ ان میں بڑا اور معزز خاندان' خاندان دانشمندان ہے۔ اس خاندان کے جد القبیلہ مولٰنا سید اشرف دانشمند[1] عہد جہانگیری میں امروہہ آئے' سلسلۂ نسب سید موسیٰ مبرقع بن امام محمد تقی الجوادؑ تک پہنچتا ہے۔ سید موصوف کی اولاد "رضوی" کہلاتی ہے۔ اس خاندان کی زیادہ تر سکونت

(گذشتہ سے پیوستہ)

نخشب وہی مقام ہے جہاں دوسری صدی ہجری کا مشہور مدعی نبوت المقنع پیدا ہوا۔ اس شخص کا اصلی نام عطا تھا' وہ کوتاہ قد و کریہہ المنظر تھا۔ ابتداءً ابو مسلم خراسانی' خاندان عباسیہ کے مشہور نقیب' کے ساتھیوں میں تھا بعد میں ماوراء النہر کا پیغمبر بن گیا' اس کے متعلق مشہور ہے کہ ایک مصنوعی چاند "ماہ نخشب" ہر شب کو "چاہ نخشب" سے نکالتا تھا۔ اسی وجہ سے اہل فارس اس کو "سازندۂ ماہ" کہتے تھے۔ اس کے ماننے والوں کی بڑی کثیر تعداد ہو گئی تھی جو "مبیضی" کہلاتے تھے۔ یہ لوگ چار سال تک خلیفۂ عباسی کی فوج کے مقابل آتے رہے بالآخر امیر المومنین مہدی بن المنصور العباسی نے دو ہزار سواروں کی جمعیت بھیجکر اس مدعی نبوت اور اس کے ساتھیوں کا قلع قمع کرا دیا۔ امروہہ کے خاندان نخشبی کے مورث بھی اسی مقام نخشب سے اپنے کو منسوب کرتے تھے اسلئے نخشبی کہلائے اور انکی اقامت گاہ محلہ نخشبیان سے موسوم ہوئی

[1] (صفحہ ۱۸۳) ابتدائے عہد مغلیہ میں نیز اس سے پیشتر سے ان علماء و فضلاء کو جنہیں کوئی تبحر علمی حاصل ہو "دانشمند" سے ملقب

محلہ دانشمنداں میں ہے۔

اسی طرح خاندان سادات بارہہ ملقب بہ جڑودیہ، جو حضرت زید بن امام زین العابدینؓ کی اولاد میں ہیں، ابتداءً ان کی سکونت اس مقام پر تھی جو ان کے نام سے جڑودیہ[۱] مشہور ہوا۔ ان کی ایک شاخ کی سکونت عرصۂ دراز سے محلہ مجھر ٹھہ میں رہی، ان ہی میں بخشی والے بھی ہیں جن میں سے ایک خاندان اب محلہ نوگیاں میں ساکن ہے۔ ان کے مورث مقام جڑودہ سے آئے اسلئے جڑودیہ مشہور ہوئے[۲]۔ ان کے علاوہ خاندان سادات کاظمی ساکن محلہ کنکوئی اولاد سید محمد اشرف ہے جن کا سلسلۂ نسب امام موسیٰ کاظمؑ سے متصل ہوتا ہے۔ نیز خاندان ہمدانی ساکن محلہ دانشمنداں جو اپنے کو اولاد سید علی ہمدانی بتاتے ہیں، نیز خاندان سادات سامانہ ساکن محلہ صابون گراں گولی والے سید، نگلی والے سید وغیرہ وہ خاندان ہیں جن کا شمول علیٰ وجہ الشہرۃ امروہہ کے سادات فاطمی میں ہوتا رہا ہے ان کے علاوہ بعض اور خاندان مثلاً دکھنی سید جن میں سید محمد الطاف وغیرہ ہیں نیز دلی والے سید[۳] ساکنان محلہ دربار کلاں، نیز خاندان حفاظ ساکنان محلہ مولانا بھی اپنے کو فاطمی سید بیان کرتے ہیں لیکن ان کا شمار مندرجہ بالا گروہ سادات میں نہیں ہوتا۔

آول الذکر خاندانوں کی باہم قرابتیں اور رشتہ داریاں ہیں اور عرف عام میں انکے مجموعہ پر "سادات" کا اطلاق کیا جاتا ہے۔ خاندان بخشی کا شمار البتہ تقریباً دو ڈھائی سو برس سے اسی گروہ سادات میں ہونے لگا ہے، اس سے پیشتر ان کا قبیلہ ایک جدا گانہ تھا جو "قبیلہ بخشیاں" سے معروف و مشہور تھا اور ان کی قرابتیں بھی دوسرے قریشی شرفا میں ہوتی ہیں۔

(گذشتہ سے پیوستہ)

کرتے تھے۔ جو نے زمانہ حال کے ایم۔ اے۔ کی ڈگری کے مساوی ہیں[۱]۔ مولانا موصوف کی اولاد اسی لقب کی بناء پر خاندان دانشمنداں سے مشہور ہوئی اور ان کا اقامت گاہ بھی اسی نام سے موسوم ہوا۔ [۱] نہ یہ مقام سادات بارہہ کی بستیوں کا ہم

[۲] اس خاندان کے علاوہ سادات بارہہ میں سے چند اور اشخاص بعض محلوں میں ہیں کن میں تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو حصہ دوم سے محلہ شاہی چبوترہ

مندرجہ بالا خاندانوں کے علاوہ یہاں چند خاندان ایسے بھی ہیں جو باوجودیکہ مختلف زمانوں اور وقتوں سے اپنے کو سادات فاطمی کہتے ہیں لیکن عرصہ دراز سے باستثناء چند بہت قدیم قرابتوں کے جو ان موخر الذکر خاندانوں میں سے بعض کی مقدم الذکر فاطمی سادات سے ہوئیں اور جن کا علم بھی اب کسی کو نہیں لیکن جنکے ثبوت میں بعض قدیم دستاویزات خاکسار مؤلف کے پاس موجود ہیں، ان کے تمام تر تعلقات رشتہ داری و برادری یہاں کے ہاشمی غیر فاطمی اور قریشی خاندانوں سے ہوتے رہے اور اب تک ہوتے ہیں اور انکا شمار امروہہ کے "طبقہ شرفا" میں کیا جاتا ہے۔ اس بنا پر اور بعض دوسری وجوہ سے، جنکی تفصیل دوسرے موقع پر کی گئی ہے، ان خاندانوں کی سیادت و فاطمیت میں عام طور سے تردد اور مقدم الذکر فاطمی خاندانوں کی طرف سے اظہار انکار بھی کیا جاتا ہے۔ یہ تردد اور انکار کہاں تک صحیح اور تاریخی واقعات و حالات پر مبنی ہے اسکے متعلق حصہ سوم ملاحظہ ہو۔

موخر الذکر خاندانوں میں سب سے بڑا خاندان حضرت پیرزادگان اولاد قدوۃ العارفین حضرت شاہ ابن بدر چشتی قدس سرہ العزیز کا ہے۔ یہ حضرات اپنے کو فاطمی النسب کرمانی الاصل سید کہتے ہیں اور اپنا سلسلہ نسب حضرت امام علی الرضا تک پہنچاتے ہیں۔

حضرت شاہ ابن اور آپ کی اکابر اولاد کے جو تذکرے اور حالات مختلف کتب تاریخ اور مشائخ کے تذکروں میں ملتے ہیں انمیں ان حضرات کے ناموں کے ساتھ عموماً لفظ شیخ پایا جاتا ہے حتی کہ خود یہ تمام حضرات بھی تقریباً دو صدی تک، اپنے ناموں کے ساتھ بالعموم لفظ شیخ کا اور بعد میں لفظ پیر کا بذات خود استعمال کرتے رہے۔ بعض فرامین منصب میں قوم شیخ اولاد چشتی بھی تحریر ہے لیکن برخلاف اسکے ملا عبدالقادر بدایونی صاحب منتخب التواریخ نے حضرت شاہ ابن کے تذکرے میں "سید مشار الیہ" تحریر کیا، اور اس کتاب کے ایک قلمی نسخہ میں سید ابن بھی تحریر ہے نیز ایک قدیم پروانہ کی نقل میں اس خاندان کو کہا

(گذشتہ سے پیوستہ)
میں کچھ اور لوگ بھی اپنے کو دلی والے سید کہتے ہیں، مشہور ہے کہ ان کے بزرگ خاندان لکھوان کے ساتھ دہلی سے امروہہ آئے تھے

بزرگ کے نام کے ساتھ لفظ سید کا بھی اطلاق کیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں یہ بھی امر واقعہ ہے کہ سلسلۂ طریقت و مشیخت چند پشتوں تک اس خاندان میں متوارث رہا۔ اس بنا پر ناموں کے ساتھ محض لفظ شیخ کا استعمال اگر اسکے خلاف دوسرے شواہد موجود ہوں منافی دعاوی سیادت و فاطمیت نہیں ہوسکتا۔ بہرحال خاکسار مؤلف نے حصہ سویم میں اسکے متعلق تفصیلی بحث کی ہے کہ اس خاندان کا دعوی سیادت و فاطمیت کہاں تک صحیح اور تاریخی شواہد اور واقعات پر مبنی ہے اور یہ خاندان نسبًا کس شاخ سے تعلق رکھتا ہے۔

دوسرا قدیم خاندان حضرات دستار کلاں ڈبربچہ، ساکنان محلہ مولا وچاہ ملا امان کا ہے۔ یہ اپنا سلسلۂ نسب حضرت سید جلال اعظم گل سرخ بخاریؒ تک پہنچاتے ہیں۔ ان کا دعوی سیادت بھی تقریبًا نصف صدی یعنی تحفۃ التواریخ کی تصنیف و اشاعت کے زمانہ سے ہے۔ اس گروہ میں حقیقتًا دو جداگانہ خاندان شامل ہیں جو نسبًا مختلف ہیں یعنی ایک خاندان اولاد شیخ داؤد ڈبربچہ ان میں مولانا حکیم محمد حسن مرحوم کا خاندان ہے اور دوسرا ملا امان اللہ کی اولاد کا جس میں منشی ابراہیم علی مرحوم کا خاندان ہے۔ تفصیلی بحث کے لئے ملاحظہ ہو حصہ سویم۔

علوی:۔ سابق میں یہاں سادات علوی اولاد حضرت امام محمد حنفیہ بن حضرت علی ابن ابیطالبؑ میں حضرت شاہ عبدالمجید علویؒ کا ایک خاندان تھا لیکن اس خاندان کا کوئی فرد اب عرصہ دراز سے امروہہ میں موجود نہیں۔ حضرت شاہ بہاؤ الدینؒ کے خاندان والے البتہ اپنے کو علوی کہتے ہیں۔ صاحب آئینۂ عباسی لکھتے ہیں:[1]

ایک گروہ ملقب بہ "سنگرہ علوی حنفی" کہتے ہیں۔ ان میں شاہ جی بہاؤ الدین، خلیفہ صاحب علی، خلیفہ روشن علی وغیرہ ہیں۔"

صاحب تحفۃ التواریخ نے اور مولوی شاہ ضیاء الدین ابن حضرت شاہ بہاؤ الدینؒ نے اس خاندان کو بھی حضرت شاہ عبدالمجید علویؒ کے خاندان کی دوسری شاخ ظاہر کیا ہے لیکن دیرینہ کاغذات سے اس کی تائید نہیں ہوتی۔ علاوہ ازیں مولوی شاہ ضیاء الدین نے اپنی تالیف "مرآۃ الانساب" میں جو بڑے اہتمام کے ساتھ ۱۹۱۶ء میں شایع ہوئی تھی یوں تو دنیا بھر کے نسب ناموں کی تحقیق کی ہے لیکن خود اپنے خاندان کا جو نسب نامہ درج کیا ہے اس میں

---

[1] آئینۂ عباسی۔

نہایت شدید غلطیاں کی ہیں شلاً اپنا سلسلۂ نسب انھوں نے حضرت امام محمد حنفیہ کے صاحبزادہ امام ابوہاشم عبداللہ سے متصل کیا ہے حالانکہ تمام قدیم کتب انساب میں ابوہاشم کو غیر معقب بتایا گیا ہے' معارف ابن قتیبہ جیسی مستند اور قدیم ترین کتاب میں انکے متعلق لکھا ہے کہ لاعقب لہٗ[1] یعنی ان کے کوئی عقب نہیں تھا پھر اس سے زیادہ شدید غلطی یہ کی ہے کہ حضرت سالار مسعود غازیؒ کو ابوہاشم عبداللہ کی اولاد میں ظاہر کرکے ان سے اپنے خاندان کا نسب جا ملایا ہے حالانکہ حضرت سالار مسعود غازیؒ کی شخصیت کوئی غیر معروف شخصیت نہیں۔ ہندوستان کے عوام بھی اس سے واقف ہیں کہ نوعمری میں انہوں نے شہادت پائی' اس وقت تک انہوں نے نکاح بھی نہیں کیا تھا' بعض مقامات پر تو وہ "بالے میاں" کے نام سے موسوم ہیں۔ مشہور ہے کہ حضرت غازیؒ کی شادی ہونے والی تھی کہ انہوں نے شہادت پائی اسلئے شادی کی یادگار کے طور پر بعض مقامات پر یہ رسم بھی ادا کی جاتی ہے۔ مجھے شاہ ضیاء اللہ صاحب کی علویت سے انکار نہیں لیکن جو نسب نامہ انہوں نے اپنی کتاب میں درج کیا ہے وہ ہرگز صحیح نہیں۔

یہ خاندان' جیساکہ صاحب آئینہ عباسی نے لکھا ہے' عرف عام میں "سنگرڈ" مشہور ہے۔ صاحب تاریخ اصغری سنگرڈوں کی وجہ تسمیہ کے متعلق لکھتے ہیں کہ :-[2]

"مورث اعلیٰ ان کے شاہ خداوند غازی مقام سنگرڈ علاقہ پنجاب سے آکر یہاں سکونت پذیر ہوئے لہٰذا سنگرڈے کہلائے"۔

لیکن یہ وجہ تسمیہ بھی کچھ قرین قیاس نہیں معلوم ہوتی۔ پنجاب میں کوئی مقام اس نام کا خاکسار مؤلف کو تحقیق نہیں ہوا البتہ سنگرڈھ[3] ہندو راجپوتوں کی ایک شاخ کا نام ضرور ہے

---

[1] معارف ابن قتیبہ [2] تاریخ اصغری صفحہ ۱۹۲ [3] سنگرڈھ۔ یہ راجپوتوں کی مشہور قوم ہے' قدیم زمانہ سے اودھ میں ایک عرصہ دراز تک ان کا راج رہا ہے۔ یہ لوگ اپنا مورث اعلیٰ سنگھی یا سرنگی رشی کو بتاتے ہیں جس کی شادی قنوج کے راجہ

ممکن ہے کہ کسی علوی بزرگ نے، جیسا کہ ایک روایت بھی مشہور ہے، سنگرہ قوم کے کسی بزرگ کو دین اسلام میں داخل کیا ہو اور بطور ولادہ "سنگرہ علوی حنفی" مشہور ہو گئے ہوں واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔

جعفری حضرت جعفر طیارؓ ابن ابی طالبؓ کی اولاد میں یہاں کئی خاندان ہیں۔ پہلا اور مشہور و معروف خاندان حضرت شاہ محمد فیاض قدس سرہ کا خاندان ہے۔ حضرت ممدوح کے صلب سے تو کوئی فرد امروہہ میں باقی نہیں البتہ انکے برادر زادہ اور مرید و خلیفہ حضرت شاہ عضدالدین کی نسل سے خاندان میاں سوتج[1] ہے۔ ان میں یہاں اب صرف مجتبیٰ شاہ علاء الدین جعفری کی ایک ذات ہے، خدا سلامت رکھے۔

دوسرا خاندان مولوی محمد حسین جعفری ساکن محلہ چاہ شور کا ہے، ان کی اولاد میں مولوی سید علی زینبی وغیرہ ہیں۔

تیسرا خاندان چودھری صاحبان ساکنان محلہ چاہ شور کا ہے جو آخر عہد اکبری میں قصبہ سکیٹہ سے آکر امروہہ میں آباد ہوئے اسلئے سکیتی مشہور ہیں۔ اگرچہ اس خاندان کا کوئی قدیم

(گذشتہ سے پیوستہ) کی بیٹی سے ہوئی تھی جس سے پدم رشی پیدا ہوا، اس کا بیٹا پورن دیو تھا جس نے دکھن میں ایک زبردست سلطنت قائم کی تھی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ۹ پشتوں تک سنگروں کی سلطنت دکھن میں رہی اس کے بعد یہ لوگ مقام دھار میں آئے یہاں بھی عرصہ دراز تک رہے۔ ان کے ایک سردار بکھہ دیو کی شادی قنوج کے راٹھور راجہ جے چند کی بیٹی راجکماری دیو کلا سے ہوئی۔ اسی جے چند کو سلطان شہاب الدین غوری نے ۱۱۹۳ء میں شکست دی۔ اس قوم کے لوگ اضلاع اٹاوہ وغیرہ میں زیادہ تر پائے جاتے ہیں۔ اس میں سے کچھ لوگ مسلمان بھی ہو گئے ہیں۔ (مہو اُرس ہسٹری آف ایلیٹ)

[1] صاحب تحفۃ التواریخ نے محلہ قاضی زادگان میں اولاد سید مظہر علی و نیاز علی و جناب علی کو شاہ سوتج کا ہم جدی لکھا ہے۔ خاکسار مؤلف کو اس کی پوری تحقیق نہ ہو سکی، دیرینہ کاغذات سے سوائے شاہ سوتج کے ایک شاخ کے اور کسی شاخ کا پتہ نہیں چلتا۔

ان حضرات میں مشتاق آل علی عرف پیرا کا خاندان ساکن محلہ قاضی زادگان کا ہے۔

شجرۂ نسب باوجود جستجو کے خاکسار مؤلف کو دستیاب نہیں ہوا تاہم یہ اپنے کو جعفری کہتے ہیں۔ صاحب تاریخ اصغری کہتے ہیں کہ :[1]

"اور کچھ اشخاص جعفری بھی اسی محلہ (یعنی محلہ بخشی) کے ایک حصہ میں سکونت پذیر ہیں
جن کے مورث مقام بکھنڈ سے آکر یہاں سکونت پذیر ہوئے لہٰذا ان کو بکھنی کہتے ہیں۔
یہ لوگ خاندان شاہ موج کے ہم جدی ہیں۔ محمد اکبر اور جان محمد اور عبد الحی بن مبارک
اور مبارک ولد عبد القادر اس گروہ میں نامور شخص اور معزز عہدہ دار شاہی گذرے ہیں الخ"

صاحب منتخب التواریخ اس خاندان کا تفصیلی ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ :-[2]

"سیادت جعفری زینبی این جماعت بدرجہ شہرت معتبرہ است و از قدیم بزرگان ایشان معزز و ممتاز بودہ اند"

اس گروہ کی سیادت جعفری زینبی شہرت معتبرہ کے درجہ پر ہے اور ان کے بزرگ قدیم سے معزز اور ممتاز رہے ہیں

ان میں منشی سبط علی آنریری مجسٹریٹ، چودھری غلام صادق، چودھری سعید حسن اور منشی انوار الحق وغیرہ کا خاندان ہے۔

عقیلی :- ابتداءً ان کی سکونت محلہ ملانہ میں تھی، سابق میں اس خاندان میں نامور طبیب ہوتے رہے۔ نوشاہ جن کا مزار درگاہ شاہ ولایت میں ہے اسی خاندان سے تھے۔ کچھ عرصے سے ان کے بزرگ محلہ شفاعت پوتہ میں ساکن ہو گئے، اب صرف چند افراد اس خاندان میں ہیں۔ اس خاندان کی سیادت عقیلی علیٰ وجہ الشہرت مسلم ہے لیکن صاحب واسطیہ نے جو شجرۂ نسب صفحہ ؟ پر درج کیا ہے اس میں اس خاندان کا سلسلۂ نسب حضرت عقیل کے مشہور صاحبزادے حضرت مسلم سے ملایا ہے جو صحیح نہیں۔ حضرت مسلم غیر معقب ہیں۔ حضرت عقیل کا عقب صرف انکے ایک صاحبزادے محمد سے باقی رہا (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو حصہ سوم) مشہور ہے کہ ابتداءً امروہہ میں اس خاندان کے مورث آگرہ سے آئے جہاں ان کی سکونت محلہ نائی کی منڈی میں تھی۔

عباسی | امروہہ میں صرف دو بھائیوں کی اولاد سے عباسیوں کے تقریباً پچاس گھر ہیں جو

---

[1] تاریخ اصغری صفحہ ۱۰۱ [2] منتخب التواریخ صفحہ ۹۱

زیادہ تر محلہ مولانا، سرائے کہنہ اور محلہ حقّیہ میں ہیں۔ اس خاندان کے تاریخی حالات تاریخ اصغری وغیرہ میں بتفصیل مذکور ہیں، بجائے اس کے کہ اپنے خاندان کے حالات میں خود اپنے قلم سے لکھوں یہ زیادہ مناسب سمجھتا ہوں کہ کسی غیر شخص نے جو لکھا ہے اسے نقل کردوں مسٹر ایچ۔ آر۔ نیول، آئی۔ سی۔ ایس، مؤلف مرادآباد ڈسٹرکٹ گزیٹر، امروہہ کے خاندان عباسیہ کے متعلق لکھتے ہیں :۔[۱]

"۱۲۶۱ء (مطابق ۶۵۹ھ) میں (امیر المومنین) معتصم باللہ آخری خلیفہ عباسی جب مغلوں کے ہاتھ سے شہید ہوگئے تو اس خاندان کے صرف چند افراد باقی بچے، ان میں سے ایک فرد محمد احمد نامی بھاگ کر مصر گئے وہاں پہنچ کر انہوں نے پھر خلافت و سلطنت قائم کی۔ دوسرے شخص محمد یوسف براہ سمندر ملک سندھ میں آئے، یہاں (سلطان) غیاث الدین بلبن نے (امیر المومنین) ہارون الرشید اعظمؒ کے پوتے کی حیثیت سے ان کا بہت کچھ اعزاز و اکرام کیا۔ ان کے فرزند ملک تاج الدین عباسی نے سلطان جلال الدین فیروز خلجی کے عہد حکومت میں بڑا مرتبہ حاصل کیا۔ ان کے بیٹے ملک معین الدین ہوئے جن کے فرزند مخدوم زادہ شرف الدین عباسی کو سلطان محمد بن تغلق نے عمدۃ الملک اور مخدوم زادہ[۲] کے خطابات سے سرفراز کیا۔ ان کے بیٹے شمس الدین ہوئے جو سلطان فیروز شاہ کے اراکین میں سے تھے لیکن ۱۳۹۸ء میں تیمور کے حملہ کی وجہ سے جب دہلی کے بہت سے اعلیٰ خاندان وہاں سے منتشر ہوگئے تو یہ بھی مع اپنے صاحبزادوں کے امروہہ آئے اور یہاں سکونت اختیار کی۔ ان کے اخلاف میں متعدد اشخاص نامور اور مشہور علماء و فضلاء میں سے ہوئے مثلاً مولانا رکن الدین بزمانہ ہمایوں............... الخ"

---

[۱] مرادآباد ڈسٹرکٹ گزیٹر مطبوعہ ۱۹۱۱ء صفحہ ۱۰۹۔ [۲] اس زمانہ میں ہر عباسی کو مخدوم زادہ کے لقب سے ملقب کرتے تھے صاحب تاریخ فرشتہ لکھتا ہے "دراں عصر ہر کہ از خاندان خلفائے عباسی بود بہ مخدوم زادہ ملقب می گشت" صفحہ ۱۲۵۔

مؤلف ڈسٹرکٹ گزیٹیر نے اس بیان میں غلطی کی ہے کہ مخدوم زادہ شمس الدین عباسی بذات خود امروہہ میں سکونت پذیر ہوئے[1]۔ فتنۂ تیموری کے بعد وہ مع دیگر اعزا کے پنجاب چلے گئے جہاں اس خاندان کی ایک شاخ جو کھابلیاں ضلع گجرات میں اب تک آباد ہے۔

کچھ عرصہ پنجاب میں رہنے کے بعد ان کے فرزند مولانا رکن الدین عباسی مع اپنے خاندان کے امروہہ آئے۔ ان ہی کی نسل سے دو خاندان یہاں آباد ہیں۔ اس خاندان کے علاوہ محلہ مولانہ کے کچھ اور لوگ بھی اپنے کو عباسی کہتے ہیں لیکن خاکسار مؤلف کو باوجود تفحص و تلاش ان کے قدیم کاغذات جن سے ان کے نسبی حالات پر روشنی پڑتی بہم نہیں پہنچے۔ صاحب آئینۂ عباسی لکھتے ہیں:[2]

"ایک گروہ ملقب بہ چڑیا عباسی کہتے ہیں، غلطت علی وغیرہ[3] ان میں ہیں قرابت سے ہے اور سب صاحب شریف ہیں"

شیوخ قریشی

امروہہ کے قریشیوں میں صحیح النسب صدیقیوں اور فاروقیوں کے چند خاندان ہیں۔ بعض لوگ اپنے کو عثمانی بھی کہتے ہیں۔

عرب میں خاندان قریش کو جو مرتبہ اور فضیلت حاصل رہی ہے اس کا اجمالی تذکرہ کسی دوسری جگہ کیا گیا ہے۔ حضور سرور کائنات کا ارشاد ہے کہ۔

---

[1] مخدوم زادہ شمس الدین عباسی کے ایک پوتے کا نام بھی شمس الدین تھا اور عرف مولانا بابن وہ امروہہ میں سکونت پذیر تھے۔ غالباً صاحب ڈسٹرکٹ گزیٹیر کو اسی مماثلت اسمی کی وجہ سے دھوکہ ہوا۔ [2] آئینۂ عباسی صفحہ ۲۵۔
[3] بعض حضرات لفظ چڑیا کی تاویل کرتے ہیں کہ ان کے مورث چڑیا کوٹ (ضلع اعظم گڈھ) سے جہاں عباسیوں کا ایک مشہور خاندان آباد ہے، امروہہ آئے اسلئے چڑیا کوٹی عباسی کہلائے کثرت استعمال سے چڑیا کوٹی کا صرف چڑیا باقی رہ گیا۔ واللہ اعلم لیکن چڑیا کوٹ کے خاندان عباسیہ کے شجرہ میں اس شاخ کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

فضل اللہ قریشاً بسبع خصائل بأنی منھم وان نبوۃ فیھم وان الحجابۃ فیھم والسقایۃ فیھم ونصرھم اللہ علی الفیل وعبدوا اللہ عشر سنین لا یعبدہ غیرھم وانزل فیھم سورۃ من القرآن لم یذکر فیھا احد غیرھم لایلاف قریش

یعنی قریش کو تمام اقوام پر جو فضیلت حاصل ہوئی اس کی سات وجوہات ہیں، میں ان میں سے ہوں، نبوّت ان میں ہے، بیت اللہ کی دربانی (رتبہ) ان میں ہے، حجاج کی سقایہ ان میں ہے، اصحاب فیل (حبشی جابر اور قوی قوم) پر خداوند عالم نے ان کی مدد کی انہوں نے دس سال کامل خدا کی عبادت کی حالانکہ اور لوگ شرک میں مبتلا تھے، خدا نے ان کے متعلق ایک کامل سورت اتاری جس میں سوائے ان کے اور کسی کا ذکر نہیں وہ سورۃ "لایلف قریش" ہے

صدیقی ان میں زیادہ قدیم خاندان ساکنان محلہ قریشی کا ہے، ان کے مورث قاضی نظام الدین صدیقی قبل تشریف آوری حضرت شاہ ولایتؒ امروہہ کے عہدہ قضا پر مامور تھے۔ قاضی نظام الدین سے چند خاندان متفرق ہوئے۔ ایک خاندان نگینہ میں ہے، دوسرا خاندان اودھ میں رہا۔ راجہ صاحب محمود آباد و تعلقداران ہیٹوہ منوکا خاندان اسی نسل سے ہے۔ تیسرا خاندان پنجاب میں ساکن ہے۔ چوتھا خاندان امروہہ میں ہے۔

صدیقیوں کا دوسرا قدیم خاندان شیخ معین الدین ناگوری کا ہے جو بارہ پوتیوں کے نام سے موسوم ہے۔ اس میں اب صرف محدودے چند لوگ ہیں۔

ان قدیم خاندانوں کے علاوہ صدیقیوں کا ایک خاندان سات پوتوں کا ہے، ان میں حاجی خورشید علی ساکن محلہ سرائے کہنہ کا خاندان ہے۔

دوسرا خاندان اولاد شیخ برہان الدین شہید ساکنان محلہ صدو کا ہے جو "مرزا" کے لقب سے مشہور ہیں۔ ان میں مرزا نعمت اللہ وغیرہ ہیں۔

تیسرا خاندان اولاد شیخ عبدالحکیم بن شیخ سعد اللہ کا ہے جو عرف عام میں "داڑھی رنگے"

شیخوں کے لقب سے مشہور ہیں۔ ان میں شیخ رضا علی بن شیخ شرف علی و شیخ فضل حق بن شیخ فیروز علی ابنائے شیخ فضل علی بن شیخ قطب الدین بن شیخ عطاء اللہ بن شیخ نور محمد بن شیخ بدر بن شیخ محمد شفیع بن شیخ عبد الحکیم بن شیخ سعد اللہ مذکور، ساکنان محلہ گھیر مناف، شیخ ایزد بخش بن شیخ حیدر بخش ساکنان محلہ شیخ چاہن، منشی قدرت اللہ ولد شیخ کفایت اللہ ساکنان محلہ پیرزادگان شیخ امجد شاہ ولد شیخ نادر علی ساکنان محلہ بازار رزاق وغیرہ کے خاندان میں۔ اس خاندان کے نسب وغیرہ کا تفصیلی ذکر صاحب نخبۃ التواریخ نے صفحہ ۱۱۹ پر کیا ہے۔ صاحب آئینہ عباسی لکھتے ہیں کہ

> "کچھ شیوخ محلہ مولانہ میں ملقب بہ ڈبکوری شیخ صدیقی ہیں، رستم علی وغیرہ اور بعض ملقب بہ داڑھی رنگے یہ بھی صدیقی کہے ہیں، خلیفہ محمد بخش وغیرہ (یعنی خاندان شیخ ایزد بخش وغیرہ ساکنان محلہ شیخ چاہن) ان میں ہیں ...... اور محلہ گھیر مناف میں ...... شیخ فیروز علی وغیرہ (یعنی مورث خاندان شیخ فضل حق و شیخ رضا علی ساکنان گھیر مناف) داڑھی رنگے ہیں ......"

اس خاندان کے بعض حضرات نے زمانہ حال میں شیخ عبد الحکیم بن شیخ سعد اللہ اصلی مورث کے بجائے محض مماثلت اسمی کی بنا پر سید عبد الحکیم نبیرہ حضرت شاہ ولایت کو جن کے کوئی اولاد نہ تھی، اپنا مورث قرار دینے کی کوشش شروع کی ہے۔ حالانکہ اس خاندان کے مورث حقیقی شیخ عبد الحکیم بن شیخ سعد اللہ بالکل جدا شخص ہیں، جو ۱۱۳۳ھ میں کہیں باہر سے آکر امروہہ میں متوطن ہوئے۔ اور اسی زمانہ میں اپنی سکونت کے لئے محلہ مولانہ میں ایک مکان مبلغ روپیہ میں خرید کیا۔ ان کے ایک دختر مسماۃ سلیمہ خاتون اور سات فرزند ہوئے۔ شیخ فیض محمد، شیخ برہان، شیخ محمد، شیخ محمد عارف، شیخ عبد الرحمن، شیخ محمد یوسف اور شیخ محمد شفیع۔ ان ہی بھائیوں کی نسل سے حضرات شیوخ الملقب بہ "داڑھی رنگے" کا خاندان ہے یعنی شیخ محمد شفیع کی نسل سے خاندان شیخ فضل حق و شیخ رضا علی ساکنان محلہ گھیر مناف، شیخ محمد یوسف کی نسل سے خاندان خلیفہ خدا بخش وغیرہ ساکنان محلہ شیخ چاہن جن میں اب شیخ ایزد بخش بن شیخ حیدر بخش وغیرہ ہیں۔

اور دوسرے بھائیوں کی اولاد سے دوسرے اشخاص ساکنان محلہ بازار رزاق و کنگولی
وغیرہ ۔ اس خاندان میں بھی ادعائے سیادت صرف بعض اشخاص یعنی منشی قدرت اللہ ساکن
محلہ پیرزادگان و منشی شہید علی وغیرہ ساکنان محلہ گھیر مناف کی جانب سے عجیب طریقہ پر شروع
ہوا ہے، اس خاندان کے دوسرے لوگ شیخ ایزد بخش وغیرہ ساکنان محلہ شیخ جامن ان کے
اس ادعاء سے متفق نہیں ۔ سیادت کے ادعاء میں مختلف اوقات میں دو شجرے مرتب ہو کر شائع
ہو چکے ہیں ۔ پہلے شجرہ میں تو اس شاخ کے نام بھی شامل کئے گئے تھے جو محلہ شیخ جامن میں
ساکن ہیں لیکن جب یہ لوگ کسی طرح بھی اس امر میں ان کے ہم آہنگ نہ ہوئے اور مدعیان
سیادت کا مضحکہ اُڑانے لگے تو جو شجرہ حال میں شائع ہوا ہے اس میں سے مخالفین ادعائے سیادت
کے نام خارج کر دیے گئے اور یہ شجرہ صرف اُن ہی اشخاص کے ناموں تک محدود کر لیا گیا جو اپنے
ناموں کے ساتھ "سید نقوی" لکھنے کے زیادہ آرزومند ہیں۔

خاکسار مولف کے پاس اس خاندان کے جو دیرینہ و مستند کاغذات ہیں ان سے اس دعوے
کی قطعی طور پر تکذیب ہوتی ہے۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو حصۂ سوم۔

ان خاندانوں کے علاوہ خاندان منشی عبد الرب نجیب ولد منشی شبیر علی ساکن محلہ شیش محل
و شیخ محمد صادق ساکن محلہ چاہ ملا امان جو ڈبجوری مشہور ہیں، نیز خاندان مولوی برہان الدین
و شیخ بدر الدین ساکنان محلہ چاہ شور، نیز خاندان شیخ عبد الرحمن و شیخ عبد الکریم ابنائے شیخ
احمد علی بن شیخ مہر علی بن شیخ مبارک علی صدیقی ساکنان محلہ کنگولی، نیز خاندان حکیم حکمت اللہ
خان محلہ جلپہ و خاندان حکیم کرامت علی محلہ سوال النسبا صدیقی مشہور ہیں۔ ان کے علاوہ
خاندان شیوخ (المشہور بہ صندو والے) اور شہر کے بعض اور خاندان بھی اپنے کو صدیقی کہتے
ہیں ۔ واللہ اعلم بحقیقت حال ۔ خاندان شیخ فضل حق عطار (چاہ ملا امان) بھی صدیقی مشہور ہے۔

فاروقی ایک بہت قدیم، معزز اور صحیح النسب خاندان اولاد حضرت بابا فرید الدین
گنج شکر قدس سرہ ساکنان محلہ شیخ زادگان (جھنڈا شہید) کا ہے جس میں سے

بعض لوگ محلہ مولانہ میں ساکن ہیں اور ایک گھر محلہ چلہ میں بھی ہے۔ ان میں مولوی فرید احمد منشی محمد حسنین وغیرہ ساکنان محلہ جھنڈا شہید و بابو شوکت حسین وغیرہ ساکنان محلہ مولانہ کا خاندان ہے۔

ان کے علاوہ ایک خاندان ملقب بہ "وکیلان" ہے، یہ لوگ بھی اپنے کو فاروقی کہتے ہیں۔

عثمانی محلہ قاضی زادگان میں خلیفہ مہدی علی کا خاندان اور کچھ لوگ محلہ کٹکوئی و کوٹ و کالی پگڑی میں نیز صوفی عبدالرزاق ساکن محلہ بجدیہ اپنے کو عثمانی کہتے ہیں۔

شیوخ انصاری

امروہہ میں صحیح النسب انصاریوں کا ایک خاندان اولاد مولوی مظہر علی و حافظ نذراللہ ساکنان محلہ مولانہ کا ہے۔ ان ہی شیخ عبداللہ انصاری بھی تھے جنھوں نے مذہب شیعہ اختیار کرلیا تھا، شیش محل ان ہی کی یادگار ہے۔ یہ لوگ نسباً انصار کے قبیلۂ بنی تیم سے ہیں۔

ان کے علاوہ خاندان حکیم انعام اللہ ساکن محلہ قریشی و شیخ فدا علی و شیخ سلطان احمد وغیرہ ساکنان محلہ تراولیہ بھی اپنے کو انصاری کہتے ہیں۔

عجمی النسل ان میں مغل، پٹھان اور قزلباشوں کے خاندان ہیں۔

مغل :- خاندان مرزا مقصود علی و مرزا ضیاءالدین ساکنان محلہ چاہ غوری اور محلہ دربار کلاں و محلہ توپخانہ میں چند لوگ مغل مشہور ہیں۔

پٹھان :- امروہہ میں ایسے بہت سے خاندان ہیں جو اپنے ناموں کے ساتھ "خان" کا لفظ استعمال کرتے ہیں، لیکن نسباً نہ وہ افغان ہیں اور نہ مغل۔ ان میں سے بعض سادات اور خاندان کمبوہ وکلاں کے اشخاص ہیں جن کے بزرگوں کو عہد شاہی میں "خان" کا خطاب تھا۔

ان کی اولاد اب تک اس خاندانی خصوصیت کے اظہار کی غرض سے "خان" کا لفظ اپنے ناموں کے ساتھ استعمال کرتی ہے۔ ان کے علاوہ بعض وہ خاندان جو ہندوؤں کی شریف اقوام یعنی راجپوت، تگے اور گوجروں سے کسی زمانہ میں مسلمان ہوئے وہ بالعموم "خاں" کا لفظ اپنے ناموں کے ساتھ استعمال کرتے ہیں۔ اصلی پٹھانوں وافغانوں کے یہاں معدودے چند خاندان ہیں مثلاً خاندان اَبُو خاں ساکن محلہ چاہ مُلّا اماں و بعض خاندان ساکنان محلہ نیازیاں و کٹکوئی وغیرہ۔

یوں تو امروہہ کے تمام عربی عجمی النسل مسلمانوں یعنی سادات و شیوخ میں جن کے بزرگوں کو ہندوستان یا امروہہ آئے پانچ پانچ چھ چھ صدیاں ہو گئیں، ذہنی و اخلاقی تنزل کی وہ نوبت پہنچی ہے، سیرتیں ایسی بدل گئی ہیں اور صورتیں ایسی تبدیل ہو گئیں کہ ؎

گر سلف دیکھیں ہماری زندہ ہو کر اب ہمیں   آئے نسبت اور قرابت سے ہماری انکو عار

اسی سے جسمانی انحطاط کا بھی قیاس ہو سکتا ہے، اسلاف کے وہ "برودوش" اب کہاں ؎

وہ برودوش اور وہ سینے پہلوانی کیا ہوئے   وہ قدِ بالا وہ چہرے ارغوانی کیا ہوئے

لیکن افغانوں اور پٹھانوں کے اکثر خاندانوں کو ہندوستان آئے اتنی زیادہ مدت نہیں ہوئی کہ ان کی قومیت کا اظہار ان کی جسمانی حالت اور چہروں سے نہ ہو سکے۔ امروہہ میں معدودے چند خاندان ایسے نکلیں گے جن کے بیشتر افراد میں پٹھانوں کی شباہت آتی ہو حالانکہ شاہجہاں پور، رام پور بلکہ اسی ضلع کے مقام حسن پور وغیرہ میں جو پٹھان خاندان آباد ہیں باوجود موجودہ دور تنزل و انحطاط کے شجرہائے نسب کے اوراق سے کہیں زیادہ ان کے چہرے اور ان کی جسمانی ساخت ان کی افغانیت کا بیّن ثبوت ہیں۔

قزلباش:- امروہہ میں قزلباشوں کا صرف ایک ہی خاندان ہے جو تقریباً چالیس سال سے یہاں متوطن ہے یعنی خاندان آغا نوازش علی خان و آغا صادق حسین خان وغیرہ۔ آغا برکت حسین انشا سید ہیں۔ قزلباش نسباً ترک ہیں۔ امیر تیمور صاحب قِران نے فتح روم

کے وقت ترکوں کے بعض قبائل کو، جو قوم آسازا کے نام سے موسوم تھے گرفتار کیا تھا، جنھیں وہ اپنے ساتھ ایران لایا۔ حضرت شیخ صفی الدین اسحٰق اردبیلی قدس سرہ کے نبیرہ خواجہ علی کی سفارش پر یہ لوگ آزاد ہو کر ایران ہی میں متوطن ہو گئے اور خاندان شیخ قدس سرہ کے ساتھ، جو نسباً سید تھے، اس قوم کو نہایت درجہ عقیدت و ارادت تھی، بالآخر اسی قبیلہ کی امداد سے شیخ قدس سرہ کے اخلاف میں سلطان اسمٰعیل صفوی نے ایران کی سلطنت حاصل کی اور ترکوں کے ان قبائل کو قزلباش کا خطاب دیا:۔

"از ہماں قبائل اتراک جیدہ کلاہ سرخ بہ آنہا عطا کرد و ہمہ را ملقب بہ قزلباش ساخت

..... قزلباش در ترکی (سرخ) یعنی سرآمدہ۔ اصل قزلباش ہم ترکی است۔

..... و از ہمیں سبب است کہ ترکاں در توران گویند کہ قزلباش ہم بچہ ما است"[1]

ابتداءً یہ لوگ سنی المذہب تھے۔ جب سلطان اسمٰعیل صفوی نے مذہب اثنا عشریہ اختیار کیا اور ایران میں اس کو رائج کیا تو یہ لوگ بھی شیعہ ہو گئے۔

"اول سلاطین صفویہ (داعی سلطان اسمٰعیل) بودہ است و مذہب اثنا عشری در ایران از وقت او جا بجا رواج و رونق پذیرفت۔"[2]

ہندی الاصل ان میں دو گروہ ہیں ایک شرفا کا اور دوسرا پیشہ وروں کا۔ شرفا میں شیوخ کمبوہ و کلال کے علاوہ امروہہ کے وہ بہت سے خاندان ہیں جو مختلف زمانوں سے اپنے کو صدیقی اور پٹھان کہنے لگے ہیں۔

شرفائے کمبوہ: ان حضرات میں چند مشہور و معروف اور ذی عزت و ذی وجاہت خاندان شامل ہیں یعنی خاندان حکیم امجد علی خان اور حکیم راحت علی خان ساکنان محلہ صدو، خاندان نواب وقار الملک مرحوم مولوی تسلیم احمد، حکیم فیاض رسول، مولوی صبغۃ اللہ وغیرہ ساکنان محلہ شاہی چبوترہ کا سارا ہے، منشی سبط علی وغیرہ محلہ چاہ قسور میں ساکن ہیں

---

[1] عماد السعادت ۔ [2] عماد السعادت صفحہ ۱۸۔

مولوی احسان الحسن خویش نواب وقار الملک اپنے کو حضرت شیخ غوث محمد گوالیاری کی نسل سے بتاتے ہیں جو نسبًا فاطمی سیّد تھے۔ واللہ اعلم۔

شرفائے کلال:- ان میں بھی چند گروہ ہیں۔ ایک خاندان درویش علی خاں منصبدار پنج ہزاری عہد فرخ سیری کا جس میں شیخ صدیق علی خاں، مولوی احمد حسین خان وغیرہ ہیں، دوسرا شیخ محمد آدی وغیرہ کا، تیسرا شیخ کریم بخش وغیرہ کا۔ ان میں گلزیہ والوں کا جو خاندان مشہور ہے وہ اپنے کو شیخ صدیقی کہتے ہیں۔ ان میں منشی عبدالقیوم عطار اور منشی محمد اختر وغیرہ ہیں۔

خاکسار مؤلف نے سادات و شرفائے امروہہ کے خاندانوں اور ان کے ارباب کمال کے حالات حصہ دوم میں تفصیل کے ساتھ لکھے ہیں اور مختلف خاندانوں کے انساب پر حصۂ سوم میں بحث کی ہے۔ ذیل میں امروہہ کی پیشہ ور اقوام کے مختصر حالات درج کیے جاتے ہیں اور بعض اقوام کے نسب پر تاریخی پہلو سے روشنی ڈالی گئی ہے۔

مسلمان پیشہ ور اقوام

مسلم پیشہ ور اقوام کے نسبی حالات لکھتے وقت اس مسئلہ کی محض تاریخی حیثیت خاکسار مؤلف کے پیش نظر ہے، اس سے کسی اسلامی برادری کی تنقیص و تحقیر یا کسی طبقہ کا تعزز و تفاخر ہرگز مقصود نہیں، اسلامی نقطۂ خیال سے بموجب ارشاد باریتعالیٰ انما المؤمنون اخوۃ (یعنی سب مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں) تمام مسلمان خواہ نسلاً عربی ہوں یا عجمی، چینی ہوں یا بربری، ہندی ہوں یا سندھی ایک ہی رابطۂ اتحاد و اخوۃ میں مربوط ہیں، مدار فضیلت بموجب نص قرآن اِنَّ اکرمکم عند اللہ اتقٰکم (ترجمہ:- تم میں زیادہ معزز خدا کے نزدیک وہ ہی ہے جو زیادہ متقی و پرہیزگار ہے) علم و تقویٰ اور محاسن اخلاق پر ہے

نہ کہ عربیۃ و عجمیۃ، قرشیۃ و ہاشمیۃ پر۔ اسلیے ایک ہندی نژاد جولاہہ یا قصائی اگر زیورِ علم و فضل، صلاح و تقویٰ سے آراستہ ہو تو اسے ایک ہاشمی الاصل، عربی النسب سید زادہ پر جو ان اوصاف سے متصف نہ ہو، قطع نظر امتیازِ نسبی، بہ اعتبار حکم مذہبی درجہ امتیاز و مرتبہ فضیلت حاصل ہے، لہذا اس تاریخی بحث کو شرافت و رذالت کا معیار نہ سمجھا جائے۔ اسلامی مساوات کا عطر اقبال نے ان اشعار میں کھینچکر رکھ دیا ہے ؎

تو اے کودکِ منش خود را ادب کن ۔۔۔ مسلماں زادۂ ترکِ نسب کن

برنگِ احمر و خون و رگ و پوست ۔۔۔ اگر نازد عرب ترکِ عرب کن

پیشہ ور اقوام کا نسبی تعلق

ہندوستان میں **آرین** قوم کے فاتحانہ داخلہ کے بعد ہندوستان کے باشندے **منوجی مہاراج** کی تقسیم کے مطابق چار طبقوں میں منقسم ہو گئے، جو گروہ علم و فضل اور مذہبیات کا حامل بنا وہ سب سے افضل قرار پایا اور **برہمن** کا لقب ملا۔ دوسرا جو تلوار کا دھنی اور تاج و تخت کا مالک ہوا، زراعت و فلاحت کو جس نے اپنا پیشہ بنایا وہ **شتری** یا چھتری کہلایا، تیسرا جس نے تجارت، اقتصادیات اور داد و ستد کا پیشہ اختیار کیا وہ **ویش** کے نام سے مشہور ہوا۔ یہ تینوں گروہ اپنے آپ کو **آرین** کہتے ہیں۔ چوتھا گروہ، اور نہایت کثیر گروہ، جو ہندوستان کا حقیقی اور اصلی باشندہ تھا، ان میں سے وہ لوگ جو آرین فاتحین کے اقدام سے پہلے اپنے ملک کے مالک تھے، تاب مقاومت نہ لاسکے، کچھ تو حملہ آوروں کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو دیکھکر وسط ہند، راجپوتانہ وغیرہ کے پہاڑی علاقوں میں روپوش ہو گئے۔ جہاں آج تک اس نسل کے لوگ اپنی اسی غیر متمدن حالت میں پائے جاتے ہیں۔ ان کا بڑا حصہ آج بھیل و گونڈ کے نام سے مشہور ہے لیکن ان کی کثیر تعداد فاتح قوم کی مطیع و منقاد ہو کر خدمتگار بن گئی۔ انہیں **شودر** کا لقب ملا۔ یہ بدقسمت طبقہ آج تک ہندوستانی قومیت کے لحاظ سے پست ترین خیال کیا جاتا ہے، اور آج "پست اقوام" (Depressed classes)

اور" اچھوت ذات" (Untouchables) کے ناموں سے موسوم ہیں۔ مسلم پیشہ ور اقوام کے کثیر حصّہ کا حقیقی اور نسبی تعلق بھی اسی ہندی قوم سے ہے۔ اور ان کا وجود بھی زیادہ تر ملک کے اُن ہی حصّوں میں پایا جاتا ہے جہاں مسلمانوں کے سیاسی اور حاکمانہ اقتدار کے ساتھ ساتھ ان کا قومی و معاشرتی اثر بھی غالب رہا، جہاں بیرون ہند سے آئے ہوئے مسلمان شرفا کے خاندان زیادہ آباد ہوئے، ان کی نسلیں پھیلیں اور جہاں اسلامی مبلغین نے اسلامی مساوات کا جانفزا مژدہ ان اقوام کو سنایا جو "اونچ ذات" کے ہندوؤں کی چیرہ دستی کا شکار ہو رہی تھیں اور تبدیل مذہب جن کی دنیاوی نجات کا موجب تھا۔ لیکن جس حصّہ پر مسلمانوں کا صرف سیاسی اقتدار رہا اور جہاں تبلیغ اسلام کا کام وسیع پیمانہ پر شروع نہیں ہوا وہاں اب تک پیشہ ور اقوام کا غالب حصّہ بدستور ہندو چلا جاتا ہے۔

ہندوستان کے جن حصّوں میں مختلف پیشہ ور فرقوں سے جو لوگ اسلامی حکومت کے اثر و نفوذ، اسلامی تعلیمات، اسلامی مبلغین کی کوششوں، مسلمانوں کے معاشرتی اقتدار، کاروباری تعلق اور خدمتگذاری کے اثرات سے حلقہ بگوش اسلام ہوئے وہ "پیشہ ور مسلم اقوام" کہلائے۔ ان میں ہر گروہ کی بہ لحاظ ان کے قدیمی پیشہ کے ایک جداگانہ ذاتی برادری بن گئی، جن میں سے اکثر کے وہی پہلے ہندی نام بدستور باقی رہے، جیسے نائی، لوہار، بڑھئی یا کھاتی، چھیرہ، بنجارہ، بھانڈ، بھاٹ، ڈوم وغیرہ اور بعض پیشوں کے عربی و فارسی نام پڑ گئے جیسے قصّاب (عربی)، مطرب یعنی گویا (عربی)، سقّہ (عربی) میراثی (عربی کا بگڑا ہوا) خیّاط (فارسی)، جولاہہ (فارسی)۔

امروہہ کی مسلم پیشہ ور اقوام

مُسلم پیشہ ور اقوام کا وجود صرف ان ہی قصبات، دیہات اور شہروں میں پایا جاتا ہے جہاں اسلامی آبادی زیادہ ہے یا جن مقامات کا ماحول اسلامی اثرات سے زیادہ متاثر ہوا، چنانچہ لکھنؤ آگرہ شاہجہانپور وغیرہ میں مسلمان چوہڑے اور بھنگی بھی پائے جاتے ہیں۔ غرضکہ دیگر اسلامی قصبات کی طرح امروہہ میں بھی مسلمان

پیشہ ور اقوام کی کثیر تعداد آباد ہے، جو حکومت برطانیہ سے پہلے براہ راست یہاں کے سادات و شرفا کی رعایا سمجھی جاتی تھی۔ ان میں زیادہ تعداد نور بافوں یعنی جولاہوں کی، اس کے بعد قصابوں یعنی قسائیوں کی، پھر دھنے، بڑھئی لوہار، راج، چھیپے، تیلی منہار، سقوں وغیرہ کی ہے۔ جوں جوں شہر میں سادات و شرفا کی آبادی بڑھتی گئی شہر کے مختلف اقطاع میں انہوں نے اپنے سکونتی مکانات، بازار، سرائیں وغیرہ بنائیں اور ہر خاندان نے اپنے گرد و پیش کی اراضیات میں اہل حرفہ کے خام مکانات بنائے اور بطور اہل حرفہ و خدمتگذار ان لوگوں کو آباد کیا۔ چنانچہ آج بھی جس طرح شرفا و سادات کے مختلف خاندان مختلف محلوں میں آباد ہیں ان لوگوں کی آبادی بھی ان کے ساتھ ساتھ پھیلی ہوئی ہے۔

امروہہ کی مسلم پیشہ ور اقوام میں مختلف انساب کے لوگ شامل ہیں، زیادہ حصہ ان قوموں سے متعلق ہے جنہیں ہندوؤں نے شودر کہکر پکارا۔ بعض غیر ہندی ہیں مثلاً ولال۔ اور درزی وغیرہ۔

اسلامی برادری کی حیثیت سے مسلم پیشہ ور اقوام جسد اسلامی میں بمنزلہ ریڑھ کی ہڈی کے ہیں۔ ان کی ترقی مسلمانان امروہہ کی ترقی اور ان کا تنزل مسلمانوں کا قومی تنزل ہے۔ نہایت افسوس ہے کہ بعض اشخاص جو ان میں با اثر ہیں بجائے اسکے کہ ان اقوام کی ذہنی و تعلیمی، اقتصادی و معاشرتی پستی کے دور کرنے کی کوئی نتیجہ خیز تدبیر کریں شرافت و رذالت کے لایعنی سوالات پیدا کرنے اور مسلمانوں کے اعلیٰ طبقات کے خلاف منافرت کے جذبات مشتعل کر کے ذاتی وجاہت حاصل کرنے کی دھن میں مصروف ہیں کاش ان لوگوں کے زہریلے اثر سے محفوظ رہکر اصلاح قوم کی کوئی نتیجہ خیز تدبیر اختیار کی جائے۔

ذیل میں حروف تہجی کے اعتبار سے مختلف پیشہ وروں کی برادریوں کے مختصر حالات درج کئے جاتے ہیں:۔

باورچی عرصہ دراز سے امروہہ میں باورچیوں کا ایک خاندان آباد ہے جو نسلاً بعد نسل باورچی کا پیشہ کرتے تھے یہ لوگ اپنے کو مغل کہتے ہیں، اب اور کام کرنے لگے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ ان کے مورث مرزا قاسم بعہد محمد شاہ پادشاہ دہلی سے امروہہ آئے تھے[1] ان کی سکونت محلہ مجاپوتہ میں ہے۔

بڑھئی و لوہار ان کی زیادہ آبادی محلہ مولانہ، حقانی، بساون گنج، بیگم سرائے کلاں اور ٹبوال میں ہے۔ یہاں کے بڑھئی اور لوہار نہایت دستکار اور صناع ہیں۔ بتیجہ کا پلنگ ان کی خاص صنعت ہے، رتھ اور بہلی نہایت عمدہ بناتے ہیں۔ ہر قسم کا عمارتی کام بے نظیر کرتے ہیں۔ مستری حفیظ اللہ ساکن محلہ مولانہ مشہور استاد تھا۔ اسکے لڑکے بھی اچھے کاریگر ہیں اور باہر کارخانوں میں ملازم ہیں۔ لاہور، اجمیر، دہلی اور لکھنؤ وغیرہ میں یہاں کے لوہار اور بڑھئی کام کرتے ہیں۔ عہد اسلامی میں یہاں کے لوہار اسلحہ وغیرہ بھی اچھے بناتے تھے۔

بھاٹ ان کی تعداد اب بہت مختصر ہے، زیادہ تر محلہ مچھر ٹہ اور مراد آبادی دروازہ میں رہتے ہیں۔ یہ لوگ اصلاً ہندو بھاٹوں کی نسل سے ہیں جن کی بڑی تعداد اس نواح میں دانگر میں آباد ہے۔ سر ہنری ایلیٹ لکھتے ہیں:-

> "بہت سے بھاٹوں نے مذہب اسلام اختیار کر لیا۔ بعض کے متعلق کہا جاتا ہے کہ" (سلطان) شہاب الدین غوری کے زمانہ میں مسلمان ہوئے اور اس وقت سے ان کا قومی لقب "رائے" پڑ گیا۔"[2]

امروہہ کے بھاٹ بھی اسی "رائے" کے لقب سے اپنے کو ملقب کرتے ہیں۔ ہندوؤں کے عہد میں چھتریوں میں سورج بنسی اور چندر بنسی خاندانوں کے نسب نامے محفوظ رکھنا اور تقریباً میں ان کے بزرگوں کے کارناموں کو فی البدیہہ اشعار میں موزوں کر کے سنانا ان کا پیشہ

---

[1] تاریخ اصغری۔ [2] میموائرس سر ہنری ایلیٹ صفحہ ۱۹ حصہ اوّل۔

تھا مسلمان بھاٹوں کا بھی یہی پیشہ ہے۔ ابتداً مسلمان امراء اور روساء کے نقیب تھے اور مدحیہ کبت پڑھتے تھے۔ اب نہ روساء ہے اور نہ ریاست اسلئے یہ بیچارے بھی مفلوک الحال ہیں مگر ابھی تک قدیم پیشہ کو نہیں چھوڑا۔ بعض ان میں سے مہذب، شستہ زبان اور علم مجلسی سے واقف ہیں۔

بھانڈو نقال ان کی تعداد بھی امروہہ میں اب مختصر سی ہے۔ نسباً ان کا تعلق بھی ہندوستان کے اصلی باشندوں یعنی شودر اقوام سے ہے۔ زیادہ تر محلہ احمد نگر میں رہتے ہیں اور قدیم سے اپنے پیشہ میں نامی اور مشہور ہیں۔ کچھ عرصہ پیشتر تک یہ لوگ دور دور بلائے جاتے اور صدہا روپیہ اور دوشالے انعام پاتے تھے۔ ان میں ہمت بھانڈ نے بڑا نام پیدا کیا تھا۔ اس کا بیٹا سبحت اللہ بھی مشہور نقال تھا۔

بزقصاب ان کی زیادہ تر آبادی محلہ بیگم سرائے خورد میں ہے، یہ لوگ محض اپنا پیشہ کرتے ہیں۔ ان کی تعداد بھی کم ہے۔

چھیپر یا چھیپی ان کی زیادہ آبادی محلہ بٹوال، بازار بٹوال اور محلہ نیاریہ میں ہے۔ یہ لوگ عموماً کپڑا چھاپتے ہیں، یہاں جاجم وغیرہ اچھی چھپتی اور باہر دساور میں جاتی ہے۔ ان ہی میں بعض لوگ دوسری تجارتیں بھی کرتے ہیں۔ ملا چھیپی کی پسر شہ کی دکان بڑی اور قدیم دکان ہے۔ کچھ لوگ پہاڑی مقامات پر ڈبل روٹی اور مٹھائی وغیرہ بنانے کا بھی کام کرتے ہیں۔ ان میں بعض لوگ اپنے کو "مغل" بھی کہتے ہیں۔

حجام یا نائی ان میں دو گروہ ہیں۔ ایک گروہ محلہ قریشی، کالی پگڑی، چوک، کٹرہ بخشا در سنگھ میں رہتا ہے۔ یہ لوگ "خالصہ والے" مشہور ہیں۔ دوسرا بڑا گروہ زیادہ تر محلہ چاہ غوری، بنگلہ، چاہ ملا امان اور بٹوال میں آباد ہے۔ امروہہ کے حجام اپنے پیشہ میں نہایت ہوشیار ہیں، اکثر لوگ دہلی اور بمبئی وغیرہ مقامات پر اپنا کام کرتے اور خوب کماتے ہیں۔ چاہ ملا امان کے حجاموں میں عبداللہ حجام پرانی وضع کا سلیقہ مند اور خدمتی شخص ہے، اسکا لڑکا حمید اللہ بمبئی

میں کام کرتا ہے اور اپنے کام میں ہوشیار ہے۔ ان ہی میں رفیع اللہ خاندانی اور مشہور جراح ہیں۔ ان کا بھائی رفعت اللہ انٹرنس پاس صوبہ متوسط کے اسکول میں ٹیچر ہے اس کا چھوٹا بھائی وصی اللہ بھی انگریزی تعلیم یافتہ ہے۔ نجف علی جراح اور عبدالغنی جراح اپنے کام میں مہارت رکھتے ہیں۔ بنگالوں میں غلام قادر وغیرہ اور حاجی کریم بخش کے لڑکے مختلف تجارتیں کرتے ہیں۔

حلوائی ان کی زیادہ آبادی محلہ شاہی چبوترہ، نو تجابہ اور محلہ سیتھی میں ہے۔ زیادہ تر اپنا پیشہ کرتے ہیں۔ شاہی چبوترہ کے حلوائیوں میں قدیم سے کھنڈسال کا کاروبار ہوتا ہے، پہلے اس کام میں بعض لوگوں نے اچھی کامیابی حاصل کی تھی، اسی سے جائیداد زمینداری بھی پیدا کی تھی اب کچھ عرصہ سے یہ کام بہت کم ہو گیا ہے۔

خمرے ان کی مختصر تعداد صرف محلہ لنکوٹی پر آباد ہے، ان کی برادری کے لوگ کچھ سہنسپور، حسن پور اور سرسہ خمار وغیرہ میں رہتے ہیں، بعض لوگ ان کو "خماروں" کے فرقہ میں شمار کرتے ہیں۔ زیادہ تر کاشتکار پیشہ ہیں، چٹائی وغیرہ بھی بنتے ہیں

درزی ان کی زیادہ آبادی محلہ چاہ غوری، بازار رزاق، گنگی اور محلہ محکم سرائے، کالا کنواں مناریہ میں ہے۔ نسباً مختلف نسلوں کے ہیں، بعض اپنے کو مرزا کہتے ہیں یہ لوگ اپنے پیشہ میں ہوشیار اور بہت اچھے کاریگر ہیں، ہر قسم کا کپڑا اچھا سیتے ہیں، زیادہ تر لاہور، شملہ، دہلی، لکھنؤ، بمبئی، نال وغیرہ مقامات پر بڑی بڑی کمپنیوں میں ملازم ہیں۔ ان میں سے بعض کی اپنی ذاتی دکانیں بھی ہیں، بازار رزاق میں کفایت بیگ وغیرہ ہوشیار کاریگر ہیں۔ ان میں بعض لوگ رنکن کمپنی میں ملازم ہیں۔ عبدالغفور ٹیلر ماسٹر بھی اچھا کاریگر اور کٹر (Cutter) ہے کشمیری دروازہ دہلی میں اچھے پیمانہ پر اس کی دوکان ہے۔ کالے کنوئیں پر حبیب اللہ خیاط اور اس کے لڑکے اچھے کاریگر ہیں۔ حاجی عبداللطیف ان میں نمودار ہیں

دلال یہ لوگ زیادہ تر محلہ مولانہ کے اس حصہ میں ساکن ہیں جو محلہ سیتھی سے متصل ہے

لنسا غیر ہندی یا عجمی ہیں اپنے کو مرزا کہتے ہیں۔ کاغذات دیرینہ میں ان کو "ترکمان" بھی لکھا ہے۔ سابق میں کپڑے کا کاروبار ان سے متعلق تھا اور ہر قسم کے کپڑے کی "دلالی" ان کا پیشہ تھا اسی لئے یہ لوگ **دلال** مشہور ہو گئے جس مقام پر ان کی اب بھی سکونت ہے قدیم زمانہ میں اس سے متصل سوت اور پارچہ فروشی کا "ہاٹ" یعنی بازار لگتا تھا اس لئے یہ "**سوت ہٹی**" کہلاتا تھا جو بمرور ایام مخفف ہو کر "**ہٹی**" مشہور ہو گیا۔

اسلامی سلطنت نے پارچہ فروشی کے متعلق ان کو بعض خاص حقوق دے رکھے تھے ہر قسم کے ٹیکس اور محصول سے مستثنیٰ تھے جس کی تصدیق عہد شاہجہانی کے حسب ذیل پروانہ سے ہوتی ہے:-

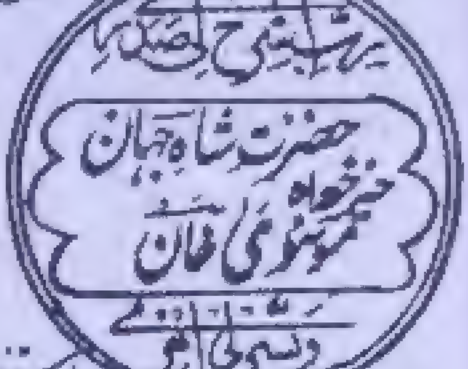

متصدیان مہمات و معاملات حال و استقبال پرگنہ امروہہ سرکار سنبھل
مضاف صوبہ دار الخلافہ شاہجہان آباد اعلام آنکہ چوں حسین و حسن
و ابراہیم ترکمان سکنہ پرگنہ مسطور بحضور درگاہ آمدہ
استغاثہ شدند کہ از قدیم الایام و از آباد و اجداد در امروہہ کسب دلالی
پارچہ کورہ ...... [1] ابریشمی قیام می نمایند و دایم حکام سابق از کل تکالیف معاف و مسلم
بہشتہ اند ...... بہر گونہ بدستور قدیم از جمیع ابواب معاف داشتہ بہ وجہ من الوجوہ مزاحمت
بہ ایشاں نرسانند کہ در کار کسب پیشہ خود بفراغ خاطر قیام داشتہ باشند درین باب تاکید
بلیغ شناسند۔ تحریر فی التاریخ ۱۱ ماہ الٰہی ۱۰۳۲ھ

بعض لوگ اب بھی پارچہ فروشی کا کاروبار کرتے ہیں۔ منچسٹر کی تجارت نے جب ہندوستان کی پارچہ بافی کی صنعت کو تباہ کر دیا تو دلالوں کے پیشہ پر بھی خاص اثر پڑا۔ افلاس اور فقدان تعلیم نے اس شریف قوم کو بھی ادنیٰ قسم کے پیشے اختیار کرنے پر مجبور کر دیا۔ کچھ لوگ انڈے مرغی بیچتے ہیں کچھ خانگی ملازمت کرتے ہیں۔

---

[1] بوجہ کہنگی چند الفاظ پڑھے نہیں گئے۔

راج یا معمار | یہ لوگ زیادہ تر بیگم سرائے کلاں کٹرہ غلام علی، چوک، بازار رزاق، راجوں کے کنوئیں نیز محلہ مجاپوتہ دمتصل قسائی خانہ آباد ہیں یہاں کے راج اپنے فن میں نہایت ہوشیار اور چابکدست ہیں، ان کی بنائی ہوئی عمدہ عمدہ عمارتیں شہر میں موجود ہیں۔ خلیفہ روشن اور مستری حیات بخش دو مشہور معمار گذرے ہیں۔ مسجد جامع امروہہ (محلہ مولانہ) کی اگلی گہ اور عالی شان دروازہ مستری حیات بخش کی کاریگری کا نمونہ ہیں۔ ان کی اولاد میں مستری محمد اعظم بھی ہوشیار معمار گذرا ہے۔ کٹرہ غلام علی میں حاجی برکت اللہ مشہور معمار اور مستری ہے۔ یہ لوگ بکثرت بڑے بڑے شہروں میں کام کے لئے جاتے ہیں۔ خاندانی معماروں کے علاوہ اب کچھ دوسرے پیشہ کے لوگ خاصکر بعض جولاہے بھی معماری کا کام کرنے لگے ہیں۔

سقّے | ان کی آبادی محلہ چاہ ملّا امان، کالی پگڑی، متصل محلہ بنگلہ، بارہ پوتیاں، حقانی نیازیان وغیرہ میں ہے۔ یہ لوگ صرف اپنا پیشہ کرتے، بازار کے بان بٹتے ہیں۔ پرانے زمانہ میں جب شعر شاعری کا چرچا امروہہ میں زیادہ تھا سو سائٹی کا اثر دیکھئے کالی پگڑی کے سقوں میں ایک سقہ، جو محض جاہل اور ناخواندہ تھا لیکن طبیعت موزوں پائی تھی شعر موزوں کر لیتا تھا۔ وہ شاعری نہ سہی تک بندی سہی مگر دیکھئے صنعت ایہام کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا ؎

کہتیاں کٹتی ہیں اور دور چلے جاتے ہیں　　اپنے بالوں کیلئے بال بنا لاتے ہیں

قصاب یا قسائی | ان کے متعدد گروہ مختلف محلوں میں آباد ہیں، بڑی تعداد محلہ بنگلہ وشفاعت پوتہ کے اس حصہ میں آباد ہے جو "قسائی خانہ" کے نام سے موسوم ہے، ان میں دو بھائی سلیم اللہ اور رحمت اللہ اپنی بزرگی میں ممتاز ہیں، انکے

لہ قسائی کو حرف "ص" سے لکھنا صحیح نہیں ہے یہ لفظ قسی سے مشتق ہے جسکے معنی بے رحمی کے ہیں (ملاحظہ ہوں صفحات مسلسبہ ۲۴۳)

پاس کچھ زمینداری بھی اپنی خریدکردہ ہے، مسکین، متواضع اور شریف طبیعت ہیں۔ بھٹہ وغیرہ کی تجارت کرتے ہیں۔ قسائیوں کی بقیہ آبادی سرائے مچھرٹہ، راجو سرائے، بازار جبطہ، محلہ نوگزہ، سرائے نخشبیاں، لکڑہ، سرائے کہنہ اور محلہ دانشمندان میں ہے۔ چند گھر محلہ بچدرہ میں بھی ہیں۔ ان میں منشی ظفر احمد مرد معقول، حاجی حرمین، اپنی برادری میں ممتاز ہیں آبائی کاروبار کے بجائے اینٹوں کی تجارت کرتے ہیں، ان کا اپنا بھٹہ بھی ہے۔ ان کا لڑکا منشی منظور احمد، انگریزی تعلیم یافتہ، ٹھیکہ داری کرتا ہے۔ لیکن سوائے دو چار اشخاص کے ان میں تعلیم کا رواج نہیں۔ منشی ظفر احمد کی کوششوں سے اب ایک انجمن اور خورد سال بچوں کی تعلیم کے لئے مکتب بھی قائم ہوا ہے۔ خدا کرے اسی کی بدولت اس قوم میں تعلیم کی روشنی پھیلے اور اپنی پست حالت سے نکل کر مسلمان سوسائٹی کا اچھا عنصر بنیں۔

امروہہ کے قسائیوں کا بیشتر حصہ گوشت کی، کچھ لوگ مویشی کی، بعض کھال اور ہڈی کی تجارت کرتے ہیں۔ کچھ عرصہ پیشتر تک جو لوگ گوشت فروشی نہیں کرتے تھے ان کا زیادہ حصہ سادات و شرفا کے یہاں خانگی ملازمت کرتا تھا اور اب تک کرتا ہے، اسی بنا پر عوام میں ان کے دو گروہ مشہور ہیں (۱) کٹھو۔ یعنی گوشت فروشی کرنے والے ان کو "او تھمی" بھی کہتے ہیں اور (۲) چکڑیہ یعنی مواضعات میں پھیری سے گوشت فروخت کرنے والے، بیرونجات سے مویشی لانے اور خانگی ملازمت کرنے والے۔ بعض لوگ ان میں مزدور پیشہ بھی ہیں۔ باغات وغیرہ کے پشتے چڑھانے، خندق کھودنے میں خاص مہارت ہے۔ ان کی عورتیں قدیم سے سادات و شرفا میں عموماً ماماگری کرتی اور سادات میں خصوصاً دودھ پلاتی رہی ہیں۔ دایہ گری ان کا مخصوص پیشہ ہے۔ تقریبات کے موقع پر سادات و شرفا میں اور خدمتیوں کی طرح دایہ کا حق بھی نکلتا ہے۔ پردہ کا رواج مثل اور پیشہ وروں کے اس قوم میں کچھ عرصہ پیشتر تک مطلق نہ تھا۔ اب اصلاح قوم کی تحریک سے شروع ہوتا جاتا ہے۔ اور بعض معیوب رسموں کی اصلاح کا خیال بھی پیدا ہوا ہے۔ خدا کرے یہ خیال عمل کی صورت اختیار کرے۔

مُجَاوِرُ یہ لوگ زیادہ تر محلہ نوگزہ میں ساکن ہیں، مجاوری ان کا آبائی پیشہ ہے ان میں کئی خاندان ہیں، زیادہ تر درگاہ حضرت شاہ ولایتؒ کی مجاوری کرتے ہیں، بعض لوگ درگاہ حضرت شاہ گھاسیؒ اور دوسری درگاہوں کے مجاور بھی ہیں۔ ان میں چند اشخاص حضرت شاہ ولایت کے خادم شیخ نظام کی اولاد میں ہیں، کچھ لوگ قاضی الٰہدیہ کے غلام شیخ کندن کی نسل سے ہیں اور بعض دیگر اشخاص کی۔ حضرت شاہ ولایت کی درگاہ کی خدمت اور جاروب کشی قدیم سے آپ کے خادم شیخ نظام کی اولاد کا حق ہے جیسا کہ حسب ذیل تحریر سے ثابت ہے:۔

"مایان کہ جمیع سادات امروہہ از فرزندان قدوۃ العارفین وسیلۃ السالکین حضرت سید شرف الدین شاہ ولایت قدس اللہ روحہ ایم۔
چوں شیخ جیون و شیخ داؤد وغیرہ خدمت روزہ حضرتؒ ظاہر نمود کہ محمد شریف مجدد خدمت اظہار می نماید کہ از اولاد کندن غلام قاضی الٰہدیہ ایم از انجا کہ خدمت جاروب کشی و خدامت درگاہ از قدیم درشہ شیخ نظام خادم از حضور آنحضرت مقرر است و نیز بر مایان ہم معلوم است کہ جمیع خدما از فرزندان شیخ نظام مذکور اند چنانچہ شیخ جیون وغیرہ بر درشہ شیخ نظام بدستور قابض و متصرف اند لہذا نوشتہ می دہیم کسے کہ اولاد کندن کہ غلام قاضی الٰہدیہ باشد او را بخدمت جاروب کشی درگاہ چہ علاقہ وجہ رسد کہ در مقدمہ خادمان درگاہ دخل نماید۔ تحریر فی التاریخ یازدہم شہر شعبان المعظم ۲۴ جلوس والا مطابق ۱۱۵۰ھ۔"

حضرت شاہ ولایتؒ کے چار خلفائے باکمال تھے۔ ایک آپ کے پوتے سید محمد ابدال دھدہ دھاری دوسرے قاضی عبد اللطیفؒ تیسرے شیخ معین الدین ناگوریؒ اور چوتھے شیخ نظام الدین عباسیؒ۔ اول الذکر تین خلفاء امروہہ میں رہے اور ان تین حضرات کی قبور بھی یہیں ہیں۔ ان میں سید محمد ابدال دھدہ دھاری اور شیخ معین الدین کے مزارات کا دوسرے موقع پر تذکرہ

ہو چکا ہے۔ قاضی عبد اللطیف کا مزار محلہ نوگزہ میں جنگی کی چوکی کے سامنے سڑک سے جانب جنوب متصل پشتہ باغیچہ شکستہ حالت میں ایک چبوترہ پر واقع ہے۔ چوتھے خلیفہ شیخ نظام الدین عباسیؒ بعد اکتساب کمالات اپنے وطن ملتان کو تشریف لے گئے جہاں سلسلہ بیعت بھی جاری کیا۔ آپکے برادرزادہ مولانا فضل اللہ بن ضیاء الدین عباسی بھی صاحب کمال ہوئے۔ صاحب مقامات صدر العارفین لکھتے ہیں کہ

چوتھے خلیفہ شیخ نظام الدین تھے جن کا نسب حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے متصل ہوتا ہے انہوں نے ملتان کی طرف سکونت اختیار کی تھی بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے سلسلہ بیعت بھی جاری کیا تھا۔	چہارم خلیفہ شیخ نظام الدین بود۔ نسب او بحضرت عباس رضی اللہ عنہ می پیوندد او بجانب ملتان سکونت اختیار کرده و گویند که آنجا سلسلہ جاری نموده ....

مولانا آل حسن نخشبی مولف نخبتہ التواریخ نے عدم مبالاۃ کی بنا پر حضرت شاہ ولایتؒ کے خادم **شیخ نظام** اور آپکے **خلیفہ شیخ نظام الدین عباسیؒ** دو جداگانہ ہستیوں کو ایک سمجھ کر خادمان درگاہ شاہ ولایتؒ اولاد شیخ نظام خادم کو آپ کے مرید و خلیفہ باکمال شیخ نظام الدین عباسی کی نسل میں لکھ مارا جس کی بنا پر مجاوروں میں سے بھی بعض اشخاص اپنے کو ان کی اولاد سمجھنے لگے۔ مولوی صاحب ممدوح اگر ذرا عقل و سمجھ سے کام لیتے اور یہ سوچتے کہ جو شخص اتنے دور دراز فاصلہ پر چلا جائے جیسے امروہہ سے شہر ملتان ہے وہاں جا کر سکونت بھی اختیار کرلے اور پھر سلسلہ بیعت بھی جاری کرے تو اس کی اولاد مجاوری کا پیشہ کرنے کے لئے امروہہ کیوں آجاتی۔ اور پھر وہ شخص جو ان اوصاف کا ہو جیسا کہ خود مولوی صاحب ممدوح نے تحریر فرمایا ہے کہ

وہ حضرت مخدوم سید شرف الدین صاحب ولایت کے اجلۂ خلفاء میں سے تھے۔ کمالات باہرہ و تصرفات ظاہرہ رکھتے تھے۔	وے از اجلۂ خلفائے حضرت مخدوم سید شرف الدین صاحب ولایت بود و کمالات باہرہ و تصرفات ظاہرہ داشت۔

ایسے کامل شخص کی اولاد اپنے آبائی سجادۂ پدری پر متمکن ہوتی یا درگاہ شاہ ولایتؒ کی نذر و نیاز کے چند پیسے اور بوڑیوں کے چند دانے لینے کے لئے امروہہ آجاتی اور بالخصوص اس

لہ نخبتہ التواریخ صفحہ

نسب کے لوگ جن پر زکوٰۃ و صدقہ لینا بھی مذہباً حرام کیا گیا ہے اور جن کی اُس زمانہ یعنی عہد مغلیہ میں ہندوستان کے بادشاہ جو قدر و منزلت کرتے تھے ان کے تفصیلی تذکرے تمام کتب تاریخ میں مندرج ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ مماثلت اسمی کی بنا پر صاحب نخبہ نے دھوکہ کھایا اور "وبجانب ملتان سکونت اختیار کردہ" کو نظر انداز کر کے شیخ نظام الدین خادم کو آپ کے خلیفہ باکمال شیخ نظام الدین عباسیؒ سمجھ لیا۔ نخبہ کی اشاعت کے بعد سے شیخ نظام خادم کی اولاد میں بھی یہ خیال پیدا ہوا حالانکہ شیخ نظام خادم حضرت شاہ ولایت اور آپ کے خلیفہ شیخ نظام الدین عباسی بالکل جدا شخص ہیں۔ شیخ نظام خادم کی قبر دروازہ درگاہ کے متصل ہے۔ پیرجی عبدالرشید۔ ساکن محلہ نوگزہ اپنے کو شیخ نظام خادم کی اولاد بتاتے ہیں۔

مِردھے - مردھہ حقیقتاً میردہ کا بگڑا ہوا ہے[1]۔ میر دہہ اس سائیس کو کہتے تھے جو دس سائیسوں کا افسر ہوتا تھا۔ امروہہ میں مردھوں کی آبادی زیادہ تر محلہ کنگوئی میں ہے۔ یہ لوگ زیادہ تر خانگی ملازمت کرتے ہیں اور کچھ کاشتکاری بھی کرتے ہیں۔

میراثی[2] یہ لوگ زیادہ تر محلہ چاہ غوری و متصل قسائی خانہ اور محلہ خالصہ (اکثرہ نجبا درگاہ) میں رہتے ہیں۔ ان کا نسبی تعلق قدیم ہندو بھاٹوں سے ہے۔ ہندو بھاٹوں کے متعلق روایت ہے کہ برہمن مرد اور شودر عورت کی نسل سے ہیں۔ ان کے تین اقسام ہیں (۱) برہما بھاٹ (۲) جاگا بھاٹ اور (۳) چارن۔ اول الذکر کا پیشہ مدحیہ قصائد پڑھنا، ثانی الذکر کا ہندوؤں کی مختلف ذاتوں کے نسب نامے محفوظ رکھنا اور ثالث الذکر کا راجپوتوں کا نقیب ہونا[3]۔ ان میں جو لوگ مسلمان ہوئے وہ بجائے ہندوؤں کے مسلمان شرفاء کی نسابی کا پیشہ کرنے لگے یہ خدمت چونکہ بطور میراث ان کو ملتی رہی اور تقریبات میں حقوق بھی مقرر ہوئے نیز سادات و شرفاء کی وراثت کے حالات محفوظ رکھتے تھے اسلئے میراثی کہلائے :-

---

[1] آئین اکبری - [2] میراثی :- دراصل ایں لفظ "میراث" عربی است۔ ہندیاں بطور خود لفظ ہندی ساختہ۔ (فرہنگ مخشی) [3] میموائرس سر ہنری ایلیٹ -

میراثی کا عربی لفظ موروثی کے معنی میں ڈوم انگریز گویوں (مطرب) اور طوائفوں کے
سازندوں کے لئے مخصوص ہوگیا[۱]

ان لوگوں میں حسین بخش میراثی اور اس کے دونوں بھائی غلام حسین اور غلام حسن فن موسیقی میں مشہور تھے خادم حسین ولد غلام حسین اپنے پیشہ میں بڑا ماہر اور باکمال تھا۔ ابتداءً مہاراجہ بڑودہ کے یہاں ملازم رہا پھر ریاست حیدرآباد دکن میں عرصہ تک ملازمت کی۔ سید جواد حسین شمیم نے حسب ذیل چوبولے میں اسی مشہور گویّے کی نسبت اشارہ کیا ہے:—

آج وہ ہی تاریخ ہو دن ہے ہو سامان — آئیں زہرہ و مشتری، ننھی منی جان[۲]
آجائیں خادم میراثی، نقال چھاچندن[۳] ہیں — سارنگی طبلے طنبورے مردنگ وہ بین طبل لائیں
ہاں ٹھپّہ ترانا ٹھمری دھرپت ہولی اور سہرا گا — نقارچی نوکھڑکائیں شہنائی پھونکیں شہنائیں

میراثیوں کے پیشہ کی رونق بھی امروہہ والوں کی ریاست کے ٹھاٹھ تک تھی۔ اب نہ رؤسا رہے اور نہ ریاست اسلئے یہ لوگ بھی مفلوک الحال ہوگئے۔ غلام حسن کا ایک بیٹا غلام سرور حیدرآباد میں اور دوسرا بیٹا غلام سادات عرف بدا میراثی پرانے وقت کا خدمتی ہے۔

موچی مسلمان موچیوں کی تعداد امروہہ میں بہت مختصر ہے چند گھر محلہ جکّی و نیاریان وغیرہ میں ہیں یہ لوگ زیادہ تر ہندوستانی جوتے وغیرہ بناتے ہیں۔ انگریزی جوتوں کے بنانے کا کام اب بعض سیدوں نے بھی کرنا شروع کردیا ہے۔ اور مختصر پیمانہ پر شو فیکٹریاں قائم کی ہیں۔ بعض کاریگر ان میں ہوشیار ہیں اور اچھا کام کرتے ہیں۔ بیکاری سے بہرحال کوئی شغل بہتر ہے۔

شومیکری[۴] شروع جو کی اک عزیز نے — جو سلسلہ ملاتے تھے بہرام گور سے

---

[۱] ڈسٹرکٹ گزٹیر شاہجہانپور مطبوعہ ۱۸۸۳ء صفحہ ۸۵ — [۲] طوائفوں کے نام منی آگرے والی، ننھی بریلی والی جو امروہہ میں شادیوں کی ایک تقریب پر گانے آئی تھیں — [۳] کاشی پور کے مشہور نقال [۴] یعنی جوتے بنانا۔

پوچھا کہ بھائی تم تو تھے تلوار کے دھنی   مورث تمھارے آئے تھے غزنین و غور سے
کہنے لگے اس میں بھی ہے اک بات نوک کی   روٹی ہم اب کماتے ہیں جوتی کے زور سے

نداف یعنی دھنے ان کی آبادی محلہ مثوال اور محلہ قریشی میں زیادہ ہے، کچھ لوگ دوسرے محلوں میں بھی آباد ہیں، بعض اپنا پیشہ کرتے ہیں اور کچھ دوسری تجارتیں بھی کرنے لگے ہیں۔ جولاہے اور دھنے حقیقت میں ایک ہی قوم کے دو مختلف الحرفہ فرقے ہیں، دھنوں کی ہندو قوم کو وسط ہند میں "پنجارہ" کہتے ہیں اہل فارس۔ نہ اس پیشہ کے لوگوں کو نداف کہکر پکارا۔

نوربافُ یعنی جولاہے زیادہ تر محلہ بسادن گنج، قلعہ سنبھل و حقانی و بچپڑہ میں آباد ہیں۔ کچھ گھر ان کے محلہ بانباری، قریشی اور چوک میں بھی ہیں۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کے تجارتی اثرات سے پہلے تک پارچہ بافی ان کا عام پیشہ تھا۔ یورپین مصنوعات نے جہاں ہندوستان کی دیگر مصنوعات کو برباد کردیا پارچہ بافی، جو ہندوستان کی قدیم ترین صنعت تھی تقریباً مٹ گئی اس پیشہ کے لوگ بھی حصول معاش کے لئے اپنے پیشہ کے سوائے اور اور کام کرنے پر مجبور ہوئے کچھ لوگ البتہ گزی گاڑھا وغیرہ بھی بُنتے رہے لیکن زیادہ تر مزدوری پیشہ ہوگئے، ان کے اکثر مرد اور عورتیں سادات و شرفا میں خانگی خدمت پر مامور رہے اور کچھ اب بھی ہیں لیکن اب چند سال سے جب سے مہاتما گاندھی کی تحریک سودیشی کپڑے کے رواج کے متعلق شروع ہوئی ان کی بڑی تعداد پھر اپنے موروثی پیشہ کی جانب متوجہ ہوئی۔ یہاں زیادہ تر موٹا کپڑا، سوسی اور گاڑھا بُنا جاتا ہے۔ بعض لوگ پلنگ کی چادریں، دوتہیاں اور چوتہیاں بھی بُنتے ہیں۔ کچھ لوگ باہر مقامات پر ٹھیکہ داری، دوکانداری اور دوسرے کاروبار بھی کرتے ہیں۔ مولا بخش ساکن محلہ کا ٹھیکہ داری کا کام دہلی میں جاری ہے۔

یہ قوم محنتی اور جفاکش قوم ہے، مذہبی جوش بھی ان کے اندر موجود ہے، افسوس ان کی پست حالت سے نکالنے کی کوئی نتیجہ خیز کوشش نہیں ہوتی۔ ان میں بعض حافظ قرآن اور پابند مذہب ہیں، تعلیم کا رواج خال خال ہے، چند لوگ البتہ نوشت و خواند سے واقف ہیں، بسادن گنج میں منشی

عبدالصمد اور منشی عبدالسمیع تاجر کتب علمی ذوق رکھتے ہیں۔

ان میں بعض اشخاص جو عرب نژادگی کے خبط میں مبتلا ہیں "جولاہہ" کے لفظ کو بربنائے عدم واقفیت و بے علمی ہندی لفظ سمجھکر اس کے استعمال کو پسند نہیں کرتے۔ اس کے بجائے "نورباف" "سفید باف" یا "مومن" وغیرہ الفاظ استعمال کرنا زیادہ پسند کرتے ہیں لیکن واقعہ یہ ہے کہ **"جولاہ" یا "جُولاہہ"** ہندی لفظ نہیں بلکہ فارسی ہے اور بہ معنی "بافندہ پارچہ" یعنی کپڑا بُننے والا مستعمل ہے جولاہہ کا لفظ مسلمانوں کے ساتھ عجم سے ہندوستان آیا۔ اس پیشہ کے جو لوگ مسلمان ہوئے وہ "جولاہہ" کہلانے لگے اور جو بدستور ہندو رہے وہ اپنے قدیم نام "کوری" و "تانتی" وغیرہ سے موسوم رہے۔

نساجی یعنی جامہ بافی ایک اعلیٰ قسم کی دستکاری ہے۔ ایران وغیرہ کے مسلمانوں کے بعض نامور اشخاص اس پیشہ سے منسوب ہیں۔ ملک فارس کا مشہور شاعر خاقانی جو عمر خیام جیسے مشہور فلسفی شاعر اور حکیم کا بھتیجا تھا[1] اپنے خاندانی پیشہ کا اسی لفظ "جولاہہ" کے ذریعہ کس فخر سے ذکر کرتا ہے ؎

جولاہہ نژادم از سوئے جد | در صنعت من کمال ابجد
شاگرد ازل بہ کلبۂ من | ماشورہ کن است ریسماں تن

مندرجہ بالا اقوام کے علاوہ مسلمان تیلی، رنگریز، کمہار، کنجڑے، منہیار بھی شہر کے مختلف مقامات پر آباد ہیں اور زیادہ تر اپنا موروثی پیشہ کرتے ہیں۔ اہل حرفہ کے علاوہ امروہہ میں پیشہ ور گداگروں کی بھی دو گروہ ہیں ان کی اخلاقی حالت اور ذہنیت اس درجہ پست ہے کہ باوجود صحیح الاعضا، ہٹے کٹے جوان و تنومند ہونے کے ان کے بہت سے افراد گداگری کرتے نہیں شرماتے

---

[1] مثنوی تحفۃ العراقین مصنفہ خاقانی۔ اس کا باپ علی بن عثمان نجاری کا پیشہ کرتا تھا اور دادا یعنی عثمان نجار بھی تھا۔

ہندی مسلمان اور عرب نژادگی

اسلامی تعلیمات نے نسب کے فخر اور غرور کو جس طرح مٹایا تھا اس کی نظیر کسی دوسرے مذہب میں ملنا دشوار ہے۔ زمانۂ جاہلیت میں یہی نسبی تعلّیاں اور فخاریاں عرب کے ہر قبیلہ کا شعار ہو گئی تھیں جس میں آج امروہہ کیا ہندوستان کے مسلمان مبتلا نظر آتے ہیں لیکن آفتاب اسلام نے طلوع ہوتے ہی ایسے تمام ظلمات کے پردوں کو، جن سے ایک قوم کو دوسری قوم پر محض بربنائے اوصاف عالی نسبی ترجیح بلا مرجح حاصل ہوا کرتی تھی، چاک کر دیا اور قوم مسلم کا یہ شعار قرار دیا کہ :-

احسابکم اخلاقکم وانسابکم اعمالکم ﴿ تمہارے حسب تمہارے اخلاق ہیں اور تمہارے نسب تمہارے اعمال

ہندوستان کے مسلمانوں کو آج اسلامی تعلیمات سے جس قدر بُعد ہو گیا ہے اور ہوتا جاتا ہے اسکا ایک تاریک پہلو بھی نسب کا فخر و غرور اور نسل کا امتیاز و افتراق بھی ہے۔ ہندوؤں کی سوسائٹی کے اثرات سے ہندوستان کے مسلمانوں میں بھی چار ذاتیں شیخ، سید، مغل، پٹھان بنگئی ہیں اور اب یہ مرض ایسا متعدی ہو گیا ہے کہ ہندوستان کے جس مسلمان کو دیکھو عرب و عجم سے سلسلۂ نسب ملانے کی دُھن میں مصروف نظر آتا ہے۔ اس سلسلہ میں ہندی مسلم کے نسبی معاملات کو تاریخ کی روشنی میں دیکھنا شاید نامناسب ہو گا۔

ہندی مسلم تاریخ سے ثابت ہے کہ ہندوستان کے مسلمانوں کا جزو اعظم اُن اقوام پر مشتمل ہے جن کے بزرگ پہلے ہندو تھے، مختلف وقتوں اور زمانوں میں مسلمان ہوئے۔ مسٹر (بعد میں سر) ٹی، ڈبلیو آرنلڈ، سابق پروفیسر علی گڈھ کالج، اپنی معرکۃ الآرا تصنیف "پریچنگ آف اسلام" میں لکھتے ہیں :-

"ہندوستان کے مسلمانوں کو دو طرح پر تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ایک قسم کے مسلمان تو وہ

ہیں جو غیر ملکوں ہی سے مسلمان آئے اور اس ملک میں آباد ہوئے۔ دوسری قسم کے مسلمان وہ ہیں جو ہندوستان کے قدیم مذہبوں میں سے کسی مذہب کو پہلے مانتے تھے لیکن مختلف وقتوں اور زمانوں میں تعلیم و تلقین کے ذریعہ سے ان کو مسلمان کر لیا گیا۔۔۔۔۔۔

۔۔۔۔۔۔۔۔۔

ہندوستان کے مسلمانوں میں نصف سے زیادہ ایسے لوگ ہیں جو اپنے نام کے ساتھ شیخ بیگ یا خان کا لفظ بلکہ بعض صورتوں میں سید کا لقب اختیار کرتے ہیں لیکن ان لوگوں کا زیادہ حصہ وہ ہے جنھوں نے بذات خود مذہب اسلام قبول کیا یا جو ہندوستان کے نومسلموں کی نسل سے ہیں اور انھوں نے بعد میں ان عالی منزلت اشخاص کا قومی لقب اختیار کر لیا جن کے ہاتھ پر انہوں نے یا ان کے بزرگوں نے دین اسلام قبول کیا تھا۔" ۱؎

ہندوستان کے نومسلموں میں، جنھیں اب "نومسلم" کہنا صحیح نہیں کیونکہ صدیوں سے یہ لوگ نسلاً بعد نسل مسلمان چلے آتے ہیں، ہر قوم و نسل کے لوگ شامل ہیں۔ ہندوؤں کے اعلیٰ طبقہ اور "اونچ ذات" قوموں جیسے برہمن، راجپوت، جاٹ، گگے، گوجر وغیرہ لیکن ہندوستان کے نومسلموں کا زیادہ حصہ ان اقوام پر مشتمل ہے جن کو "اونچ ذات" کے ہندوؤں کی چیرہ دستی اور اپنی پست حالت کے احساس نے ایک ایسے مذہب یعنی اسلام قبول کرنے پر آمادہ کیا جس کے حلقہ میں شامل ہوتے ہی انہیں تمدنی و معاشرتی حقوق مساویانہ طور پر حاصل ہو گئے یعنی ہندوستان کے قدیم اور اصلی باشندے جنھیں آریہ قوم کے غرور نے انہیں "شودر" کا لقب دیا تھا۔

آرنلڈ صاحب دوسرے موقع پر لکھتے ہیں کہ:-

"جنوبی ہندوستان میں بعض "پنچ قوم" کے آدمیوں کے لئے ضروری ہے کہ برہمن سے چوہتر قدم کے فاصلہ پر رہیں، اس سے زیادہ قریب آنے کی جرأت نہ کریں اور جب راستہ چلتے ہوں تو پکارتے چلیں تاکہ "اونچ ذات" والے ان کے پاس نہ آویں۔ اس قسم کی اور نظیریں بکثرت سے بیان ہو سکتی ہیں۔ پس کیا تعجب ہے کہ ان ادنیٰ قوموں کے مسلمان ہونے سے مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہوا ہو۔۔۔۔۔۔۔

۔۔۔۔۔۔۔

داعیانِ اسلام جب بنگال پہنچے تو نیچ ذات کے ہندو اور وہاں کے اصلی باشندے جو ہندوں کے مذہب سے قریب قریب خارج سمجھے جاتے تھے اور اپنے آرین سرداروں کے ہاتھوں سے طرح طرح کی ذلتیں اور اذیتیں اٹھاتے تھے، مسلمانوں کی طرف ہاتھ پھیلا کر بڑھے

"ان لوگوں کے نزدیک جن میں مفلس ماہی گیر، شکاری، بحری قزاق، اور ادنیٰ قوم کے کاشتکار شامل تھے، مذہب اسلام ایک رحمت اور اوتار تھا جو ان کے لئے آکاش سے اترا تھا اور اس کے پھیلانے والے وہ باخدا اشخاص تھے جو توحید کا پیام اور سب انسانوں کے برابر اور مساوی ہونے کا مژدہ ایک ایسی مخلوق کے پاس لائے تھے جس کو سب ذلیل و خوار سمجھتے تھے۔" [1]

صوبجات ممالک متحدہ کے چماروں اور کوریوں کے مسلمان ہونے کی داستان گزیٹر صوبہ اودھ میں جس طرح بیان کی گئی ہے اس کا اقتباس آرنلڈ صاحب نے اپنی کتاب میں درج کیا ہے وہ فرماتے ہیں:

"ملک اودھ کے بعض زرعی اضلاع میں نیچی ذات کے ہندوؤں کا مسلمان ہونا عجیب طرح سے پیش آیا ہے........ جس جس طرح کی پابندیوں سے یہ چمار اور کوری جو ہندوؤں میں سب سے زیادہ ذلیل سمجھے جاتے ہیں مسلمان ہو کر آزاد ہو سکتے ہیں اور جس قسم کی سہولتیں اسلام قبول کرنے سے انہیں حاصل ہوتی ہیں وہ ذیل کی عبارت سے ظاہر ہے جس میں ان کی قومی حالت ہندو ہونے کی حیثیت سے بیان کی گئی ہے:-

کوری اور چمار یعنی جولاہے اور موچی مصیبت اور ذلت کے نیچے سے نیچے طبقہ پر پڑے ہیں ان میں سے اکثر جو شمالی اضلاع میں رہتے ہیں ان کی زندگی بالکل غلامی میں بسر ہوتی ہے........ فاقہ زدہ، بدن نزار، رنگتیں سیاہ، صورتیں بدہیئت، چہروں پر بے وقوفی کے آثار، غلیظ اور ناپاک ایسے کہ دیکھنے سے نفرت ہو، غرض یہ سب باتیں ان کے چھوٹے کرم اور دکھوں کا

---

[1] پریچنگ آف اسلام صفحہ ۲۱۹ - [2] پریچنگ آف اسلام صفحہ ۲۲۵ -

تقدیر کا ثبوت ہیں جس نے ان کو ذلت و خواری کے اس درجہ پر پہنچا دیا ہے جس میں انسان ہو کر وہ جانوروں سے بدتر شمار ہونے لگے...... تبدیلِ مذہب ان لوگوں کی نجات کا موجب ہوتا ہے۔" [1]

صوبہ بنگال میں مسلمان جولاہوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ ان کے حلقہ بگوشِ اسلام ہونے کا واقعہ بھی یہی ہے۔ صاحب "پریچنگ آف اسلام" لکھتے ہیں کہ:-

"اونچی ذات کے ہندو نیچی ذات کے ہندوؤں کو نہایت ذلیل و خوار سمجھتے ہیں اور جب نیچی ذات کے ہندو کو اپنی ترقی کی خواہاں پاتے ہیں تو اس کو ہر طرح سے نقصان پہنچاتے ہیں۔ جب ان باتوں کا ایسے مذہب سے مقابلہ کیا جاتا ہے جس میں کوئی شخص ذات باہر نہیں ہو سکتا اور ہر شخص کو ترقی کرنے کے لئے آزادی ملتی ہے تو اسلام کے فوائد حقیقی دل پر روشن ہو جاتے ہیں۔ بنگال کے جولاہے جو سوتی کپڑا بننے کا پیشہ کرتے ہیں، ان کو ہندو بہت ذلیل جانتے ہیں اسلئے یہ جولاہے اس ذلت کی حالت سے چھٹکارا پانے کی خاطر بڑی تعداد میں دینِ اسلام قبول کر لیتے ہیں۔" [2]

مسلمان ہونے کے بعد ان لوگوں کو ترقی کرنے کے مواقع حاصل ہوئے چنانچہ آج بنگال کے مسلمان جولاہوں میں بہت سے اشخاص زیورِ علم سے آراستہ نظر آتے ہیں، اکثر خوشحال ہیں، اسلام قبول کرنے کے بعد یہ "مومن" یعنی مسلم کہلائے جو ان کا قومی لقب پڑ گیا۔ اپنی برادری کی اصلاح کا جذبہ بھی پیدا ہوا ہے، انجمنیں بھی قائم ہیں۔ "المومن" نام سے ایک اخبار بھی نکلتا ہے۔ ان کے بعض افراد بھی عرب نژادگی کے خبط میں مبتلا ہیں۔

عرب نژادگی کا بے بنیاد ادعاء

مسلمان پیشہ ور اقوام میں سے بعض گروہوں مثلاً پنجاب کے میراثیوں، قصائیوں اور نوربافوں (جولاہوں) کے کچھ افراد اپنے کو کچھ عرصہ سے **قریشی** اور **انصاری** بیان کرنے لگے ہیں، یہ ادعاء ان کا تاریخی شواہد کے سراسر خلاف ہے

---

[1] پریچنگ آف اسلام صفحہ ۲۲۹۔ [2] پریچنگ آف اسلام صفحہ ۲۳۶۔

مسٹر جان بیمس ایم۔ آر۔ اے۔ ایس نے ایک موقع پر صحیح لکھا ہے کہ

"صوبجات ممالک مغربی و شمالی کے تمام حصص میں جو باشندے ہندو تھے اور اب مسلمان ہیں ان کی بڑی تعداد شیخ، سیّد اور پٹھان کے قومی لقب اختیار کرنے میں بہت بیباک ہیں۔ بہت سے اپنے کو لفظ "خان" سے منسوب کرتے ہیں اور بعض تو سیّد تک لکھنے لگے ہیں بالخصوص اس حالت میں کہ ان کو دولت و تمول کے اعتبار سے سوسائٹی میں درجۂ امتیاز حاصل ہو گیا ہو۔ صوبۂ پنجاب میں جہاں تبلیغ مذہب اسلام کا سلسلہ بہت وسیع پیمانہ پر جاری رہا ایک شعر ضرب المثل کے طور سے مشہور ہے جو غالباً کسی نومسلم کی زبان سے بیان کیا جاتا ہے:

اوّلاً **ندّاف** بودم بعدہ گشتیم **شیخ** غلّہ چوں ارزاں شود امسال **سیّد** می شوم

جس کا مطلب یہ ہے کہ میں ذات کا **دُھنا** تھا پھر **شیخ** بن گیا اور اب اگر غلّہ سستا ہو گیا اور فارغ البالی نصیب ہوئی تو **سیّد** بن جاؤں گا۔

اس سلسلہ میں مسٹر موصوف نے ایک دلچسپ واقعہ بھی لکھا ہے۔ فرماتے ہیں کہ:

"مجھے خوب یاد ہے کہ گذشتہ [illegible]ء میں ضلع گجرات پنجاب میں ایک مضحکہ انگیز واقعہ پیش آیا تھا۔ عدالت دیوانی کا ایک مسلمان سررشتہ دار ہمیشہ سرکاری کاغذات میں اپنے نام کے ساتھ "سید ہاشمی قریشی" لکھا کرتا تھا لیکن بعد میں تحقیق کرنے سے پتہ چلا کہ اس کا باپ جو ادنیٰ حیثیت کا شخص تھا ذات کا لوہار ہے۔ بیٹے نے کچھ تعلیم پا کر سررشتہ داری کا عہدہ حاصل کر لیا تو وہ لوہار سے سیّد بن گیا۔

اکثر طبائع انسانی میں تشخّص و جاہ طلبی کا مادّہ ہوتا ہے۔ مسٹر جان بیمس نے جو شعر بطور ضرب المثل نقل کیا ہے وہ شاعرانہ تخیّل ہی نہیں بلکہ امر واقعہ ہے جس کی تصدیق اسلامی بستیوں سے

لہ میموارس آف ہسٹری آف ... ایلیٹ ۔ ٹہ : Mr. John Beames

مقامی حالات سے ہو سکتی ہے۔ ہندی مشہور مثل ہے "ماباکے تین نام۔ پرسا، پرسو اور پرس رام" یعنی جب کچھ نہ تھا "پرسا" کہلاتے تھے جب ذرا حالت سنبھلی "پرسو" بن گئے اور جب سوسائٹی میں کوئی حیثیت حاصل کرلی تو "لالہ پرس رام" کہلانے لگے۔ یعنی یہی حال مسلمانوں کی سوسائٹی کا سمجھئے۔ مثلاً جب ادنیٰ حالت میں تھے "نظرا" تھے۔ جب کچھ حالت سنبھلی "ناظر" کہلانے لگے اور جب ذرا اور رفع البالی نصیب ہوئی تو "شیخ ناظر علی" بن گئے۔ یہاں تک تو خیر غنیمت تھا، دنیاوی ترقی کے یہی تین مراتب ہیں۔ ہر انسان کو ترقی کرنے کا قدرتی حق حاصل ہے اور اسلامی مساوات نے "ترو پائیں" کا کوئی امتیاز ہی باقی نہیں رکھا لیکن یہ کیا لغویت ہے کہ لوگ دنیاوی ترقی کے ساتھ ساتھ اپنا نسب بھی بدل دیتے ہیں۔ پھر اس پر اصرار ہوتا ہے، مضحکہ انگیز اور لغو توجیہات پیش کی جاتی ہیں

ہندوستان کی مسلم پیشہ ور اقوام کے دعویٰ عرب نژادگی کو تسلیم کرلیا جائے تو ہندوستان میں فرد واحد بھی ایسا باقی نہ رہے گا جس کے آباؤ اجداد ہندو مذہب کے دائرہ سے نکل کر حلقہ بگوش اسلام ہوئے تھے۔ صرف ایک صوبہ پنجاب میں ۱۹۳۱ء کی مردم شماری کی رو سے میراثیوں، قصابیوں اور بعض اور ہندی الاصل مسلمانوں کی تعداد جو آج قریشیت کے مدعی بنے ہیں حسب ذیل ہے:۔

۱۔ میراثی	۲,۳۷,۰۲۱
۲۔ قصاب	۱۰,۲۲,۲۳۲
۳۔ آرائیں	۱۰,۹۰,۲۰۹
۵۔ کھوکھر	۶۹,۰۱۶
میزان کل:۔	۱۹,۵۹,۰۰۸

ان کے مقابلہ میں پنجاب کے صحیح النسب قریشیوں کی تعداد صرف ۹۷,۲۲۵ ہے۔ یہ تو صرف ایک صوبہ کی مردم شماری کے اعداد ہیں۔ ان میں بھی نوربافوں وغیرہ کی تعداد شامل نہیں ہے

پس اگر اسی طرح ہندوستان سے باہر کے افراد لے جائیں تو یہاں ان کے سات کروڑ مسلمانوں میں ایک فرد بھی ہندی الاصل باقی نہیں رہتا! حالانکہ ۹ کروڑ ہندی مسلمانوں میں بمشکل ایک کروڑ وہ مسلمان ہونگے جن کے آباواجداد بیرون ہند سے آئے اور ان کو بھی ہندوستان میں رہتے ہوئے اتنی پشتیں ہو گئیں کہ آج انہیں غیر ہندی کہنا ہرگز صحیح نہیں۔

ذیل میں بعض اقوام کے نسبی اور عام تاریخی نقطہ نظر سے روشنی ڈالی جاتی ہے

میراثی:- یہ عربی کے لفظ میراث سے مشتق ہے جس کے معنی موروثی کے ہیں یا آسان اردو لفظ بنا لیا گیا:-

"میراثی" در اصل این لفظ "میراث" عربی است۔ ہندیاں بطور خود لفظ ہندی ساختہ[1]

مرد کو میراثی اور عورت کو میراثن کہتے ہیں۔ فرانسس جانسن اپنی مشہور و مبسوط ڈکشنری (عربی و فارسی) میں لکھتے ہیں:-

میراثی: Hereditary, inherited - A singer (of a caste which follow that profession from generation to generation)[2]	میراثی - یعنی موروثی اور اثت ایک قوم یا دار ہی - یعنی اس ذات کا شخص جو اپنا پیشہ (گانے بجانے کا) نسلاً بعد نسل کرتے چلے آئے ہیں۔

اس کی تائید ایک قدیم سند سے بھی ہوتی ہے جو سادات و شرفاء امروہہ کے مختلف خاندانوں کے بزرگوں نے سنہ ۱۱۲۰ھ میں ببھے میراثی کے ورثاء کو عطا کی تھی جس میں اس امر کی تصدیق کی گئی ہے کہ قدیم الایام سے یہی اشخاص ہماری برادری کے موروثی میراثی ہیں اور دوسرا میراثی ہماری برادری کی "میراث" کا مدعی ہے اس کا دعویٰ غلط ہے۔ تاریخی دلچسپی کے لحاظ سے اس سند کی نقل ذیل میں درج کی جاتی ہے:-

---

[1] فرہنگ [illegible]۔

[2] Dictionary Persian, Arabic, and English by Francis Johnson - 1852

"باعث تحریر ایں سطور در بیان آنکہ بابان جملہ قبیلہ داران فرزندان سید حسین و فرزندان زبدۃ المحققین حضرت گنج شکر و فرزندان و نبیرائے ....[1]

و فرزندان بندگی حضرت شاہ ابن و فرزندان مولانائے لعل و مولانا شیخ الہ جیونا

و فرزندان چودھری ترکمان و فرزندان سالار ایوب و فرزندان ملک بھوران ملک......

سکنہ قصبہ امروہہ تابع سرکار سنبھل مضاف صوبہ دار الخلافہ شاہجہان آباد ایم ویرپولہ

مسماۃ امیران و جان محمد و سکھا و دیگر وارثان میٹھے میراثی بہ اقرار و بہ صحا امیرو ا سناد سلفائے

و بزرگان با جمیع قبیلہ داران مرقومہ ...... سنہ ۱۱۱۱ھ یکہزار و یک صد و یازدہ ہجری

بدیں مضمون حاضر آوردند کہ وجہ میراث خانہائے با جمیع قبیلہ داران مسمی میٹھے پسر

کلاں مسماۃ بندی از قدیم مقرر ہست و میراثیان مذکورہ را در میراث جملہ قبیلہ داران

مرقومۃ الصدر دخل نیست و نہ شدہ لہذا اسناد مسطورہ را صحیح و مسلم داشتیم و وجہ میراث

خانہائے خود را بر طبق اسناد بزرگان بفرزندان میٹھے میراثی مقرر داشتیم و فرزندان .....

میراثی را مداخلت نشود زیرا کہ محقق میراث در فرزندان میٹھے میراثی است ...... کہ تحریر

پیوست۔ تحریر فی التاریخ .... سنہ ۱۱۲۰ھ"

پنجاب میں ایک خاص ایکٹ "قانون انتقال اراضی" کے نام سے رائج ہے جس کی رو سے وہاں کی خاص اقوام کو زرعی اراضی کی خرید و فروخت کا حق حاصل ہے۔ ان اقوام میں صحیح النسب قریشی بھی داخل ہیں۔ میراثی، قسائی یا اسی طرح کی اور اقوام کو یہ حق حاصل نہیں۔ اس بنا پر اب اس چودھویں صدی میں میراثیوں میں بھی قریشی بننے کا شوق پیدا ہوا، عرصہ تک اخبارات و رسالوں میں بحث جاری رہی۔ روزنامہ زمیندار نے ۱۱ مئی سنہ ۳۲ء کی اشاعت میں اس بحث پر ایک مضمون کے دوران میں لکھا تھا کہ:۔

---

[1] بوجہ کہنگی بعض مقامات سے کاغذ شکستہ ہو گیا تھا اسلئے صاف پڑھنے میں نہیں آتا۔ یہ مقامات نقل میں سادہ چھوڑ دیئے گئے۔

> جب حکومت نے قریشیوں کو اقوام زراعت پیشہ میں شامل کیا، تمام اقوام جو غیر زراعت پیشہ ہونے کے باعث اراضی زرعی نہیں خرید سکتی تھیں، قریشی بن گئیں
>
> اس کے بعد صوبجات متحدہ کے قصابوں کو قریشی بنے کا شوق چرایا.........
>
> (میراثیوں کو بھی) خیال ہوا کہ جب دھنے، جولاہے، قصاب، حجام سب قریشی بن رہے ہیں تو ہم کیوں میراثی رہیں، انہوں نے اعلان کر دیا کہ میراثی بھی شجر قریشیت کی ایک شاخ ہیں..........."

پنجاب کے میراثیوں نے اپنے قومی لقب کے متعلق یہ عجب مضحکہ انگیز توجیہ پیش کی تھی کہ ابتدائے اسلام کے عہد میں تقسیم میراث کا منصب ہمارے بزرگوں سے متعلق تھا اسلئے ہم میراثی کہلاتے ہیں فریق مخالف نے اس کا ترکی بہ ترکی جواب دیا کہ تمہارے بزرگوں کے غیر مشروع اعمال دیکھکر کسی مسلمان بادشاہ نے انہیں "میرِ عاصی" کا خطاب دیا تھا۔ کثرت استعمال سے "مراسی" ہو گیا۔ لیکن یہ توجیہ اور اس کا جواب دونوں حقیقت سے دور ہیں۔ میراثی کی وجہ تسمیہ وہی ہے جو اوپر مذکور ہوئی ہے۔ میراثیوں کا نسبی تعلق حقیقتاً ہند و بھاٹوں سے ہے، اور بھٹی ان کا علاً اب تک موروثی پیشہ ہے۔ اخبار مذکور نے محولہ بالا مضمون میں بالکل صحیح لکھا ہے کہ :-

> "ہمارے سامنے میراثیوں کا کوئی نسب نامہ نہیں جس کے مطالعہ سے ہم کسی نتیجہ پر پہنچ سکیں، لیکن اس قوم کے افراد کی قومی سیرت پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا جہان کا کوئی عیب نہیں جو ان میں نہ پایا جاتا ہو، چاپلوسی ان کی گھٹی میں پڑی ہے، جھوٹی تعریف ان کا شیوہ، تملّق و خوشامد ان کا پیشہ، مسخرگی ان کا شعار، امرا کی محفلیں یہ گرماتے ہیں، غربا میں یہ اچھلتے کودتے، ناچتے اور گاتے ہیں، شاہدان بازاری کی طبلہ بانی یہ کرتے ہیں، اور اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ غیرت و حمیت جو قبیلہ قریش کا خاص جوہر ہے، اس میں انہیں کہاں تک حصہ ملا ہے۔

تان سین کا نام اچھالنے والے، بیجو باورے کی روح پُر فتوح کو ثواب پہنچانے والے، موسیقی کے

علم بردار میدان نے نوازی کے شہسوار' بہاؤ بتا باکر بہر کہنے والے' بچّے، ٹھمری دھرپت چھوڑ کر قرشیت کا نیا راگ الاپنے لگے' سازنگی کے گز سے تاریخ کے میدان کو ناپنے لگے' عقائد کا یہ عالم ہے کہ ہر قبر ان کا خدا' ہر پیران کا دستگیر اور اس پہ قرشیت کا دعویٰ –

ع مدارِ روزگار سفلہ پرور را تماشا کن"

قصّاب یا قسائی :- قصّاب عربی زبان کا لفظ ہے جو گوشت فروش کے معنی میں اسی طرح مستعمل ہے جس طرح بعض اور پیشوں کے عربی و فارسی کے مختلف الفاظ مثلاً نجّار' خیّاط معمار' ندّاف' مطرب' سقّہ وغیرہ مستعمل ہیں۔

قصّاب کا مادّہ "**قصب**" ہے جس کے معنی عربی زبان میں کاٹنے اور بالخصوص بکری کے پارچے کرنے کے ہیں۔ گوشت فروش چونکہ گوشت کے ٹکڑے پارچے کرتا ہے اسلئے "**قصّاب**" یعنی کاٹنے والا کہلایا۔ قصّاب کا لفظ عربی زبان میں دوسرے معنی میں بھی آتا ہے مثلاً بہت بکار یا بین بجانے کے معنی میں۔ اس کی جمع "قصابہ" ہے۔ عربی میں اونٹ کے گوشت فروش کو "خبار" کہتے ہیں اور اردو زبان میں قصّاب کو **قسائی** بحرف "س" –

بعض کا خیال ہے کہ **قسائی** کا اردو لفظ عربی کے لفظ "**قص**" سے بگڑ کر قسائی ہوا' صاحب فرہنگ آصفیہ لکھتے ہیں کہ :-

"قسائی کا لفظ عربی کے لفظ قصّ بمعنی مار ڈالنے سے بگڑ کر قسائی ہوا۔"[1]

لیکن قول مرجح یہ ہے کہ قسائی لفظ **قسی** یا **قساوت** سے مشتق ہے' اس کو حرف "ص" سے لکھنا صحیح نہیں' صاحب فرہنگ محتشمی کہتا ہے کہ :-

آنچہ در عوام "قصائی" بحرف ص شہرت دارد محض غلط است۔[2]

جو عوام میں لفظ "قصائی" بحرفِ ص سے مشہور ہے محض غلط ہے۔

قسائی چونکہ **قسی** یا **قساوت** سے مشتق ہے اسلئے بے رحمی کے معنی میں استعمال ہوتا ہے'

---

[1] فرہنگ آصفیہ مطبوعہ [2] فرہنگ محتشمی۔

حضرت شوق فرماتے ہیں :-

جو بچے تجھ سے تو خدائی ہے　　　آدمی کا ہبکو قسائی ہے

قصّاب کا پیشہ بھی چونکہ ایک طرح سے بے رحمی کا پیشہ ہے اسلئے مجازاً قصّاب کو اردو زبان میں قسائی کہنے لگے۔ اردو لٹریچر کی متعدد کہاوتوں اور استعارے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے مثلاً "قسائی کے کھونٹے بندھنا" یا "قسائی کے حوالے" ہونا جیسے "بھنیسا بھینسوں میں یا قسائی کے حوالے"۔ حضرت سودا کا مشہور شعر ہے۔

جس دن سے اس قسائی کے کھونٹے بندھا ہوں　گزرے ہے اس نمط سے ہر لیل و ہر نہار

آئین اکبری کی عبارت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ قصّابوں کو ان کے پیشہ کی بنا پر قساوت دلی سے منسوب کیا گیا۔ علّامہ ابو الفضل عہدہ کوتوال[1] کے فرائض کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

قصّاب و صیّاد و دغّال و کنّاس را از مردم جدا جائگاہ دہد۔ و مردم را از آمیزش ایں سنگ دلان سیہ دروں بر کنارہ دارد۔[2]	قصّابوں، چڑی ماروں، مردہ شوؤں اور بھنگیوں کی سکونت کا مقام شہری آبادی سے جدا رکھے اور دوسرے باشندوں کو ان بے رحموں اور سیاہ دلوں کے ملنے جلنے سے باز رکھے۔

سلطنت اسلامی کے زمانہ میں قسائیوں کی سکونت امروہہ میں بھی زیادہ تر کنارہ آبادی تھی۔ اب کچھ عرصہ سے اس قوم کے بعض ناواقف موقع شناس اور جاہ طلب اشخاص کہنے لگے ہیں کہ قسائی بھی حضرت رسول کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے جدِ اعلیٰ جناب قصی بن کلاب کی نسل سے ہیں اسلئے "قصائی" کہلاتے ہیں۔ یہ بات تو وہ ہی ہوئی کہ کسی

---

[1] عہد مغلیہ میں اندرون شہر کے حاکم کو "کوتوال" اور بیرون شہر کے حاکم کو "فوجدار" کہتے تھے جو آجکل کے سٹی مجسٹریٹ اور ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کے مساوی سمجھئے۔ [2] آئین اکبری جلد اول مطبوعہ نولکشور پریس ۱۸۹۲ء صفحہ ۱۶۰۔

جاہل پٹھان سے کسی نے کہا کہ خان صاحب! تمھاری قوم یوں تو بڑی بہادر قوم ہے مگر تم میں کوئی نبی آج تک نہیں ہوا' خان صاحب یہ سن کر برافروختہ ہو گئے' کہنے لگے کہ واہ' پٹھانوں میں نبی کیوں نہ ہوتے' کیا **عیسیٰ روہیلہ** تیرا دادا تھا؟ معاذ اللہ! جس طرح اس نادان پٹھان نے حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا کے خطاب **رُوحُ اللہ** کی مٹی **روہیلہ** کے لفظ سے پلید کی تھی اسی طرح آج جہالت کی بدولت جناب **قصیّ** کے خطاب کی مٹی لفظ **قسائی** سے پلید کیجاری ہے کجا قصیّ اور کجا قسائی؟ - چہ نسبت خاک را با عالم پاک - لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللہ -

اگر بات کہئے تو ایسی تو کہئے — کہ دائرہ ہوا مکان عقلی کے اندر
نہ ایسی جسے سنکے گرجائے چھت بھی — نکلجائے کتنوں کا دب کر کچومر

جناب قصیّ کے نامور اجداد

باشندگان ملک عرب حضرت **نوحؑ** کے فرزند **سام** کی نسل سے ہیں' اسی نسبت سے ان کو سامی النسل (Semetic Race) کہتے ہیں - بلحاظ قبائل ان کی دو بڑی شاخیں ہیں یعنی :-

بنو قحطان :- یہ ابتداءً بلاد یمن میں رہتے تھے' یمن میں جب مشہور سیلاب آیا' جسکو "سیل عرم" کہتے ہیں تو یہ لوگ یمن سے نکلکر مدینہ میں آکر آباد ہوئے - ان میں اوس و خزرج دو بھائی تھے' تمام انصار ان ہی دو کی اولاد سے ہیں -

بنو عدنان :- یا بنو اسمٰعیل - ان کی سکونت ارض مقدسہ حجاز و نجد اور ان کے قرب و جوار میں تھی - ان کا انتساب حضرت اسمٰعیل بن حضرت ابراہیم علیہم السلام سے ہے - اس قبیلہ میں عدنان (یا اُدنان) اپنے زمانہ کے مشہور شخص تھے ان کے نام سے یہ قبیلہ موسوم ہوا - جناب قصیّ کے اجداد اسی قبیلہ سے تھے' ان کا سلسلۂ نسب اس طریق پر ہے:-

قصیّ بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوئے بن غالب بن فہر الملقب بہ قریش بن مالک بن نضر بن خزیمہ بن مدرکہ بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان -

یہ دونوں قبیلے قحطانیہ اور اسماعیلیہ اُس قدیم زمانہ میں متمدّن قبیلے تھے جب دنیا میں تمدُن و تہذیب کی کرنوں کی پو پھوٹ رہی تھی بالخصوص اسماعیلیہ جس میں یکے بعد دیگرے نبی اور پیغمبر ہوتے رہے۔ عدنان سے نویں پشت میں فہر ہوئے جو قریش کے لقب سے ملقّب ہوئے[1]۔ عربی میں قریش ایک مچھلی کا نام ہے جو تمام مچھلیوں کو نگل جاتی ہے۔ چونکہ فہر بن مالک اپنے زمانہ کے بہت بڑے سردار تھے جن کے سامنے اور سرداروں کی کوئی حقیقت نہ تھی اسلئے آپ کو اس مچھلی سے تشبیہ دی گئی اور یہ قریش مشہور ہوئے، انہی کی اولاد قریشی کہلاتی ہے۔ حافظ عراقی سیرت منظوم میں یہاں لکھتے ہیں :-

اما قریش فالاصح فہر جماعہا والاکثرون النضر

ظہور اسلام سے صدہا برس پہلے سے قریش کا شغل تجارت تھا، لیکن وہ ہندوستان کے قسائیوں کی گوشت فروشی (قصّابی) کی تجارت نہ تھی۔ قریش کے تجارتی قافلے دور دراز ممالک کو جاتے، یہ ان کے مالک ہوتے، صدہا غلام نوکر چاکر ساتھ ہوتے۔ ایک موسم میں یمن کی طرف کوچ ہوتا اور دوسرے موسم میں بصرے کی جانب۔

اگرچہ اس زمانہ میں تجارت کی راہیں خطرناک تھیں مگر قریش کے لئے کوئی خطرہ نہ تھا کیونکہ ہر شخص ان کی تعظیم و تکریم کرتا تھا۔[2]

یہ تجارت بھی معمولی پیمانہ پر نہ تھی۔ قریش کا ایک ایک فرد ہزاروں درہم دوسروں کو قرض دے دیتا تھا۔ ابن الندیم نے لکھا ہے کہ میں نے امیر المومنین مامون الرشید عباسی کے کتب خانہ میں ایک دستاویز دیکھی تھی جو خلیفہ کے جد اعلیٰ جناب عبدالمطلب بن ہاشم کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تھی۔ اس کے الفاظ یہ تھے :-

حقّ عبد المطّلب بن ہاشم من اہل مکۃ ﴿ یہ عبدالمطلب بن ہاشم (جو مکہ کا باشندہ ہے) کا قرضہ

---

[1] بعض محققین کے نزدیک فہر کے دادا نضر سب سے پہلے قریش کے لقب سے ملقب ہوئے [2] تاریخ تمدن اسلام جرجی زیدان

علی فلان ابن فلان الحمیری من اھل ذی زبل	فلاں شخص پر ہے جو صفا کا رہنے والا ہے۔ یہ
صفا علیہ الف درھم فضۃ کیلًا بالحدید	چاندی کے ہزار درہم ہیں، جب طلب کیا جائیگا
ومتٰی دعاہ بھا اجابہ شھد اللہ والملکان	تو وہ ادا کریگا۔ خدا اور دو فرشتے گواہ ہیں

ظہور اسلام کے وقت **قریش** میں سخت سے سخت کافر بھی تھے اور وہ بھی تھے جنھوں نے اسلام و پیغمبر اسلام علیہ التحیۃ والصلوات کی دشمنی و ایذا رسانی میں کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھا اور وہ بھی یہی تھے جنھوں نے اسلام کی اشاعت اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہر قسم کی قربانیاں اور جاں فروشیاں کیں لیکن کفار قریش اور قریشی مسلموں کے نسبی اور قومی عظمت کا اندازہ حضور سرور کائنات کے اس ارشاد سے ہو سکتا ہے :-

عن ابی ھریرۃ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم الناس تبع لقریش فی ھذا الشان مسلمھم تبع لمسلمھم وکافرھم تبع لکافرھم	یعنی ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دین اور پیشوائی میں سب لوگ قریش کے تابع ہیں اس طرح پر کہ (دوسرے قبیلوں کے جو) مسلمان ہیں وہ ان قریشی مسلمانوں کے اور (جو اور قبیلوں کے) کافر ہیں وہ (قریشی) کافروں کے تابع ہیں۔

غرضکہ جناب قصیّ بن کلاب کا نسبی تعلق ایسے باعظمت قبیلہ سے تھا۔

جناب قصیّ اور انکی اولاد امجاد

جناب قصیّ کا نام نامی **زید** تھا، ان کا لقب قصیّ اس وجہ سے پڑ گیا تھا کہ بچپن میں وہ اپنی والدہ کے ساتھ اپنے وطن آبائی سے بہت دور رہا رہے تھے۔ عربی زبان میں **قصیّ** اپنے اعزا سے دور دراز مقام پر جا رہنے کو کہتے ہیں۔ قصیّ کے معنی عربی میں بعید و رفاصلہ کے ہیں۔ قصیا عربی میں بہت دور کے معنی میں آتا ہے، اس کا مذکر اقصیٰ ہے جیسے مغرب اقصٰی وغیرہ۔

وکان زھرۃ بن کلاب کبیرا فترکتہ عند قومہ وحملت زیدًا معھا لانہ کان فطیمًا	قصیّ کے بڑے بھائی زہرہ بن کلاب کو تو ان کی قوم میں چھوڑ گئے اور زید یعنی قصیّ کو اپنے ساتھ لے گئے کیونکہ وہ کمسن تھے اور بچ

فسمی قصیًا لانہ اقصی عن دارہ ھ ؎ نام قصی اس لئے پڑ گیا کہ وہ اپنے وطن سے زیادہ فاصلے پہ بنگئے
جناب زید الملقب بہ قصیؔ اپنے زمانہ کے مشہور سردار قریش ہوئے انھوں نے اپنی ذاتی
کوششوں سے تمام قبائل قریش کو باہم متحد کیا اور اس وجہ سے ان کا ایک اور لقب
مجمّع یعنی جمع کرنے والا پڑ گیا تھا۔ بعض اسی وجہ سے ان کو لقب قریش سے بھی ملقب
کرتے ہیں۔ شاعر کہتا ہے ؎

ابوکم قصیٌ کان یدعی مجمّعًا　　　به جمع الله القبائل من فهر

تمہارے جد قصی ہیں انکو مجمع بھی کہا جاتا ہے　　　کیونکہ انکے ذریعہ اللہ نے اولاد فہر (قریش) کو متحد کر دیا تھا

ایک عیسائی مصنف جناب قصیؔ کا تذکرہ ان الفاظ میں کرتا ہے:۔

"قریش کے سردار قصیؔ ابن کلاب بن مرّہ نے جو علاوہ اپنی ذاتی شرافت کے بہت بڑے حکیم، عاقل و دانشمند اور ذی وجاہت تھے، متولی کعبہ کی بیٹی سے نکاح کر لیا جس سے غرض یہ مدنظر تھی کہ کعبہ کی سدانت (تولیت) بھی پھر بنی قریش کے قبضہ میں آجائے.......
چونکہ خانہ کعبہ کے متولی کے لئے یہ بات بھی ضروری تھی کہ وہ مکّہ کا بہت بڑا سردار ہو اسلئے قصیؔ نے تمام قریش کو جمع کر کے اپنی سرداری پیش کی لوگوں نے ان کو بخوشی اپنا سردار اور آقا تسلیم کر لیا۔ قصیؔ نے مکّہ کے چار حصے کئے، مکانات بنائے۔ اس وقت سے مکّہ بڑی رونق سے آباد ہوا" ؎۲

علامہ شبلی نعمانی سیرۃ النبی میں فرماتے ہیں:۔
"نضر کے بعد فہر اور فہر کے بعد قصیؔ نے نہایت عزت و اقتدار حاصل کیا..... قصیؔ نے ایک دارالمشورہ قائم کیا جس کا نام دارالندوہ رکھا، قریش جب کوئی جلسہ یا جنگ کی طیاری کرتے تو اسی عمارت میں کرتے، قافلے باہر جاتے تو یہیں سے تیار ہو کر جاتے، نکاح اور دیگر تقریبات کے مراسم یہیں ادا ہوتے،

؎۱ عمدۃ الطالب مطبوعہ ص　　　؎۲ تاریخ تمدن اسلام جرجی زیدان

قصیؔ نے بڑے بڑے نمایاں کام کیے جو ایک مدت تک یادگار رہے، مثلاً سقایہ اور رفادۃ

خدام حرم کا سب سے بڑا منصب تھا، انہی نے قائم کیا، تمام قریش کو جمع کر کے تقریر کی کہ

سیکڑوں ہزاروں کوس سے لوگ حرم کی زیارت کو آتے ہیں، انکی میزبانی قریش کا فرض

ہے، چنانچہ قریش نے ایک سالانہ رقم مقرر کی جس سے منیٰ اور مکہ معظمہ میں حجاج کو کھانا

تقسیم کیا جاتا تھا، اس کے ساتھ چرمی حوض بنوائے جن میں ایام حج میں پانی بھر دیا جاتا تھا

کہ حجاج کے کام آئے، مشعر حرام بھی انہی کی ایجاد ہے، جس پر ایام حج میں چراغ جلاتے

تھے، چنانچہ عقد الفرید میں تصریح کی ہے، قصی نے اس قدر شہرت اور اعتبار حاصل کیا کہ

بعض لوگوں کا بیان ہے کہ قریش کا لقب اول انہی کو ملا......"[1]

جناب قصیؔ کی اولاد کے کارنامے

اس مشہور سردار قریش یعنی جناب زید الملقب بہ قصیؔ کے چار اور بروایت دیگر چھ فرزند ہوئے، یعنی عبد مناف، عبد العزیٰ، عبد الدار اور عبد قصیؔ۔ یہ چاروں امیرزادے اپنے زمانہ کے نامور زعمائے قریش سے ہوئے۔ ان میں ایک کی نسل منقطع ہے یعنی آخر الذکر کے دو بیٹے منہب اور دہب ہوئے لیکن ان سے نسل نہیں چلی۔ بقیہ تین بھائیوں سے وہ تین جلیل القدر خاندان متفرق ہوئے جنھوں نے اپنے علم و فضل، اپنی سیادت و قیادت، اپنی جہانبانی و جہانگیری اور اپنے لازوال اور تابناک کارناموں سے تاریخ عالم میں ممتاز جگہ حاصل کی یعنی عبد مناف سے خاندان **بنی ہاشم**، **بنی امیہ**، عبد العزیٰ سے خاندان **اسد و زبیر**، عبد الدار سے خاندان **ابو سعد بن ابو طلحہ**۔ ان تمام خاندانوں کے ایک ایک فرد کا نام، اس کے حالات، اسکے کارنامے اور اس کے مشاغل دنیا کو معلوم ہیں، کیا ان ہی مشہور و معروف، کیا ان ہی باعظمت و جبروت، کیا ان ہی

---

[1] سیرۃ النبی جلد اول۔ صفحہ ۱۱۱۔

[2] Geneologische Tebellen der Arabischen Slämme und Familian (Wästenfeld)

جامع فضائل و مکارم، کہاں یہی معدن تہذیب و تمدن خاندانوں سے ہندوستان کے وہ قسائی اپنا نسبی تعلق پیدا کرنے کے آج مدعی بنے ہیں جن کی تمدنی پستی، جن کی قومی سیرت جن کی ادنیٰ حالت کا تھوڑا بہت اندازہ علامہ **ابوالفضل** کے اس فقرہ سے ہو سکتا ہے جو کسی دوسری جگہ نقل ہے کہ جبکہ ان کے پیشہ اور پست حالت کی بنا پر اسلامی سلطنت میں بحکم شاہی، دوسری پست اقوام کی طرح باشندگان شہر سے دور رکھا جاتا تھا اور مسلمانوں کے کسی شریف طبقہ میں شمار نہ ہوتا تھا۔ کجا سرداران قریش کے وہ نامور خاندان جن کے ایک ایک فرد نے ربع مسکون میں عظیم الشان سلطنتیں قائم کیں کجا ہندوستان کے وہ جدید مدعیان قرشیت جن کے سیکڑوں خاندان اسی خاندان قریش کے ان چند افراد کی اولاد کے جو ہندوستان کے اور مقامات کی طرح امروہہ میں بھی آکر سکونت پذیر ہوئے زیردست اور رعایا کی طور سے نسلاً بعد نسل ادنیٰ حالت میں زندگی بسر کرتے رہے!

یہ سچ ہے کہ بہ کمال زوالے خاندان قریش کا وہ دبدبہ اور جہانگیری اب باقی نہیں رہا لیکن ان کی گذشتہ عظمت کی یادگاریں آج بھی دنیا میں باقی ہیں اور رہتی دنیا تک باقی رہیں گی

جہاں کو ہے یاد ان کی رفتار اب تک　　کہ نقش قدم ہیں نمودار اب تک
ہیں سیلون[۱] میں ان کے آثار اب تک　　انہیں رو رہا ہے ملیبار[۲] اب تک

ہمالہ کو ہیں واقعات ان کے ازبر
نشاں ان کے باقی ہیں جبرالٹر[۳] پر

نہیں اس طبق پر کوئی اقلیم اعظم　　نہ ہو جس میں ان کی عمارات محکم
عرب، ہند، مصر، اندلس، شام، دیلم　　بناؤں سے ہے ان کی معمور عالم

۱؎ سیلون یعنی لنکا ہندوستان سے متصل جنوب میں مشہور جزیرہ ہے۔ ۲؎ ملیبار ہندوستان کے جنوب میں بحر ہند کے مغربی ساحل پر واقع ہے۔ ۳؎ جبرالٹر کو جبل طارق اور جبل الفتح کہتے تھے۔ اسی سے بگڑ کر جبرالٹر ہوا مشہور فاتح طارق

سرِ کوہ آدمؑ سے تا کوہ بیضاؔ
جہاں جاؤ گے کھوج پاؤ گے اِن کا
وہ سنگیں محل اور وہ اُنکی صفائی   جمی جن کے کھنڈروں تک دُھوپ کالی
وہ مرقد کہ گنبد تھے جن کے طلائی   وہ معبد جہاں جلوہ گر تھی خدائی
زمانہ نے گو اُن کی برکت اٹھالی
نہیں کوئی ویرانہ پر اُن سے خالی
کوئی قرطبہ کے کھنڈر جا کے دیکھے   مساجد کے محراب و در جا کے دیکھے
حجازی امیروں کے گھر جا کے دیکھے   وہ اُجڑا ہوا کرّوفر جا کے دیکھے
جلال انکا کھنڈروں میں ہے یوں چمکتا
کہ ہو خاک میں جیسے کندن دمکتا
ہوا اُندلس اُن سے گلزار یکسر   جہاں اُن کے آثار باقی ہیں اکثر
جو چاہے کوئی دیکھ لے آج جا کر   یہ ہے بیتِ حمرا کی گویا زباں پر
کہ تھے آلِ عدنان سے میرے بانی
عرب کی ہوں میں اس زمیں پر نشانی

خاک مردہ پر بھی اسی آلِ عدنان کے، اسی خاندان قریش کے ان ہی ہاشمیوں فاطمیوں کے، جو سید القریش ہیں، بعض افراد آئے، یہیں ڈیرے جمائے، یہیں متوطن ہوئے، اپنے موروثی علم و فضل، اپنے خاندانی روایات، اپنے روحانی فیض سے ایک عالم کو مستفیض کیا، شجاعت

(گذشتہ سے پیوستہ)

اندلس کی مہم میں اوّل اسی پہاڑ پر پہنچا تھا۔ ۱ے سیلون میں جو سلسلہ پہاڑوں کا ہے اس میں سب سے اونچی چوٹی قلہ آدم یا کوہ آدم ہے۔ ۲ے اندلس میں ایک پہاڑ کی چوٹی جو ہمیشہ برف سے سفید رہتی ہے، عرب اس کو قلعہ مبضلہ کہتے تھے، اسکا قدیم نام شرا ہے۔ ۳ے حمرا شہر گرینڈا (غرناطہ) میں ایک عمارت کا نام ہے۔

ہاشمی و جلادت حیدری کے جوہر دکھائے، اُن کے لازوال کارناموں سے تاریخ کے صفحات پُر ہیں، وہ قرطبہ و بغداد کے محلات نہ سہی، وہ امروہہ کے ایوانات و مکانات ہی سہی، وہ میراں سید عبدالماجد کے معمرہ قلعہ اور دیوان سید محمود کی عمارتوں کے آثار، وہ سید اسد اللہ خان، سید علی اعظم خان گھڑیال والے اور دوسرے امرا کے ایوانوں کے شکستہ محراب و در، وہ سید ابدال محمد، میر کلو، شیخ محمد عارف، سید عبدالخالق وغیرہ کی معمرہ مسجدوں کے گنبد و مینار، وہ امروہہ کے سادات و شرفاء کے صدہا دیوان خانوں، محلسراؤں، درگاہوں، خانقاہوں کے شکستہ کنگرے، غرضکہ اس چھوٹے سے شہر کی عمارتوں کی ایک ایک اینٹ آج اس سفلہ پرور زمانے میں بھی خاندان **قریش** کے اُن چند افراد کی نسلوں کے کارناموں، انکی گذشتہ عظمت انکے اجڑے ہوئے کرّوفر کی داستانیں زبان حال سے سُنا رہی ہیں جو کبھی امروہہ آکر آباد ہوئے تھے۔

کیا امروہہ کے جدید مدعیان قرشیت کی "قرشیت" کا کوئی ثبوت، زیادہ قدیم نہ سہی، اب سے نصف صدی، چہارم صدی پہلے ہی کا کوئی ادنیٰ ثبوت، اینٹ اور چونے کی شکل میں، اس سرزمین امروہہ پر ہی بتایا جاسکتا ہے؟ تعقیداً نہ سمجھا جائے محض اظہار واقعہ کے لحاظ سے عرض کرتا ہوں ان بیچاروں کے پاس تو انگل بھر زمین بھی اپنی ملکیت کی کبھی نہ تھی وہ ان ہی صحیح النسب قریشیوں کے رعایا کے طور سے، خام و خس پوش مکانوں میں رہتے آئے ہیں، جن سے آج نسبی تعلق ظاہر کرنے کی ناکام کوشش کی جارہی ہے!

امروہہ کے قسائیوں، سفید بافوں (جولاہوں) اور بعض دیگر پیشہ ور اقوام کے بعض افراد نے اگرچہ انقلاب سلطنت کے بعد سے اراضیات خرید کر مکانات مسکونہ بنائے ہیں لیکن ان کا کثیر حصہ اب تک سادات و شرفا کی مملوکہ سرایوں اور اراضیات میں بطور رعایا و کرایہ دار ساکن ہے، بعض لوگ حکومت کے مروجہ قانون میعاد کی بدولت مالکانہ قابض ہو گئے ہیں۔ اس سلسلہ میں سنہ ۱۱۔۔ کی ایک دستاویز کی نقل ذیل میں درج کرنا تاریخی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا

جس میں قصابوں، سفید بافوں (جولاہوں) دھوبیوں و چھپیرہ و مالی و گلفروش وغیرہ کی سکونت کی سراوں کا تذکرہ ہے —

شجاعت علی حسینی ۱۱۲۰

سید نصیر علی حسینی ۱۱۵۰	
سید غضنفر علی حسینی ۱۱۴۰	
غلام حیدر حسینی ۱۱۶۸	
غلام مصطفیٰ الحسینی ۱۱۶۲	

اقرار معتبر شرعی کرد مخبر باسم و نسب خود مسمّٰی سید شجاعت علی بن سید مزید علی بن سید غضنفر علی ساکنہ قصبہ امروہہ تابع سرکار سنبھل فی حال صحیح اقرار بیں وجہ کہ آنچہ حصۂ شرعیہ منجملہ قطعہ کاشت موسوم چھپواڑہ و سرائے سکونت قصابان .... کہ در گنج و بازار جدید متعلقہ سید محمد اسد اللہ داخل شدہ و زمین خانہ و دوکان نان پز و خانہائے سفید بافان و گاذران و چھپیرہ و مالی گلفروش و در حویلی سکونت صالح محمد خان و حویلی سکونت مراد بخش کہ در باورچی خانہ وغیرہ متعلقہ سید محمد اسد اللہ مذکور داخل است و در دیوانخانہ آنچہ حصۂ شرعیہ حصۂ محمد اسد اللہ مذکور مقرر است از انجملہ یک صد و دہ مکسر عوض زمین ہا صدر گرفتہ از سید محمد اسد اللہ بن سید مصطفیٰ علی بن سید مزید علی معاوضہ نمودیم و آنچہ حصۂ من مقر در زمین ہا مذکورات صدر بود در قبض سید محمد اسد اللہ کردانیدیم و زمین منجملہ دیوانخانہ عوض آں در تصرف خود آوردیم تقابض البدلین بین المتعاقدین حاصل گشت بنابراں این چند کلمہ بطریق عوض معاوضہ نوشتہ دادہ شد کہ ثانی الحال عند الحاجت حجت گردد — کان ذالک تحریر فی التاریخ ۱۰ دہم شہر جمادی الثانی سنہ ۳ مطابق سنہ ۱۱۲۰ ہجری یک ہزار یک صد و بست ہجری —

کیا کوئی صحیح النسب قریشی دوسرے قریشی کا، کوئی صحیح النسب ہاشمی دوسرے ہاشمی کا پروردہ ہو سکتا تھا؟ زیردست ہو سکتا تھا؟ رعیت ہو سکتی تھا؟ کیا اسلامی سلطنت میں کسی صحیح النسب عربی قبیلے کے افراد کی ایسی پست حالت ممکن تھی جو جدید مدعیان قریشیت کی ہمیشہ سے رہی ہے؟ آج کے دور تنزل و انحطاط میں "آج کے" روزگار سلطہ پروری" میں جو چاہے کوئی بن جائے، آج کوئی ذات کا بھنگی، ذات کا چمار بیٹھے واسطبائے لیکر، انگریزی پڑھ کے حکومت کی کرسی پر بیٹھے

توکیا اس سے اس کا نسب بھی بدل جائے گا؟ آج کوئی قسائی کسی قریشی کی جائداد کسی سید کا دیوانخانہ خرید لے تو کیا نسباً وہ قرشیہ و ہاشمیتہ کا مدعی بھی بن جائے گا۔؟

ایک لچر اور پوچ دلیل قسائیوں کے عربی النسل ہونے کی ایک لچر اور پوچ دلیل یہ بھی پیش کی جاتی ہے کہ ان کی زبان پر عربی زبان کے بعض الفاظ اُنکے پیشہ کی مصطلحات کے طور سے اب تک جاری ہیں۔ یہ ایک سخت مغالطہ ہے جس کی حقیقت اس سلسلہ میں ظاہر کر دینا ضروری سمجھتا ہوں۔

سب سے پہلے ذیل میں وہ چند الفاظ' یا بہ عبارت صحیح' اُن کی مسخ شدہ صورت اور ان کے مقابلہ میں صحیح عربی الفاظ لکھتا ہوں جو کم از کم امروہہ کے قسائیوں میں مستعمل ہیں:۔

نمبر	قسائیوں کی خاص بولی	صحیح عربی لفظ	اردو لفظ
۱	ختنا	واحد	ایک
۲	جُور ختنا	اثنان	دو
۳	دھلّا	ثلثہ	تین
۴	ربّا	اربع	چار
۵	کھمّس	خمسہ	پانچ
۶	بھس	ستہ	چھ
۷	ستبا	سبع	سات
۸	مانجی	ثمانیہ	آٹھ
۹	اُتاغر	تسع	نو
۱۰	آسر	عشرہ	دس
۱۱	کھمّس اِین	خمس وعشرون	پچیس
۱۲	جوڑ بیہ ڈینگ	اثنان وثلاثون	بتیس

تمبو قبائیوں کی خاص بولی	عربی (الفاظ)	اُردو
۱۳ ککمس اگلا ڈینگا	خمس وثلاثون	پینتیس
۱۴ پاج	اربعون	چالیس
۱۵ آدھی لان	خمسون	پچاس
۱۶ لان	مائة	سو
۱۷ کھڑے	خمسون ومائة	ڈیڑھ سو
۱۸ جوڑے	مائتین	دو سو

گوشت کی پارچوں کے نام

۱۹ سوڑسنگ		پٹھہ
۲۰ مقدم	مقدم	ران کا اگلا حصہ
۲۱ مٹیک	ورک	ران کا اوپر کا حصہ
۲۲ کھوج	فخذ	ران
۲۳ بھیرک	ورک	ران کا نیچے کا حصہ
۲۴ بکھتا	عنق	گردن
۲۵ پنج	صلب	پسلیاں
۲۶ اسپلت	میسرہ	بایاں حصہ
۲۷ پس	حنجرہ	نرخرہ
۲۸ مانجی	قلب	دل

مختلف الفاظ

۲۹ کالدو	ہندی	ہندو
۳۰ جبشی	جاموس	بھینس
۳۱ کجبر	لحم	گوشت

نمبر	قسائیوں کی خاص بولی	عربی الفاظ	اُردو
۳۲	ڈہوریا	ثور	بیل
۳۳	پہیری	عجیل	بچھیا
۳۴	پہیرا	؍	بچھڑا
۳۵	ڈیکی	؍	کٹڑیا
۳۶	ڈیکا	؍	کٹڑا
۳۷	ہرکٹی	فیل یا فرس	گھوڑی
۳۸	جیدلا	سیدنا و مولنا	سید و مولوی
۳۹	پتہیرا	الناس	عوام
۴۰	لپٹرا	قماش (قمشہ)	کپڑا
۴۱	گل کرنا	تکلم	بات کرنا

ان الفاظ میں صرف آٹھ نو الفاظ ایسے ہیں جن کو عربی کے بعض الفاظ سے کچھ مشابہت حاصل ہے باقی اُن کی اپنی خاص زبان کے الفاظ ہیں۔ ان عربی نما الفاظ کی مسخ شدہ صورت ہی اس کا صاف اظہار کر رہی ہے کہ یہ الفاظ استعمال کرنے والوں کی خود اپنی مادری زبان کے الفاظ ہرگز نہیں بلکہ یہ اس غیر قوم کی زبان کے چند الفاظ ہیں جن سے استعمال کرنے والوں کے آبا و اجداد کا کاروباری تعلق عرصۂ دراز تک رہا۔ اسی عربی بولنے والی قوم نے ان کو مسلمان کیا۔ قصابی یا تو ان کا پہلے سے پیشہ تھا یا اسلام لانے کے بعد مقرر ہوا' غرضکہ جو صورت بھی ہو گائے کے گوشت کی فروخت کے سلسلہ میں سوائے اسی عربی بولنے والی قوم کے اور کسی دوسری قوم سے چونکہ ان کا کاروباری تعلق مطلق نہ تھا اور نہ ہو سکتا تھا گنتی کے چند لفظ' گوشت کے پارچوں کے چند نام' جو بول چال میں اس حکمراں عربی قوم کے افراد ادائے مطلب کے لئے ان قصابوں سے بولتے وہ انہوں نے بعینہ اسطرح اخذ کر کے اپنی پیشہ کی مخصوص مصطلحات بنا لئے جس طرح

آج ایک بوچڑ Butcher، ہندوستان کے ان مقامات پر، جہاں انگریزوں یا یورشین حضرات کی آبادی زیادہ ہوتی ہے، چند انگریزی الفاظ مسخ شدہ صورت میں استعمال کرلیتا ہے۔ ان بوچڑوں کی زبان پر یہ چند انگریزی الفاظ کچھ اسطرح چڑھ جاتے ہیں کہ انگریزوں کے علاوہ ہندوستانیوں سے بھی کاروباری گفتگو میں اکثر یہی الفاظ استعمال کرنے لگتے ہیں۔ مجھے اسکا ذاتی تجربہ ہوا، اس زمانہ میں کہ قسائیوں کی ادّعائے قریشیت کا اظہار شروع ہوا تھا میں دیرہ دون میں ایک عزیز کے بنگلہ پر، جو انگریزی طرز معاشرت رکھتے ہیں، مقیم تھا۔ ایک دن ان عزیز کے خانساماں نے کسی بوچڑ (قسائی) کو جس کے خراب گوشت دینے کی شکایت تھی، اپنے آقا کے سامنے پیش کیا۔ باوجودیکہ وہ بوچڑ کسی انگریز سے نہیں بلکہ ہندوستانیوں سے گفتگو کر رہا تھا تاہم وہ اپنی ٹوکری میں سے گوشت کے پارچے نکالتا اور دکھا دکھا کر کہتا جاتا تھا کہ جناب! دیکھیے یہ فریش مٹن (Fresh mutton) ہے۔ یہ سلیس (slice) کیسا عمدہ ہے، یہ لگ (Leg) کیسا نیس (nice) ہے۔ میں اس کی زبان سے اس قسم کے چند مسخ شدہ انگریزی الفاظ سنکر سوچنے لگا کہ اگر ہندوستان میں انگریزوں کی سلطنت، ان کی آبادی چند صدیوں تک اور باقی رہی، اور اس بوچڑ کی نسل میں چند افراد نے عیسوی مذہب قبول کرکے یا انگریزی طرز معاشرت اختیار کرکے یہ دعویٰ پیش کردیا کہ ہمارا لقب انگریزی کا لفظ بوچڑ (Butcher) ہے اور ہماری زبان میں بھی چند انگریزی لفظ شامل ہیں لہٰذا ہم انگلو سیکسن (Anglo-saxon) قوم سے نسبی تعلق رکھتے ہیں یا فرڈیننڈ دی گریٹ (Ferdinand the Great) کی اولاد میں ہیں، انگریزی فوج کے ساتھ ہندوستان آئے اور گوشت فروشی کی وجہ سے ہمارا لقب Butcher پڑ گیا تو غور طلب سوال یہ ہے کہ اس بوچڑ کی اولاد کے دعوئے فرنگیت اور آج کے قسائی صاحبان کے دعوئے قریشیت میں کیا فرق ہوگا!! ہندوستان کے بعض ان مقامات پر خواہ وہ Hill stations (پہاڑی مقامات) ہوں یا میدانی علاقہ کے بعض شہر جن میں اینگلو انڈین یورپین حضرات کی زیادہ آبادی ہے، کیا کبھی آپ نے کسی ہندوستانی

تاجر دوکاندار کو کسی انگریز سے کاروباری گفتگو کرتے نہیں سُنا' جو مثلاً کہتا ہے "صاحب اس کا پرس (Price) پھائِف رُوپی پھور آنز (Five rupees and four annas)' بس صاحب' ایک بات' خواہی ٹیک یعنی - You may purchase! کے بجائے خواہی نوٹیک یعنی (You may not purchase)

تو کیا اِن مسخ شدہ اور غلط الفاظ کا زبان پر چڑھ جانا اور عادتاً کاروباری گفتگو میں ان کا ادا ہونا اس امر کی کوئی دلیل ہو سکتی ہے کہ ان الفاظ کے بولنے والے اینگلو سیکسن قوم سے نسبی تعلق رکھتے ہیں؟ یہ اگر صحیح نہیں تو پھر قسائیوں کی زبان پر جو چند مسخ شدہ اور غلط الفاظ بطور مصطلحات پیشہ رائج ہیں وہ اُن کی عربیت یا قریشیت کی کیونکر دلیل ہو سکتے ہیں؟ قابلِ غور ہے!

مختلف زبانیں بولنے والی قوموں کے اختلاط اور میل جول سے غیر زبان کے جو الفاظ مروج ہوتے ہیں ان کی مثالیں ہندوستان کی زبانوں میں بکثرت مل سکتی ہیں۔ عہدِ مغلیہ اور اس سے قبل کے ہندو شاعروں کے دوہروں کو دیکھئے' برج بھاشا میں کہے گئے مگر جابجا فارسی اور عربی الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔ کبیر شاعر' بنارس کے رہنے والے محض ان پڑھ' گرو رامانند کے چیلے اور کبیر پنتھیوں کی مت کے بانی ہیں' فرماتے ہیں ؎

دِن گوایو دُنی سے دُنی نہ آیو ہاتھ — پیر کہاڑی ماریو گا غافل اپنے ہاتھ

کبیر سر پر سرا ہے کیوں سوئے سکھ چین — کوچ نقارہ سانس کا باجت ہے دن رین

اسی طرح گرو نانک صاحب کے کلام میں عربی و فارسی کے الفاظ بکثرت ہیں' مثلاً

ساس ماس سب جیو تمھارا — تو ہے کھرا پیارا

نانک شاعر ایو کہت ہے — سچے پروردگارا

بابا تلسی داس برہمن ذات ضلع باندہ کے رہنے والے سنسکرت داں رامائن کا ترجمہ برج بھاشا میں کرتے ہیں مگر فارسی الفاظ بلا تکلف استعمال میں لاتے ہیں ؎

گھر بسو اسن بچن ہٹ بولے — کتنی جھنگ کلہ بھی کھولے

رام اننک گریب نوا جے / لوک بید بر بردبرا جے
مایا کو مایا ملے کر کر لمبے ہاتھ / تلسی داس گریب کی کوئی نہ پوچھے بات

ایسی مثالیں بکثرت بیان کی جا سکتی ہیں۔ انگریزی زبان کے الفاظ جس طرح آج اُردو میں مستعمل ہیں اس سے تو ہر شخص واقف ہے لیکن آج سے دو ڈھائی سو برس پہلے جب شمالی ہند میں شاید کوئی فرد واحد بھی انگریزی زبان سے آشنا نہ تھا چند انگریزوں کے میل جول سے صدہا الفاظ انگریزی و پرتگالی کے بول چال میں استعمال ہونے لگے تھے حتیٰ کہ اُس زمانہ کے شاعر اپنے کلام کو ان سے زینت دیتے تھے۔ ذرا سید انشاء کے مشہور قصیدہ تہنیت جشن کو پڑھئے قریب قریب ہر شعر میں کوئی نہ کوئی لفظ انگریزی یا پرتگالی کا ملیگا۔ یہاں چند شعر نقل کرتا ہوں ؎

کوئی شبنم سے چھڑک بالوں پہ اپنے پوڈر / کرسئی ناز پہ جلوہ کی دکھاوے گا پھبن
نسترن بھی نئی صورت کا دکھاویگا رنگ / کوچ پر ناز کی جب پاؤں رکھیگا بن ٹھن
اپنے گیلاس شگوفے بھی کرینگے حاضر / آکے جب غنچۂ گل کھولینگے بوتل کے دہن
پتے ہل ہل کے بجاوینگے فرنگی طنبور / لالہ لاوے گا سلامی کو بنا کر پلٹن
کھینچ کر تار رگِ ابر بہاری سے کئی / خود نسیم سحر آوے گی بجاتی ارگن
اردلی کے جو گراں ڈیل ہیں ہونگے سب جمع / آن کر اپنا بگل پھونکیگا جب سمندر سن

گھوڑے کی تعریف میں کہتے ہیں ؎

ہے اس آفت کا سبک سیر کہ راکب اسکا / حاضری کھائے جو کلکتہ تو لنڈن میں ٹفن

تو گویا جس طرح ہندوؤں کی زبان پر مسلمانوں کے میل جول سے عربی و فارسی کے الفاظ اور انگریزوں کے اختلاط سے ہندوستانی شاعروں کے کلام میں انگریزی الفاظ مستعمل ہونے لگے تھے ہندوستان کی پیشہ ور قوم کا عربی بولنے والی قوم کی بول چال سے چند الفاظ اخذ کر کے استعمال کر لینا اور وہ بھی صرف اُن ہی پیشہ وروں کا استعمال کرنا جن کا کاروبا

محض عربی بولنے والی قوم کے ساتھ عرصہ دراز تک رہا کسی دوسری قوم کے ساتھ نہیں رہا اور وہ چند الفاظ بھی جو صرف کاروباری گفتگو کے الفاظ ہوں کیا اس امر کی کوئی دلیل ہو سکتے ہیں کہ یہ غلط اور مسخ شدہ الفاظ اُن کی اپنی مادری زبان کے الفاظ ہیں۔ بزقصابوں کی زبان پر تو ان میں کا ایک لفظ بھی نہیں اور اسلئے نہیں کہ اُن کے پیشہ کا تعلق صرف مسلمانوں ہی تک محدود نہ تھا جن کی زبان ابتداءً عربی یا عربی آمیز فارسی تھی بلکہ بکرے کے گوشت کی فروخت کے سلسلہ میں ہندوستان کی دیگر گوشت خور قوموں سے بھی برابر کا تعلق رہا۔

عربی فارسی کے بہت سے الفاظ مسخ شدہ صورت میں عرصہ دراز سے ہندوستانی زبان بولنے والی تمام قوموں کی زبان پر رائج ہیں تو کیا وہ اُن کے عربی النسل ہونے کی دلیل میں پیش کئے جا سکتے ہیں؟ ایسے چند الفاظ کا یہاں لکھنا غالباً بے محل نہ ہوگا:۔

افراتفری (افراط تفریط) **بجاوہ** (پزاوہ)، **تارتلا** (تار طلا) **ہمام دستہ** (ہاون دستہ) **کہگل** (کاہ گل)، **کھیسا** (کیسہ)، **توبہ تلنوہا** (توبۂ نصوحا) **تانے تشنے** (طعن و تشنیع) **تاٹ باقی** (تار باقی) **جھاڑو** (جاروب)، **بجے منڈل** (بدیع منزل) وغیرہ۔

ہندوستان میں صحیح النسب عربی خاندان مختلف اقطاع ملک میں مختلف زمانوں سے آباد ہیں۔ ایسے بھی ہیں جن کو ہندوستان آئے صدیاں گذر گئیں اور ایسے بھی جن کو کچھ زیادہ زمانہ نہیں گذرا کیا ان میں سے کسی کی زبان پر اس قسم کے مسخ شدہ اور غلط الفاظ باقی ہیں؟ آخر ان کی زبان پر کیوں باقی نہیں اور قسائیوں کی زبان پر اب تک کیوں باقی ہیں؟ سوچنے کی بات ہے۔ صحیح النسب عربی خاندانوں کی زبان پر اسلئے باقی نہیں کہ وہ اُن کی مادری زبان تھی۔ ہندوستان میں اُن کی جو نسلیں پیدا ہوئیں جس مقام پر پلیں بڑھیں وہاں کی مروجہ زبانوں نے اُن کی مادری زبان کی جگہ لے لی۔ قسائیوں کی مادری زبان چونکہ عربی نہیں تھی بلکہ صرف یہ چند الفاظ انہوں نے اوّلاً عربی زبان بولنے والوں کی بول چال سے

اس لئے اِس کاروبار اور اپنے اِس پیشہ کے متعلق حاصل کئے تھے جس کا تعلق ابتدائً صرف انہی عربوں سے تھا کسی اور قوم سے نہ تھا اسلئے وہی چند الفاظ جو محض کاروباری گفتگو کے الفاظ ہیں انکی دو چار نسلوں کے بعد ان کے پیشہ کی مخصوص مصطلحات بن گئے، اُن کا **دھلا** عربی زبان کا **تلثہ** نہیں تھا بلکہ ان کے پیشہ کا دھلا تھا وہ دھلا آج تک چلا جاتا ہے، ان کا **کھمس** عربی کا **خمسہ** نہ تھا بلکہ ان کے پیشہ کا **کھمس** تھا چنانچہ وہ آج تک اپنی اسی ہیئت کذائی کے ساتھ باقی ہے اور علیٰ ہذا القیاس۔

یہ تو مسخ شدہ عربی الفاظ کا حال ہے لیکن یہ **ختا** اور **جورختا** کس زبان کے لفظ ہیں جو واحد اور انسان کے معنی میں مستعمل ہیں۔ آپ اگر **ختا** اور **جورختا** کو ذرا بلند آواز سے کہئے تو ایک ہی آواز میں ان کی عربیت کا بھانڈا پھوٹ جائیگا۔ ہاں، ذرا چلا کر کہئے تو **جورختا!** اُس سے عربیت ٹپکتی ہے یا سندھیت و بلوچیت!!

ان الفاظ کے علاوہ اگر اُن فقروں اور اُن الفاظ کو بھی پیش نظر رکھا جائے جو یہ لوگ اپنی خاص بولی میں استعمال کرتے ہیں تو یہ امر درجہ یقین کو پہنچ جاتا ہے کہ ان کا نسبی تعلق ہرگز و زنہار کسی عربی قبیلہ سے نہیں ہے بلکہ سندھ و بلوچستان کی کسی ادنیٰ قوم سے ہے۔ مثلاً وہ کہتے ہیں:۔

کانڈو کے سے لپڑا کڈ لادو ان:۔ یعنی ہندو کے سے کپڑا خرید لائیں۔

پتھرا سگال لپا ہے:۔ یعنی عبرد یکھ رہا ہے۔

لنیین تھک رتی ہیں:۔ عورتیں بیٹھی ہیں۔

یہ **لنیین بڑی سیلائی ہیں اُدتھنگ جاؤ**:۔ یہ عورتیں بری خواصدرہیں آؤ جٹھ جاؤ۔

بھکر کو تھنگادو اور **لاپ لو**:۔ یعنی گائے کو ڈھا دو اور کاٹ لو۔

اسی طرح اور بہت سے فقرے ہیں جن میں لفظ "ہیں" یا "ہے" کے سوائے مسخ شدہ سندھی اور بلوچی الفاظ شامل ہیں۔

خصائصِ قومی

نوعِ انسانی کی مختلف شاخوں کے نسبی معاملات کا ثبوت اور اس کا صحیح اندازہ علم الانساب کی کتابوں، کرسی ناموں کے اوراق اور شجرہائے نسب کے بوسیدہ چیتھڑوں سے کہیں زیادہ ان اقوام کی عادات و خصائل، شکل و شمائل اور خصوصیات قومی سے ہو سکتا ہے۔ اس لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو ہندوستان کے ان جدید مدعیان قرشیت کا کوئی دور کا واسطہ و تعلق بھی قوم عرب سے نہیں پایا جاتا۔

اہل عرب کی صفائی ذہن اور فطری سرعت فہم دنیا میں مسلم ہے برخلاف اس کے ہندوستان کے ان مدعیان عرب نژادگی کی کند ذہنی مشہور ہے۔ زباں دانی اور فصاحت و بلاغت عرب کے ایک ایک فرد کا مخصوص جوہر تھا، نطق اعرابی و عدنانی فصاحت دنیا میں مشہور ہے۔ اپنے علاوہ تمام دنیا کو انہوں نے عجم (یعنی گولیدہ بیان) کا خطاب دے رکھا تھا۔ عرب سے باہر جہاں گئے اور جس ملک میں جا کر ڈیرے جمائے یہ فطری جوہر بھی اپنے ساتھ لیتے گئے۔ بازار **عکاظ** کا سماں ہر جگہ جاری پایا، فارسی ہو یا اردو، سندھی ہو یا پنجابی ہر زبان میں فصاحت کے دریا بہا دئے۔ ان زبانوں کے چوٹی کے شعرا کی فہرست اٹھا کر دیکھو اس میں کوئی **میر تقی میر** ہاشمی ہوگا، کوئی شیخ **غلام ہمدانی مصحفی** قریشی۔ کیا جدید مدعیان قرشیت کسی قصائی شاعر کا نام پیش کر سکتے ہیں۔؟

اقوام عالم میں صرف اہل عرب ہی اپنی اس خصوصیت میں ممتاز و منفرد رہے ہیں کہ انکے جاہل سے جاہل افراد بھی اپنے انساب محفوظ رکھتے تھے۔ انسان تو انسان وہ انکے جانوروں یعنی گھوڑوں، اونٹوں حتیٰ کہ کھجوروں کی نسلیں تک جانتے اور ازبر رکھتے تھے۔

عرب کو ایک خصوصیت خاص حاصل تھی۔ عرب میں بعض خاص خاص باتیں ایسی پائی جاتی تھیں جن کو تاریخی سلسلے سے تعلق تھا اور جو اور قوموں میں معدوم تھیں مثلاً انساب کا چرچا جس کی یہ کیفیت تھی کہ بچہ بچہ اپنے آباؤ اجداد کے نام اور ان کے رشتے دس دس بارہ بارہ پشتوں تک محفوظ رکھتا تھا، یہاں تک کہ انسانوں سے

گذر کر گھوڑوں اور اونٹوں تک کے نسب نامے محفوظ رکھے جاتے تھے۔ [1]

اہل عرب اور قریش عرب سے نکلکر جہاں بھی گئے اور جس ملک میں بھی جا کر بسے یہ قومی خصوصیت اپنے ساتھ لیتے گئے آج ہندوستان کے اندر خاندان قریش کی جو صحیح النسب نسلیں آباد ہیں ان میں انساب کے محفوظ رکھنے کا اہتمام سلف سے برابر چلا آتا ہے۔ کیا یہ جدید مدعیان قریشیت بارہ نہیں دس بارہ پشت تک، جناب قصی تک نہیں، تو اپنے کسی ہندی بزرگ ہی تک اپنا سلسلہ نسب مسلسل دنیا کے سامنے پیش کر سکتے ہیں؟

میں اقوام کے محاسن ورذائل پر گفتگو کرنا پسند نہیں کرتا، آج کے حالات سے بحث نہیں، دو تین صدیوں پہلے ہی کا زمانہ چشم تصور میں لاؤ اور دیکھو ہندوستان کے مسلمانوں کے کس طبقہ میں تھیں زہد و تقوی، عصمت و عفاف، احسان و کرم، حلم و عفو، عزم و ثبات، ایثار و لطف، غیرت و استغنار کے نمونے ملتے ہیں۔ کیا ہندوستان کے ان جدید مدعیان قریشیت کے افراد کے اقوال و افعال، وضع و قطع، شکل و شباہت، رفتار و گفتار، مذاق طبیعت، انداز گفتگو، طرز زندگی، طریق معاشرت میں کوئی خفیف سے خفیف اور ادنیٰ سے ادنیٰ شائبہ بھی قریش تو قریش مسلمانان ہند کے کسی شریف النسب طبقہ سے پایا جاتا ہے۔ اگر پایا جاتا ہے تو اسکا کوئی ثبوت اور اگر نہیں پایا جاتا تو پھر یہ دعویٰ قریشیت کیسا؟

ہندی پیشہ وروں کی قومی خصوصیات

ہندوستان کے پیشہ ور اقوام میں خواہ ہندو ہوں یا مسلمان چند خصوصیات ایسی پائی جاتی ہیں جو ہندوستان کے علاوہ کسی دوسرے ملک کی قوم کے پیشہ وروں اور بالخصوص عرب وغیرہ میں ہرگز نہیں پائی جاتیں۔ سب سے پہلی خصوصیت کسی پیشہ کا ایک ہی قوم و نسل میں متوارث ہو جانا اور نسلاً بعد نسل اس نسل کے افراد کا اپنے آبائی پیشہ کا اختیار کرنا۔ یہ خصوصیت اب تک صرف ہندوستان ہی کو حاصل رہی ہے کہ یہاں ذاتیں اور برادریاں بربنائے پیشہ کے قائم

---

[1] الفاروق صفحہ ۳۰ مطبوعہ

ہوتے ہیں، اور باپ کے بعد بیٹا اسی پیشہ کو کرتا رہا۔ سلطنت برطانیہ کے زمانہ سے البتہ یہ ہوا ہے کہ بعض پیشہ وروں نے اور اور پیشے بھی اختیار کرنے شروع کر دئے ہیں لیکن انکی مثالیں خال خال ہیں ورنہ اب بھی بالعموم یہی حالت ہے کہ جولاہے کی نسل سے ہے تو جولاہے کا پیشہ کرے گا، قسائی کی اولاد سے ہے تو بالعموم قسائی کا کام۔ ہندوستان کے علاوہ اور ممالک بالخصوص عرب میں یہ کیفیت کبھی نہیں رہی۔ اسلئے ہندوستان کے قسائیوں وغیرہ کے بعض افراد جو کچھ عرصہ سے عرب نژادگی کے مدعی بنے ہیں اپنی اس قومی خصوصیت کو، جو انہیں اپنے ہندو ہم جدیوں کے ساتھ مشترکاً حاصل ہے، کس طرح میٹ سکتے ہیں؟

دوسری خصوصیت اور سب سے بڑی خصوصیت ان ہندو اور مسلمان پیشہ ور اقوام میں **پنچایت** کا دستور ہے۔ ہندوستان میں جتنے عربی و عجمی النسل خاندان آباد ہوئے کسی ایک میں بھی کبھی **پنچایت** کا رواج نہیں رہا۔ خود "پنچایت" کا لفظ، اس کی اصل، اسکی غرض و غایت، اسکی ہیئت ترکیبی، یہ سب اس کے ہندی ہونے کا بیّن ثبوت ہیں۔ پنچایت کا دستور ہندوستان میں قدیم ترین زمانہ سے ہے اور ہندو دیہاتیوں اور بالخصوص ہندو پیشہ ور تمام اقوام میں پایا جاتا ہے۔ पंच में परमेश्वर "پنچ میں پرماتما" مشہور ہندی مثل ہے۔ پنچایت حقیقتاً برادری اور فرقہ وارانہ تنظیم کے لئے بہت مفید ہے۔ اسکو اگر دانشمندانہ اصول پر چلایا جائے تو باہمی نزاعات کا تصفیہ بخوش اسلوبی ممکن ہے۔ "پنچایت" کے علاوہ ہر پیشہ ور برادری میں **چودھری** یا چودھریوں کا مقرر ہونا، برادری کے فیصلہ سے برادری کے کسی مجرم کا کھان پان اور حقہ پانی بند ہونا، یہ سب دستور اور رواج ہندی الاصل ہونے کے کافی ثبوت ہیں۔ **چودھری** کا لفظ بھی ہندی لفظ ہے۔ اصل میں **چتردھر** تھا، بگڑ کر چودھری ہو گیا۔ یہ دستور صرف ان ہی اقوام میں ہیں جو نسلاً ہندی ہیں اور یہ وہ قدیم انسٹی ٹیوشن اور دستور ہیں جو اسلام لانے کے بعد تقریباً صدہا ہندوانہ مراسم کے ساتھ ان اقوام میں باقی رہے۔

قسائیوں کا نسب

مندرجہ بالا بیانات سے جب یہ اچھی طرح واضح ہوگیا کہ امروہہ وغیرہ کے قصاب نسبًا نہ قریشی ہیں اور نہ عربی النسل تو اب یہ سوال حل طلب باقی رہ جاتا ہے کہ آخر وہ کس قوم و نسل سے ہیں یا ہو سکتے ہیں

اس مسئلہ پر غور کرتے وقت بعض سطحی معلومات کے لوگ یہ کہہ اٹھتے ہیں کہ قصابوں کا پیشہ چونکہ گائے وغیرہ کی گوشت فروشی کا پیشہ ہے اسلئے یہ کسی ہندو قوم سے تو ہو نہیں سکتے' لامحالہ ہندوستان کے باہر سے آئے ہونگے۔ لیکن اِن لوگوں کا یہ خیال محض بربنائے عدم واقفیت ولاعلمی کے ہے۔ ہندوؤں کی تہذیب و تمدّن کا گہرا مطالعہ کرنے سے یہ حقیقت آشکارا ہوتی ہے کہ ہندوستان میں "جیو ہتیا" کا مسئلہ ہمیشہ سے نہ تھا' ہندو تہذیب و تمدّن نے بھی زمانہ کی تبدیلی کے ساتھ مختلف پلٹے کھائے ہیں' ایسا بھی زمانہ رہا ہے جب گائے' بھینس' گھوڑے' مینڈھوں کی قربانی کرنے کا دستور عام تھا' حیوانی غذا کو بہ افراط استعمال کیا جاتا تھا' ہندوستان کے مختلف حصص میں ہندوؤں کی گوشت خور قومیں آباد تھیں چنانچہ سندھ وغیرہ سرحدی مقامات کے ہندوؤں اور شمالی ہند کے ہندوؤں کے تمدّن میں آج بھی بیّن فرق نظر آتا ہے۔ مسٹر آر۔ سی۔ دت اپنی بے نظیر تصنیف "سولیزیشن آف اینشینٹ انڈیا"[1] (قدیم ہندوستان کی تہذیب) میں لکھتے ہیں:-

"یہ امر بہ آسانی متصوّر ہو سکتا ہے کہ پنجاب کے قدیم ہندو حیوانی غذا بھی بہ افراط کام میں لاتے تھے۔ ہم اکثر اشارات **گائے، بھینسوں** اور **بیلوں** کی قربانی کرنے اور گوشت پکانے کی بابت بھی پاتے ہیں۔

دسویں منڈل کے سترہ ۸۶ کی رچا ۱۴ میں اُس مسلخ کا ذکر ہے جہاں **گائیں** ذبح کی جاتی تھیں، اور نیز اسی منڈل کے سترا ۹۱ کی رچا ۱۴ میں ایک اشارہ **گھوڑے بیل** اور **مینڈھوں** کی قربانی کا بھی دیکھا جاتا ہے۔ ....

---

[1] The Civilisation of Ancient India by R.C.Dutt.

آخری زمانوں میں گھوڑے کا بلدان اسومیدہ کے وقت بڑی دھوم دھام کے ساتھ جبکہ کوئی طاقتور راجہ بعد اس کے کہ وہ اپنے ہمسایہ راجاؤں کو مغلوب کرکے ایسا خطاب اختیار کرے جو یورپ میں شاہی خطاب کے ہم پلہ سمجھا جاتا ہو کمتر موقعوں پر ہوا کرتا تھا..........

رگ وید کے پہلے منڈل کی ۱۶۲ منتر کی ایک رچا کا ترجمہ یہ ہے :-

"۱۳- وہ کفچہ جو ابلتی ہوئی ہانڈی میں ڈالا جاتا ہے، وہ ظرف جس میں یخنی رکھی جاتی ہے، وہ سرپوش جو اس کو گرم رکھتے ہیں، وہ بید جس کے ذریعہ سے گھوڑے کے جسم پر اول خط کھینچا جاتا ہے اور وہ **چھری** جس سے بدن کے ٹکڑے ٹکڑے کئے جاتے ہیں یہ تمام آلات گھوڑے کے گوشت پکانے میں مدد دیتے ہیں۔

۱۸- **چھری** دیوتاؤں کے ایک دوست کے مانند گھوڑے کی چونتیس پسلیوں کے جدا جدا کرنے کو داخل ہوتی ہے.............." [۱]

اس اقتباس سے ظاہر ہے کہ گائے، بھینس، بیل، گھوڑے، مینڈھے وغیرہ کے ذبح کرنے، گوشت کاٹنے وغیرہ کا کام اس زمانہ میں ہندوؤں کے کسی فرقہ کو کرنا ہوتا ہوگا، برہمنوں کے اقتدار سے حیوانی غذا کے استعمال کا رواج بعض حصص میں معدوم اور بعض میں کم ہوگیا تھا، تاہم ہندوؤں کی یہ گوشت فروش قوم نیست و نابود نہیں ہوئی تھی، سنہ ۹۳ھ میں جب محمد بن قاسم ثقفی نے ملک سندھ فتح کیا، وہ اور ان کے ہمراہی ثقفی اور انصاری قبائل کے افراد عربی زبان بولنے والے تھے، اس زمانہ میں ہزاروں ہندوؤں نے اپنا قدیم مذہب چھوڑ کر اسلام قبول کیا۔ اس قدیم گوشت فروش قوم کے افراد نے یقیناً قبول اسلام میں دوسروں کے مقابلہ میں سبقت کی ہوگی، اور جس پیشہ کو ان کے آبا و اجداد کرتے تھے اور جو نسل

---

[۱] The Civilisation of Ancient India, by R.C. Dutt.

مذہبی اقتدار کی وجہ سے تقریبًا معدوم یا کم ہوگیا تھا انھوں نے پھر اختیار کر لیا ہوگا۔ علاوہ ازیں سندھ اور اس کے قرب وجوار میں بہت سی ایسی قومیں آباد تھیں جو اپنے تمدن و معاشرت میں پست درجہ رکھتی تھیں، اور آج بھی جن لوگوں کو سندھ کے بعض مقامات پر بالخصوص کراچی جانے کا اتفاق ہوا ہو وہ بہ آسانی سمجھ سکتے ہیں کہ بلوچیوں کی پست اقوام کیچ و مکران کے ادنیٰ طبقہ کے لوگ، مسلمانوں کی ابتدائی یورش کے زمانہ میں حلقہ بگوش اسلام ہو کر اسی قسم کی خدمات پر مامور ہوئے جو رفتہ رفتہ ان کے مخصوص پیشے ہوگئے۔ **ختنا** اور **جورختنا** کے ساتھ ساتھ کچھ مسخ شدہ عربی الفاظ بھی ان کی زبان میں شامل ہوگئے۔

امروہہ وغیرہ کے قصابوں کی قومی سیرت، اُن کی اخلاقی پستی اور اُن کے عادات و خصائل کا بغور مطالعہ کرنے والا اسکو بآسانی قبول کرلے گا کہ بلوچیوں کی بعض ان پست اقوام کی عادات و خصائل بلکہ شکل و شمائل میں انہیں کہاں تک اور کس حد مماثلت و مشابہت حاصل ہے جو آج بھی کراچی وغیرہ میں بالعموم محنت مزدوری کا پیشہ کرتے ہیں اگرچہ اِس دورِ تنزل و انحطاط میں مسلمانوں کے اونچے سے اونچے طبقہ کے افراد کی اخلاقی حالت کا معیار وہ نہیں ہے جو ایک مسلم کا ہونا چاہیئے یا اُن کے اسلاف کرام کا رہا ہے تاہم ہمارے قسائی بھائیوں کے کردار و گفتار، قول و فعل کا فرق اور غلط بیانی ضرب المثل ہوگئی ہے۔ لغت و محاورے کی کتابوں میں متعدد کہاوتیں اس بیان کی تائید میں ملتی ہیں۔ یوں تو قسائی بھائیوں میں بھی نیک کردار اور راست گفتار افراد موجود ہیں لیکن اُردو زبان میں جو امثال مشہور ہیں وہ عمومیت کے لحاظ سے ہیں، بلوچیوں کی ان پست اقوام کے عادات کے متعلق بھی بعینہٖ یہی شکایت ہے، ان کی شکل و شمائل اور اخلاقی حالت بھی بہت کچھ قسائیوں کی قوم سے ملتی جلتی ہے۔ **ختنا** اور **جورختنا** وغیرہ الفاظ بھی اسی بلوچیت کا پتہ دیتے ہیں اس لئے جو لوگ ان کو نسبًا سندھیوں و بلوچیوں کی پست

قوم سمجھتے ہیں وہ شاید سب سے زیادہ صحیح نتیجہ پر پہنچے ہیں۔ زمانۂ حال کے مشہور مؤرخ پروفیسر ای۔ جے۔ ریپسن نے اپنی مبسوط تاریخ میں ثابت کیا ہے کہ ہندوستان کے قدیم باشندوں (یعنی Dravidians) کا جنھیں شودر کہا جاتا ہے ایک قدیم فرقہ اب تک بلوچستان کے پہاڑی علاقہ میں موجود ہے۔ یہ لوگ ابتداً ان ہی اطراف سے ہندوستان آئے تھے۔

نداف و نورباف یعنی دُھنے اور جولاہے

جیسا کہ کسی دوسری جگہ ذکر ہو چکا ہے دھنے اور جولاہے حقیقتاً ایک ہی قوم کے دو مختلف الحرفہ فرقے ہیں۔ شمالی ہندوستان میں اسلامی سلطنت قائم ہونے کے ابتدائی زمانہ میں نیز اسکے بعد بھی ان دونوں قوموں کے ہزاروں خاندان "اونچ" ذات کے ہندوؤں کے ذلّت آمیز و ناقابل برداشت برتاؤ سے نجات حاصل کرنے کے لئے بعض دوسری شودر اقوام کی طرح حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ اسلام لانے کے بعد بدستور اپنا آبائی پیشہ کرتے رہے۔ ہندو **کوریوں** سے امتیاز کی خاطر فارسی زبان نے انہیں **جولاہہ** کا لقب دیا بعض مقامات پر اپنے ہندو ہم قوم اور ہم پیشوں کے مقابلہ میں یہ **مومن** کہلائے۔ رفتہ رفتہ ان کے لئے 'مومن' 'نورباف' 'سفیدباف' اور دھنوں کے لئے **نداف** وغیرہ الفاظ استعمال ہونے لگے۔

فارسی زبان میں کپڑا بُننے والے کو **جولاہ** یا **جولاہہ** کہتے ہیں۔ خاقانی کہتا ہے۔ ع
"جولاہہ ثرادیم از سوئے جد"۔ صاحب فرہنگ محتشمی لکھتا ہے۔

جولاہہ و جولاہ ہر دو صحیح باشد یعنی بافندۂ پارچہ کسانیکہ جُلاہی و جِلاہی خوانند غلطی کنند"[2]

جولاہہ و جولاہ دونوں صحیح ہیں جو کپڑا بُننے والے کے معنی میں استعمال ہوتے ہیں جو لوگ جُلاہی و جِلاہی پڑھتے ہیں غلطی کرتے ہیں

---

[1] The Cambridge History of India Vol. I page 42 & 43.

[2] فرہنگ محتشمی

بعض فارسی نویس صنعت پارچہ بافی کو "حرفت جولاہی"[۱] لکھتے ہیں لیکن اردو میں مرد کو جولاہہ اور عورت کو جولاہی یا جولائی کہتے ہیں مثلاً ناآلی امروہوی فرماتے ہیں ؎

وہ خیالات کہ حامیٔ مسلمان نہ گبر   وہ وہ الفاظ کہ کہتی نہ جولاہی دہنی

مسٹر جان بیمس لکھتے ہیں :-

" **جولاہہ** - یہ لوگ بالعموم غریب اور بے حیثیت ہوتے ہیں - بعض اضلاع میں اسی پیشہ کے ہندو بھی جولاہے کہلاتے ہیں لیکن **جولاہہ** کا لقب زیادہ تر مسلمان پیشہ وروں کے لئے مخصوص ہے اور ہندوؤں کو **تانتی** یا **ٹھٹیا** وغیرہ کہتے ہیں"[۲]

مسٹر موصوف ضلع بجنور کے جولاہوں کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :-

" جولاہوں کی تعداد اس ضلع میں ساٹھ ہزار تین سو پچیس ہے - ان میں ہندوؤں کی تعداد بہت کم ہے جو مسلمان جولاہوں سے امتیاز کی خاطر ہنبیا (یا ہبنیا) کہلاتے ہیں"[۳]

پارچہ بافی کی صنعت ہندوستان کی قدیم ترین صنعت تھی، لاکھوں افراد اس صنعت کو نسلاً بعد نسلٍ کرتے تھے، اسلامی سلطنت کے ابتدائی دور میں مختلف مقامات پر پارچہ بافی کے کارخانے قائم تھے، سلطان علاء الدین خلجی نے کپڑے کی ارزانی کے متعلق خاص قوانین مقرر کئے، جداگانہ محکمہ قائم کیا، اس کے افسر و دلال متعین کئے، ڈھاکہ کی ململ تو تمام دنیا میں مشہور تھی، بنارس، دہلی، ملتان، ناگور، کوٹلہ دیوگیر وغیرہ مقامات پارچہ بافی کے بڑے بڑے کارخانے موجود تھے جن میں ہزاروں ہندو اور مسلمان کاریگر، کوری، اور جولاہے کام کرتے تھے۔ عہد اکبری میں صرف ایک لاہور میں شال بافی کے ایک ہزار سے زیادہ کارخانے تھے۔ اسی سے پارچہ بافی کے کارخانوں کا قیاس ہو سکتا ہے۔ اس زمانہ میں مانچسٹر[۴] برمنگھم اور لائنس وغیرہ کی پارچہ بافی کے کارخانوں اور احمد آباد وغیرہ کی کلاتھ ملیں

۱؎ تحفۃ الاکرام صفحہ ۱۲۳ ۔ ۲؎ و ۳؎ میموائرس سر ہنری ایلیٹ۔

۴؎ *Manchester, Birmingham, Lyons.*

(Cloth Mills) کا وجود کیا کسی کو خیال بھی نہ ہو سکتا تھا، اور نہ انسان کا ہاتھ بٹانے کے لئے بھاپ اور بجلی کی طاقت سے کام لینے کا وہم وگمان۔ اسلئے ہندوستان کے بادشاہوں، شہزادوں، بیگمات، وزرا، امرا، رؤسا، و عمّال سلطنت کے علاوہ کروڑوں باشندگان ملک کی ضروریات کے لئے ہزاروں کارخانے اور لاکھوں کاریگر، کوری اور جولاہے کا کام کرتے تھے۔ انہی لاکھوں کاریگروں کی نسل سے وہ تمام جولاہے اور کوری ہیں جو آج بھی مختلف حصص ملک میں یورپین مصنوعات کی گرم بازاری کے باوجود کچھ نہ کچھ اپنا قدیم اور آبائی پیشہ کرتے ہیں۔ بعض لوگوں نے کچھ عرصہ سے البتہ دوسرے پیشے بھی شروع کردئے ہیں۔ عہد اسلامی میں جب پارچہ بافی کی صنعت اور پارچہ فروشی کی تجارت خوب رونق پر تھی، ملکی مصنوعات کے قدردان موجود تھے۔ دو ایک مسلمان جولاہوں نے دولت و تمول کے اعتبار سے خوب ترقی حاصل کی تھی۔ دولت کے ساتھ اُن میں علم بھی آیا اور ان میں سے چند افراد کو شاہی تقرّب بھی حاصل ہوگیا۔ لیکن اس زمانہ میں عمّال سلطنت کے تقرر میں ذاتی فضائل وکمالات کے ساتھ ساتھ عالی نسبی کو بھی خاص اہمیت دی جاتی تھی۔ مسلمان جولاہوں کا نسبی تعلّق چونکہ اس ہندی قوم سے تھا جسے ہندو "اونچ ذات والوں نے "شودر" کا لقب دے رکھا تھا اسلئے عہد التمش میں ایک مسلمان جولاہے کو، جس نے اپنی ذاتی لیاقت وقابلیت سے وزارت کے درجہ تک، ترقی حاصل کی تھی، محض اسلئے عہدے سے علیحدہ ہونا پڑا کہ وہ نسباً جولاہہ تھا۔ مشہور مورخ ضیاء الدین برنی نے اس واقعہ کو تفصیل کے ساتھ لکھا ہے۔ واقعہ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ سلطان شمس الدین التمش کا ایک وزیر نظام الملک نام تھا۔ اس نے ایک شخص جمال الدین مرزوق کی، جو دارالضرب کا کوئی عہدہ دار تھا، صوبہ قنوج کے حاکم متقرر کئے جانے کی سفارش کی تھی۔ جمال الدین مرزوق کم اصل تھا اسلئے بادشاہ کے ایک دوسرے وزیر عزیز بہروز نے فوراً یہ شعر موزوں کرکے پڑھا۔

بدستِ دوں مدہ خامہ کہ گردوں مجال افند ۔۔۔ سپہ سنگے کہ در کعبہ ہست سازد سنگ استنجا

اس شعر کو پڑھکر جمال الدین مذکور کی جانب اشارہ کیا۔ بادشاہ نے اس وقت حکم دیا کہ جمال الدین مرزوق کے نسب کی تفتیش کی جائے۔ چنانچہ بعد تحقیقات ثابت ہوا کہ وہ حقیقتاً کم اصل تھا لیکن نظام الملک اسپر بھی سفارش کرتا رہا کہ "جہاں پناہ! یہ شخص بہت لایق وکاردان ہے، خط بھی پاکیزہ ہے، تحریر میں خاص لیاقت ہے"۔ بادشاہ کو اس کے اصرار پر غصہ آیا اور حکم دیا کہ :- "تفحص اصلِ وزیر می باید کرد کہ

اگر در رگ کم اصلی نباشد ہرگز کم اصلاں
را دفتر نہ دہد .... چوں در اصل
وزیر تفحص شافی کردند و سیالات نمودند بنائے
جد نظام الملک جولاہہ یافتند و از فرمودن
اشغال بہ کم اصلاں و ناکس بچگان آنچناں
ملکے فضیحت شد و بہ جلاہگی منسوب گشت"[1]

وزیر (نظام الملک) کے نسب کی چھان بین کیجائے
کیونکہ اس میں اگر کھوٹ نہ ہوتی تو وہ ہرگز کم اصلوں کو
عہدہ نہ دیتا .... جب وزیر کے نسب کی اچھی طرح
چھان بین کی گئی تو معلوم ہوا کہ نظام الملک کا دادا جولاہا
تھا۔ کم اصلوں اور رذیلوں کو عہدہ دینے کی وجہ سے
ایسے ذی وجاہت (ملک) کو بھی بدنامی اوٹھانی پڑی اور
جولاہگی سے اسے منسوب ہونا پڑا۔

سلطان محمد تغلق کے متعلق مورخین نے عجیب وغریب واقعات بیان کئے۔ منجملہ ان کے صاحب تاریخ فیروز شاہی نے لکھا ہے کہ اس بادشاہ نے بعض رذیلوں کو منہ چڑھایا تھا اور ان کو بڑے بڑے عہدے دئے تھے چنانچہ ان کے نام بھی درج کئے ہیں اور لکھا ہے کہ :-

نجبا مطرب بچہ بد اصل را چناں سرکشید کہ درجۂ او
اندر جات بسیاراں از ملوک بہ گذشت ....
عزیز خمار و برادر او فیروز حجام و منگا طباخ
مسعود خمار و لدہا باغبان چندیں جوانب
را بزرگ گردانید ..... بابو نایک بچہ جولاہہ قریب از نائب داشت[2]

نجبا میراثی بچہ بد اصل کو اتنا بڑھایا کہ اس کا رتبہ
بہت سے ملوک (امرا) سے بڑھگیا ....
عزیز خمار اور اسکے بھائی فیروز حجام و منگا باورچی و مسعود
خمار و لدہا باغبان اور دوسرے رذیلوں کو عزت دی .....
اور بابو نایک بچہ جولاہہ کو اپنا مقرب بنایا۔

---

[1] تاریخ فیروز شاہی صفحہ ۲۹ ـ [2] تاریخ فیروز شاہی صفحہ ۵۰۵

غرضیکہ عہد اسلامی میں جولاہوں کی قوم کو ہندوستان کی پست اقوام میں شامل کیا جاتا تھا اور امر واقعہ بھی یہی تھا کہ ان کا نسبی تعلق شودر اقوام سے ہے لیکن اب چند سال سے اس قوم کے بعض نادان اپنے کو **قبیلۂ انصار** سے منسوب کرنے لگے ہیں۔ برادری کی انجمنوں اور پنچایتوں کے نام بھی "جمعیتہ الانصار" رکھے گئے ہیں اور بعض لوگوں نے اپنے نام کے ساتھ "انصاری" بھی لکھنا شروع کیا ہے۔ واقفانِ حال سے تو یہ بات پوشیدہ نہیں کہ ہندوستان کے بعض جولاہوں کا دعویٰ "انصاریت" کس درجہ لغو و مہمل بلکہ مضحکہ انگیز ہے۔ کجا عربی قبیلۂ انصار اور کجا ہندی نژاد جولاہے! لیکن تاریخی بحث کے سلسلہ میں قبیلۂ انصار کا مختصر ذکر کر دینا شاید بے محل نہ ہوگا۔

جیسا کہ کسی دوسری جگہ بیان ہو چکا ہے اہلِ عرب دو بڑی شاخوں میں منقسم ہیں؛ ایک **قحطانی** اور دوسرے **عدنانی** یا **اسماعیلی**۔ انصار قبیلۂ **قحطان** سے ہیں۔ اصل میں **یمن** کے رہنے والے تھے، وہاں جب مشہور سیلاب آیا جسکو سَیلِ عرم کہتے ہیں تو یہ لوگ یمن سے نکل کر مدینہ میں آباد ہو گئے۔ یہ دو بھائی تھے اَوس و خزرج۔ تمام انصار انہی دو بھائیوں کی اولاد سے ہیں۔ ان سے مختلف قبیلے متفرق ہوئے مثلاً **بنو نجار**، **بنو تمیم** وغیرہ **بنو ہاشم** سے اور انصار سے برابر رشتہ ہوتے تھے۔ **بنو نجار** جناب **عبدالمطلب** کے ماموں کا خاندان تھا اور حضرت عباسؓ بھی انصار کے بھانجے تھے۔ وفدِ یمن نے، جو قحطانی تھے، جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یا رسول اللہ کیا آپ اور ہم ہم خاندان نہیں ہیں؟ آپ نے فرمایا "ہم **نضر بن کنانہ** (اسماعیلی) کی خاندان سے ہیں، نہ اپنی ماں پر تہمت رکھ سکتے ہیں اور نہ اپنے باپ سے انکار کر سکتے ہیں۔" [۲]

عرب کوئی زرعی ملک نہیں ہے۔ طائف وغیرہ میں کچھ غلّہ اور ترکاریوں کی کاشت البتہ ہوتی

---

[۱] بعض محقق انصار کو بھی اسماعیلی سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بنو قحطان سے چونکہ ان کی قرابت زیادہ تھی اسلئے اسی قبیلہ سے منسوب ہو گئے۔ واللہ اعلم۔ [۲] زاد المعاد جلد ۱، صفحہ ۲۲۔

تھی، تمام قبائل عرب کا پیشہ ہمیشہ سے تجارت تھا، جنگلی درختوں کے میوے، مویشیوں کے بال اور چمڑے وغیرہ یہ لوگ مصر و شام وغیرہ لیجاتے اور وہاں سے ان کے بدلے تمام ضروری چیزیں کھانے پہننے کی لاتے تھے۔ عرب میں جب روئی کی پیداوار ہی نہ تھی، سوت و کپاس میسر نہ آتی تھی تو پھر دھنے جولاہے کا پیشہ کیسا۔ **ابن قتیبہ** نے اپنی کتاب میں "صناعات الاشراف" کا ایک باب قائم کیا ہے۔ اسکے تحت میں بعض اشخاص کے تجارتی مشاغل کا بھی ذکر کیا ہے، اس میں کسی نساج (جولاہے) کا ذکر نہیں۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ و حضرت عثمانؓ و حضرت طلحہؓ و حضرت عبدالرحمٰن بن عوف البتہ کپڑے کی تجارت کرتے تھے لیکن یہ کپڑا عرب میں نہیں بُنا جاتا تھا بلکہ ممالک غیر سے آتا تھا۔ مکہ مدینہ میں کسی جولاہے کی کارگاہ (کرگاہ) نہیں تھی اور بفرض محال اگر کسی انصاری نے کبھی کپڑا بُننے کا کوئی کام کبھی کیا بھی ہو تو ان کی اولاد نے نہیں کیا۔ جب اہل عرب فاتح کی حیثیت سے عرب سے باہر نکلے تو تُرا اور ہتہ یا چرخہ و کوچ لیکر کوئی نہیں نکلا، تلوار اور نشان فتح (جھنڈا) لیکر نکلے۔ ان کے اخلاف کے ہاتھ میں بھی تلوار ہی یا قلم، سوت، اٹیرن یا نلی کبھی نہیں رہی۔ ۹۳ھ میں محمد بن قاسم **ثقفی** کی معیت میں بعض قبائل انصار کے افراد بھی سندھ آئے اور خلفاء بنی امیہ و بنی عباس کے زمانہ میں کئی صدیوں تک یہی لوگ سندھ کے گورنر رہے۔ ان میں بنی تمیم اور اولاد جبریہ انصاری اور دوسرے قبائل کے اشخاص سلاطین غزنین و غور کے زمانہ میں عہدۂ قضا و خطابت پر متمور ہوئے۔ شاہجہاں کے مشہور وزیر علامی سعد اللہ خان بنی تمیم سے تھے[1]، ان میں کبھی کسی نے کپڑا بُننے کا پیشہ اختیار نہیں کیا۔ صاحب تحفۃ الکرام نے ان قبائل کا مفصل تذکرہ کیا ہے۔ اس کے بعد جو اہل عرب خواہ وہ انصاری

---

[1] نواب عاشق حسین خان رئیس سلطنق جو نواب امین الدولہ امین الدین خان بہادر منصبدار شہزادی عہد جہاندارشاہ کے خاندان سے ہیں، نسباً انصاری ہیں۔ اس خاندان کا سلسلۂ نسب ابوالہیثم انصاری سے متصل ہوتا ہے۔ اردو ہیں کے صحیح النسب انصاری یعنی خاندان مولوی مظہر علی ساکنان محلہ مولانا پنشن بیگ کل بھی ایک مشہور ہے

نجبے یا قریشی سے ہندوستان آئے شاہان ہند نے ان کی قدر و منزلت کی، سلطنت کے معتز عہدوں پر مامور کیا، املاک مدد معاش و جاگیریں عطا کیں۔ ان میں سے کسی نے نہ کبھی کپڑا بننے کا پیشہ اختیار کیا اور نہ مدد معاش کے لئے ان کو ایسے پیشے اختیار کرنے کی ضرورت ہوئی جن کو اس زمانہ کی سوسائٹی کے اعتبار سے شرفا میں معیوب سمجھا جاتا تھا جس کا تھوڑا بہت اندازہ مندرجہ بالا اقتباسات سے ہو سکتا ہے۔

ہندوستان میں مسلمان جلاہوں کی تعداد اتنی کثیر ہے کہ عرب میں قبائل انصار کی مجموعی تعداد بھی کبھی اتنی نہیں ہوئی ہوگی۔ صرف ایک روہیلکھنڈ میں تقریباً دو لاکھ جولاہے آباد ہیں جن میں صرف ضلع مرادآباد میں تقریباً ساٹھ ہزار ہیں۔ اسی پر تمام ہندوستان کا قیاس ہو سکتا ہے۔ عرب سے قبائل انصار کا ایک ایک فرد بھی اگر ہجرت کر کے ہندوستان آجاتا تب بھی اون کی تعداد اتنی نہیں ہو سکتی۔ ہندوستان کے مسلمان جولاہوں کی جسمانی ساخت، ان کی ذہنی و اخلاقی، تمدنی و معاشرتی پستی، ان کے عادات و خصائل، ان کی شکل و شمائل، ان کے رسوم و رواجات، ان کے خصائص قومی، باوجود اسلامی تمدن و معاشرت کے اثرات کے، اب تک بہت کچھ ان کے ہندو ہم قوموں سے ملتے جلتے ہیں۔ ہندوؤں کی مختلف قوموں بالخصوص پست اقوام میں سے جو خاندان اور گروہ مسلمانوں کے ابتدائی دور حکومت میں حلقہ بگوش اسلام ہوئے ان کی سوشیل، معاشرتی اور ذہنی حالت میں اسلام لانے کے بعد کوئی اہم اور بڑی تبدیلی پیدا نہیں ہوئی، توہمات اور ضعیف الاعتقادی کی حالت بالعموم باقی رہی۔ ہندو سادھوؤں، جوگیوں اور پروہتوں کے بجائے یہ لوگ مسلمان اولیاء اللہ، پیروں اور ملاؤں کے معتقد ہو گئے۔ ہر پیر ان کا دستگیر اور ہر قبر و مزار ان کی حاجت روا بن گیا۔ ان ہی نومسلموں کی بدولت ہندوؤں کے تیوہاروں اور میلوں کا رنگ عرسوں، نیزے کے میلوں اور اسلامی تیوہاروں میں بھی جھلکنے لگا۔ امروہہ کے تیلی، قسائی وغیرہ حضرت شاہ ولایت کے اور جولاہوں کا ایک طبقہ حضرت شاہ ابن کا معتقد چلا آتا ہے،

یہ لوگ آج بھی ان کا عرس دھوم دھام سے کرتے ہیں۔ حضرت شاہ ولایتؒ اور ان کے خاندان سے امروہہ کے قسائیوں کی عقیدت اور محبت کی تو یہ وجہ بھی ہے کہ شاہ صاحب ممدوح کی اولاد سادات امروہہ کے یہاں بالخصوص صدہا برس سے اس قوم کے مرد ملازمت اور ان کی عورتیں دایہ گری اور خانگی خدمت کرتی تھیں۔ اب سے پچیس تیس برس پہلے سادات کے اکثر بچے قسائینوں کا دودھ پینے اور ان کی گودوں میں پرورش پاتے تھے۔ انقلاب حکومت اور جائدادوں کی تباہی سے وہ تمام طریقے رفتہ رفتہ متروک ہو گئے تاہم اس قوم کو اب تک اس خاندان سے عقیدت چلی آتی ہے۔ آقاؤں نے جب امروہہ میں تعزیہ داری شروع کی تو متوسلین اور رعایا نے بھی تقلید کی، قسائی بھی تعزیہ اور دیو وغیرہ نکالتے تھے اور آج بھی حجاموں بھنڈیلوں کے تعزیے نکلتے ہیں، سقوں کے علم بھی محرم کی ایک تاریخ میں نکلتے ہیں، غرضیکہ وہ تمام تقریبات جن میں میلوں کی شان پیدا ہو جاتی ہے اور عرسوں وغیرہ کی رونق زیادہ تر ان ہی عوام الناس سے ہے جو ہندوؤں کی مختلف اقوام سے مسلمان ہوئے۔ سامی النسل قبائل، خواہ عرب ہوں یا انصار، مشرق میں ہوں یا مغرب میں، عقیدۂ توحید میں بہت غلو رکھتے ہیں۔ ان کے ایمان اور اسلام پر باوجود امتداد زمانہ آج تک شرک کا پرتو نہیں پڑا۔ اہل عرب کے جو خاندان ہندوستان کے مختلف مقامات کی طرح امروہہ میں بھی آباد ہیں باوجود بے علمی اور ہندی نژادوں کے میل جول کے اثر اور ان ضعیف الاعتقادی کے ان میں پیر پرستی و قبر پرستی کے مقابلہ میں بالعموم توحید پرستی کا رنگ غالب ہے۔ علاوہ ازیں جولاہوں میں پنچایت کا دستور، چودھریوں کا تقرر، شادی بیاہ کی بعض خاص خاص ہندوانی رسمیں، عورتوں کی بیع دشرا اور اسی قبیل کی صدہا رسوم ان کی ہندی قومیت کا بین اور واضح ثبوت ہیں۔ ان کو انصار تو انصار کسی عربی یا غیر ہندی شریف قوم سے کوئی دور کا واسطہ و تعلق بھی نہیں ہو سکتا۔ اور اگر نسبی تعلق کا معیار ان مدعیان انصاریت کے نزدیک یہ ہے کہ کسی قوم و ملک کے کسی فرد نے کبھی اپنی ایرانی

دُھننے کا کام کیا تو ہندوستان کے جولاہے اور دُھنے ہم پیشہ ہونے کی بنا پر اُس سے اپنا سلسلۂ نسب جا ملائیں تو قبیلۂ انصار یا شیخ حسین بن منصور حلاج کی پھر کیا تخصیص ہے دنیا میں اور بہت سی قومیں ہیں جن کے افراد پارچہ بافی کا کام کرتے ہیں۔ انصار نہ پارچہ بافی کا کام کرتے تھے اور نہ حسین بن منصور حلاج دھننے کا پیشہ۔ انگلستان، جرمنی و جاپان میں پارچہ بافی کی صنعت آجکل اوج کمال پر پہنچی ہوئی ہے اس اصول کے مطابق ان اقوام کو انہیں اپنا ہمجدی یا کم از کم بنی اعمام تسلیم کرنے میں کون امر مانع ہو سکتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مسلمانان ہند کے ہر طبقہ میں کچھ عرصہ سے یہ عام وبا پھیلی ہے کہ جسے دیکھو عرب و عجم سے سلسلۂ نسب ملانے کی فکر میں ہے، کیا ہندی الاصل ہونا کوئی ذلت کی بات ہے؟ مسلمانوں کے اعتقاد میں تو بنی آدم سب برابر ہیں۔ علم تقوے اور عمل صالح حقیقت میں معیار شرف و فضیلت ہیں۔ وَجَعَلْنَاکُمْ شُعُوبًا وَّقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ ہ نص صریح ہے۔ حضور سرور کائنات نے فتح مکہ کے وقت ارشاد فرمایا تھا کہ:۔

اَلنَّاسُ مِنْ آدَمَ وَآدَمُ مِنْ تُرَابٍ ﴿ تمام انسان حضرت آدم کی نسل ہیں اور آدم مٹی سے بنے ہیں ﴾

عزت و ذلت، شرافت و رذالت کا انحصار انسان کے اپنے ذاتی حالات پر ہے۔ کاش یہ لوگ اپنے پس ماندہ بھائیوں کی حالت بہتر کرنے کی تدبیر کریں اور "انصاریت" اور "حلاجیت" کی لغو باتوں کو خیر باد کہیں۔

آفاقی لوگ

سادات و شرفاء اور اہل حرفہ کی مختلف اقوام کے علاوہ بعض گھرامروہہ میں ایسے بھی پائے جاتے ہیں جن کا تعلق حقیقتاً طبقۂ شرفاء سے نہیں ہے اور نہ ان کا کوئی صحیح نسب ہے بلکہ یہ لوگ ان اشخاص کی نسل ہیں جو یہاں کے سادات و شرفاء کے مختلف خاندانوں کے پروردہ تھے اور جن کو عرف عام میں غلام و باندی کہا جاتا تھا اگرچہ اُن کی حیثیت اُن شرعی غلام و کنیزوں کی سی نہ تھی جو عموماً جہاد میں فریق

محاربے سے گرفتار ہوئے اور فدیہ نہ ادا کرنے کی صورت میں غلام و کنیز بنائے جاتے تھے اور جن پر "ملک یمین" کا شرعاً اطلاق ہوتا ہے اور اُن کے لئے اسلام میں خاص احکام ہیں بلکہ یہ لوگ ادنیٰ طبقہ کے نومسلم لاوارث لڑکے اور لڑکیاں یا اسی طرح کی پست اقوام کے مفلوک الحال یا تباہ شدہ لوگوں کی اولاد تھی جن کو سادات و شرفا مسلمان کر لیا کرتے تھے اور از راہِ ترحم و دستگیری انکی پرورش کرتے اور اُن سے اپنی خانگی خدمات لیا کرتے تھے اور انہیں **باندی یا غلام یا خانہ زاد** کہا جاتا تھا اُس زمانہ میں اکثر معزز گھرانوں میں اس قسم کے پروردہ لڑکے اور لڑکیاں ہوتی تھیں جن کا جوان ہونے پر باہم شادی بیاہ کر دیا جاتا تھا۔ یہ طبقہ انہیں کی اولاد ہے۔ ان میں سے بعض کی سوشل حالت رفتہ رفتہ اچھی ہو گئی اور چند کی قرابتیں بھی مفلوک الحال شرفا کے یہاں ہو گئیں جن کی بنا پر یہ لوگ بھی اپنا شمار طبقہ شرفا میں کرنے لگے۔ ان میں سے بعض اپنے آپ کو اُسی خاندان سے ظاہر کرنے لگے ہیں جس میں ان کے مورث نے مذکورہ بالا حیثیت سے پرورش پائی تھی۔ باوجودیکہ اہل شہر اُن کے حالات سے واقف ہیں لیکن اب اُن میں سے بعض عربی النسل قریشی ہاشمی انصاری وغیرہ ہونے کے بھی مدعی ہیں اور اپنے آپ کو شیخ و پٹھان حتیٰ کہ سید بھی کہنے لگے ہیں۔ اُن میں سے کچھ لوگ محلہ مُرادآبادی دروازہ، کٹکوئی، ترتولیہ، بازار رزاق، نوگزہ، مولانہ، چاہ شور، بٹوال وغیرہ میں آباد ہیں۔

مجہول النسب:۔ حضرت عشق کی ناوک افگنی سمجھئے یا مال و دولت اور عیش پرستی کی مدہوشی کہ بعض لوگ ہر زمانہ میں سوسائٹی کے قواعد کی خلاف ورزی کر کے ایسے بچوں کو وجود میں لانے کے موجب ہوتے رہے ہیں جنکا پدری نسب دنیا کو معلوم نہ ہوا۔ زنان بازاری کے علاوہ بعض نیچے طبقہ کی عورتوں حتیٰ کہ بھنگنوں سے بھی اولاد ہوئی اکثر تو ان طبقات ہی میں شامل رہے اور بعض کی جداگانہ ہستی قائم ہوئی۔ مسٹر جان مسن[1] نے سچ کہا ہے کہ مرد و عورت کے فطری جذبات اور تعشق کی قوت سوسائٹی کے مقررہ ضوابط سے بالا تر ہے۔ ایسے تعلقات کے نتیجہ میں جو ہستیاں عالم وجود میں آئیں ان کی نسل کے چند افراد بھی امروہہ میں موجود ہیں جن سے اہل شہر واقف ہیں۔

---

[1] سیموائرس آف سر ہنری ایلیٹ۔

امروہہ کے شیعہ و سنّی

مسٹر ایچ آر نیول آئی سی ایس مؤلف مراد آباد ڈسٹرکٹ گزیٹیر امروہہ کے تاریخی حالات کے سلسلہ میں تحریر فرماتے ہیں:

"امروہہ کے شیعہ سنّی فرقوں کی باہمی مخاصمت و عناد حکومت کے لئے ہمیشہ موجب تشویش بنی ہے کہا جاتا ہے کہ تمام سادات ابتداءً شیعہ تھے ان میں سے جزو غالب تو اپنے مذہبی عقائد پر قائم رہا لیکن باقی حصّہ سنّی ہوگیا۔ (شہنشاہ اکبر کے عہد سے (نوابان) اودھ کے تسلّط و حکومت کے ابتدائی زمانہ تک امروہہ کے تمام سیّد موخر الذکر مذہب (یعنی اہل سنّت و جماعت) کے پابند تھے۔ نوابان اودھ چونکہ بذات خود غالی شیعہ تھے اس لئے (ان کے عہد حکومت میں) امروہہ کے بہت سے سیّدوں نے اپنا قدیم مذہب پھر اختیار کر لیا اور اس طرح تبدیل مذہب کرنے سے انہیں بہت سے دنیاوی فوائد بھی، معافی و سکنائی جائداد و املاک کے حصول کی صورت میں حاصل ہوگئے"[1]

مسلمانان امروہہ کی بدقسمتی سے مسٹر نیول کا یہ قول مبالغہ آمیز نہیں کہ امروہہ کے شیعہ و سنیوں میں مذہبی مخالفت بلکہ منافرت کے جذبات موجود ہیں لیکن واقعہ یہ ہے کہ بغض و عناد کی موجودہ حالت گذشتہ ساٹھ ستر برس کی پیداوار ہے اس سے پیشتر یہ حالت نہ تھی۔ خاکسار مؤلف کو اس موقع پر یہ ناگوار اور بے نتیجہ بحث چھیڑنا ہرگز مقصود نہیں کہ شیعہ و سنّی صاحبان کی باہمی اختلاف مذہبی کی اصلیت کیا ہے، یہ اختلاف کب شروع ہوا کیوں شروع ہوا، سقیفہ بنی ساعدہ کے واقعات اور خلافت و امامت کے جھگڑوں کی حقیقت و نوعیت کیا ہے، جنگ جمل و جنگ صفین کے معرکے کیوں اور کس بنا پر ہوئے کون مورد الزام اور کون نہیں۔ ان مباحث سے جن حضرات کو دلچسپی ہے اور جو انہیں اہم اور دینی سمجھتے ہیں ان کی چھان بین انہیں ہی مبارک رہے، مجھے ان سے مطلق سروکار نہیں ہے۔

تو چہ دانی سِرّ حق اے جاہلی — تو گرفتارِ ابوبکرؓ و علیؓ
گر علیؓ بود و اگر صدیقؓ بود — جانِ ہر یک در پئے تحقیق بود

ان تمام مباحث سے قطعاً آزاد اور بے تعلق ہو کر مجھے یہاں اس سوال کی تاریخی حیثیت واضح کر دینا مطلوب ہے کہ مسلمانان امروہہ میں تفریق مذہب کب سے اور کیونکر شروع ہوئی اور بس۔

---

[1] مراد آباد ڈسٹرکٹ گزیٹیر مطبوعہ ۱۹۱۱ء صفحہ ۱۸۴۔

مندرجہ بالا اقتباس میں مسٹر نیوآل نے جس کسی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ امروہہ کے شیعہ سادات کے واجب الاحترام مورث و اجداد بھی اپنے موجودہ اخلاف کی طرح مذہباً و عقیدتاً شیعہ تھے وہ تاریخی واقعات و حالات اور شواہد و قرائن کے سراسر خلاف ہے۔ امروہہ کے سادات میں جن کا غالب حصہ اب شیعی مذہب ہے، قدیم ترین خاندان حضرت شاہ ولایتؒ، قاضی زادگان اور شاہ نصیر الدین چشتیؒ کے خاندان ہیں۔ ان کے علاوہ حضرات نقشبندی کا خاندان بھی، جن میں نسلاً بعد نسل امروہہ کے مفتی ہوتے رہتے، امروہہ میں ایک قدیم خاندان ہے۔ سادات کے دوسرے خاندان جن کے اکثر و بیشتر افراد شیعی مذہب ہیں زیادہ قدیم نہیں مثلاً خاندان دانشمندان، جرودیہ وغیرہم۔ سادات نقوی کے بعض اور خاندان جو یہاں ساکن ہیں مثلاً سادات کاظمی (محلہ کٹکوئی)، و سادات چشتی (محلہ چلہ) وغیرہ وہ اباً عن جدٍ اثنا عشری ہیں۔

سادات امروہہ کے تقریباً تمام خاندانوں کے مورث یا مشائخ و اولیائے کبار میں سے تھے یا علماء و فضلاء تھے یا قاضی و مفتی۔ ان بزرگوں میں سے کوئی فرد واحد بھی نہ کبھی عقیدتاً شیعہ تھا اور نہ ان میں سے کسی بزرگ کے شیعی مذہب ہونے کا امکان ہو سکتا تھا۔ مسلمانوں میں مشائخ اور اولیاء کی تعداد لاکھوں سے زیادہ شمار ہو سکتی ہے لیکن سلف سے آج تک ان میں سے کسی ایک فرد کا نام بھی ایسا نہیں بتایا جا سکتا جو مذہباً و عقیدتاً شیعہ ہو۔ مشائخ کا مسلک ہی شیعہ مذہب کے بنیادی اصولوں کے سرتاسر منافی ہے۔ رہا یہ خیال کہ یہ سب حضرات تقیہ کئے ہوئے تھے اور کسی خوف ضرر یا طلب منفعت کی وجہ سے، جیسا کہ امروہہ کے ایک شیعہ عالم نے دوران گفتگو میں خاکسار مؤلف سے فرمایا تھا، اپنے عقائد مذہبی کو مخفی رکھتے تھے، محض بے اصل اور بے بنیاد ہے۔ عقل سلیم اسے ہرگز باور نہیں کر سکتی کہ حضرت شاہ ولایت قدس سرہ جیسے ولی اللہ جو خلق خدا کے ارشاد و ہدایت کے منصب جلیل پر فائز ہوں اور جن کے مرید ہونے کی (بقول ان ہی حضرات کے) بادشاہ وقت تک آرزو کرے، وہ کسی خوف ضرر یا طمع نفسانی سے اپنے اصلی عقائد کو پوشیدہ رکھتے اور خلق خدا کو بجائے صحیح اور اصلی مسلک کی جانب رہنمائی کرنے کے نعوذ باللہ دھوکے میں ڈالتے یا غلط ہدایت کرتے۔ ایسا خیال کرنا ہی ان خدا رسیدہ اور نیک بندوں کی، جن کا ظاہر و باطن یقیناً ہر حالت میں یکساں تھا اور جو سوائے خدائے واحد کے اور کسی قوت و طاقت سے ڈرنے والے نہ تھے، سخت ترین توہین کرنا ہے۔

علاوہ ازیں تاریخ سے ثابت ہے کہ حضرت شاہ ولایت قدس سرہ کے زمانۂ حیات میں نیز اس سے کچھ قبل، دہلی و [illegible]

سوائے اہلِ سُنّت وجماعت کے کسی اور عقیدے کے مسلمان کا ہندوستان میں وجود ہی نہ تھا۔ اس وقت مسلمانانِ ہند کا سوادِ اعظم حنفی تھا، کچھ شافعی، مالکی وحنبلی بھی تھے لیکن شیعہ، معتزلی اور خارجی یہاں مطلق نہ تھے۔ اسکا ثبوت ایک ایسی معتمد اور باخبر ہستی کا بیان ہے جو اُس زمانہ کے مشاہیر اکابر میں سے تھے۔ حضرت امیر خسرو علیہ الرحمۃ نے اپنی مشہور مثنوی عشقیہ میں سلطان علاؤ الدین خلجی کے عہد حکومت (۶۹۵ - ۷۱۵) کے حالات کا تذکرہ کرتے ہوئے صاف اور صریح الفاظ میں اس کا اظہار کیا ہے کہ اُس عہد میں یعنی ساتویں اور آٹھویں صدی ہجری کے مابین ہندوستان کے طول وعرض میں نہ کوئی یہودی موجود تھا اور نہ عیسائی وغیرہ۔ ہندو اور مسلمان صرف دو مذاہب کے پیرو یہاں تھے۔ ہندو مسلمانوں کے مطیع ومنقاد تھے اور مسلمان من حیث الجماعت ایک ہی مشرب اور ایک ہی مسلک کے پابند ومتبع تھے اور وہ مشرب ومسلک اہلِ سُنّت وجماعت کا مشرب ومسلک تھا۔ حضرت امیر خسرو فرماتے ہیں [۱]

خوشا ہندوستان ورونقِ دیں   شریعت را کمال عِز وتمکیں
زعلم باعمل دہلی بخارا   زشاہاں گشتہ اسلام آشکارا
سر ہندو چو فرماں را مطیع است   زآب تیغ خونش راشفیع است
زغزنیں تالب دریا دریں باب   ہمہ اسلام مبنی بر یکے آب
نہ زاں زہ دیدہ زاغانِ گبر وگبیر   ہمہ در کیش احمد راست چوں تیر
نہ ترسائے کہ از نازش نگاری   نہد بر بندہ داغ کردگاری
نہ از جنس جہوداں جنگ جوریت   کہ از قرآں کند دعوی بہ توریت
نہ مغ کز طاعتِ آتش شود شاد   وزو با صد زباں آتش بہ فریاد
مسلمانانِ نعمانی روش خاص   زدل ہر چار آئیں را باخلاص
نہ کیں باشافعی نے مہر با زید   جماعت را و سنت را بجاں صید
نہ زاہلِ اعتزالی کز فنِ شوم   زدیدار خدا گردند محروم

---

[۱] مثنوی عشقیہ حضرت امیر خسرو۔

نہ رفضی شیعہ نارسیدگاں مذہب بد — جفائے بر وفاداران احمدؐ
نہ آں سگ خارجی کز کینہ سازی — کند با شیر حق روباہ بازی
زہے خاک مسلماں خیز دیں جوئے — کہ ماہی نیز سُنّی خیزد از جوئے

حضرت شاہ ولایتؒ کی ولادت اسی عہد علائی سے چند سال قبل ہوئی، عنفوان شباب اور زمانۂ تحصیل کمالات خاص اسی عہد میں گزرا، خانوادۂ مشائخ سہروردیہ میں آپنے اسی زمانہ میں بیعت کی اور عہد علائی سے چند سال بعد بعہد سلطان غیاث الدین فیروز تغلق آپ مع اپنے خلفائے باکمال اور اعزا امروہہ تشریف لائے آپکے ولد اکبر قاضی سید امیر علی عہدۂ قضا پر مامور ہوئے۔ عہدۂ قضا کے لئے عالم فاضل ہونا لازمی شرط تھی اسلئے قاضی سید امیر علی یقیناً اپنے زمانہ کے ممتاز عالم ہوں گے۔ بادشاہ وقت سُنّی حنفی تھا، سلطنت سُنیوں کی تھی، فقہ حنفی کا رواج تھا، تمام مسائل شرعیہ اسی کے مطابق طے ہوتے تھے، کوئی شیعہ اس عہد پر ہرگز مستقر نہیں ہو سکتا تھا۔ مشہور مؤرخ ضیاء الدین برنی لکھتا ہے کہ اُس زمانہ میں مخالفان مذہب اہل سنت و جماعت میں سے کسی شخص کا تقرر قاضی و مفتی کے عہدوں پر نہیں ہو سکتا تھا اور اسکے متعلق صاف اور صریح احکام موجود تھے[1] اور ایک فاضل ہم عصر کا بیان آپ پڑھ چکے کہ اُس زمانہ میں کسی شیعہ کا ہندوستان میں وجود ہی نہ تھا پس نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ قاضی سید امیر علی جد سادات محلہ لکڑہ، حقانی و چھدرہ وغیرہ سُنّی المذہب تھے۔ اُن کے فرزند سید اشرف جہانگیر چشتیؒ جو شرف الدین کے نام سے بھی مشہور تھے مشائخ کبار میں ہوئے۔ چند پشتوں کے بعد قاضی سید امیر علی کی نسل میں سید عمر زندہ پیر، عمدۃ الواصلین سید عبد الحکیم چشتی، سید الہ یار نقشبندی اُن کے فرزند سید غلام محمد نقشبندی قدس اللہ اسرارہما مشائخ و اولیا رہیں اور سید اشرف بن سید خان، سید میر علی و سید قطب الدین وغیرہ سُنیوں کے نامور عالم اور مفتی ہوئے۔ اُن کے اخلاف میں متعدد نام خلفائے ثلاثہ کے ناموں پر ابو بکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، فاروقؓ و صدیقؓ اور حضرت پیر دستگیر شیخ محی الدین عبد القادر جیلانیؒ کے نام پر غلام محی الدین، عطا محی الدین، عنایت محی الدین اور عنایت غوث وغیرہ رکھے جاتے تھے جسکے ثبوت میں دیرینہ

---

[1] تاریخ فیروز شاہی صفحہ ۴۱ مطبوعہ

اور قدیم دستاویزات خاکسار مؤلف کے پاس موجود ہیں اور ایسے بعض نام مطبوعہ شجروں میں بھی درج ہیں۔
سید محمد شاکر و سید ابدال محمد مورث موجودہ سادات محلہ لکڑہ بھی صوفی منش، عابد و زاہد سُنّی مذہب تھے اور انکا تمام خاندان سُنّی المذہب خاندان تھا۔ ان دونوں بھائیوں نے سنہ ۱۱۵۰ھ میں درگاہ حضرت شاہ عبدالمجید علوی کے لئے کچھ جائداد موضع باکڑی پرگنہ رجب پور کی وقف کی تھی جس کی اصل دستاویزات خاکسار مؤلف کے پاس موجود ہیں۔ ان کے حقیقی چچا سید سلطان بن سید عبدالرحیم بن سید سعید خان بھی درویش تھے اور بقول صاحب تاریخ اصغری "سید سلطان فقر کی طرف مائل اور تا حیات عبادت الٰہی میں مصروف رہے" کچھ اشخاص اس نسل میں اب بھی سُنّی المذہب ہیں اور ایک صاحب یعنی سید نثار حسین شاہ چشتی صابری جو سادات محلہ لکڑہ کے ہمجدی ہیں مشائخ میں سے ہیں، پیری مریدی کرتے ہیں، بیرونجات میں ان کے بہت سے مرید و معتقد ہیں۔ ان کی اولاد بھی سب سُنّی المذہب ہے۔

قاضی سید امیر علی کی نسل سے متعدد اشخاص مختلف اوقات میں امروہہ سے باہر جا کر مختلف مقامات میں سکونت پذیر ہوئے یہ سب حضرات سُنّی المذہب تھے اور ان کی اولاد بھی آج تک سُنّی ہے۔ موضع اغوان پور میں جو خاندان سید عمر زندہ پیر کے اخلاف کا آباد ہے، اس میں البتہ بعض اشخاص بعد میں شیعہ ہو گئے اور باقی سُنّی ہیں۔ سید ہاشم حسین انجنیر کا خاندان، جن کے لایق فرزند سید ظفر حسن بی اے۔ ایل ایل بی (علیگ) مرادآباد میں وکالت کرتے ہیں سُنّی حنفی ہے۔ نیز مولانا سید فرزند علی دہلوی مدنی مؤلف کتاب "الریاض المندیہ فی تراجم مشائخ نقشبندیہ" جن کے جد بزرگوار مولوی سید منور علی تقریباً ڈیڑھ سو صدی پہلے امروہہ سے دہلی گئے تھے سُنّی المذہب عالم اور صوفی منش بزرگ تھے۔ حضرت مولانا قاری شاہ سلیمان (پھلواری) اور مولانا محمد ریاض حسن خان رئیس رسول پور ضلع مظفر پور (صوبہ بہار) ان کے ارشد تلامذہ میں سے ہیں۔ انکا خاندان دہلی میں اب تک آبائی مذہب پر قائم ہے۔ اسی طرح سید علی اکبر نبیرہ دیوان سید منجھو (مورث سادات لکڑہ) کی اولاد سے جو خاندان بریلی میں متوطن ہو وہ اباً عن جدٍ سُنّی المذہب ہے۔ ان میں سید محمد عبدالرشید صاحب ابن مولانا الحاج حافظ سید محمد عبدالحسیب بن مولانا مولوی سید محمود علی مغفور کا خاندان ذی علم اور سُنّی مذہب ہے۔

حضرت شاہ ولایت قدس سرہ کے فرزند اصغر سید عبدالعزیز کے اخلاف میں جو بزرگ امروہہ سے باہر گئے

وہ بھی سب سُنی المذہب تھے۔ سید کمال محمد نقشبندی مؤلف سراریہ کے جد اعلیٰ سید چاند بن سید عروف بن سید مجد الدین بن سید عبد العزیز مذکور صوفی منش بزرگ تھے۔ اُن کا امروہہ کے قریب موضع بھوج پور میں جا رہے تھے وہاں سے شیخ عمر شہ سنبھلی کی تحریک پر سنبھل میں آ متوطن ہوئے۔ جن کے خاندان میں نسلاً بعد نسلٍ مشائخ ہوتے رہے۔

اب غور طلب سوال یہ ہے کہ آیا یہ تمام حضرات تقیہ میں تھے؟ کیا یہ سب مشائخ کرام جو اپنے زمانہ حیات میں ہزارہا مسلمانوں کے مقتدا و پیشوا، کیا یہ علمائے عظام، جو حنفی مسلک کے مقلد و پابند، کیا یہ سب قضاۃ و مفتیان کرام جو حکام شرع و اصحاب افتا تھے مدۃ العمر اپنے معتقدات مذہبی کو چھپاتے اور مخفی رکھتے اور مخلوق خدا اور سلطنت اسلامی کو دھوکہ دیتے رہے؟ سوچنے کی بات ہے۔

سلطان فیروز شاہ تغلق کے عہد حکومت (۷۵۲ - ۷۹۰ھ) میں چند شیعہ مبلغ راتب مندوستان آئے تھے جنھوں نے شیعی عقائد کی تبلیغ اس ملک میں شروع کی تھی لیکن سلطان موصوف نے چونکہ وہ بذات خود راسخ العقیدہ سُنی اور مشائخ کا معتقد تھا، اس کا سختی سے تدارک کیا۔ اس بادشاہ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ حضرت شاہ ولایتؒ سے خاص عقیدت رکھتا تھا اور اسی بنا پر اپنی بیٹی بھی شاہ صاحب کے فرزند سید عبد العزیز کے عقد میں دیدی تھی اگرچہ واقعہ یہ ہے کہ حضرت شاہ ولایتؒ اس بادشاہ کے عہد سلطنت سے قبل واصل بحق ہو چکے تھے اور شادی کی روایت بھی، جیسا کہ دوسری جگہ تفصیلی بحث کی گئی ہے صحیح نہیں تاہم اس روایت کو اگر باور کر لیا جائے اور یہ مان لیا جائے کہ حضرت شاہ ولایتؒ اسکے زمانۂ سلطنت میں موجود تھے تو جو سلوک اور برتاؤ اس متعصب سُنی بادشاہ نے شیعہ مبلغین کے ساتھ کیا اور اس کی جو کیفیت اس نے خود اپنے قلم سے اپنے خود نوشت حالات میں لکھی ہے وہ اسی کے الفاظ میں سنئے:-

"فرقہ شیعہ نے، جنھیں روافض بھی کہتے ہیں، میری سلطنت میں اپنے عقائد ..... پھیلانے کی کوشش کی، رسائل اور کتابیں لکھیں اور شیعی معتقدات کی تعلیم و اشاعت بھی شروع کی حتیٰ کہ حضرات خلفائے راشدینؓ کی ہتک حرمت اور سب صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا اقدام کیا۔ میں نے ان سب کو گرفتار کرا لیا اور ان کے جرائم

> وقصوروں پر انہیں سخت زیادہ سزائیں دیں۔ ان میں سے جو غالی شیعہ تھے انہیں قتل کیا اور بقیہ کو تنبیہ و تہدید اور سرزنش و تشہیر کی۔ ان کی کتابیں اور تحریریں جلا دی گئیں اور اس طرح خدا تعالیٰ کے فضل و احسان سے اس فرقہ کے اثرات بد سے ملک کو قطعاً پاک و صاف کر دیا۔"[۱]

مندرجہ بالا اقتباس کے بعد شاید یہ عرض کرنے کی ضرورت نہیں کہ اگر حضرت شاہ ولایت قدس سرہ اس بادشاہ کے عہد حکومت میں موجود ہوتے اور آپ یا آپ کے اعزا مذہباً و عقیدتاً شیعہ ہوتے تو یہ متعصب سُنّی حکمراں آپ سے عقیدت رکھنے کی بجائے آپ کے ساتھ بھی وہی برتاؤ کرتا جس کا تذکرہ اس نے خود اپنے قلم سے سطور بالا میں کیا ہے۔

مسئلہ تقیہ میں جہاں تک خوف ضرر کا تعلق ہے عہد مغلیہ سے پیشتر اس کا امکان بتایا جا سکتا ہے لیکن شاہان مغلیہ کے زمانہ میں تو اس کا احتمال بھی نہیں ہو سکتا۔ تاریخ میں ہم دیکھتے ہیں کہ اس عہد میں غالی سے غالی شیعہ ایران سے آتا اور حسب لیاقت و قابلیت منصب اور عہدہ پاتا۔ شاہی بیگمات تک شیعہ مذہب رکھتی تھیں۔ وزرا و امرا اور خاص مقربین شاہی کے زمرہ میں شیعہ موجود تھے پھر کیا وجہ تھی کہ اس عہد میں مولانا **سید محمد** میر عدل ان کے نامور اخلاف یا ان کے دوسرے اعزا نے شیعیت کا اظہار و اعلان نہیں کیا؟ اس زمانہ میں تو اس کے اظہار و اعلان میں کوئی امر مانع نہیں ہو سکتا تھا۔ مولانا سید محمد میر عدل راسخ العقیدہ سُنّی اور عالم متبحر **میاں حاتم** سنبھلی قدس سرہٗ کے شاگرد رشید اور مرید با اخلاص تھے۔ عرصہ دراز تک وطن مالوف میں ان کا افادہ و درس جاری رہا۔ **ملا عبد القادر** بدایونی جیسے متعصب سُنّی نے امروہہ آکر ان سے اخذ علوم کیا تھا۔ جب دربار اکبری میں پہنچے تو ان کے تبحر علمی ان کی نیکی اور بزرگی کی وجہ سے بادشاہ بھی ان کا پاس و ادب کرتا تھا۔ اپنے معتقدات کے اتنے سخت تھے کہ کوئی مولوی خلاف سُنّت بات کہتا تو مزاج برہم ہو جاتا۔ حاجی ابراہیم سرہندی کی تو اسی بنا پر سر دربار فضیحت کی تھی۔ حضرت غوث صمدانی محی الدین شیخ عبد القادر جیلانی سے خاص عقیدت تھی حضرت پیر دستگیر

---

[۱] فتوحات فیروز شاہی کی نقل در الیٹ۔ جلد سوم صفحہ ۳۷۷

الله اکبر

عکس تحریر سید ابراهیم بن سید ابوالفضل بن سید محمد میر عدل

تعلیق ۹۰۵

معتمد خاص کمالی ایل اعلام آنکه چون شیخ [illegible] بنا بر موقوفات

میان شیخ صدر الدین جیو امروز به تشریف آورده‌اند و میخواهند

که چند روز آنجا بگذرانند شما را می‌باید که ابواب [illegible] در خدمت ایشان

جو در اصناف [illegible] در [illegible] برخوردار محمد عاقل [illegible] را در آن

در ملازمت ایشان می‌برده باشید که از دولت [illegible]

بکمال بهره و دولت دارین رسد [illegible] و پنج تنکه [illegible]

ضمن برای فقرا ملازم ایشان از جا [illegible] نزول [illegible] در [illegible]

که خوش نمانند بیهوده [illegible] بسته [illegible] مستغرق [illegible]

حق باشند [illegible] ایام [illegible] جائز [illegible]

کے خاندان کے ایک بزرگ سید سراج الدین قادری اس زمانہ میں اکبر آباد (آگرہ) میں مقیم تھے۔ اس خاندان سے اسی عقیدتمندانہ تعلق کی بنا پر انہیں امروہہ میں متوطن ہونے کی تحریک کی اور اپنی پوتی کو ان کے عقد میں دیا۔

مولانا سید محمد میر عدل کے فرزند سید **شاہ ابوالحسن** باوجود امارت کے درویش تھے۔ وہ اور ان کے سب بھائی خانوادہ حضرت **الٰہ بخش گنج بخش** گڈھ مکتیسری کے مرید اور عقیدتمند تھے

میاں نبی بخش جنکا مزار مراد آبادی دروازہ کے متصل ہے، اس خاندان سادات دربار کلاں کے عقیدتمند اُنکے اصرار پر امروہہ میں آکر مقیم ہوئے تھے۔ میاں صاحب کی ذات سے بزرگان سادات دربار کلاں کی عقیدت و ارادت کا یہ حال تھا کہ کوئی دنیاوی کام بغیر ان سے دریافت کئے نہ کرتے حتیٰ کہ گھروں میں کھانا کھانا بھی اس وقت شروع ہوتا جب یہ سن لیتے کہ میاں صاحب نے کھانا تناول فرمانا شروع کر دیا ہے۔

بزرگان سادات امروہہ اولاد حضرت شاہ ولایت کو حضرت **شاہ آبن** بدھ چشتیؒ اور آپ کے فرزند باکمال حضرت شاہ **صدر الدین** قدس اللہ اسرارہم سے بھی عقیدت تھی۔ اس سلسلہ میں **سید ابراہیم** بن سید ابوالفضل بن مولانا سید محمد میر عدل کی دلچسپ تحریر جو انہوں نے کسی بات پر اپنے معتمد خاص **کمال خان** کے نام بھیجی تھی اور حسن اتفاق سے حضرت شاہ صاحب کے خاندان کے ایک سن رسیدہ بزرگ پیر نور علی ابن پیر احمد علی کے کاغذات میں دستیاب ہوئی، ذیل میں درج کرتا ہوں۔

حضرت شاہ صدر الدینؒ کا قیام اکثر امروہہ سے باہر رہتا تھا۔ سید ابراہیم کو آپ سے عقیدت و ارادت تھی۔ ایک مرتبہ جب آپ وطن تشریف لانے لگے سید ابراہیم موصوف نے اپنے معتمد خاص کمال خان کو تحریر فرمایا۔

اللہ اکبر

سید ابراہیم

"معتمد خاص **کمال خان** را اعلام آنکہ چوں شیخ پناہ معنوی دثار میاں **شیخ صدر الدین جیو** بامروہہ تشریف آوردنی می خواہند کہ چندے روز آنجا بگذرانند شمارا می باید کہ ہمہ اسباب در خدمت ایشاں خود را معاف نداریدہ در ہر ہفتہ **برخورداری محمد عاقل را مع برادران** بملازمت ایشاں می بردہ باشید کہ **از دولت ملازمت ایشاں بکمال بہتری** است

دارین رسند - دیگر یک صد وپنج بیگہ زمین بتفصیل ضمن برائے فقرا الملازم
ایشان از جاگیر پرگنہ زدلی دربردہ کہ خوش نماید بودہ   درچک بستہ بدہند کہ شغل
گشتہ دریاد حق باشند۔ دریں باب اہمال وتعطل جائز ندارند - تحریر فی التاریخ ۲۸ شعبان سنہ ۱۰۲۳ھ"

سید ابراہیم کی اولاد کا بیشتر حصہ اب تین تین چار چار پشت سے شیعی مذہب ہے لیکن اس تحریر کے مطالعہ سے ہر انصاف پسند کو غور کرنا چاہئے کہ کیا یہی وہ بزرگ ہستیاں ہیں جن کے متعلق مسٹر نول کے مندرجہ بالا اقتباس میں بیان کیا گیا ہے کہ وہ بھی مثل اپنے موجودہ اخلاف کے مذہباً وعقیدتاً شیعہ تھے - کیا کسی شیعہ کو بزرگان طریقت ومشائخ کے ساتھ جو اس کے اصول مذہب کے کلیتاً خلاف ہوں، ایسی غیر معمولی عقیدت ونیاز مندی ہو سکتی ہے جس کا اظہار مندرجہ بالا تحریر میں کیا گیا ہے؟ طرفہ یہ ہے کہ سید ابراہیم اپنی اولاد کے لئے بھی تاکید کرتے ہیں کہ وہ ان بزرگ کی خدمت وصحبت سے بہرہ اندوز سعادت ہوں اور "دولت دارین" حاصل کریں۔

حضرت شاہ ولایتؒ کے خاندان کے علاوہ دوسرا قدیم خاندان سادات فاطمی **قاضی زادگان** کا ہے۔ سلطان فیروز شاہ تغلق کے اواخر عہد سے اس خاندان میں نسلاً بعد نسلٍ امروہہ کے قاضی ہوتے رہے ہیں[1] جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا ہے اس عہدہ پر کسی شیعہ کا تقرر نہیں ہو سکتا تھا۔ یہ سب حضرات جو عہدۂ قضا پر مامور ہوئے سنی المذہب، حنفی مسلک کے مقلد اور پیرو تھے اور بحیثیت قاضی نہ صرف حاکم شریعت تھے بلکہ مسلمانان شہر کے پیش امام بھی تھے جمعہ وجماعات وعیدین کی امامت کرنا ان کے فرائض منصبی میں داخل تھا۔ ان کے اسناد تقرر میں جمعہ وجماعات کی اقامت کے الفاظ خاص طور سے مندرج ہوتے تھے۔

" در فصل قضایا وخصومات واجرائے حدود وتعزیرات واقامت جمعہ وجماعات
وترغیب مردم بطاعات وانکاح من لاولی لہ وقسمت ترکات وحفظ اموال غیب و
اہتمام وخیش اقضیاء ونصب قوام ...... الخ "[2]

ظاہر ہے کہ ان فرائض کی بجا آوری کے لئے نہ سنی حکومت کسی شیعہ کا تقرر کر سکتی تھی اور نہ شہر کے عام مسلمان جو سب کے سب سنی حنفی مذہب تھے اس تقرر کو قبول کر سکتے تھے اور نہ کسی شیعہ امام کے پیچھے جمعہ وجماعات وعیدین کی

---

[1] ملاحظہ ہو فہرست قضاۃ امروہہ۔ [2] اسناد تقرر قضاۃ۔

نماز پڑھ سکتے تھے ۔ علاوہ ازیں سلطنت اودھ کے تسلط سے پہلے شیعہ حضرات میں جمعہ و جماعات کی نماز پڑھنے کا دستور بھی کہیں نہ تھا شیعان ہند میں جمعہ و جماعات کی نماز پڑھنے کا رواج سب سے پہلے نواب آصف الدولہ کے زمانہ سے یعنی ۱۱۸۸ھ کے بعد سے شروع ہوا ۔ اس کے بانی نواب موصوف کے نائب حسن رضا خاں تھے ۔ ایک شیعہ مورخ سید غلام علی خان صاحب عماد السعادت لکھتے ہیں :-

"القصہ حسن رضا خان بہادر سوائے سیر و شکار در "رکاب جناب عالی و صوم و صلوات با ہیچ چیز سروکار "نداشت و بانی جمعہ و جماعات در اثنا عشریاں در لکھنؤ "او بودہ است در ہیچ شہرے از شہر ہائے "ہندوستان نماز جمعہ و جماعت در مذہب امامیہ رائج نہ بود بلکہ کسے را گمان ایں ہم نبود "کہ در ایران و بلاد عرب نماز جماعت در ... "اثنا عشریاں گذاردہ می شود" [1]

غرضیکہ حسن رضا خاں سوائے شیر و شکار اور جناب عالی (یعنی نواب آصف الدولہ بہادر) کی ہمرکابی اور نماز روزے کے کسی بات سے تعلق نہ رکھتے تھے ۔ لکھنؤ کے شیعوں میں نماز جمعہ و جماعت کے شروع ہونے کے وہی بانی مبانی تھے اور ہندوستان کے کسی ایک شہر میں بھی نماز جمعہ و جماعت مذہب امامیہ میں رائج نہ تھی بلکہ کسی کو اس کا وہم و گمان بھی نہ تھا ایران اور عرب کے شیعوں میں جماعت سے نماز ہوتی ہے ۔

انقلاب سلطنت کے بعد بھی جب قاضی کا کام صرف نکاح پڑھانا رہ گیا تھا مسلمانان شہر اسی خاندان کے قاضی سے نکاح پڑھواتے اور عیدین کی نماز ان کے پیچھے پڑھتے رہے ۔ قاضی ایزد بخش کے زمانہ تک' جو خود عالم نہیں تھے اور اس وجہ سے امامت نہیں کر سکتے تھے' معمول قدیم کے مطابق نماز پڑھانے کی اجازت ان سے حاصل کیجاتی تھی اور عیدین کا خلعت بھی ان کو ملتا تھا لیکن آخر میں جب اس خاندان میں بھی شیعی عقائد کا رواج ہونے لگا سنیوں نے نائب قاضی کو جو سنی مذہب تھے' اپنا قاضی بنایا اور سنی عالم کو جمعہ و عیدین کی امامت کے لئے مقرر کیا ۔

حضرات قاضی نادگان کی ایک شاخ میں جو "سادات بھوکہ" کے لقب سے مشہور ہے مشیخت کا سلسلہ اباً عن جدٍ کئی پشتوں تک جاری رہا ۔ اس شاخ کے جد الفیلد سید محمد فاضل کی اولاد میں شاہ جعفر علی

---

[1] عماد السعادت مطبوعہ نولکشور پریس صفحہ ۱۳۲ ۔

شاہ صابر علی، شاہ قمر علی و شاہ مہر علی وغیرہ سب بزرگ مشائخ میں سے تھے۔ اس خاندان کے دربندہ کاغذات سے بخوبی ثابت ہے کہ ترک و توکل ان حضرات کا شیوہ تھا اور سلطنت اسلامی ان کے اخراجات کی کفیل تھی۔ اکثر حضرات کو مدد معاش میں روزینہ ملتا تھا۔ شاہ **صابر علی** جو اسم با مسمیٰ تھے، سلسلۂ نقشبندیہ میں عارف باللہ شاہ **رحمت اللہ** رحؒ کے مرید و مجاز و خلیفہ تھے۔ سید عمر وغیرہ نام اس شاخ میں بھی عام طور سے رکھے جاتے تھے۔ اس خاندان کی دوسری شاخ یعنی خاندان سید نجف علی (بچھوبہ والے) اباً عن جدٍ سنی المذہب تھا۔ بعض اشخاص نے زمانہ حال میں شیعی مذہب قبول کیا ہے۔ سید سبط حسن سنی المذہب کے صاحبزادوں میں ایک بھائی سید سبط رسول شیعہ ہو گئے۔ ان کے دوسرے بھائی سید سبط پیمبر وغیرہ اپنے قدیم اور آبائی مذہب پر قائم ہیں۔ شیعہ خاندانوں سے رشتہ و قرابت کی بنا پر جس طرح سادات امروہہ کے دوسرے سنی خاندانوں کے افراد رفتہ رفتہ شیعہ ہوتے رہے ہیں اس خاندان کے بعض نوجوان بھی چند سال سے شیعہ ہو گئے ہیں ورنہ کچھ عرصہ پیشتر اس خاندان میں فرد واحد بھی شیعہ نہیں تھا۔

تیسرا قدیم خاندان حضرت شاہ **نصیر الدین** چشتی قدس سرہٗ کا ہے۔ شاہ صاحب کے جد اعلیٰ مولانا بدر الدین اسحٰق الدہلوی حضرت بابا **فرید الدین** فاروقی گنج شکر قدس سرہٗ کے مرید و داماد تھے۔ ان کے دو فرزند صاحبِ کمال ہوئے خواجہ محمد امام اور خواجہ موسیٰ۔ یہ دونوں بھائی حضرت سلطان المشائخ نظام الدین اولیا دہلوی کے تربیت یافتہ اور مرید تھے۔ خواجہ محمد امام حضرت سلطان المشائخ کے جانشین ہوئے اور ان کے فرزند **خواجہ فخر الدین** امروہہ آئے[1]۔ ان ہی **خواجہ فخر الدین** کے پوتے حضرت شاہ نصیر الدین چشتی تھے جو اپنے زمانہ میں خانوادۂ مشائخ چشتیہ کے مشائخ کبار میں سے ہوئے۔ آپ کی نسل میں درویشی اور سجادہ ارشاد و بیعت کا سلسلہ کئی پشتوں تک جاری رہا۔ آپ کے فرزند **شیخ محمد یوسف**[2] اور ان کے

---

[1] خواجہ امام کے چار فرزند ہوئے خواجہ فخر الدین، خواجہ جلال الدین، خواجہ داؤد اور خواجہ مسعود۔ اول الذکر کی اولاد امروہہ و نوگانوہ میں ہے۔ خواجہ داؤد کی نسل سے خواجہ حسن نظامی دہلوی کا خاندان ہے جو اباً عن جدٍ سنی ہے۔ اس خاندان میں اس وقت پچاس ساٹھ مرد و عورت اور بچے ہیں۔ شاہ نصیر الدین اور ان کی اولاد کی نا موس تھی جو فتنہ شیعیت اس زمانہ میں نظر نہیں لکھا جاتا۔

[2] جواہر فریدی۔

فرزند شیخ **فتح اللہ** قدس اللہ اسرارہم سجادۂ پدری پر متمکن رہے۔ شاہ صاحب کے بنی اعمام کی اولاد میں جو نوگانوہ میں ساکن ہیں مشائخ ہوتے رہے۔ یہ خاندان بھی آباً عن جدٍ سُنّی المذہب تھا۔ شاہ **غلام نبی** ساکن (نوگانوہ) پچھلے زمانہ کے مشائخ میں سے تھے۔ حضرت شاہ حبیب اللہ برادر حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کے مرید و مجاز تھے۔

حضرت شاہ نصیر الدین چشتی کے اخلاف میں سید عبد الرسول عرف **میران خان** جو موجودہ سادات نوگانواں کے مورث ہیں مذہباً سُنّی حنفی مشائخ کے عقیدتمند تھے۔ ان کے زمانہ میں شاہ صاحب کا عرس بڑے اہتمام سے ہوتا تھا، خانقاہ بھی آباد تھی۔ حضرت بابا صاحب اور حضرت پیر دستگیر محی الدین شیخ عبد القادر جیلانیؒ کی کھچڑی اور نیاز و فاتحہ دلانے کا دستور میران خان کے بہت بعد تک بلکہ کچھ عرصہ پیشتر تک اس خاندان میں قائم رہا۔ حضرت پیر دستگیرؒ اور دوسرے اکابر مشائخ سے عقیدت کی بنا پر اس خاندان میں بچوں کے نام عطا محی الدین، غلام محی الدین، عنایت محی الدین، غلام قطب الدین، غلام نصیر الدین وغیرہ عام طور سے رکھے جاتے تھے۔

اسی طرح **قبیلہ بخشیاں** میں بھی نسلاً بعد نسلٍ سُنّی المذہب علماء و فضلا اور مفتی ہوتے رہے جو امام ابو حنیفہؒ کے مسلک اور فقہ حنفی کے مطابق فتویٰ دیتے تھے۔ مفتی ہونا اور اہل سنّت باشندگان امروہہ کا مسائل شرعیہ کے متعلق ان سے فتاوے حاصل کرنا ہی اس امر کی بیّن دلیل ہے کہ یہ خاندان سُنّی المذہب خاندان تھا۔ علاوہ علماء کے اس خاندان کی بعض شاخوں میں مشیخت کا سلسلہ بھی عرصہ دراز تک جاری رہا۔ مولینا آل حسن بخشی نے اپنے پردادا کے مذہب امامیہ اختیار کرنے کے سلسلہ میں خاندان بخشیاں کی مذہبی حالت کا اظہار اپنی تالیف نخبۃ التواریخ میں بہ الفاظ ذیل کیا ہے:۔

سید علی احمد در ابتدا مذہب قدیم اہل سنّت و جماعت داشت چوں او را و ہم دیگر سادات جاگیرداران امروہہ برائے استخلاص محال جاگیر ضبط کردہ نواب آصف الدولہ کہ در آنوقت متصرف ایں ممالک بود اتفاق بہ لکھنؤ افتاد و چند گاہ آنجا اقامت اختیار کردند	سید علی احمد اپنے قدیم مذہب اہل سنّت والجماعت پر قائم تھے چونکہ انکو اور دوسرے سادات جاگیرداران امروہہ کو بغرض بحالی محال جاگیر جو نواب آصف الدولہ حاکم وقت نے ضبط کرلئے تھے لکھنؤ جانے کا اور کچھ عرصہ وہاں قیام کرنے کا اتفاق ہوا اس شہر میں تخم تاثیر صحبت اثر

صحبت ہائے شیعان آنجا کہ معاون کار آناں بودند بر داشتند بمقتضائے الصحبۃ مؤثرۃ مذہب تشیع اختیار کردند پیش از ویں سلسلہ کسے متہم بہ تشیع نشد[1]

لکھنؤ کے شیعوں کی صحبت سے جو اس کام میں ان کے معاون تھے مذہب تشیع اختیار کر لیا ورنہ ان سے پہلے اس خاندان دینی تحصیل علم میں کوئی شخص شیعہ نہ تھا

مولانا آل حسن کے دادا مولانا امام الدین نے جو اپنے زمانہ کے مشہور عالم اور صوفی تھے، مذہب قدیم اہل سنت و جماعت اختیار کیا اور ان کے خاندان کے دوسرے اشخاص بھی جو خوش استعداد عالم تھے مثلاً مولانا آل حسن کے چچا مولوی کریم بخش جو مولانا تراب علی لکھنوی اور شاہ عبد الغنی دہلوی کے شاگرد اور مولانا عبد الحی کے مرید و مجاز تھے نیز ان کے فرزند مولوی ابن حسن وغیرہ یہ سب سنی المذہب تھے۔

سادات فاطمی کے جو خاندان امروہہ میں زیادہ قدیم ہیں ان میں حضرات **دانشمندان** کا خاندان علماء و فضلا کا مقتدر خاندان رہا ہے۔ اس خاندان کے غالباً تمام افراد اب شیعی مذہب ہیں لیکن ان کے جد القبیلہ مولانا **سید اشرف** دانشمند سنی حنفی عالم متبحر اور فقیہہ فاضل تھے۔ سنبھل کے خاندان مشائخ میں ان کی شادی ہوئی اس ذوجہ سے حضرت **سید محمود رضوی** قدس سرہٗ متولد ہوئے جو اپنے زمانہ کے صاحب کمال بزرگ ولی کامل اور تاج العارفین شیخ تاج الدین سنبھلی کے مرید و داماد تھے۔ ان کے دونوں فرزند سید عصمت اللہ عرف شاہ بھونڈا اور سید حاجی محمد قدس اللہ اسرارہم سلسلہ چشتیہ کے مشائخ تھے۔ سید عصمت اللہ کے فرزند سید رحمت اللہ بھی صوفی منش بزرگ تھے۔ ان کے کئی فرزند عالم فاضل اور صاحب منصب و جاگیر ہوئے۔ قاضی سید محمد فیاض سنہ جلوس جہاندار شاہ مطابق ۱۱۲۴ھ پرگنہ مراد آباد کے عہدۂ محتسب پر اور سنہ جلوس فرخ سیری دمطابق ۱۱۲۹ھ میں صوبہ قنوج کے قاضی مقرر ہوئے۔ قاضی اور محتسب کے عہدہ پر کسی شیعہ کا ہرگز تقرر نہیں ہو سکتا تھا۔ محتسب کا عہدہ ہی اولاً شہنشاہ عالمگیر انار اللہ برہانہٗ جیسے ذی علم اور راسخ العقیدہ سنی بادشاہ نے قائم کیا تھا غرضکہ ابتداءً یہ خاندان مشائخ و علماء و قضاۃ بھی نسلاً بعد نسل سنی المذہب تھا۔

خاندان سادات **جرودیہ** جو نشاندہی ہی بارہویں صدی ہجری کے آخری سنین تک سنی المذہب خاندان تھا۔ اس خاندان کے جد القبیلہ سید **خوند سعید**[2] اور ان کے فرزند **سید اشرف** عالم فاضل صوفی منش تھا

---

[1] منتخب التواریخ صفحہ ۳۔ [2] تاریخ واسطیہ کے مطبوعہ شجرہ میں انکا نام "اخوان سعید" درج ہے جو صحیح نہیں دریجہ

تھے - اس خاندان میں بھی غلام محی الدین، پیر بخش اور دستگیر وغیرہ نام رکھے جاتے تھے

اسی طرح خاندان سادات **دستار سیاہ** (کالی پگڑی) جو نسباً حسنی سید ہیں ہمیشہ سے سُنّی المذہب خاندان تھا۔ اس خاندان کے جدِّ قبیلہ حضرت **شیخ فتح اللہ** شیرازی قدس سرہ جو صاحبِ کمال بزرگ تھے ایران سے ہندوستان آئے - ان کی اولاد میں **شیخ نصر اللہ** اور ان کے فرزند عارف باللہ **شاہ شکر اللہ** قادری صاحبِ ارشاد و ہدایت ہوئے۔ سجادگی کا سلسلہ کئی پشت تک ان کی نسل میں متوارث رہا، خانقاہ بھی بارہویں صدی ہجری تک آباد تھی - ان میں مولوی سید شمس علی کا خاندان ہے جو خود بھی سُنّی تھے، ان کے پوتے سید حامد علی و احمد علی وغیرہ اپنے آبائی مذہب پر قائم ہیں۔ منشی اظہر علی وغیرہ جو نسباً اس خاندان سے نہیں ہیں، غالباً کسی رشتے کے تعلق کی بنا پر اپنے کو اس خاندان میں ظاہر کرتے ہیں، البتہ شیعی مذہب ہیں۔

تقریباً یہی حال سادات فاطمی کے چند اور خاندانوں کا بھی ہے[1]، ان خاندانوں کے مورثوں کا زمانہ شاہان مغلیہ کا زمانہ ہے جبکہ ہندوستان میں ہزاروں شیعہ موجود تھے، جن میں امراء بھی تھے اور بڑے بڑے عمّال حکومت بھی، امروہہ کے ان خاندانوں کے مورثوں کو اپنے عقائدِ مذہبی کے اخفاء کے لئے کوئی وجہ بھی موجود نہ تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ سب بزرگانِ دین، علماء اور فضلاء مذہباً و عقیدۃً سُنّی حنفی تھے۔ انکے لئے نہ خوفِ ضرر تھا اور نہ طمع زر۔

تفریق مذہب کی ابتداء

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ مسٹر نیول نے جن لوگوں کا یہ مقولہ ڈسٹرکٹ گزیٹیر کے مندرجہ بالا اقتباس میں درج کیا ہے کہ ابتداءً امروہہ کے تمام سید شیعی مذہب تھے ہر انصاف پسند تسلیم کریگا کہ مندرجہ بالا وجوہ سے یہ خیال ہرگز صحیح نہیں بلکہ برخلاف اسکے واقعہ یہ ہے کہ ابتداءً امروہہ کے تمام سادات کا مذہب اہلِ سُنّت والجماعت تھا اور یہی ان کا قدیم اور آبائی مذہب تھا اور ایک حصہ کا اب تک ہے لہٰذا اب یہ سوال حل طلب باقی رہجاتا ہے کہ پھر یہ تفریق مذہب کب سے اور کیونکر شروع ہوئی -

---

(بہ سلسلۂ گذشتہ) کاغذات میں جو خاکسار مؤلف کے پاس موجود ہیں "خوند سعید" تحریر ہے۔ "خوند" فارسی زبان کا لفظ ہے جسکے معنی بزرگ کے ہیں یہ لفظ اصلاً "آخوند" کا مخفف ہے۔ "خوند سعید" اپنے زمانہ کے عالم تھے، درس دیتے تھے اسلئے "آخوند" کا لفظ بمعنی استاد انکے نام کا جزو ہوگیا۔]

[1] امروہہ میں سادات فاطمی کے باقی خاندان مثلاً سادات کاظمی ساکنان محلہ کٹکوئی و سادات حسنی ساکنان محلہ حقانی و شاہ علی سرائے اباً عن جدٍ سُنّی حنفی ہیں

اس کا جواب مسٹر نویل کے مندرجہ بالا اقتباس ہی کی آخری سطور میں ملتا ہے یعنی اودھ کے مسلمانوں میں مذہبی تفریق نوابان اودھ کے زمانہ سے "جو بذات خود غالی شیعہ تھے" شروع ہوئی۔ یہ ایک تاریخی واقعہ ہے کہ اودھ اور روہیلکھنڈ میں نواب آصف الدولہ نے شیعہ مذہب کی تبلیغ کی مولانا حکیم سید عبدالحی مرحوم ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ، جو ضلع رائے بریلی کے قدیم اور مشہور خاندان سادات کے نامور رکن، عالم، ادیب، وطبیب حاذق ہونے کے علاوہ، فاضل مؤرخ بھی تھے لکھتے ہیں:

" نواب آصف الدولہ[1] کے زمانہ کا یہ کارنامہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ لہو ولعب میں مشغول ہونے کے ساتھ مذہب تشیع کی اشاعت میں انہوں نے دل سے کوشش کی۔ ان کے نائب حسن رضا خان بھی مذہبی آدمی تھے، وہ بھی اسی کوشش میں لگے رہتے تھے۔ ان کی کوششوں سے ہزاروں خاندان سُنّی سے شیعہ ہو گئے اور انکو جاگیریں ملیں اور جو اپنی ضد پر قائم رہے ان کی جاگیریں، جو شاہان

(بسلسلہ گذشتہ) شاہ علی سرائے والوں میں سے مولوی محمد احسن نے مرزا غلام احمد قادیانی کے مسلک کو اختیار کر لیا تھا۔ ان خاندانوں میں نیز اسی طرح یہاں کے دوسرے فاطمی سیدوں میں کسی نے مذہب امامیہ اختیار نہیں کیا۔]

[1] نواب آصف الدولہ یحییٰ علی خان ہزبر جنگ بہادر نواب شجاع الدولہ کے اکلوتے فرزند تھے۔ بہو بیگم جنکا اصلی نام امۃ الزہرا بیگم تھا انکی والدہ تھیں۔ یہ مؤتمن الدولہ نواب محمد اسحق خوستری کی بیٹی تھیں محمد شاہ بادشاہ نے انکو اپنی بیٹی بنایا تھا اور شجاع الدولہ کے ساتھ شادی کی تھی جہیز میں ان کو لاکھوں کا مال ومتاع ملا طبعاً نہایت فیاض اور حیر چشم تھیں۔ پونے دو کروڑ روپیہ کے قریب انہوں نے ایک وثیقہ ایسٹ انڈیا کمپنی کی تحویل میں دیدیا تھا جس سے آج تک ان کے اعزا اور متوسلین کی اولاد کی پرورش ہوتی ہے۔ آصف الدولہ ۱۱۸۸ھ میں مسند وزارت یعنی حکومت صوبہ اودھ کی مسند پر بیٹھے۔ ماں کی فیاض طبعی کا حصہ انکو بھی ملا تھا، لکھنؤ کے دوکاندار آج تک ان کا نام لیکر دوکان کھولتے ہیں اور فقیر لکھنؤ میں بطور ضرب المثل بولا جاتا ہے "جس کو نہ دے مولا اُسے دے آصف الدولہ"۔ لکھنؤ کا مشہور امام باڑہ، رومی دروازہ، باؤلی، مسجد بھول بھلیاں جیسی شاندار اور مشہور عمارتیں انکی یادگار ہیں فیض آباد کی جگہ

مُغلیہ کے وقت سے چلی آتی تھیں، ضبط کی گئیں"۔ [1]

نوابان اودھ میں سب سے پہلے نواب وزیر، نواب برہان الملک شیعہ تھے۔ انہوں نے اور ان کے بعد ان کے جانشینوں نے اپنے زیر حکومت تمام صوبوں کے علماء کی جو اس زمانہ میں سب کے سب سُنّی المذہب تھے، جاگیریں اور املاکِ مدد معاش ضبط کرلی تھیں۔ اس کے متعلق ایک زبردست شہادت ایک ہمعصر نیز مشہور مورخ علامہ میر غلام علی آزاد بلگرامی [2] کا بیان ہے۔ علمائے بلگرام کے تذکرے میں جو اس زمانہ میں سب کے سب بلا استثناء سُنّی المذہب تھے اور جن کی املاک و سیور غالات ضبط کرلی گئی تھیں علامہ ممدوح فرماتے ہیں:-

تا حدود سنہ ۱۱۴۳ھ ہنگامۂ علم و علما دریں گل زمین (یعنی قصبۂ بلگرام) گرمی داشت تا آنکہ برہان الملک سعادت خان نیشاپوری در آغاز جلوس محمد شاہ حاکم صوبۂ اودھ شد و اکثر بلاد عمدۂ صوبہ الہ آباد نیز دار الخیر جون پور و بنارس و غازی پور و کڑہ و مانک پور و کوڑہ جہان آباد وغیرہا ضمیمہ حکومت گردید و وظائف و سیور غالات خانوادہائے قدیم و جدید بیک قلم ضبط شد و کار شرفا و نجبا بہ پریشانی کشید و اضطرار مردم آنجا از کسب علم باز داشت ....

سنہ ۱۱۴۳ھ تک اس سرزمین (یعنی قصبۂ بلگرام) میں علم و عمل کا خوب چرچا تھا حتیٰ کہ محمد شاہ بادشاہ کے شروع زمانہ سلطنت میں برہان الملک سعادت خان نیشاپوری صوبۂ اودھ کے حاکم مقرر ہوئے اور اکثر عمدہ صوبے یعنی الہ آباد، جون پور، بنارس، غازی پور، کڑہ، مانک پور، کوڑہ جہان آباد وغیرہ بھی ان کے تحت حکومت میں دیدیئے گئے۔ اسوقت سے شرفاء (سادات) کے قدیم و جدید خاندانوں کے وظیفے اور املاک مدد معاش بیک قلم ضبط کرلی گئیں، شریف و نجیب پریشان روزگار ہوگئے اور حصول معاش کی پریشانی نے وہاں کے آدمیوں کو حصول علم سے باز رکھا...

(بسلسلہ گذشتہ) لکھنؤ کو دارالحکومت بنایا تھا۔ سنہ ۱۲۱۱ھ میں استسقا کی بیماری میں انتقال ہوا۔ [1] گل رعنا صفحہ ۱۵۳

[2] علامہ میر غلام علی آزاد بن سید نوح بلگرامی یکشنبہ ماہ صفر سنہ ۱۱۱۶ھ کو بلگرام میں پیدا ہوئے۔ بارہویں صدی ہجری کے فاضل ادیب اور مورخ تھے سنہ ۱۲۰۰ھ میں بمقام روضہ نواح اورنگ آباد دکن چوراسی سال کی عمر میں وفات پائی۔ سرو آزاد، ید بیضا، خزانہ عامرہ، روضۃ الاولیاء، سبحۃ المرجان، مآثر الکرام انکی شہرہ آفاق تصانیف ہیں۔

و رواج تدریس و تحصیل بآں درجہ نماند و دار
کہ از عہد قدیم معدنِ علم و فضل بود یک قلم
خراب افتاد و انجمن ہائے ارباب کمال بتیتر
برہم خورد۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ
و بعد ارتحال برہان الملک نوبت حکومت بہ خواہر
زادۂ او ابو المنصور خان صفدر جنگ رسید و
وظائف و اقطاعات بدستور زیر ضبط ماند
و در اواخر عہد محمد شاہ ۱۱۵۹ھ صوبہ داری الہ آباد نیز
بہ صفدر جنگ مقرر شد و تتمہ وظائف آں صوبہ کہ تا حال
از آفت ضبط محفوظ ماندہ بود بضبط در آمد و در عہد احمد شاہ

اور تعلیم و تعلم کی وہ حالت باقی نہ رہی جو مدت سے زمانہ
قدیم سے علم و فضل کے معدن و مرکز تھے سب پر تباہی
آگئی۔ اہل کمال کی انجمنیں منتشر ہو گئیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ
وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ برہان الملک کی وفات کے
بعد انکے بھانجے ابو المنصور خان صفدر جنگ مسند حکومت
پر بیٹھے۔ وظیفے اور املاک بدستور ضبط رہے۔ محمد شاہ
بادشاہ کے آخر عہد یعنی ۱۱۵۹ھ میں الہ آباد کی صوبہ
داری بھی صفدر جنگ کو دیگئی اس صوبہ کے وظیفے (املاک
مدد معاش) جو اس وقت تک ضبط ہونے سے بچے
محفوظ تھے ضبط کر لئے گئے۔ جہاندار شاہ بادشاہ کے عہد

(بہ سلسلۂ گذشتہ) صمصام الدولہ شاہ نواز خان کی بے نظیر تالیف مآثر الامرا کی تکمیل و تہذیب ان ہی کے قلم کا کرشمہ ہے۔ (صفحہ ۲۷۳) مولوی عبد الحق صاحب مآثر الکرام کے مقدمہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ "ایک بات تاریخی حیثیت سے اس تذکرہ میں خاص طور پر قابل لحاظ ہے وہ یہ کہ ان علماء و فضلائے بلگرام میں سے جنکا اسمیں ذکر ہے ایک بھی اہل تشیع میں سے نہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مذہب شیعہ نے وہاں بعد کے زمانہ میں رواج پایا"۔ بزرگان سادات بلگرامی جو نسباً زیدی ہیں علامہ میر عبد الجلیل جو جامع علوم اور عہد عالمگیری کے مشہور اور متبحر علماء میں سے تھے۔ اس زمانہ کا ذوق علمی دیکھئے۔ صوبہ بھکر و سیوستان کی بخشی گری و سوانح نگاری و وقائع نویسی کی اہم خدمات پر مامور ہیں۔ آخر ایام ملازمت میں صحیح بخاری کی کتابت اور مقابلہ کا علمی شغل ہے حکم شاہی پہنچا ہے کہ عہدہ کا چارج دوسرے کو دیدو تعمیل حکم کرتے ہیں مگر اس زمانہ میں کتابیں کیا بلکہ صحیح بخاری کی کتابت کا کام بدستور جاری ہے وعض بنی لئے بھکر کے قریب چھ ماہ ایک ضلع نوشہرہ میں خیمہ ڈالے مقیم رہتے ہیں اور جب یہ کام ختم کر لیتے ہیں تو دہلی کی جانب کوچ ہوتا ہے۔ اس شغف علمی کی کوئی مثال آج کل یونیورسٹی کے تعلیم یافتہ طبقہ میں بھی کی جا سکتی ہے؟ نواب برہان الملک کا اصلی نام میر محمد امین اور برہان الملک سعادت خان بہادر خطاب تھا۔ سلسلۂ نسب بروایت صاحب عماد السعادت سید زید بن امام موسیٰ کاظم تک منتہی ہوتا ہے۔

صفدر جنگ بپایہ وزارت اعلیٰ صعود نمود و نائب صوبہ کار بر ارباب وظائف تنگ تر گرفت و تا حین تحریر کتاب این دیار پامال حوادث روزگار ہست۔ [1]

صفدر جنگ وزارت اعلیٰ کے منصب پر فائز ہوئے اور نائب صوبہ نے ارباب وظائف پر اور بھی زیادہ تباہی آئی اور اس کتاب کی تحریر کے وقت تک یہ شہر حوادث زمانہ سے پامال ہے۔

۱۱۸۸ھ میں زود بلگرام بھی نوابان اودھ کے قبضہ میں آگیا۔ یہ زمانہ نواب شجاع الدولہ کا تھا جو اپنے پدر بزرگوار صفدر جنگ کے بعد مسند حکومت پر بیٹھے۔ دس ماہ کے بعد شجاع الدولہ کا بھی انتقال ہوگیا تو ان کے اکلوتے بیٹے نواب آصف الدولہ ۲۶ ذیقعد ۱۱۸۸ھ کو مسند نشین ہوئے۔ انہوں نے علی الاعلان مذہب تشیع کی اشاعت میں کوشش کی ان ہی کے وقت سے اودھ میں بھی اس مذہب نے رواج پایا۔ مولوی عبد الحق بی اے (علیگ) پرنسپل اورنگ آباد کالج و سیکریٹری انجمن ترقی اردو مآثر الکرام کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:-

"یہ امر واقعی ہے کہ اودھ کی سلطنت نے خاصکر آس پاس کے اضلاع و قصبات پر اور بعض اوقات دور دراز کے مقامات پر بھی مذہبی لحاظ سے خاص اثر ڈالا ہے۔ چنانچہ جونپور و دیگر مضافات لکھنؤ وغیرہ کے حالات پر نظر ڈالنے سے یہ امر پایہ تحقیق کو پہنچ جاتا ہے جب مذہب کی پشتی پر حکومت ہوتی ہے تو حالت اندیشہ ناک ہو جاتی ہے میرا اس سے ہرگز یہ مطلب نہیں کہ سلطنت اودھ نے مذہب کے معاملہ میں کبھی جبر و تعدی سے کام لیا بلکہ بات یہ ہے کہ جاہ طلبی اکثر لوگوں کی نیت کو جو اعتقاد کے کچے ہوتے ہیں ڈانواں ڈول کر دیتی ہے۔ ایسا ہی ہر جگہ ہوا ہے۔" [2]

مولوی عبد الحق صاحب فرماتے ہیں کہ سلطنت اودھ نے مذہب کے معاملہ میں کبھی جبر و تعدی سے کام نہیں لیا۔ مجھے اپنے محترم دوست کی اس رائے سے اختلاف ہے۔ جبر و تعدی کی بھی مختلف صورتیں ہوتی ہیں کسی شخص کی جائداد جاگیر یا کسی جرم و قصور کے اگر ضبط کر لی جائے اور واگذاشت کے لئے تبدیل مذہب کا لالچ دیا جائے تو

۱؎ مآثر الکرام صفحہ ۲۲۲۔

۲؎ مقدمہ مآثر الکرام مؤلفہ علامہ آزاد بلگرامی مطبوعہ ..... صفحہ ۱۲

کیا اسے جبر و تعدی نہ کہا جائے گا۔

صوبہ اودھ میں تبلیغ شیعیت کے متعلق مولانا حکیم سید عبدالحی مرحوم مندرجہ بالا اقتباس میں فرماتے ہیں کہ نواب آصف الدولہ کے زمانہ میں :۔

ہزاروں خاندان سنی سے شیعہ ہو گئے اور ان کو جاگیریں ملیں اور جو اپنی ضد پر قایم رہے انکی جاگیریں جو شاہان مغلیہ کے وقت سے چلی آتی تھیں ضبط کی گئیں "۔

اس قول کی تائید میں متعدد مثالیں ملتی ہیں۔ نواب مدار الدولہ کے والد خواجہ موسیٰ خان جو خاندان مشائخ نقشبندیہ سے تھے سنی المذہب تھے۔ ان کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ نواب برہان الملک کی صحبت میں جو پہلے نواب وزیر تھے، مذہب شیعہ اختیار کیا تھا لیکن تقیہ میں تھے ان کے فرزند نواب مدار الدولہ نے شیعیت کا اعلان کیا ساٹھ ہزار روپیہ سالانہ کی جاگیر انعام میں ملی ایک شیعہ مورخ لکھتے ہیں کہ :۔

" خواجہ موسیٰ خان از جہت تولد در توران و صحبت بزرگان خود سنی بود در ہندوستان چوں بصحبت نواب برہان الملک دریافت بمذہب اثنا عشری میل نمود لیکن بکمال اخفا و مدار الدولہ ہرگز اخفائے مذہب کہ در اثنا عشریاں تقیہ ہمیست بخاطر نہ دارد و بہ اعلان تمام تعزیہ داری می کرد و حالا در لکھنو جاگیر شصت ہزار روپیہ از سرکار دولتمدار برائے او مقرر است "۔[1]

خواجہ موسیٰ خان بوجہ ملک توران میں پیدا ہونے اور اپنے بزرگوں کی صحبت کی وجہ سے سنی تھے جب نواب برہان الملک کی صحبت میں رہے تو مذہب امامیہ کی جانب مائل ہوئے لیکن نہایت خفیہ طریقہ پر اور مدار الدولہ جو ان کے فرزند تھے اپنے مذہب کا اخفا جسکو امامیہ مذہب میں تقیہ کہتے ہیں ہرگز نہ کرتے تھے بلکہ علی الاعلان تعزیہ داری کرتے تھے اور اب لکھنو میں انکو ساٹھ ہزار روپیہ کی جاگیر سرکار سے ملی ہوئی ہے۔

برخلاف اسکے جن امرا کی جاگیریں شاہان مغلیہ کی عطا کردہ تھیں اور وہ مذہب کے معاملہ میں اپنی ضد پر قائم رہے، ضبط کی گئیں۔ امروہہ میں بعض مثالیں اسکی تائید میں ملتی ہیں۔ سادات امروہہ اولاد حضرت

---

[1] عماد السعادت

نواب مستطاب اجل ... تهرانی ...

بعد که مشتاق ملاقات محبت آیات ... حضرت ... تهرانی

شد الله مشهود خاطر خجلت ... از صد الوف ... سلامتی

رفعت شان مجد اعظم لا ... ما بجانب ...

موفقیت وارد و واجب الرعایت ... نظر ...

رفیع الملک ... از ... نواب ... کرار ...

نمودند که ... چنانچه ... و اکثر ...

دهات ... موضع ... عمده ... امروز ...

بواسطه علاقه و ... رفعت شان ... مرحوم ... فرمودند

در آنجا که ... در ... و نواب ... فرمودند

نواب ... در ... رفعت شان ...

و در حقیقت از ... نواب ... مصروف ...

حامد ... محبت ... که ... احوال

... تحویل ... کرده ... و الحمد ...

دهات ... را ... در ...

رفعت شان ... فی الحقیقت ... خوشنودی

اینجانب ... و ...

... در ... رسانی ... دارد

شاہ ولایتؒ میں سیّد **علی اعظم خاںؒ** (دگمرٹال والے) کا خاندان اباً عن جدٍ سُنّی حنفی ہے۔ شہنشاہ اکبر کے زمانے سے اس خاندان میں نامور منصب دار اور اُمرا ہوتے رہے۔ شاہان مغلیہ اور سلطنت اسلامی کی شاندار خدمات کے صلہ میں بڑی بڑی جاگیریں ملیں۔ جب روہیلکھنڈ کا علاقہ نوابان اودھ کے زیر حکومت آیا تو نواب شجاع الدولہ کے زمانہ میں اور جاگیرداروں کی طرح انھیں بھی پروانۂ واگذاشت ملا لیکن جب نواب آصف الدولہ بہادر مسند حکومت پر بیٹھے تو سیّد علی اعظم خاں سے بھی، جو اس زمانہ میں امروہہ کے بڑے جاگیردار تھے، مذہب شیعہ اختیار کرنے کی تحریک ہوئی اور بصورت انکار ضبطی جاگیر کی دھمکی دی گئی لیکن سیّد موصوف نے اس نازک وقت میں بھی دنیاوی مال و دولت پر اپنے عقائد مذہبی کو ترجیح دی۔ اس طرز عمل کی پاداش میں شیعہ حکومت نے ان کی جاگیر کے مواضعات مجھولا وغیرہ عطیۂ شاہان مغلیہ ضبط کر لیے۔ کسی معمولی شخص کا معاملہ ہوتا تو اس زمانہ میں شخصی حکومت کے استبداد کے خلاف چارہ کار ہی کیا تھا مگر سیّد علی اعظم خاں[1] خود بھی منصب دار تھے، شاہ دہلی کے وزرا سے ان کے خاندانی تعلقات تھے۔ وہاں سے نواب آصف الدولہ کے نائب حسن رضا خاں پر، جو ان کارروائیوں کے بانی مبانی تھے، زور ڈالا گیا تب جا کے یہ جاگیر واگذاشت ہوئی اس سلسلہ میں شاہ دہلی کے وزیر کی ایک سفارشی تحریر جو نواب آصف الدولہ کے ایک مقرب خاص کے نام ہے تاریخی دلچسپی کے لحاظ سے شائع کرنا بے محل نہ ہوگا۔ یہ اصلی تحریر خاکسار مؤلف کے پاس موجود ہے کاغذ افشاں ہے جس پر طلائی کام ہے، اس کا عکس بھی شائع کیا جاتا ہے:۔

نواب صاحب برادر بہتر از جان سلامت

بعد اشتیاق ملاقات محبت آیات کہ حدے و نہایتے ندارد مشہود خاطر محبت آثر میدارد

کہ سیادت و رفعت نشان **محمد اعظم** سلمہ اللہ از قدیم باینجانب واسطۂ مرافقت و موافقت

دارند و واجب الرعایت خود اند نظر براین معنی رسوخ ارادت ایشاں را بجناب نواب

---

[1] ان کا اصلی نام "سیّد محمد اعظم" تھا اور "علی اعظم خاں" خطاب۔ ملاحظہ ہو حصۂ دوم۔ سیّد علی اعظم خاں حضرت شاہ عبد الباری قدس سرہٗ سے بیعت ارادت رکھتے تھے ان کے نامور فرزندوں میں سیّد ضیاء علی خاں مرحوم اور واقع یہ تھا سُنّی تھے انہوں نے یہ دیکھ کر کہ سادات کی برادری میں شیعہ سُنّیوں کی باہم مناکحت و رشتہ داری

عنوان مآب گذارش نمودہ دلنشین گردانید چنانچہ پروانہ واگذاشت دیہات جاگیر مجولہ وغیرہ عملہ پرگنہ امروہہ را بواسطۂ علاقۂ زمینداری رفوت نشان مرقوم مرحمت فرمودند ازانجا کہ پرگنہ مذکور در قلمرو نواب صاحب قدر دان نواب آصف الدولہ بہادر است پرداخت رفیقان اینجانب کہ در حقیقت از متوسلان نواب صاحب موصوف اند بنا بران مستلزم محبت و یکدلیہا آن است کہ احوال ایشاں بخوبی ذہن نشین گردانیدہ پروانہ واگذار دیہات مرقوم را حاصل کردہ دہند کہ کامیابی رفعت نشان مسطور فی الحقیقت خوشنودی اینجانب تواند شد مدام ترسیل مکاتیب مسرت اسالیب مسرور و خورسند دارند۔ زیادہ چہ تحریر در آید“

مولوی محب علی خان عباسی، جنھوں نے امروہہ میں مذہب شیعہ کی اشاعت کا ابتدائی دور بچشم خود دیکھا تھا، اپنی تالیف آئینہ عباسی میں لکھتے ہیں:۔

”اس شہر (یعنی امروہہ) میں بعد سالار غازی کہ آٹھ سو برس ہوئے ہونگے، اہل اسلام سادات و شرفا بود و باش رکھتے ہیں، سب کا ایک مذہب حق اہل سنت والجماعت تھا جیسا کہ آثار و اطوار و تصانیف و اخبار سے بخوبی ثابت ہے۔ اب عرصہ ۵۰ برس سے بوجہ آنے عملداری نواب وزیر (اودھ) کہ وہ ہی اس مذہب..... کا موجد ہندوستان میں ہے بمضمون اَلنَّاسُ عَلٰی دِیْنِ مُلُوْکِھِمْ بعض بعض نے بہ طمع نفسانی اپنے بزرگوں کا مذہب..... چھوڑ کر تشیع اختیار کیا۔ اب ہمارے سامنے اس مذہب کی ترقی ہوئی ہے[3]“

اس خیال کی تائید کہ مذہب شیعہ نے امروہہ کے سادات فاطمی میں ابتداءً نوابان اودھ کی کوششوں اور شیعہ حکومت کے اثرات کی بدولت رواج پایا اور شیعہ حکومت کی حمایت سے اس کو قوت حاصل ہوئی ہے۔

(بہ سلسلۂ گذشتہ) تعلقات و اثرات سے شیعی عقائد کا رواج ہونے لگا تو اپنے خاندان میں اس کی روک تھام کی حتی کہ جو جائداد انہوں نے وقف کی تھی اسکے متنظمین کیلئے سُنّی المذہب ہونے کی قید لگائی۔ [3] بزرگان سادات امروہہ کے مذہب شیعہ اختیار کرنے پر ”طمع نفسانی“ کا عام اطلاق کرنا خاکسار مؤلف کے نزدیک صحیح نہیں سادات حسینی کی

یہ استفتاء مرقومہ ۱۲۰۸ھ سے بھی ہوتی ہے۔ جب عزاداری بقول مولوی سید اعجاز حسن مرحوم اسی عہد آصفی میں اوّل اوّل امروہہ میں شروع ہوئی تو اسوقت شیعہ حکومت اس فرقہ کی پشتی پر موجود تھی غالباً اسی وجہ سے بعض حضرات نے "جنھوں نے نیا نیا مذہب شیعہ اختیار کیا تھا" ایک ایرانی شیعہ کی تحریک پر مجالس عزا میں جنھیں اس زمانہ کی اصطلاح میں "عرس شہدائے کربلا" کہتے تھے سب صحابۂ کرام کا ارتکاب کیا۔ اس وقت حسب ذیل استفتا ارباب شریعت کی خدمت میں پیش ہوا جس سے صاف طور سے مترشح ہے کہ عزاداری کا موجودہ طریقہ امروہہ میں اس سے پیشتر نہیں تھا بلکہ اسی زمانہ سے شروع ہوا ہے:-

.... درصورتیکہ مثلاً گروہے از بدعقیدگان زمانہ بہ ارادہ ہتک حرمت جماعتے از اہل اسلام کہ حسن عقیدہ باصحابہ نبی آخر الزمان داشتند مجلسے بطریق عرس شہدائے کربلا رضوان اللہ تعالیٰ عنھم آراستہ ساختہ جماعتے حسن عقیدہ را از روئے فریب وغدر برائے ایذا وہتک حرمتہ دراں مجلس طلب ساختند وچونکہ جماعتے از حسن عقیدگان در مجلس آں بدعقیدگاں درآمدند سخنان اہانت وتحقیر وسب درحق صحابہ کرام آغاز نمودند پس آں جماعتے حسن عقیدہ **از خوفِ ولاۃ الملک** صبر وشکیبائی ورزیدہ از اں مجالس خود ہا را بہ ہزار جد وکد بیروں آوردند پس آیا دریں صورت آں گروہ بدعقیدگاں کہ منشاء غدر وفریب گردیدہ متعرض ہتک حرمت حسن عقیدگاں گشتہ ومرتکب طعن وتحقیر وسب صحابۂ کرام گردیدہ اند از روئے شریعت واز روئے قوانین عقلیہ مستحق تعزیر شدید وسیاست قلعیہ اند یا نہ۔ بینوا توجروا الخ

استفتا کے نقل کرنے سے چونکہ مقصد یہ نہیں کہ مذہبی بحث چھیڑی جائے بلکہ صرف ایک تاریخی سوال کا حل مطلوب ہے اس لئے مفتیوں کے جواب کو حذف کر دینا ہی مناسب سمجھتا ہوں۔

× اکثر بنی ہاشم نسلی تعصبات کی بنا پر تفضیلی رہتے ہیں تفضیل وتشیع میں مستحکم حد فاصل نہیں ہے پس کیا تعجب کہ ان حضرات میں ایسے اشخاص شامل ہوں جو شیعیان لکھنؤ کی صحبت سے شیعہ ہوگئے ہوں۔ طرح نفسانی کا حکم عام لگانا بھی قرین انصاف نہیں ہو سکتا ہے (صفحہ ۲) آئینہ عباسی صفحہ ۳۶، ۳۷۔]

معلوم نہیں اس وقت کی شیعہ حکومت نے ان شکایتوں کا، جن کی بنا پر یہ استفتا پیش کیا گیا تھا، کیا تدارک کیا، لیکن یہ تاریخی واقعہ ہے کہ یہ صورت حال زیادہ عرصہ تک قائم نہ رہی۔ سنہ ١٢١٢ھ میں نواب آصف الدولہ کا انتقال ہوگیا اور اس سے چار برس بعد یعنی ٢٠ر جمادی الآخر سنہ ١٢١٦ھ مطابق ١٠ر نومبر ١٨٠١ء سے روہیلکھنڈ ایسٹ انڈیا کمپنی کے تحت حکومت آگیا۔ البتہ اس سلسلہ میں یہ روایت مشہور چلی آتی ہے کہ شیعہ سنی کے مذہبی ہنگامہ آرائیوں میں امروہہ سے باہر کے کسی شیعہ کو جسے ایران کا باشندہ اور امروہہ میں تبرا و سب صحابہ کرام کے اس طریقہ کا جو اس زمانہ کے بعد سے امروہہ میں رائج ہوا بانی بتایا جاتا ہے، کسی سنی نے اس فتوے سے متاثر ہو کر قتل کر دیا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس مقام پر جہاں اب امام باڑہ محلہ قاضی زادگان کے دروازہ کی روڑھی ہے مقتول کو دفن کیا گیا۔ واللہ اعلم

مندرجہ بالا واقعات سے بخوبی ثابت ہے کہ مسلمانان امروہہ میں تفریق مذہب کی مدت ڈیڑھ سو سال سے زائد نہیں۔ اس سے پیشتر تمام مسلمانوں کا، خواہ وہ شیخ ہوں یا سید، مغل ہوں یا پٹھان سب کا ایک ہی مذہب اور ایک ہی مسلک تھا۔ نوابان اودھ کے زمانہ سے شیعہ سنی کی تفریق شروع ہوئی، پھر مقلد و غیر مقلد کے جھگڑے رہے اور اب بدعتی و وہابی کے جھگڑے زوروں پر ہیں۔ الغرض

نہ سنی میں اور جعفری میں ہو الفت — نہ نعمانی و شافعی میں ہو ملت
وہابی سے صوفی کی کم ہو نہ نفرت — مقلد کرے نا مقلد پہ لعنت
رہے اہل قبلہ میں جنگ ایسی باہم
کہ دین خدا پر ہنسے سارا عالم

اس ملک میں اب نہ سنی حکومت باقی ہے اور نہ شیعہ سلطنت، زمانہ کی رفتار نہ شیعہ پھیر سکتا ہے اور نہ سنی۔ حوادث روزگار کی چکی نے دونوں کو پیس ڈالا مگر افسوس کہ فریقین کے تنگ خیال افراد ادنیٰ سے ادنیٰ اختلاف پر دست و گریباں ہونے کو اب بھی آمادہ رہتے ہیں۔ آگ بجھ گئی ہے لیکن خاکستر کے ڈھیر میں تعصبات لایعنی کی چنگاریاں دبی پڑی ہیں وہ کبھی کبھی بھڑک اٹھتی ہیں۔ معتقدات و خیالات کا اختلاف کہاں نہیں لیکن امروہہ کے شیعہ اور سنیوں کا باوا آدم ہی نرالا ہے، آپس کی تفریق سے نہ ان کا کوئی اجتماعی کام سرسبز و کامیاب ہوتا ہے اور نہ باعتبار کثرت آبادی شہری معاملات میں ان کی آواز کو کوئی قوت حاصل ہے۔ اسی وجہ سے عام بلدی مقاصد پامال ہو رہے ہیں۔

اگر بھولے نہ ہم یہ قول پیمبر — کہ ہیں سب مسلمان باہم برادر
برادر ہے جب تک برادر کا یاور — معین اس کا خود ہے خداوند داور

تو آئی نہ بیڑے پہ اپنے تباہی
فقیری میں بھی کرتے ہم بادشاہی

عام قومی اور اسلامی مفاد کے کاموں میں بھی یہاں شیعہ و سنی کی تفریق موجود ہے۔ انتہا یہ ہے کہ دنیاوی تعلیم کی درسگاہ یعنی انگریزی اسکول میں بھی شیعیت و سنیت کے اڈے لگائے جاتے ہیں۔ امروہہ میں شیعہ و سنی کے جداگانہ قائم ہیں۔ شیعہ سوسائٹی علیحدہ ہے اور سنی سوسائٹی علیحدہ۔ عام طور سے امروہہ کا شیعہ شیعہ سوسائٹی میں گھومتا ہے اور سنی سنی سوسائٹی میں۔ اور اب تو نوبت یہ پہنچ گئی ہے کہ اگر کوئی سنی شیعوں کے مجمع میں چلا جائے یا شیعہ سنیوں میں آ جائے تو اجنبی معلوم ہوتا ہے۔ تعلیم یافتہ اور غیر تعلیم یافتہ سب ایک رنگ میں رنگے ہوئے ہیں۔ لیکن یہ حالت جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا ہے ساٹھ ستر برس پہلے نہ تھی۔ اس وقت عام قومی مقاصد میں شیعہ و سنی، سادات و شرفا سب متحد ہو کر کام کرتے تھے۔ ذیل میں سنہ ۱۳۱۳ھ کی ایک تحریر نقل کرتا ہوں جو نکاح کی ایک غیر شرعی رسم کے موقوف کرنے کے متعلق ہے۔ اس پر امروہہ کے سادات و شرفا شیعہ و سنیوں کے تقریباً چار سو اشخاص کے دستخط ثبت ہیں۔ شیعہ و سنی علماء کے دستخط ساتھ ساتھ ہیں جہاں مولانا سید محمد عبادت شیعی مذہب کے دستخط ثبت ہیں وہاں اس زمانہ کے سنی علماء مولانا امام الدین بخشی، مولوی سید رمضان علی اور مولانا کفایت اللہ "ملا پہلوان" کے دستخط بھی موجود ہیں۔ اس کے علاوہ ہر خاندان کے چیدہ دستخط ہیں اس سے اس زمانہ کے اتحاد و یک دلی کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ما یان جملہ سادات و شرفا و سکنہ قصبہ امروہہ ایم از آنجا کہ در اقوام سادات و شرفا اکثر معمول و مرسوم است کہ عقد نکاح با زنان بستہ بلا خلوت آنہا را در خانہ پدر آنہا میگذارند و رخصت و خلوت را شادی نام نہادہ بر آیندہ ملتوی می دارند چنانچہ حسب اتفاق بعضے از ناکحین زنان مذکورہ بمقتضائے الٰہی فوت شدہ اولیاء منکوحات را [illegible]

بے شوہر زر کہ زینت وغیرہ بلا تعمیل نکاح ثانی نزد خود نگاہداشت می نمایند و آئندہ
ایں سعی صریح خلاف احکام آیات الٰہی و بالعکس افعال و اقوال رسالت پناہی صلعم
طریقۂ اہل اسلام است لہٰذا ما جملہ سادات و شرفاء خدا و رسول او تعالیٰ شانہٗ را بالکید گر
درمیان شودہ اقرار صحیح و عہد و ضیح می نمایند کہ اگر احیاناً کدام جا اختیار ما جملہ مردمان
مرقوم الاسما قرطاس ہٰذا واقعہ مذکورہ بوقوع رسد بعد عدۃ نکاح عجوز نان حسب
نصوص قطعیہ و مسائل شرعیہ در برادری خود کردہ دہند تعذر و تلبث و حرف و
حکایت نوعے وہیچ بیان نیارند و ہر کہ موافق ایں امر معہود عمل نیارد و مخالف بارگاہ
خدائے عظیم و حضرت رسول کریم و خارج از طریقۂ اسلام و بیروں از برادری تمام آست
بنا برآں ایں چند کلمہ بطریق اقرار نامہ نوشتہ دادہ شد کہ ثانی الحال سند گردد
وعند الحاجت بکار آید و کان ذٰلک تحریر فی التاریخ یازدہم شہر ربیع الثانی سنہ ۱۲۴۳ھ"

اس زمانہ کے شیعہ و سنی بزرگ سنجیدہ اور باوقار تھے آجکل کے سے مجبور سے نہ تھے کہ ذرا سی بات پر شیعیت و سنیت کے سوال اٹھاتے۔ نواب ثابت جنگ علی قلی خان عباسی المتخلص بہ والہ عقیدتاً اثنا عشری نسباً عباسی اور شاہ ایران کے وزیر اعتماد الدولہ فتح علی خان عباسی کے بھتیجے تھے۔ محمد شاہی دور میں ہندوستان آئے۔ اس زمانہ میں دہلی کے شیعہ و سنیوں کے لایعنی تعصبات دیکھ کر یہ ایرانی شیعہ بھی جل اٹھا اور ایک رباعی شیعہ و سنی جہلا کے حسب حال کہی جو شاید امروہہ کے ان متعصبین کے حسب حال ہو گی جو فریق مخالف کے سب و شتم اور ایذا دہی کو اپنی نجات کا باعث سمجھتے ہیں۔

"دیدم ز نزاعِ سنی و شیعہ تعب — کاموختہ اند کیش جہل از ام و اب
ہر جا کہ خریست کنیتش شیعہ بود — ہر جا کہ سگیست سنیش ہست لقب"

امروہہ کی معافیات

مسٹر نویل، آئی۔ سی۔ ایس۔ مؤلف مرادآباد ڈسٹرکٹ گزیٹیر لکھتے ہیں:-

"عطیات معافی کے تاریخی حالات تاریکی میں مستور ہیں۔ شہنشاہ اکبر کے زمانہ سے بہت پیشتر سے سادات امروہہ کو تمام ہندوستان میں بہت کچھ شہرت حاصل تھی اور نسباً یہ لوگ ضلع مظفر نگر کے سادات بارہہ سے بھی افضل سمجھے جاتے تھے۔ یہ لوگ اپنا سلسلۂ نسب (حضرت شاہ) شرف الدین واسطی سے متصل کرتے ہیں نیز یہ بھی کہتے ہیں کہ ان کے فرزند (سید) عبد العزیز کی شادی ۷۱۱ھ/۱۳۱۱ء میں [1] فیروز شاہ خلجی) کی دختر سے ہوئی تھی مگر یہ ممکن الوقوع معلوم نہیں ہوتا کیونکہ (سلطان) جلال الدین فیروز (خلجی) ۶۹۵ھ/۱۲۹۵ء میں قتل ہو گیا تھا اور اس وقت وہ ایک مسن شخص تھا۔ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ جس بادشاہ نے ان سادات پر اپنی عنایات مبذول کیں وہ **فیروز شاہ تغلق** [2] تھا۔

اسی سلسلہ میں صاحب تاریخ اصغری، جو سید عبد العزیز بن حضرت شاہ ولایت کی نسل سے ہیں لکھتے ہیں:-

صد ہا برس سے اس شہر کے باشندوں کی اوقات گذاری کا مدار اراضی معافی کی پیداوار پر ہے۔ ابتدا میں **فیروز شاہ خلجی** نے اپنے داماد سید عبد العزیز ولد سید شرف الدین شاہ ولایت کی اولاد کے مصارف کو بہت گاؤں سلطنت سے جدا کر دیے تھے۔ سلاطین مابعد نے بھی انکو بدستور برقرار رکھا اور خاندان تیموریہ نے مزید براں جملہ سادات و شرفا کو دیہات معافی عطا کئے۔" [3]

---

[1] ۷۱۱ھ/۱۳۱۱ء میں سلطان علاء الدین خلجی سریر آرائے سلطنت تھا۔ اس سے ۱۶ سال پیشتر سلطان جلال الدین فیروز خلجی ۸۰ برس کی عمر میں فوت ہو چکا تھا۔ [2] مراد آباد ڈسٹرکٹ گزیٹیر صفحہ ۹۵۔ [3] تاریخ اصغری صفحہ ۱۲۔

مندرجہ بالا اقتباسات میں عطیات معافی کی ابتدا سلطان جلال الدین فیروز خلجی کے عہد سے بیان کی گئی ہے اور ان عطیات میں جزو غالب "ان بہت دسے" گانوں کا بتایا گیا ہے جو بقول صاحب تاریخ اصغری فیروز شاہ خلجی نے "اپنے داماد سید عبد العزیز ولد سید شرف الدین شاہ ولایت کی اولاد کے مصارف کو..... سلطنت سے جدا کر دیے تھے" اسلئے معافیات امروہہ کے تاریخی حالات کے سلسلہ میں ضروری ہے کہ اس روایت پر ذرا تنقیدی نظر ڈالی جائے جو سلطان جلال الدین فیروز خلجی یا سلطان فیروز شاہ تغلق یا کسی اور بادشاہ کی بیٹی سے سید عبد العزیز کی شادی ہونے کے متعلق بیان کی جاتی ہے۔

شادی کی روایت

صاحب تاریخ واسطیہ[1] نے یہ روایت بحوالہ سید سراج الدین احمد[2] مندرجہ ذیل الفاظ میں درج کی ہے:-

"دہم از ثقات شنیدہ کہ چوں سلطان فیروز شاہ خبر یافت کہ سید عبد العزیز پسر خورد حضرت شاہ ولایت در دہلی بحیثیت طالب علمی تشریف آوردہ خلعت نمودہ و آگاہ کردہ دختر خود بحبالۂ نکاح ایشاں در آوردہ چوں ایں خبر در خدمت حضرت شاہ ولایت رسید از انجا کہ گوشہ عزلت و قناعت و ترک دنیا طریق ایشاں بود بزبان مبارک فرمودند کہ آں گردن شکستہ را فقر ما خوش نیامدہ پیر سید عبد العزیز روزے بر عراقی سوار شدہ می رفتند ناگاہ از اسپ افتادند گردن ایشاں بشکست و جاں بحق تسلیم کردند۔ بادشاہ از شنیدن ایں خبر متألم شد پرسید زن سید حاملہ است

ثقہ اشخاص سے سنا گیا ہے کہ فیروز شاہ بادشاہ کو جب یہ خبر پہنچی کہ حضرت شاہ ولایت کے چھوٹے فرزند سید عبد العزیز طالب علمی کی غرض سے دہلی میں تشریف لائے ہیں انکو خلعت پہنا کر اور انہیں اسکی اطلاع کر کے ان کے ساتھ اپنی بیٹی کی شادی کر دی۔ یہ خبر جب حضرت شاہ ولایت کو پہنچی تو چونکہ گوشہ نشینی و قناعت و ترک دنیا اپنا شیوہ کر لیا تھا آپ نے اسپر اپنی زبان مبارک سے فرمایا کہ اس گردن شکستہ کو ہمارا فقر پسند نہ آیا۔ سید عبد العزیز ایک دن (دہلی میں) گھوڑے پر سوار چلے جاتے تھے کہ یکایک گھوڑے سے گر پڑے گردن ٹوٹ گئی اور جاں بحق ہو گئے۔ بادشاہ کو اس خبر کے سننے سے متاثر ہوا پوچھنے پر معلوم ہوا کہ انکی زوجہ حاملہ ہے بادشاہ نے

[1] تاریخ واسطیہ صفحہ ۹۰ [2] یعنی سید سراج الدین احمد بن سید نجیب الدین جو سنہ ۱۳۲۲ھ تک زندہ تھے۔

گفت چون فرزند تولد شود در خدمت شاہ ولایتؒ برود قدم بوسی حاصل نماید، چون فرزند تولد شد قدم بوس کنانیدند حضرت بر سر کودک دست مبارک نہادہ گفتند کہ از اولاد تو ریاست این دیار تا بہ قیامت خواہد ماند، چون حضرت میر علی بزرگ پسر کلان حضرت شاہ ولایت ہمیشہ در خدمت قیام داشتند عنایت دربارہ برادرزادہ دیدند سکوت نمودند حکم شد کہ ولایت و دولت نعمت (؟) در اولاد شان تا بہ قیامت خواہد ماند بموجب فرمودہ حضرت ہر دو حکم جاریست	کہا کہ جب فرزند تولد ہو جائے تو شاہ ولایت کی خدمت میں جائے اسے قدم بوس ہو۔ جب بیٹا پیدا ہو گیا تو قدم بوس کرایا گیا۔ آپ نے بچہ کے سر پر دست مبارک رکھکر فرمایا کہ تیری اولاد میں اس شہر کی ریاست قیامت تک باقی رہیگی۔ چونکہ حضرت میر علی بزرگؒ حضرت شاہ ولایتؒ کے بڑے بیٹے ہر وقت خدمت میں حاضر رہتے تھے انھوں نے جب بھتیجے کے حال پر عنایت زیادہ دیکھی تو خاموشی اختیار کی حکم ہوا کہ ولایت اور دولت روحانی (؟) ان کی اولاد میں قیامت تک باقی رہیگی حضرت کے ارشاد کے بموجب دونوں حکم جاری ہیں۔

روایت کی حیثیت

یہ روایت ہر خاص و عام کی زبان پر ہے، لیکن کب سے مشہور ہے، راوی کون لوگ ہیں، سلسلۂ روایت کہاں ختم ہوتا ہے اس لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو کسی قدیم تحریر یا کسی ثقہ و صحیح الروایۃ شخص کے بیان سے اسکا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ زیادہ سے زیادہ یہ روایت ڈیڑھ دو سو برس سے خاندان کی بعض شاخوں میں مشہور چلی آتی ہے۔

حضرت شاہ ولایتؒ کے خاندانی حالات کے متعلق قدیم ترین بیان صاحب **ثمرات القدس** کا ہے جو آخر عہد اکبری کی تالیف ہے، یعنی حضرت شاہ ولایتؒ کے زمانہ سے تقریباً تین سو برس بعد کی، لیکن صاحب ثمرات القدس نے بھی اپنی تالیف میں اس روایت کا مطلق کوئی تذکرہ نہیں کیا۔ ثمرات القدس کے علاوہ دوسری قدیم تالیف، جس میں اس خاندان کا تفصیلی تذکرہ ہے سید کمال محمد کی تالیف **اسرار یہ** ہے جو ۱۰۶۸ھ کی تالیف ہے۔ صاحب اسرار یہ کے بیان کو خاندانی حالات کے سلسلہ میں خاص اہمیت یہ حاصل ہے کہ وہ نسباً ان ہی سید عبد العزیز کی نسل سے ہیں جن کی شادی بادشاہ کی بیٹی سے ہونا بیان کی جاتی ہے لیکن سید کمال محمد نے بھی اپنی کتاب میں اس روایت کا اشارۃً و کنایۃً بھی کوئی تذکرہ نہیں کیا۔ سید کمال محمد کا اپنے جدِ محترم کے

متعلق ایک ایسے اہم واقعہ کا بیان نہ کرنا جو بادشاہ کی بیٹی کے ساتھ شادی ہونے اور بروایتِ مندرجہ بالا حضرت شاہ ولایتؒ کی بددعا سے اچانک طور سے وفات پا جانے کی وجہ سے کم از کم مولف اسرارِ آریہ کو خاندان کے لئے خاص تعلق اور اہمیت رکھتا تھا' اسکا قوی ثبوت ہے کہ یہ روایت ان کے زمانہ تک مشہور نہیں ہوئی تھی۔ علاوہ ازیں سلطان جلال الدین فیروز خلجی کے عہد سے تقریباً ۴۰ برس بعد مشہور سیاح **ابن بطوطہ** سنہ ۷۴۳ھ میں امروہہ آیا تھا' وہ تقریباً ایک مہینہ تک یہاں مقیم رہا' امروہہ کے سفر کے حالات اس نے اپنے سفرنامہ میں بالتفصیل لکھے ہیں' سید عبدالعزیز مذکور کے بڑے بھائی قاضی سید امیر علی سے ملاقات اور ضیافت کا تذکرہ خاص طور سے کیا ہے۔ سلطان جلال الدین فیروز خلجی کے حالات بھی تحریر کئے ہیں لیکن اس نے بھی شادی کے واقعہ کا یا بادشاہ کی بیٹی یا نواسہ کے امروہہ میں موجودگی یا قیام کا مطلق کوئی تذکرہ نہیں کیا حالانکہ اسکی آمد کا زمانہ یقیناً ایسا زمانہ تھا کہ شہزادی یا اسکا بیٹا ضرور بقیدِ حیات اور امروہہ میں موجود ہوتے اور ان کے واقعہ کی مفصل کیفیت کسی اور سے نہیں تو قاضی سید امیر علی سے تو اس نے ضرور سنی ہوتی اور واقعہ کی نوعیت بھی ایسی تھی کہ امروہہ کے حالات کے سلسلہ میں وہ اس اہم اور عجیب غریب واقعہ کا ضرور تذکرہ کرتا۔ ایک اور تالیف جس میں حضرت شاہ ولایتؒ کے خاندانی حالات کا تذکرہ ہے **مقاصد العارفین** ہے جو سنہ ۱۱۲۴ھ کی تالیف ہے اس میں اس واقعہ کا کوئی ذکر نہیں ان وجوہ سے اس روایت کی شہرت کا آغاز سنہ ۱۱۲۴ھ یعنی مقاصد العارفین کی تالیف کے بعد سے سمجھنا کچھ بیجا نہ ہوگا۔

روایت پر تنقیدی نظر

اور اگر یہ فرض کیا جائے کہ شادی کی یہ روایت تو خاندان میں بہت قدیم زمانہ سے مشہور چلی آتی تھی لیکن صاحب **ثمرات القدس** صاحب اسرار آریہ' ابن بطوطہ یا صاحب مقاصد العارفین نے کسی وجہ سے اسکو قابل تذکرہ نہیں سمجھا تو اب دیکھنا یہ ہے کہ آیا جو واقعہ بیان کیا جاتا ہے وہ تاریخی حالات و واقعات کے لحاظ سے ممکن الوقوع بھی ہے یا نہیں؟

دو بادشاہوں کے نام اس سلسلہ میں لئے جاتے ہیں کہ ان میں سے کسی ایک کی دختر سے حضرت شاہ ولایتؒ کے فرزند سید عبدالعزیز کی شادی ہوئی تھی اور بہت سے مواضعات جہیز میں عطا ہوئے تھے۔ صاحب تاریخ اصغری نے سلطان جلال الدین فیروز خلجی کا نام لیا ہے لیکن حسب ذیل وجوہ کی بنا پر اس بادشاہ کی

کسی بیٹی سے سید عبدالعزیز مذکور کی شادی ہونی ممکن الوقوع نہیں :-

اوّلاً یہ کہ اس بادشاہ کا زمانۂ سلطنت ۶۸۹ھ سے ۶۹۵ھ تک ہوتا ہے۔ تاریخ اصغری ودراسطیہ اور دوسرے تذکروں میں حضرت شاہ ولایتؒ کا سنہ ولادت ۵۵۲ھ[1] بتایا گیا ہے اس لحاظ سے حضرت ممدوح کی عمر اس بادشاہ کے عہد سلطنت میں تقریباً ۱۴۰ برس کی ہوتی ہے۔ باپ کی عمر جب ۱۴۰ برس کی ہو تو بیٹے کی عمر لامحالہ ایک ایسے باپ کے بیٹے کی عمر جو ولی کامل ہو اور جسکا عہد شباب کے بعد تعلقات زناشوئی کی جانب ملتفت ہونا قرین قیاس نہو، کم سے کم نوّے یا سو برس کی تو ضرور ہوگی پس کسی شخص کا نوعمری کے بجائے سن کہولت میں طالبعلمی کرنے دہلی جانا اور بادشاہ کا اپنی دختر کو کسی پیر صد سالہ کے حبالۂ عقد میں دیدینا محض لغو و مہمل ہے۔

ثانیاً یہ کہ اگر شاہ ولایتؒ کا سنہ ولادت بخلاف ان "مورخین" اور تذکرہ نویسوں کے بیان کے ۶۶۳ھ قرار دیا جائے، جیسا کہ خاکسار مؤلف نے کسی دوسری جگہ ثابت کیا ہے، تو اس بادشاہ کے زمانہ میں آپ کی عمر پچیس تیس برس کی شمار ہوتی ہے اسلئے زیادہ قرین قیاس یہ ہے کہ اس زمانہ میں آپ کے چھوٹے فرزند کی ولادت بھی نہیں ہوئی ہوگی اور اگر پیدا بھی ہوچکے ہونگے تو زمانہ شیرخوارگی کا ہوگا پس کسی طفل شیرخوار کا طالب علمی کرنے دہلی جانا اور بادشاہ کا اس سے اپنی بیٹی کی شادی کردینا اور بھی زیادہ لغو اور مہمل ہے۔

ثالثاً یہ کہ سلطان جلال الدین فیروز خلجی کے عہد حکومت کے تفصیلی حالات اور اس کے سوانح حیات معتبر و مستند کتب تاریخ میں مندرج ہیں۔ تاریخ فیروز شاہی کے مؤلف ضیائے برنی نے، جو شاہ موصوف کا ہمعصر ہے، بادشاہ کے حالات، اسکے بیٹوں، دامادوں کے نام اور ان کے کارنامے تفصیل کے ساتھ لکھے ہیں، ان میں کہیں بھی سید عبدالعزیز کا نام، ان کا ذکر یا شادی کے اس واقعہ کا اشارہ تک بھی نہیں پایا جاتا۔ ضیائے برنی کا باپ بادشاہ کے منجھلے بیٹے ارکلی خاں کا نائب تھا، جس کی سکونت کا مکان محلات شاہی سے متصل تھا، ان تمام وجوہ سے بادشاہ کے خانگی حالات پر مطلع ہونے کا ضیائے برنی

---

[1] افسانہ نویسوں نے حضرت شاہ ولایتؒ کا سال ولادت ۵۵۲ھ، سال وفات ۶۸۳ھ اور مدت عمر ۱۳۰ قرار دی ہے۔ تاریخی حالات کے لحاظ ولادت وفات دونوں صحیح نہیں۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو حصۂ دوم۔

کو خوب موقع حاصل تھا، اگر ایسا کوئی واقعہ پیش آیا ہوتا جس کا ذکر اس روایت میں کیا جاتا ہے تو ضیائے برنی،
جو معمولی واقعات تک تحریر کرتا ہے اس کا ضرور تذکرہ کرتا۔

رابعاً یہ کہ سلطان جلال الدین فیروز خلجی کے چار بیٹے تھے یعنی شاہزادہ محمود خان خاناں[1]، ارکلی خان،
قدر خان اور رکن الدین ابراہیم۔ چار ہی بیٹیاں تھیں جن کے شوہروں کے یہ نام ہیں **علاء الدین** (جو
بعد میں سلطان علاء الدین خلجی کے نام سے مشہور ہوا) **الغ خان**، **الماس بیگ** (یہ تینوں بادشاہ
کے برادرزادہ تھے) اور چوتھا **الغو خان** نبیرہ چنگیز خان۔ ان میں کہیں بھی سید عبد العزیز کا نام نہیں پایا۔

خلاصہ یہ کہ مندرجہ بالا وجوہ اور تاریخی شواہد سے ثابت ہے کہ سلطان جلال الدین فیروز خلجی کی دختر
سے شادی ہونے کی روایت ہرگز صحیح نہیں۔

دوسرا بادشاہ جس کا نام اس روایت کے سلسلہ میں لیا جاتا ہے سلطان فیروز شاہ تغلق ہے۔ اس بادشاہ کی کسی دختر
سے بھی سید عبد العزیز کی شادی کا ہونا مندرجۂ ذیل وجوہ سے ناممکن الوقوع ہے:۔

اولاً یہ کہ اس بادشاہ کا عہد حکومت سنہ ۷۵۲ھ سے سنہ ۷۹۰ھ تک رہا۔ پس اگر تذکرہ نویسوں کے بیان کے مطابق
حضرت شاہ ولایت کا سنہ ولادت سنہ ۶۳۳ھ قرار دیا جائے تو اس بادشاہ کے عہد حکومت کی ابتدا میں حضرت
ممدوح کی عمر ۱۲۰ برس کی شمار میں آتی ہے، لامحالہ آپ کے فرزند کی عمر کم سے کم سوا سو یا ڈیڑھ سو برس کی تو
ضرور ہوگی لہذا ڈیڑھ سو برس کی عمر والے شخص کا بذات خود تو درکنار اسکی اولاد در اولاد کا بھی طالب علمی کرنے
دہلی جانا اور بادشاہ کی بیٹی سے شادی کرنا خلاف قیاس اور مہمل ہے۔

ثانیاً یہ کہ حضرت شاہ ولایت کی ولادت سنہ ۶۶۳ھ میں قرار دی جائے تب بھی آپ کی عمر اس بادشاہ
کے عہد حکومت میں تقریباً ۹۰ برس کی اور آپ کے فرزند کی تقریباً ساٹھ ستر برس کی تسلیم کرنا پڑے گی لیکن
عمر بھی ہرگز ایسی نہیں کہ اس عمر میں وہ طالب علمی کرنے دہلی جاتے اور بادشاہ اپنی بیٹی کی ستر برس کے بوڑھے

---

[1] بادشاہ کا یہ بڑا بیٹا اسکے سامنے ہی مر گیا تھا حضرت امیر خسروؒ نے اسی شاہزادہ کی وفات کے وقت وہ مشہور مرثیہ لکھا تھا جسکے
دو شعر یہ ہیں:۔ چہ روز ست ایں کہ من خورشید تاباں را نمی بینم — دگر شب شمع ماہ رخشاں را نمی بینم
نشانیکہ برسر تخت و خیرگاں صف زدہ ہر سو — ہمہ ہستند لیکن خان خاناں را نمی بینم

کے ساتھ شادی کر دیا۔

ثالثاً سلطان فیروز شاہ تغلق ہی قدیم شاہان ہند میں ایک ایسا بادشاہ گذرا ہے جس کے عہد سلطنت کے حالات میں ایک چھوڑ تین تین مبسوط اور مستند کتب تاریخ موجود ہیں یعنی تاریخ فیروز شاہی تصنیف ضیاء الدین برنی و تاریخ فیروز شاہی مؤلفہ سراج عفیف اور فتوحات فیروز شاہی جو خود بادشاہ نے اپنے قلم سے لکھی ہے اور اپنے خاص خاص حالات و واقعات قلمبند کئے ہیں۔ ان کتب تاریخ میں بادشاہ موصوف کی اولاد اور اس کے دامادوں کے جابجا تذکرے ملتے ہیں لیکن کہیں بھی سید عبد العزیز کا نام یا ان کی شادی اور ان کی اچانک موت کا واقعہ مذکور نہیں حالانکہ واقعہ کی نوعیت اور اہمیت اس کی مقتضی تھی کہ اسکا ذکر ضرور ہوتا۔ دوسرے مؤرخ اگر نہ لکھتے تو خود بادشاہ جس کی حضرت شاہ ولایتؒ سے عقیدت کا خذکرہ ان تذکرہ نویسوں نے بڑی شدومد کے ساتھ تحریر کیا ہے، اس اہم واقعہ کا تذکرہ ضرور کرتا۔

رابعاً۔ حضرت شاہ ولایتؒ کی وفات اس بادشاہ کے عہد سلطنت سے تقریباً بارہ برس پہلے واقع ہو چکی تھی، آپ کا سنہ وفات جو عام طور سے ۸۰۳ھ مشہور ہے وہ آپ کا سنہ وفات نہیں ہے بلکہ حقیقتاً آپ کے پوتے سید شرف جہانگیرؒ کا سنہ وفات ہے جو شرف الدین جہانگیر کے نام سے بھی مشہور تھے اور سلسلۂ مشائخ چشتیہ کے بزرگ اور اپنے جد امجد کے جانشین ہونے کی بنا پر شاہ ولایت بھی کہلاتے تھے۔ اس پر تفصیلی بحث میں نے دوسرے موقع پر کی ہے لیکن یہاں مختصراً یہ عرض کرنا ہے کہ مشہور سیاح ابن بطوطہ جو مشائخ کا عقیدتمند تھا، اثنائے سفر میں جہاں کہیں کسی ولی کامل کا ذکر سنتا ہے اس کی خدمت میں ضرور پہنچتا ہے اور ملاقات کے حالات لکھتا ہے، وہ ۷۳۴ھ میں امروہہ آتا ہے، یہاں کامل ایک مہینہ تک مقیم رہتا ہے، آپ کے ولد اکبر قاضی سید امیر علی سے اس کی ملاقات ہے، وہ ان کا اور ان کی ضیافت کا تذکرہ اچھے الفاظ میں کرتا ہے پس اگر اس وقت حضرت شاہ ولایتؒ حیات ہوتے تو یہ مشائخ کا معتقد آپ کی خدمت میں خواہ آپ کسی صحرا میں موجود ہوتے ضرور حاضر ہوتا، آپ کے ذکر خیر سے اپنے سفر نامہ کو زینت دیتا لیکن اس نے کوئی تذکرہ آپ کا نہیں کیا کیونکہ آپ اس کی تشریف آوری سے بارہ برس پہلے یعنی تقریباً ۷۲۲ھ میں، جیسا کہ کسی دوسری جگہ ظاہر کیا گیا ہے، واصل بحق ہو چکے تھے۔ دوسری روایتوں میں بیان کیا گیا ہے کہ

شاہ ولایتؒ کے پوتے سید محمد ابدال دودھ دھاری جوان ہی سید عبدالعزیز کے فرزند تھے، اپنے دادا کے مرید اور خلیفہ تھے۔ پس اگر انہوں نے خرقۂ خلافت شاہ ولایتؒ کی عمر کے آخری سال میں حاصل کیا۔ (سنہ ۸۸۶ھ) میں جو شاہ ولایتؒ کا سنہ وفات ہے ان کی عمر کم از کم پچیس تیس برس کی تو ضرور ہو گی لہٰذا ایک ایسے شخص کے باپ کی عمر جو سنہ ۸۸۶ھ میں پچیس تیس برس کا ہو اس سنہ میں پچاس ساٹھ سال کی ہو گی اسلئے اس سے بارہ برس بعد یعنی سنہ ۸۹۸ھ میں، جو فیروز شاہ تغلق کی تخت نشینی کا سال ہے، سید عبدالعزیز کی عمر تقریباً ستر اسی برس کی تسلیم کرنا پڑیگی جو ہرگز ایسی عمر نہیں ہے۔ وہ طالب علمی کرنے دہلی جاتے اور فیروز شاہ تغلق اپنی بیٹی کی ان سے شادی کر دیتا۔

الغرض مندرجہ بالا وجوہ سے اس روایت کی بھی کوئی اصلیت نہیں معلوم ہوتی کہ سلطان فیروز شاہ تغلق کی دختر سے سید عبدالعزیز کی شادی ہوئی تھی۔

اور اگر ان تمام تاریخی واقعات وحالات سے بھی قطع نظر کر لی جائے جو اوپر مذکور ہوئے اور یہ تسلیم کر لیا جائے کہ نہیں سید عبدالعزیز کی شادی کسی بادشاہ کی لڑکی سے ہوئی اور ضرور ہوئی، خواہ وہ بادشاہ خلجی ہو یا تغلق ہو یا اور کوئی ہو تو دیکھنا یہ ہے کہ واقعہ کی جو صورت اس روایت میں مذکور ہے اس طرح ہو سکے وقوع پذیر ہونے کا امکان بھی ہو سکتا ہے یا نہیں؟

روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ سید عبدالعزیز دہلی میں طالب علمی کرنے گئے تھے، بادشاہ کو جب یہ خبر ہوئی کہ شاہ ولایتؒ کے چھوٹے صاحبزادے یہاں طالب علمی کی غرض سے آئے ہیں اسنے اپنی دختر ان کے حبالۂ عقد میں دیدی۔ اس کی اطلاع جب شاہ ولایتؒ کو ہوئی تو چونکہ حضرت ممدوح نے گوشۂ عزلت و قناعت اختیار کر کے ترک دنیا اپنا شیوہ قرار دیا تھا آپ کو یہ امر ناگوار ہوا کہ فقیر کا بیٹا بادشاہ کی بیٹی سے شادی کرے آپ نے فرمایا کہ اے گردن شکستہ! تجھے ہمارا فقر اچھا نہیں معلوم ہوا آپ کے اس ارشاد کا یہ نتیجہ ہوا کہ سید عبدالعزیز دہلی میں گھوڑے پر سوار چلے جاتے تھے کہ یکایک گر پڑے، گردن ٹوٹ گئی اور فوت ہو گئے، بادشاہ کو اسکا صدمہ ہوا دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ ان کی زوجہ حاملہ ہے بادشاہ نے فرمایا کہ جب بچہ پیدا ہو جائے تو شاہ ولایتؒ کی قدم بوسی کے لئے بھیجا جائے چنانچہ بعد ولادت فرزند شہزادی مذکور

شاہ ولایتؒ کے پوتہ کو لیکر بقول صاحب بواسطیہ کسی قدر شاہی فوج کے ساتھ آپ کی خدمت میں حاضر ہوگئیں الخ۔

مندرجہ بالا روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ سید عبدالعزیز طلب علم کے لئے دہلی گئے تھے ظاہر ہے کہ طالبعلمی کا زمانہ نوعمری کا زمانہ ہوتا ہے آج بھی بالعموم اس عمر میں شادی بیاہ نہیں ہوتا اور آج سے تقریباً چھ صدی پیشتر تو اس نوعمری کے زمانہ میں شادی بیاہ کا قطعاً دستور نہ تھا اور بالخصوص مشائخ کے بیٹے جب تک کسب کمالات نہ کر لیتے شادی بیاہ کی پابندیوں میں گرفتار نہ ہوتے تھے اس لئے یہ ماننا پڑیگا کہ اس نوعمر طالب علم کی کوئی شادی دہلی جانے سے پیشتر نہیں ہوئی تھی اور سید عبدالعزیز کی پہلی شادی یہی شادی تھی اور شادی ہونے کے چند روز بعد ہی وہ اپنے باپ کی بددعا سے گھوڑے پر سے گر کر فوت ہوگئے بادشاہ کی بیٹی کے سوائے اور کسی عورت کو عقد میں لانے کا انکو موقع ملا اور نہ صورت حالات اس کی مقتضی تھی کہ وہ ایسا کرتے یا ایسا ہوا ہوتا۔ پس نتیجہ یہ برآمد ہوتا ہے کہ سوائے اس فرزند کے جو ان کے انتقال کے وقت شکم مادر میں تھا ان کے کوئی دوسری اولاد نہیں تھی لیکن یہ حیرت انگیز امر ہے کہ جن "مورخین" نے ان کی شادی ان کی اچانک موت اور ان کے فرزند کے تولد کی یہ عجیب و غریب روایت نقل کی ہے ان ہی "مورخین" نے ان کے دو اور فرزندوں یعنی سید محمد ابدال (دودہ دھاری جن کو حضرت شاہ ولایت کا خلیفہ بھی بتایا جاتا ہے) اور سید مجدالدین (جد امجد مؤلف سر آرہ) کے نام بھی تحریر کئے ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ آخر ان کے یہ دو اور فرزند کہاں سے آگئے؟ آپ تسلیم کریں گے کہ اس معاملہ کی صورت دو حال سے خالی نہیں۔ یا تو سید عبدالعزیز کی شادی کی یہ روایت جس طرح بیان کی گئی ہے اور آب و تاب سے نام نہاد "مورخین" نے شایع کی ہے بے اصل و بے بنیاد ہے یا یہ دونوں فرزند فرضی اور مصنوعی ہیں۔ لیکن ان دو فرزندوں کا فرضی اور مصنوعی ہونا قرین قیاس نہیں کم از کم ان میں ایک سے سلسلۂ نسل باقی رہا اور اسکے بانی ہیں یعنی مؤلف سر آرہ کا خاندان۔ اسلئے لامحالہ یہ ماننا پڑے گا کہ یہ روایت ہی قطعاً بے بنیاد اور بے اصل ہے۔

اور اگر یہ کہا جائے کہ طالب علمی کرنے اور دہلی جانے سے پہلے سید عبدالعزیز کی شادی ہو چکی تھی اور نہ صرف شادی ہو چکی تھی بلکہ زوجۂ اولیٰ سے کم از کم دو فرزند (اور ممکن ہے کہ کوئی دختر) بھی متولد ہو چکے تھے لیکن اس حالت پر بھی بادشاہ نے اپنی بیٹی کی شادی ان کے ساتھ کر دی (حالانکہ مندرجہ بالا وجوہ سے یہ ناممکن الوقوع ہے) اور حسب روایت صاحب تاریخ جعفری "اپنے داماد سید عبدالعزیز کی اولاد کے لئے بہت گاؤں سلطنت سے جدا کر دئے" تو آخر عطائے جاگیر و مواضعات کا کوئی ثبوت بھی پیش کیا جا سکتا ہے؟ قدیم کاغذات کے مطالعہ

تجسس حالات سے یہ حقیقت آشکارا ہوتی ہے کہ عہد مغلیہ سے پہلے مالی حالت کے لحاظ سے امروہہ کے سادات و شرفا کے دوسرے خاندانوں کے مقابلہ میں اس خاندان کو کسی قسم کا تفوق حاصل نہیں تھا بلکہ برخلاف اس کے جیسا کہ کسی دوسرے موقع پر ظاہر کیا گیا ہے، سادات نوگانواں کے مورثوں کو مواضعات معافی زیادہ تعداد میں عطا ہوئے تھے۔ خاندان خلجی یا تغلق کی کوئی شہزادی اگر امروہہ میں سکونت پذیر ہوتی اور جیسا کہ مؤلف واسطہ نے ارشاد فرمایا ہے کہ بقدر فوج شاہی کے ساتھ شہزادی امروہہ آئی اور یہاں مقیم رہی تو ظاہر ہے کہ اس کی سکونت کے لئے امروہہ میں کوئی قلعہ یا گڑھی یا بدرجۂ اقل محلات یا عالی شان مکانات تعمیر ہوتے، کیا کسی شہزادی کے محل یا سکونت کے مکان کا کوئی پتہ بتایا جا سکتا ہے یا اسکے آثار یا نشانات ہی دکھائے جا سکتے ہیں؟ فیروز شاہ تغلق کو اگر حضرت شاہ ولایت سے اس قسم کی عقیدت ہوتی جس کا ذکر افسانوں میں کیا جاتا ہے یا رشتہ کے تعلقات ہوتے تو یہ بادشاہ جس کو تعمیر عمارت کا بہت شوق تھا[1] جو آپ کے زمانہ کے بہت بعد تک زندہ رہا اور اس کے خاندان میں سلطنت بھی اس زمانہ کے بعد عرصہ دراز تک جاری رہی ضرور تھا کہ آپ کے مزار پر عالی شان مقبرہ تعمیر کرتا، خانقاہ بنواتا، مصارف کے لئے بڑی جاگیر عطا کرتا۔ حالانکہ آپ کے مرقد منور پر نہ کوئی مقبرہ بنا، نہ کوئی عالیشان خانقاہ تعمیر ہوئی اور نہ مصارف خانقاہ و عرس کے لئے کوئی جاگیر عطا ہوئی۔ فیروز شاہ نے اپنے سوانح حیات میں ان تمام تعمیرات کی تفصیل درج کی ہے جو مختلف مقامات پر اسنے تعمیر کرائی تھیں۔ فیروز شاہ خود لکھتا ہے کہ[2]

"بعضے از مواہب الٰہی کہ ایں بندۂ بیچارہ را عطا کردہ بر تشئید مبانی خیرات توفیق داد، بسے مساجد و مدارس و خوانق بنا کردیم تا علما و مشائخ و زہاد و عباد دراں مقامہا معبود حق را عبادت کنند	خدا تعالیٰ کی بعض انعامات میں سے جو اس عاجز بندہ (یعنی فیروز شاہ تغلق) کو عطا ہوئے یہ ہے کہ خیرات کے کاموں کی توفیق دی، بہت سی مسجدیں، مدرسے اور خانقاہیں میں نے تعمیر کیں۔ تا کہ علماء، مشائخ، زاہد اور عابد لوگ ان مقامات میں معبود حقیقی کی عبادت کریں اور اپنی

[1] فیروز شاہ بادشاہ نے اپنے عہد حکومت میں جو تعمیرات مختلف مقامات پر کرائیں ان کی تفصیل حسب ذیل ہے:- ۲۰۰ مدرسے، ۴۰ خانقاہیں، ۴۰ مسجد جامع، ۱۵۰ کوئیں، ۱۰۰ کوشک، ۱۰۰ مقبرے، ۲۲ رباط، ۵ دار الشفا، ۱۰ حمام، ۱۰ منارہ کلاں، ۳۰ نہریں، ۱۰۰ حوض، ۱۰۰ پل، اس کے باغات وغیرہ [2] فتوحات فیروز شاہی قلمی۔

بانیٔ خیر را بدعا مدد نمایند و حصر آب باد غرس اشجار و وقف آراضی بر نہج شرع متفق و مجمع علیہ است و در ملت اسلام علمائے شریعت را بر وی اجماع است و در وی شکے و شبہے نہ، و در بعض مہام مصارف معین کردند تا ہمیشہ حاصل آن بہ بندگان خدا برسد و ذکر آن مشروح در وقف نامہ مذکور است

دعا سے بانیٔ خیر کی مدد فرمائیں۔ پانی کا انتظام کیا گیا، درخت نصب کئے گئے، اور آراضی اس طریقہ پر ان کے مصارف کے لئے وقف کی گئی جو شرع میں متفق علیہ ہے اور علماء کا اس پر اجماع ہے اور اس میں کوئی شبہ نہیں ہے تاکہ ہمیشہ اس کی آمدنی بندگان خدا کو پہنچتی رہے۔ اسکی تفصیل وقف نامہ مذکور میں کی گئی ہے۔

غیروں کے لئے مقبرے اور خانقاہیں تعمیر ہوئیں، ان کے لئے اراضی وقف کی گئی لیکن جن سے عقیدت یا رشتہ کا تعلق تھا، جہاں اس کی بیٹی اور نواسہ موجود تھے، وہاں نہ کوئی خانقاہ تعمیر ہوئی اور نہ مقبرہ۔ یہ بات قرین قیاس نہیں۔

حضرت سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء دہلویؒ کے مقبرہ کی درستی کے متعلق دوسرے موقع پر یہ بادشاہ لکھتا ہے کہ:-[1]

”درہائے گنبد و جعفریہائے مقبرہ شیخ الاسلام نظام الحق والدین ہم از صندل ساختہ و قندیلہائے زریں با زنجیرہائے زر در چہار زاویہ گنبد آویختہ و جماعت خانہ جدید بنا کردہ کہ آنچناں پیش ازیں آنجا نبودہ۔“

مقبرہ شیخ الاسلام نظام الدین (اولیاء دہلویؒ) کے گنبد، جعفریوں کو بھی صندل کی لکڑی سے بنایا گیا اور سونے کی قندیلیں سونے کی زنجیروں سے گنبد کے چاروں کونوں میں آویزاں کی گئیں اور ایک نیا جماعت خانہ جیسا کہ وہاں پہلے نہیں تھا تعمیر کیا گیا۔

”مورخین امروہہ“ کی روایتوں کے مطابق جب اس بادشاہ کو حضرت شاہ ولایتؒ سے اس درجہ عقیدت اور نیازمندی تھی کہ مرید ہونے کی بار بار خواہش ظاہر کی مگر آپ نے قبول نہ فرمایا، پھر اسی نیازمندی و عقیدت کی بنا پر آپ کے فرزند جعفر کے عقد میں اپنی بیٹی بھی دیدی اور انکی اولاد کے لئے ”بہت گاؤں بھی سلطنت سے جدا کر دئے“ تو یہ امر حیرت انگیز ہے کہ حضرت سلطان المشائخ کے مقبرہ کو جن سے نہ عقیدت تھی، نہ جن کا مرید تھا، اور نہ جن سے کوئی رشتہ کا تعلق تھا، تو آراستہ و مزین کرتا ہے، سونے کی قندیلیں لٹکاتا ہے سونے کی زنجیریں

---

[1] فتوحات فیروز شاہی قلمی۔

آویزاں کرتا ہے مگر حضرت شاہ ولایت کی درگاہ میں ایک اینٹ بھی نہیں رکھی جاتی - کیا یہ طرز عمل حیرت انگیز نہیں ؟ کیا اس سے یہ نتیجہ برآمد نہیں ہوتا کہ عقیدت و نیازمندی و رشتہ کی روایت محض ایک افسانہ ہے جس کی کوئی اصلیت نہیں -

تاریخ سے ثابت ہے کہ سلطان فیروز شاہ طبعاً بڑا مخیر بادشاہ تھا۔ صرف مشائخ و علماء، قرآن خوانوں وغیرہ کو جو رقوم سالانہ خزانہ شاہی سے دیجاتی تھیں ان کی تعداد ۳۶ لاکھ تنکہ تھی اور شرفا و غربا کے انعامات کی تعداد تقریباً ایک کروڑ سالانہ مقرر تھی - جابجا مدارس و شفاخانہ جات قائم کئے تھے - ایک دیوان خیرات اس غرض سے قائم کیا تھا کہ تہی دست لوگوں کو جو اپنی بیٹیوں کی شادی نہیں کر سکتے، اس سے امداد دی جائے۔ جس زمانہ کا مورخ سراج عفیف لکھتا ہے :[1]

دیوان خیرات برائے تزویج بنا کرده یعنی آں مسلمانانِ غمگین و مومنان مساکین کہ دختراں دارند و آں دختراں بحد بلوغت رسیدہ اند پدرانِ ایشاں اسباب کارِ خیر ندارند بدیں سبب دائم دلہائے ایشاں کشیدہ مانند ..... حضرت جہاندار ..... دریں محل فرمان فرمود ہر آں کسے کہ دخترے دارد بالغہ آں شخص در خیرات دیوان اخبار رساند شرح احوال خویشتن بیان پیش عہدہ دارانِ دیوان خیرات بازنماید ..... بر اندازۂ حال ہر ایک وجہ تعین کنند -

شادی بیاہ کے لئے ایک دیوان خیرات قایم کیا تھا یعنی ان غمگین اور مسکین مسلمانوں کے لئے جن کی بیٹیاں ہیں اور یہ لڑکیاں بلوغت کی حد کو پہنچ گئی ہیں مگر ان کے باپ ان کی شادی کا سامان فراہم نہیں کر سکتے اور اس وجہ سے ان کے دل ہمیشہ پریشان رہتے ہیں ...... بادشاہ ..... نے اس بارہ میں یہ فرمان صادر کیا کہ جو شخص کوئی بالغہ لڑکی رکھتا ہو اسے چاہیے کہ دیوان خیرات میں اس کی اطلاع دے اور اپنے حال سے عہدہ داران دیوان خیرات کو مطلع کرے ..... ہر ایک کی حالت کے اندازہ کے مطابق مدد مقرر کی جائے۔

مندرجہ بالا بیانات سے یہ اچھی طرح واضح ہو گیا کہ سید عبد العزیز بن حضرت شاہ ولایت کی کسی بادشاہ کی بیٹی کے ساتھ شادی ہونے کی روایت صحیح نہیں، نہ کوئی شہزادی امروہہ میں کبھی سکونت پذیر ہوئی اور نہ اس کے یا اس کے اولاد

---

[1] تاریخ فیروز شاہی سراج عفیف -

کے مصارف کے لئے کسی بادشاہ نے کبھی "بہت گاؤں سلطنت سے جدا کئے"۔ اور نہ اس طرح امروہہ کی سادات کی ابتدا ہوئی۔

پھر یہ روایت کیوں اور کب سے مشہور ہے؟

اس سلسلہ میں اب صرف یہ سوال حل طلب باقی رہ جاتا ہے کہ پھر روایت کیوں اور کب سے مشہور ہوئی؟ ۱۲۴۳ھ تک یعنی مقاصد العارفین کی تصنیف کے وقت تک یا پھر بغرض محال ۱۲۶۸ھ تک یعنی اسراریہ کی تالیف کے زمانہ تک تو یہ روایت مشہور نہیں ہوئی تھی یا کم از کم اسکو کوئی ایسا درجۂ اعتبار حاصل نہ ہوا تھا کہ مؤلف اسراریہ اسکا ذکر کرتا۔ ۱۲۶۸ھ کا وہ زمانہ ہے جبکہ اس سے تقریباً ایک صدی پہلے سے سید عبدالعزیز کی نسل میں امارت و ریاست آگئی تھی۔ سید محمد میر عدل و سید مبارک اور ان کے نامور خلاف کی لیاقت و قابلیت، ان کی شاندار خدمات اور کارناموں کی وجہ سے شاہان مغلیہ نے ان کو اعلیٰ مناصب اور جاگیریں عطا کی تھیں۔ اور اس خاندان کو تمول و اقتدار کے لحاظ سے اپنے ہمچشموں پر تفوق حاصل ہوگیا تھا۔ ان کے بعد کی نسلوں نے آنکھ کھولتے ہی ریاست کے ٹھاٹھ دیکھے۔ ان کے آبائے کرام نے تو اپنی محنت و جانفشانی، تلوار کی جھنکار اور قلم کی سرسراہٹ کی بدولت دولت پیدا کی تھی۔ علم و فضل و فنون سپہ گری کے ذاتی جوہر ان میں موجود تھے۔ ان کے بعد جو نسلیں پیدا ہوئیں وہ تو نزموں کے رئیس تھے۔ خوشامدی مصاحبوں اور حاشیہ نشینوں نے خاندانی تفاخر و اقتدار کے حاشیے چڑھانے شروع کئے۔ اس زمانہ میں خاندان شاہی سے تقرب فخر و مباہات کا اعلیٰ ترین معیار سمجھا جاتا تھا۔ کسی نے شادی کی یہ روایت بھی گھڑ ڈالی۔ ابتداءً اس کی صورت کچھ اور ہوگی۔ آنے والوں نے رنگ آمیزیاں کیں۔ اس زمانہ میں تو کسی نے مانا کسی نے نہ مانا۔ دو چار پشت کے بعد یہی بات "مسلمات تاریخ" میں داخل ہوگئی۔ اس نسل کے بعض حضرات اظہار تفاخر کے لئے اپنے کو "منسوبہ فیروز شاہ تغلق" بھی لکھنے لگے۔ نام نہاد "مورخین امروہہ" نے بھی اس کو آب و تاب سے شائع کرنا ضروری سمجھا۔ اور جو بات کبھی کسی نے "زیب داستان" کے لئے کہی تھی وہ اب "مسلمات تاریخ" میں شمار ہونے لگی۔ ورنہ جیسا کہ آپ اوپر پڑھ آئے ہیں اس کی حقیقت صرف اتنی ہے کہ کچھ بھی نہیں۔

۱؎ جو روایت مؤلف واسطیہ نے لکھی ہے اس کا اقتباس اوپر درج کیا گیا ہے ذرا اس کے آخری فقروں کو غور سے پڑھئے۔

معافیات کی ابتداء

ہندوستان میں اسلامی سلطنت کے قائم ہونے کے تھوڑے عرصہ کے بعد ہی سے علماء و مشائخ سادات و شرفاء کے خاندانوں کی پرورش کے لئے وظائف و مدد معاش میں حسب حیثیت املاک و اراضیات معافی عطا ہونے لگی تھیں امروہہ میں حضرت شاہ ولایت قدس سرہٗ کی تشریف آوری کے بہت پہلے سے جو خاندان علماء و مشائخ و سادات و شرفاء کے موجود تھے ان کو املاک و معافیات دی گئی تھیں مثلاً اولاد حضرت نظام گنج رواں قدس سرہٗ اولاد قاضی نظام الدین قریشی وغیرہ کو املاک معافیات عطا ہوتی تھیں۔ سلطان علاء الدین خلجی کے عہد حکومت میں البتہ بہت سی معافیات ضبط ہو کر خالصہ میں شامل ہو گئی تھیں[۱] لیکن فیروز شاہ بادشاہ نے اپنے حکومت کے پہلے ہی سال میں شتر سال پیشتر کے تمام عطیات کی اسناد کی جانچ پڑتال کرا کے مستحقین کو املاک و معافیات بحال کردیں۔[۲]

"امثلہ عطا و سائر کہ از سلاطین ماضیہ درباب ادارات و انعامات و دیہا و زمینہائے سادات و مشائخ و سائر مستحقان صادر شدہ بود وہمہ بخالصہ باز آمدہ بر اولاد و احفاد ایشاں بر حکم آں امثلہ مقرر و مسلم شد و بتازگی فرمان ہائے طغرا و امثلۂ دیوانی یافتند و آناں کہ نداشتند و محتاج نفقہ بودند تجدید فوق الکفایہ ایشاں ادرار و انعام و دیہہ و زمین مقرر و تعین شد"	سادات و مشائخ و دوسرے کل مستحقین کے مواضعات و اراضیات انعامات و ادارات جو گذشتہ بادشاہوں نے عطا کئے تھے اور وہ سب پھر خالصہ میں شامل کرلئے گئے تھے اسکے متعلق شتر برس پیشتر کے کاغذات و امثلہ کو نکلوایا اور ان احکام کے مطابق ان عطیات کو ان کی اولاد و وارثوں کو دیا گیا اور از سر نو فرمان و مثلہ مرتب کئے گئے اور وہ لوگ جو تہی دست و صاحب احتیاج تھے ان کو اور بھی زیادہ مواضعات و اراضیات و انعامات وغیرہ عطا ہوئے۔

دبلسلہ گذشتہ بڑے بیٹے سید امیر علی کی اولاد میں سنجت اور چھوٹے بیٹے سید عبدالعزیز کے اخلاف میں ریاست کے الفاظ اس روایت کے تصنیف کرنے والوں کی کس قسم کی ذہنیت کا اظہار کر رہے ہیں۔)

[۱] تاریخ فیروز شاہی [۲] تاریخ فیروز شاہی۔

امروہہ کی معافیات کی ابتدا اسی عہد فیروزی سے سمجھنی چاہئے۔ سادات نوگیاں کے مورث خواجہ فخر الدین حضرت سلطان المشائخ شیخ نظام الدین اولیاء دہلوی کے جانشین خواجہ محمد امام کی اولاد میں تھے ان کو متعدد مواضعات اسی عہد میں امروہہ کے علاقہ میں عطا ہوئے' خاندان شیخ زادگان اولاد حضرت شیخ فرید الدین فاروقی گنج شکر کو بھی پرگنہ رجب پور میں مواضعات معافی ملے [1]

"و خاندان ہائے شیخ فرید الدین و شیخ بہاء الدین و شیخ نظام الدین (اولیاء دہلوی) .... و چندیں مشائخ قدیم دیگر دیہا و زمین ہا و باغہا از سر نو عطا شدہ است۔"

"حضرت شیخ فرید الدین (گنج شکر فاروقی) و شیخ بہاء الدین (زکریا ملتانی) و شیخ نظام الدین (اولیاء دہلوی) ..... نیز بہت سے دوسرے مشائخ قدیم کے خاندانوں کو مواضعات و اراضیات و باغات عطا ہوئے۔"

یہ عطیات معافی "علی الدوام والاستمرار" کے طریقہ پر عطا ہوئے تھے۔ کوئی قدیم دستاویز اور فرمان تو دستیاب نہیں ہوا لیکن امروہہ کے قاضی اور مشائخ و سادات کے خانوادہ ہونے کی حیثیت سے حضرت شاہ ولایت قدس سرہٗ کے اخلاف کو عہد خلجی و تغلقیہ میں املاک معافیات عطا ہوئیں۔ قاضی سید امیر علی کے انتقال پر ان کے فرزند سید محمد المعروف بہ سید تاج الدین بروایت ثمرات القدس ترکہ پدری میں "ملک و باغ" کے متعلق حصول فرمان کے لئے دہلی گئے تھے۔

"(دو برادر سید اشرف جہانگیر) گفت میروم تا ملک و باغ را کہ از پدر ماندہ فرمانے بیارم تا کسے را مداخلت درماں نماند"[2]

اسی طرح صاحب اسرار یہ اپنے جد امجد کے متعلق' جو سید عبد العزیز کے پوتے تھے' لکھتے ہیں کہ :-

"سید چاند بن سید معروف بن سید محب الدین بن سید عبد العزیز بن صاحب ولایت در قریہ لوج پور از مضافات امروہہ سکونت داشتہ دہ بحاصلے تنگ و استغاثے نام بسر نے بردہ اہل"

"سید چاند بن سید معروف بن سید محب الدین بن سید عبد العزیز بن صاحب ولایت امروہہ کے نواح میں لوج پور نام ایک گاؤں میں سکونت رکھتے تھے اور عبادت و ریاضت میں زندگی بسر کرتے تھے اور اہل"

[1] تاریخ فیروز شاہی

[2] تاریخ فیروز شاہی

این کار بود کہ شیخ عمر شہ سنبھلی را بوے اتفاق
ملاقات افتاد و عمر شہ و فتح شہ دو برادر بودند
ہر دو عالم و فاضل و بزرگ از مشاہیر روزگار
صاحب جاہ آخر عمر شہ بہ سید چاند گفت سیدا
چرا نہ در شہر سنبھل آئی و اقامت گیری و
من دخترے دارم تا نامزد سید حامد پسر تو
بکنم سید چاند این معنی قبول کرد و بہ سنبھل
آمد بی بی خدیجہ دختر شیخ عمر شہ بحبالۂ عقد
سید حامد در آمد و از آن ہمہ حویلی و باغ
و املاک بنام آن بی بی شد و اتفاق توطن
افتاد۔ امروز از آن باغ چند درخت انبہ
ماندہ کہ مشہور بہ چندن پٹی ہست و آن حویلی بہ سید واڑہ

کام کے اہل تھے۔ ایک موقع پر شیخ عمر شہ سنبھلی کو ان سے
ملاقات کا اتفاق ہوا۔ عمر شہ اور فتح شہ نامی دو بھائی
تھے۔ دونوں عالم، فاضل، مشاہیر وقت اور صاحب
جاہ تھے۔ شیخ عمر شہ نے سید چاند سے کہا کہ سید صاحب تم
سنبھل کیوں نہیں آتے اور وہاں سکونت اختیار کرتے
میں اپنی بیٹی کی تمہارے فرزند سید حامد کے ساتھ
شادی کر دونگا۔ سید چاند نے یہ بات قبول کی اور سنبھل
آگئے۔ شیخ عمر شہ کی دختر بی بی خدیجہ سید حامد کے حبالۂ
عقد میں آئیں اور حویلی و باغ و املاک ان بی بی کے
جہیز میں ملیں اور اسی طرح سنبھل توطن پذیر ہوئے۔
اب اس باغ میں سے آم کے چند درخت باقی ہیں جسے
چندن پٹی کہتے ہیں اور وہ حویلی بھی سید واڑہ ہے۔

سید عبدالعزیز کی اولاد کے مصارف کے لئے کسی بادشاہ نے "بہت گاؤں سلطنت سے جدا کر دیئے" ہوتے تو ظاہر ہے کہ ان سے تیسری ہی پشت میں یہ حالت پیش نہ آتی کہ ان کے خلاف اس طرح ترک وطن کرکے دوسرے مقام پر سکونت اختیار کرتے۔ سادات و مشائخ دہلی کے دیگر خاندانوں کی طرح یہ امدادیات ملک اس خاندان کو بھی عطا ہوئیں، ان میں سے بعض لوگ ان مواضعات معافی میں سکونت پذیر بھی ہو گئے قاضی سید میر علی کی نسل میں ایک خاندان اغوانپور چلا گیا تھا۔ وہاں کا عہدۂ قضا کئی پشت تک جاری رہا اور اس خدمت کے صدقے میں بھی انکو معافیات ملیں۔

حضرت شاہ ولایت[1] کے خاندان کے علاوہ شاہان خلجی و تغلق کے عہد میں خاندان قاضی زادگان کا، خاندان حضرت ترکمان (دستار کلاں م)، خاندان ملک مجبورات و خاندان سالار ایوب وغیرہ کو اس کے عہد شاہان لودی

[1] دستار آریہ قلمی۔

سکونت میں خاندان حضرات بخشی و خاندان بنو عباس کو اور ابتدائے عہد مغلیہ میں سادات و شرفا کے دوسرے خاندانوں یعنی خاندان حضرت شاہ ابن بدر چشتی و خاندان سید محمن و خاندان مولنا سید اشرف دانشمند بزرگ کے خاندانوں کو جو وقتاً فوقتاً امروہہ میں متوطن ہوئے حسب حیثیت جائداد املاک معافی ملتی رہیں اس عہد تک عطائے معافیات کے اعتبار سے امروہہ کے سادات و شرفا کے مختلف خاندان تقریباً مساوی الحیثیت تھے۔ شہنشاہ اکبر کے عہد حکومت کے نصف آخر میں اولاد سید منتجب نبیرۂ سید عبدالعزیز بن حضرت شاہ ولایتؒ کو عطائے مناصب و معافیات کے اعتبار سے درجۂ امتیاز حاصل ہوا۔

امروہہ کی معافیات عہد مغلیہ میں

عہد مغلیہ میں امروہہ کی معافیات کی دو اقسام تھیں (۱) **سیورغال**[۱] (۲) **جاگیر**۔ سیورغال ترکی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی مدد معاش کے ہیں یہ مدد معاش حسب ذیل چار گروہوں کو دی جاتی تھی :-

(۱) علماء (۲) مشائخ (۳) غربا و بیگان (۴) سادات و شرفا۔

مدد معاش بھی دو صورتوں سے دی جاتی تھی یعنی بصورت نقد، روزینہ درماہہ اسکو **وظیفہ** کہتے تھے اور بصورت مواضعات و آراضی اسکو **ملک** کہتے تھے۔

سیورغال

علامہ ابوالفضل "آئین اکبری سیورغال" کے تحت میں لکھتے ہیں۔

"چہار گونہ مردم را بہ زمین و روزینہ کامیاب گردانند ...... نخستین آگہی جویان آباد اندیشہ کہ دست از ہمہ برگرفتہ در فراہم آوردن حقیقی علوم شب از روز نشناسند، دوم رنج کشان خویشتن گداز کہ دل بیگانہ نفس خود آراستہ از جہانیان رو برتافتہ سوم ناتوانان تہیدست کہ توانائی جستجو ندارند۔ چہارم بزرگ زادگان آزرم دوست کہ از کم

چار قسم کے اشخاص کو **زمین** اور **روزینہ** سے مدد دی جاتی ہے۔ اولاً وہ **علما** جو اور سب مشاغل سے قطع تعلق کرکے شب و روز خدمت علم میں مصروف رہتے ہیں۔ دوم **مشائخ** جو اپنے نفس کو آراستہ کرتے اور دنیا کے لوگوں سے بے تعلق رہتے ہیں۔ سوئم **غربا** (بیوگان) جو کسی کام کرنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ چہارم سادات و شرفا جو عدم

---

[۱] سیورغال بسین مہملہ مکسورہ و یائے معروف و رائے مہملہ ساکن و غین معجمہ و الف و لام ساکن در ترکی بمعنی **جاگیر** گویند۔ (عماد السعادت)

دانشی راہ پیشہ وری نسپرند - نقدرا بزبان وقت **وظیفہ** گویند وزمین را ملک و مدد معاش -

دبہ ایں عنوان کرور ہا دادہ اند و روز بروز افزودہ گردد[1]

قابلیت کی بنا پر کوئی پیشہ اختیار نہیں کرتے - نقدی کی صورت میں جو مدد ملتی ہے اسے **وظیفہ** کہتے ہیں اور زمین کو **ملک و مدد معاش** - اس طریقہ پر کروڑوں کی امداد کی گئی ہے اور روز بروز تعداد زیادہ ہے

جو املاک سیورغال کے طور سے دی جاتی تھیں ان کے متعلق یہ قاعدہ مقرر تھا کہ نصف حصہ ان کا مزروع ہوتا تھا اور نصف غیر مزروع - اور اگر سب مزروع ہوتا تھا تو چہارم حصہ کم کر لیا جاتا تھا - اس وقت حاصل اراضیات تقریباً ایک روپیہ فی بگیہ تھا - یہ اراضیات معافی کہلاتی تھیں کیونکہ ہر قسم کے محصول سے معاف اور مرفوع القلم تھیں اور ان میں اکثر "علی الدوام والاستمرار" کے طریقہ پر عطا ہوتی تھیں - امروہہ میں ان سیورغالات کی تعداد سنہ ۱۰۰۴ھ تک حسب ذیل تھی :-

سیورغال	کل جمع	تعداد بیگہ	نام پرگنہ
۹،۹۳،۳۵۸ دام مطابق ۲۴،۹۰۲-۱۵-۲ ۸/۵ روپیہ	۶۳،۲۴،۰۰۰ دام مطابق ۱،۵۸،۱۵۵۰ روپیہ	۴۲،۶۵۴	امروہہ

گویا عہد اکبری میں سادات و شرفاء امروہہ کے مختلف خاندانوں کو جو معافیات بطور سیورغال ملی ہوئی تھیں ان کی سالانہ آمدنی تقریباً ۲۵ ہزار روپیہ تھی - ان میں زیادہ تعداد سادات کی تھی[2] ہمایوں و اکبر بادشاہ کے

---

[1] آئین اکبری صفحہ ۱۴۲ - [2] صاحب آئین اکبری نے "آئین احوال دوازدہ صوبہ" کے تحت میں تمام پرگنات کی جمع' تعداد سیورغال' وغیرہ کی تفصیلات درج کی ہیں - ان تفصیلات میں جن اقوام کے زمیندار کی تعداد جس پرگنہ میں زیادہ ہے ان اقوام کا نام بھی لکھدیا ہے چنانچہ پرگنہ امروہہ کی تفصیلات میں "سادات" کا لفظ تحریر ہے - مؤلف واسطیہ نے اس کی ایک مضحکہ انگیز توجیہ یہ کی ہے کہ "قصبہ امروہہ کی زمینداری سادات کو عطا ہوئی تھی - کجا پرگنہ امروہہ اور کجا قصبہ امروہہ" - اپنی اس عجیب توجیہ کے ثبوت میں بعض دستاویزات کی نقول بھی درج کی ہیں مثلاً صفحہ ۲۰،۲۹ پر جن دستاویزوں کی نقل درج ہے ان سے بھی ان کے قول کی تائید نہیں ہوتی - "دستخط انشاں برطوامیر خالصہ شریفہ و جاگیرداراں" کے الفاظ اپنا مطلب صاف بتا رہے ہیں - خالصہ کا حق زمینداری' معافیداری' جو دہرایت و مقدمی وغیرہ کے حقوق کو تعداد میں سادات اولاد حضرت شاہ ولایت کو دیا

عکس پروانهٔ تصحیح [illegible]
مدد معاش حضرت شاه ابن [illegible]
متعلق ص ۳

عرش آشیانی

حکام [illegible] حال و استقبال پرگنهٔ [illegible] مضاف صوبه [illegible]

۸ چون [illegible] عالیشان حضرت [illegible] بقرار [illegible] در [illegible] ۹

[illegible] زمین [illegible] مدد معاش [illegible]

[illegible] وصد [illegible] اللّٰهی [illegible] مذکور [illegible]

و غیره [illegible] مسلم داشته [illegible] فرمان [illegible] و اسناد [illegible] سابق

[illegible] مذکور [illegible] حیات [illegible] قبض [illegible]

[illegible] مبارک [illegible] حسب [illegible]

[illegible] قدر سلیمان [illegible] آنحضرت [illegible]

[illegible] زمین [illegible] حسب الحکم [illegible]

[illegible] آنها [illegible] ابراز [illegible]

[illegible] حقوق [illegible] دولت [illegible]

[illegible] درین باب تاکید تمام دانسته [illegible]

[illegible] جلوس [illegible] سنه ۱۰۷۳ هجری

عہد میں امروہہ کے ممتاز علماء و مشائخ کے جو نام معلوم ہوسکے وہ یہ ہیں۔ ان کو مختلف تعداد میں آراضیات سیورغال عطا ہوئی تھیں:-

علماء:- مولانا سید عسکری و مولانا سید قطب الدین (مورث سادات محلہ حقانی) کو سات سو بیگہ و یک ہزار و یک صد بیگہ، مولانا لال محمد عباسی کو ایک ہزار ساڑھے بیگہ، مولانا ابن غازی کو صما بیگہ، مولانا عبدالملک بخشی معروف بہ حقانی صما بیگہ، مولانا عبدالغفور بخشی مولانا عبدالقدوس بخشی و قاضی الہدیہ (آخرالذکر تین اشخاص کے عطیات معافی کی تعداد معلوم نہ ہوسکی)۔ اس کے بعد مولانا سید اشرف دانشمند، مولانا سید اشرف بن سید سعید خان (محلہ لکڑہ)، مولانا محمد عباسی اور متعدد دوسرے علماء کو مدد معاش ملتی رہی۔

مشائخ:- اس عہد کے مشائخ کبار میں حضرت شاہ ابن بدر چشتی تھے۔ آپ کے مصارف کے لیے اکبر بادشاہ نے چار سو بیگہ زمین معافی بموجب فرمان مجریہ ۲۳ شہر ذیقعدہ سنہ ۹۸۳ھ دی تھی۔ اصل فرمان خاکسار مؤلف کو باوجود امکانی کوشش کے دستیاب نہیں ہوسکا۔ لیکن اس کی تصدیق حسب ذیل پروانہ تصحیحہ مجریہ عہد عالمگیری سے ہوتی ہے جس کا اس موقع پر نقل کرنا تاریخی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا:-

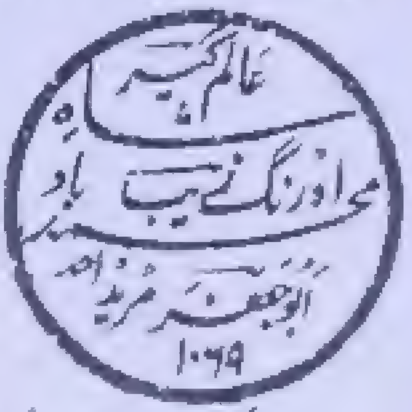

عرش آشیانی

گماشتہائے جاگیرداران و کروریان حال و استقبال پرگنہ
امروہہ سرکار سنبھل بدانند۔

کہ چوں بموجب فرمان عالی شان حضرت   از قرار تاریخ ۲۳ شہر ذیقعدہ سنہ ۹۸۳ھ

(بہ سلسلہ گذشتہ) حاصل تھے لیکن بعینہ یہی حقوق سادات و شرفا کے دوسرے خاندانوں کو بھی ملے ہوئے تھے جس کی تصدیق صدہا دستاویزات دیرینہ سے ہوتی ہے] ؎ صاحب آئینہ عباسی لکھتے ہیں کہ مولانا لال کو علاوہ چکوک دیہات چک امروہہ خاص قصبہ ایک ہزار بخشہ آراضی کا ملا اور اکثر دیہات میں املاک معافی ملیں فرمان عطیات موجود ہیں اور ان کے بیٹے عبدالحکیم کو بھی قصبہ خاص میں پانسو بیگہ بخشہ چک ملا اور ان کے بھائیوں کو املاک و چکوک دیہات میں ملے" خاکسار مؤلف کو یہ فرامین دستیاب نہیں ہوئے البتہ مولانا لال عباسی کی اپنی جائداد جس دستاویز کے ذریعہ اپنی اولاد میں تقسیم کی تھی وہ خاکسار مؤلف کے پاس موجود ہے جس میں تعداد اراضی ایک ہزار اور سات بیگہ درج ہے؛

معازی چہار صد بیگہ زمین بطناب سن در وجہ مدد معاش حضرت غفران پناہ
میاں شیخ اَبن مقرر بود مشارٌ الیہ ودیعت حیات سپرد و صدور سابق اراضی
مذکور را بر **شیخ نور محمد**[1] مشتمند وغیرہ ورثۂ مشارٌ الیہ مسلم داشتند و دریں ولا
مشارٌ الیہم با فرمان و اسناد صدور سابق حاضر آمدند و متوّلی پرگنہ مذکور تصدیق حیات
و قیام و قبض و استحقاق آنہا داد بنا بریں بندہ درگاہ بتصدق فرق مبارک
بندگان خدیو زمان و زمین حامیٔ شرع سید المرسلین سکندر قدر سلیمان آئین مؤید
ملّت خاتم النبیین خورشید نظر زمین مسطور بمشارٌ الیہم حسب الضمن
مسلّم داشتہ بتصحیح رسانید۔ می باید زمین مذکور را بہ آنہا واگذارند کہ حاصلات آنرا
فصل بہ فصل و سال بہ سال صرف معیشت خود نمودہ بہ دعاگوئی دوام دولت ابد پیوند
اشتغال داشتہ باشند دریں باب تاکید تمام دانند۔ تحریر فی التاریخ بست و ہفتم
جمادی الاوّل سنہ ۲ جلوس میمنت مانوس سنہ ۱۱۴۳ ہجری۔

حضرت شاہ وجنؒ کے فرزندان باکمال میں سے شاہ قطب الدینؒ وغیرہ کو ساڑھے ۳۳۸ بیگہ ۳ بسوہ زمین بموجب فرمان[1] ۵ جمادی الاول سنہ ۹۰۰ عطا ہوا اور شاہ نور الدینؒ کو سنہ ۱ جلوس جہانگیری مطابق سنہ ۱۰۱۵ھ میں ۲۲۵ بیگہ اراضی معافی عطا ہوئی۔ حضرت شاہ صدر الدین قدس سرہٗ کو دو سو بیگہ سنہ ۱۱۲۹ھ میں دی گئی۔ شاہ صاحب موصوف کی اولاد میں کوئی فرد اب باقی نہیں۔ اسلئے بطور یادگار ذیل میں عہد محمد شاہ بادشاہ کے پروانۂ تصحیح کی نقل درج کرتا ہوں:-

بحکم سبحانی نصرۃ الدین محمد شاہ بادشاہ غازی خلد اللہ ملکہٗ۔

جنّت مکانی

گماشتہائے جاگیرداران و کروریان حال و استقبال پرگنہ امروہہ سرکار سنبھل متعلقہ صوبہ
شاہجہان آباد بدانند کہ بموجب فرمان عالی شان عہد حضرت

---

[1] غالباً شاہ صدر الدینؒ سے مراد ہے جن کا انتقال سنہ ۱۰۰۰ھ میں ہو گیا تھا لیکن انکے ورثہ کے نام پروانہ تصحیح کی حیثیت تحریر ہوئی

عکس پروانهٔ مدد معاش شیخ صدر الدین ولد قدوة العارفین حضرت شاه یحیی مدنی چشتی

[illegible]

مرقوم بتاریخ ۲ ماہ خورداد الٰہی سنہ ۱۵ موازی دوصد بگیہ زمین بگز الٰہی از پرگنہ مذکور

درو جہ مدد معاش **شیخ صدر الدین** ولد قدوۃ العارفین حضرت **شاہ آبن**

مقرر بود بعد فوت او صدور سابق آں اراضی مذکور را بر **شیخ فتح اللہ** وغیرہ وارثان

متوفی مذکور مسلم داشتند۔ دریں ولا باخبار مخبرین معتبر بوضوح پیوست کہ آنہا حتی الحال

قائم و برار اضی مذکور قابض و متصرف اند بنابراں سقید ق فرق

مبارک بندگان خدیو جہان خداوند زمان مظہر اتم پروردگار رحمت

اعم آفریدگار حضرت اراضی مسطورہ را حسب العین

خواجہ احسن الدین صادق مرید حنیف ۱۱۵

بحال داشتہ تصحیح رسانید می باید کہ زمین مذکور را بدستور سابق از محلقدیم بشرط

قبض و تصرف آنہا واگذارند کہ حاصلات آں را صرف مایحتاج خود نمودہ بوظائف

دعاگوئی دوام دولت ابد مدت اشتغال نمایند۔ دریں باب قدغن شناسند۔

تحریر فی التاریخ بست و پنجم جمادی الثانی سنہ ۲۶ جلوس

[illegible]

حضرت شاہ محمدی فیاض جعفری قدس سرہٗ کے اخلاف میں شاہ روشن محمد مدنی کی مدد معاش کے لئے بعہد محمد شاہ بادشاہ ۱۱۳۳ھ میں پچاس ہزار دام (مساوی ۔ /۱۲۵۰ روپئے) کی املاک سرسہ خاص میں عطا ہوئی۔ اسی طرح امروہہ کے دیگر مشائخ کے خاندانوں کی مدد معاش میں املاک اور روزینہ ملتا رہا۔

روزینہ :۔ روزینہ داران کی بعض فہرستیں جو خاکسار مولف کی نظر سے گذری ہیں ان میں متعدد علماء مشائخ سادات و شرفاء کے نام ملتے ہیں۔ مثلاً علماء میں شیخ لطیف محمد رخا عالم شیوخ کوال برخوردار محمد شاہ بادشاہ علماء روپیہ اور مشائخ و سادات و شرفاء میں سے مثلاً امروہہ میں متعلقان حضرت شاہ عبد الہادی جعفری ۲۲ مولوی حکیم جلال الدین ۲ روپیہ ۔ سید جعفر شاہ ولد محمد حکیم ۱۰ سید محمد اسحق ۱ حافظ عبد الصمد ۲ ۔ مولوی عزیز اللہ (۔ /۱) سید مبارک علی شاہ پسر شاہ جعفر ولد محمد حکیم ۱ اور متعلقان شاہ محمد اعظم ۸ متعلقان محمد لطیف ۵ ۔ محمد سعید درویش ۱

خواتین سادات و شرفا

امروہہ کے سادات و شرفا کے تقریباً ہر خاندان کی خواتین کو کسی نہ کسی صورت سے مدد معاش ملتی تھی۔ انکے نام کے صدہا فرامین و پروانے خاکسار مؤلف کی نظر سے گذرے۔ مولانا سید میر علی کی والدہ، خواہر، عمہ وغیرہ کو یک صد بیگہ زمین موضع یحییٰ پور میں بعہد عالمگیر عطا ہوئی۔ چک نامہ کی نقل تاریخی دلچسپی کے لحاظ سے ذیل میں درج کی جاتی ہے:-

هو الفیاض

چک حضرت بادشاہ عالمگیر ۔۔۔ سنہ

اراضی مدد معاش موازی یکصد بیگہ زمین افتادہ لایق زراعت خارج جمع بموجب
فرمان عالی شان عہد حضرت [illegible] در وجہ معاش مسماۃ بی بی نور جہاں
وغیرہ وارثان سید میر علی در جاگیر اقبال پناہ در موضع یحییٰ پور
اند سروپ شندار (؟) تلسی داس حوطہ دار جریب کشان عالم خان در شیخ جلیلہ
سید بدہ برادر سید سلطان محمد متولی باتفاق چودھریان و قانون گویان در
موضع مذکور پیمودہ و چک بستہ دادند محدود بچہار حدود مفصلہ ذیل:-

مشار الیہا	مسماۃ بی بی خالق دی والدہ سید میر علی	مسماۃ بی بی سکی خواہر سید میر علی	مسماۃ بی بی زینب عمہ سید میر علی
۲۵ عشر	۲۵ عشر	۲۵ عشر	۲۵ عشر

(ما بیگہ)

تحریر فی التاریخ ۲۵ شہر ذی الحجہ سنہ ہجری ۱۰۷۶

اسی طرح امروہہ کی صدہا خواتین کو بالخصوص مسماۃ نجم النسا دختر مولانا ابن عباسی کو بموجب فرمان عہد جہانگیر محررہ سنہ ۱۰۲۱ھ یکصد بیگہ و مسماۃ شاہ النسا (؟) وغیرہ متعلقہ "حقائق و معارف آگاہ میاں شیخ ابو اللیث فرزندان قدوۃ العارفین (؟) حضرت شاہ [illegible] کو بموجب فرمان عہد شاہجہان مطابق تحدید سند بست و پنجم شہر جمادی الاول سنہ ۲ جلوس عالمگیری کو موازی دو صد بیگہ

اور موازی ہشتاد بیگہ زمین" باسم عصمت مآب صالحہ ساجدہ مسمات فاطمہ از نبائر قطب الحاملین حضرت شاہ ابن قدس سرہ" بموجب پروانہ مہری علی قلی خان عالمگیری بجریہ غرہ رجب المرجب ۳۵ سنہ جلوس عالمگیری" متعلقین شاہ قیام الدین محمد کو مجموعاً پانسو بیگہ بعہد عالمگیر آراضیات مدد معاش عطا ہوئیں۔

بعض خواتین کو بھی روزینہ ملتا تھا۔ مؤلف تاریخ واسطیہ کے جدامجد سید فتح مراد کی والدہ کو ۱۴/ یومیہ ان کی دو بہنوں کو فی کس ۱۴/ یومیہ بموجب فرمان مرقومہ بست وسوم شہر ذیقعدہ سنہ ۱۰۸۶ھ روزینہ ملتا تھا (یہ اصل فرمان خاکسار مؤلف کے پاس موجود ہے)۔

اسی طرح سادات وشرفا میں صدہا اشخاص کو ملک مدد معاش اور روزینہ سلطنت اسلامی سے ملا کرتا تھا۔ ملک مدد معاش علیٰ قدر مراتب مقرر ہوتی تھی جس کی مقدار حسب حیثیت وضرورت صرف دس بیگہ سے دو سو ڈھائی سو بیگہ ہوتی تھی اور روزینہ ار یومیہ سے دو تین روپیہ یومیہ تک۔ ان اشخاص کو جنھیں ملک مدد معاش عطا ہوتی تھی اصطلاحاً "یمہ دار"[1] کہتے تھے۔ عہد عالمگیری کے "یمہ داران" کی ایک تحریر کا عکس تاریخی دلچسپی کے لحاظ سے علیحدہ درج کیا جاتا ہے دستخط کنندگان میں مختلف خاندانوں کے اشخاص شامل ہیں یعنی خاندان حضرت شاہ شرف الدین ؒ خاندان عباسی، خاندان پیرزادگان اولاد حضرت شاہ ابن ؒ، خاندان بخشی، خاندان حضرات ترکمان ربڑ بگہ بیضر خاندان صدیقی وقریشی وغیرہ۔

جاگیر شاہان اسلام کے زمانہ میں عمال سلطنت اور منصبداروں کو علیٰ قدر مراتب جاگیریں عطا ہوتی تھیں؛ انکی بھی دو اقسام تھیں، ایک موقت یعنی وہ جاگیریں جو دوران خدمت میں عمال وعہدہ داران حکومت ومنصبداروں کو ان کے عہدہ ومنصب کے مصارف اور تنخواہ کے لئے دیجاتی تھیں۔ ایسے بہت سے اعلیٰ جاگیرداروں کا تذکرہ آپ پہلے پڑھ آئے ہیں جن کی جاگیر میں کل پرگنہ مرو بہ وقتاً فوقتاً شامل رہا ہے۔ دوسری وہ جاگیریں تھیں جو بصلۂ خدمات

---

[1] بعض لوگ "یمیدار" کو "آئمیدار" لکھتے ہیں لیکن یہ صحیح نہیں ہے یمہ ترکی میں خوراک و روزینہ کو کہتے ہیں۔

منصبداران اور انکی نسلوں کو بطور مدد معاش بطریق معافی علی الدوام والاستمرار عطا ہوئی تھیں یہ ساکنان امروہہ بالخصوص سادات امروہہ کی جاگیریں اسی شق دوم کی تھیں جو نسلاً بعد نسلٍ و بطناً بعد بطنٍ معافی میں دی گئی تھیں' ان کا جزوی حصہ اب بھی امروہہ کے بعض خاندانوں میں باقی چلا آتا ہے۔

امروہہ کی جاگیروں کی ابتدا شروع عہد مغلیہ سے سمجھنی چاہئے' اس عہد سے پہلے اہل امروہہ بالخصوص سادات اولاد حضرت شاہ ولایتؒ کے متعدد افراد شاہی فوج میں بہ سلسلۂ ملازمت منسلک تھے' بعض عہدۂ قضاۃ امروہہ پر مامور رہے لیکن اس زمانہ میں یہاں کسی کو کوئی بڑا منصب یا جاگیر عطا نہیں ہوئی تھی۔ امروہہ کے پہلے شخص جو اپنی ذاتی قابلیت اور سلطنت کی شاندار خدمات کی بدولت منصب جلیلہ پر پہنچے **مولانا سید محمد میر عدل** تھے۔ **میر عدل** کے بعد سنہ ۹۸۲ھ میں صوبہ بھکر (سندھ) کی **گورنری** کے اعلیٰ عہدہ پر مامور ہوئے' اسوقت ان کا منصب ہزاری[1] ذات کا تھا جو آخر عہد مغلیہ کے دہ ہزاری منصب کے مساوی بلکہ وقعت میں اس سے بھی زیادہ سمجھا جاتا ہوگا کیونکہ اسوقت عطائے منصب کے لئے ذاتی لیاقت و قابلیت شرط تھی' عہد عالمگیری کے بعد سے تو منصب رعایتی یا موروثی ہوگیا تھا۔

عہد اکبری کے منصبدار

عہد اکبری میں امروہہ کے منصبداروں کی تقریباً کل تعداد صرف ایک ہی خاندان یعنی مولانا سید محمد میر عدل' ان کے بھائی سید مبارک اور ان کے نامور اخلاف پر مشتمل تھی' بعض اور خاندانوں کے منصبدار بھی تھے مگر خال خال۔ عہد اکبری میں امروہہ کے مندرجہ ذیل اشخاص منصب دار تھے:۔

---

(۱) امروہہ کے مؤرخین نے ان کا منصب ہفتصدی لکھا ہے' آئین اکبری میں بھی یہی تعداد درج ہے لیکن تاریخ معصومی میں جو صوبہ سندھ کی تاریخ ہے اور جسکے مؤلف مولانا سید محمد میر عدل کے ہمعصر بلکہ شناسا تھے منصب کی تعداد ہزاری ذات درج ہے اور یہی صحیح ہے۔ ہزاری ذات کے منصبدار کو ۱۰۴ گھوڑے ۲۱ ہاتھی ۴۰ قطار اونٹ ۴ قطار خچر اور ۲۴ خوابہ گاڑی رکھنے پڑتے تھے جسکے مصارف تنخواہ میں آٹھ ہزار دو سو (۸۲۰۰) روپیہ ماہانہ ملتا تھا

نمبر شمار	نام	تعداد منصب	نام بادشاہ	خاندان
۱	میر سید محمد میر عدل	ہزاری ذات	جلال الدین محمد اکبر	حضرت شاہ ولایتؒ
۲	سید ابوالقاسم خلف میر عدل	پانصدی "	"	(اولاد سید عبد العزیز)
۳	سید مبارک برادر میر عدل	چہار صد و پنجاہی "	"	"
۴	سید ابوالمعالی خلف "	سہ صدی "	"	"
۵	سید ابوالحسن خلف "	دو صدی "	"	"
۶	سید عبد الواحد خلف سید مبارک	دو صدی "	"	"
۷	سید عبد الہادی " "	یکصد و پنجاہی "	"	"
۸	سید ابوالفضل خلف میر عدل	صد و بستی "	"	"
۹	سید عبد الجلیل خلف سید مبارک	صد و بستی "	"	"
۱۰	سید عبد الغفار " "	یکصدی "	"	"
۱۱	سید عبد الحفیظ " "	" "	"	"
۱۲	سید عبد الرشید " "	" "	"	"
۱۳	سید عبد المجید " "	چہار بستی "	"	"
۱۴	سید خضر (مورث سادات لکرہ)	" "	"	اولاد قاضی سید علی
۱۵	شیخ معظم صدیقی	دو صدی "	"	شیوخ صدیقی
۱۶	مولانا اللہ داد عباسی	یکصد و پنجاہی "	"	خاندان عباسی
۱۷	شیخ عبد المناف صدیقی	چہار بستی "	"	شیوخ صدیقی

عہد اکبری کے بعد سے سادات امروہہ بالخصوص اولاد سید عبد العزیز بن حضرت شاہ ولایتؒ کی اس شاخ میں جو خاندان سید نجیب بن سید بڑے سے موسوم ہے منصبداروں کی تعداد بھی زیادہ رہی اور ان میں بعض اشخاص کو اعلیٰ مناصب اور بڑی بڑی جاگیریں ملیں۔ ابتدائے عہد مغلیہ سے انتزاع سلطنت

اسلامی تک باشندگان امروہہ میں منصبداران شاہی کی مجموعی تعداد تقریباً ۲۰۰ تھی۔ اس میں صرف اولاد حضرت شاہ ولآیتؒ میں تقریباً ۱۱۶ اور سادات و شرفاء امروہہ کے دوسرے خاندانوں میں ۸۴ منصبدار ہوئے جیسا کہ حسب ذیل گوشوارہ سے واضح ہوگا۔

خاندان حضرت شاہ ولایتؒ			قاضی زادگان	دانشمندان	نقشبندیان	جرولی سادات	نوگانواں سادات	مست خانیان	پیرزادگان	کمبوہان	کوٹل ملکان	خاندان غوثان	مجموعی تعداد
مجموعی تعداد	اولاد فرزند اکبر	اولاد فرزند اصغر											
۱۱۶	۲۰	۹۶	۱۸	۱۶	۱۲	۷	۶	۷	۶	۶	۶	۱	۲۰۰

ذیل میں ہر خاندان کے منصبداروں اور جاگیرداروں کا مختصر تذکرہ کیا جاتا ہے:۔

خاندان سید محمد میر عدل۔ عہد اکبری کے منصبداروں کی جو فہرست پہلے درج ہو چکی ہے اس سے معلوم ہوگا کہ مولانا سید محمد میر عدل کے سب فرزند شاہی منصبدار تھے۔

سید **ابوالفضل** اپنے عالی منزلت باپ کے ساتھ صوبہ سندھ گئے، شاہی فوج کے سپہ سالار رہے متعدد معرکہائے جنگ سر کئے اور بعد وفات پدر بزرگوار کچھ عرصہ تک صوبہ بھکر کے **گورنر** رہے۔ ان کی اولاد میں دیوان سید ابراہیمؒ ان کے فرزند دیوان سید محمد عاقل اور ان کے فرزند سید غلام علیؒ جن کا کٹرہ مشہور ہے، نیز آخر الذکر کے فرزند سید مظہر علی خان یہ سب اپنے اپنے زمانہ میں نامور منصبدار شاہی ہوئے، بڑی بڑی جاگیریں نسلاً بعد نسل عطا ہوئیں۔

سید ابوالفضل کے دو اور بھائی سید **ابوالقاسم** اور سید **ابوالمعالی** بھی شجاعت و شہامت اور اپنے جنگی کارناموں کی وجہ سے زندۂ جاوید ہیں۔ یہ دونوں بھائی شہنشاہ اکبر کے نامور فوجی جنرلوں میں سے تھے۔ شجاعت ہاشمیؔ و جلادت حیدریؔ کے جوہر دکھائے، ان کی تلواریں کبھی بنگال میں چمکتی تھیں اور کبھی **قندھار** میں۔ کبھی **راجپوتانہ** کے معرکے سر کئے اور کبھی **بندیلکھنڈ** کے ایک ہندی دور ان دونوں کی شجاعت و شہامت اور جانبازیوں کا گزراجہ جیمل فتح سنگھ کے مقابلہ میں ان بہادر فوجی افسروں سے ظاہر ہو کر میں مشہور ہے:۔

دل وبادل گجر وگہنا فوج کا ذر نو کاٹے — عادل محمد کہا بلی سندر قاسم تسا ہے
(سید محمد میر عدل) (سید ابوالقاسم)
پڑی دھمک کے چوٹ تھر تھر کانپنے کوٹ — جائے چھپو گھر اوٹ
دشمن بچڑ کے جائے چھپو سندھ ہو دھر لاج — جس کا بند ولا او چھپا جیسے معالی قاسم باج
نارے ہم چلیں تم چلے علی خاں سلطان — معالی قاسم جب چلیں جب پچھم اُگے بان

آخری مصرعہ کا مطلب یہ ہے کہ سید ابوالقاسم اور سید ابوالمعالی کا میدان جنگ سے پیٹھ پھیرنا اسی طرح ناممکن ہے جس طرح آفتاب کا مغرب سے طلوع ہونا، کیوں نہ ہو، آخر اُسی کرّار غیر فرار کی نسل سے تھے جس کی شان میں کہا گیا ہے لَا فَتٰی اِلَّا عَلِی وَ لَا سَیْفَ اِلَّا ذُوالْفِقَار۔ سید ابوالمعالی لاولد رہے، سید ابوالقاسم کے فرزند سید محمد منعم عہد شاہجہانی میں ششصدی ذات کے منصبدار تھے[1]، سنہ ۱۰۶۲ھ میں انہوں نے لاولد انتقال کیا، ان کے ترکہ کی مالک ان کی بہن یعنی سید سراج الدین قادری سورت سادات حسنی محلہ حلیہ کی زوجہ بی بی آچھی ہوئیں۔

مولانا سید میر عدل کے خلف اکبر شاہ سید ابوالحسن بذات خود بھی منصبدار تھے اور ان کے فرزند سید عبدالخالق کی اولاد میں دیوان سید عبدالماجد شاہجہانی عہد میں ہزاری ذات چار سو سوار کے منصب پر فائز تھے، بڑی جاگیر انعام پائی، انہوں نے اپنی سکونت کے لئے ایک قلعہ بطور گڑھی تعمیر کرایا تھا جسکو ناتمام چھوڑ کر سنہ ۱۰۴۹ھ میں انتقال کیا۔ ان کے نامور فرزند دیوان سید محمود نے قلعہ کی تکمیل کی، وہ خود بھی بڑے منصبدار اور عہد عالمگیری میں صوبہ سنبھل کے دیوان اور اپنے زمانہ میں امروہہ کے سب سے بڑے جاگیردار تھے۔ دیوان سید محمود کی اولاد میں خاندانی اعزاز و افتخار کے بہت کچھ مبالغہ آمیز قصے مشہور ہیں لیکن اس خاندان کو جو اقتدار اور تفوق واقعاً حاصل تھا اس کا ذکر نہ کہیں نام نہاد "مورخین" امروہہ نے کیا اور نہ اہل خاندان کو اس کا صحیح علم ہے۔ حسن اتفاق سے خاکسار مؤلف کو دیرینہ کاغذات میں عمدۃ الملک نواب اسد خان[2] عالمگیری کی ایک تحریر دستیاب ہوئی جس سے ثابت ہے کہ

---

[1] شاہجہاں نامہ ملا عبدالحمید لاہوری و عمل صالح۔ [2] محمد ابراہیم نام، عمدۃ الملک امیر الامرا اسد خان خطاب، قلزخان ذوالفقار خان منصبدار سہ ہزاری شاہجہانی کے بیٹے تھے۔ انکے دادا کا وطن ایران تھا۔

دیوان سید محمود اور ان کے خاندان کی جاگیر میں خاص قصبہ امروہہ عرصہ تک شامل رہا۔ نواب خان اس تحریر میں اس زمانہ کے حاکم سنبھل کو لکھتے ہیں کہ کل قصبہ امروہہ چونکہ دیوان سید محمود اور ان کے خاندان کی جاگیر میں شامل ہے اسلئے قصبۂ مذکور کے کوتوال کا تقرر تم اپنی جانب سے نہ کرو اور جو تقرر غلطی سے ہو گیا ہے اسے مسترد کردو۔ یہ اصلی تحریر خاکسار مؤلف کے پاس موجود ہے کاغذ افشاں ہے اور خط شکستہ اسپر طلائی نقش ونگار ہیں۔ ذیل میں اسکی نقل اور اسکا عکس جداگانہ شایع کئے جاتے ہیں:۔

"امارت وایالت پناہ ابہت وحشمت دستگاہ اخوت وخلت انتباہ

خان عالیشان لہذا مکان — در حفظ وحمایت ایزد منان باشند

بر ضمیر محبت پذیر مخفی ومستور نماند کہ در شولا وکیل سیادت پناہ سید محمود ظاہر

شد کہ سابقاً از جہت **قصبہ پرگنہ امروہہ** از توابع سرکار سنبھل بجاگیر چند

کس تعلق داشت از طرف فوجدار سرکار مذکور کوتوال در قصبہ مزبور مقرر بود وثانی

الحال کہ **قصبہ مرقوم در نسبت بجاگیر موکل کہ مہین شہر یکنیت**

تنخواہ شد امارت پناہ **نامدار خان** کوتوال خود را از انجا بر طرف ساخت

والحال آن امارت پناہ کوتوال خود را بر خلاف معمول در آنجا تعین کردہ اند اب دار است

(بسلسلہ گذشتہ) نسباً فاطمی سید تھے' شاہ عباس صفوی نے شیعہ مذہب اختیار کرنے کے لئے اس خاندان کو اسقدر تنگ کیا کہ بالآخر ترک وطن کرکے ہندوستان آئے۔ جہانگیری دور کی آخری منزل تھی۔ محمد ابراہیم عہد شاہجہانی میں بخشی دوم تھے جب عالمگیر کا آفتاب چمکا تو چہار ہزاری منصبدار ہوئے اور ۱۰۹۶ھ رجب کو وزارت عظمیٰ کے منصب جلیلہ پر پہنچے ہفت ہزاری منصب اور عمدۃ الملک خطاب ہوا۔ تلوار اور قلم دونوں کے دھنی تھے۔ عالمگیر کو ان کی ہمراہی پسند تھی یہ وزیر اور مدار المہام ہی نہ تھے بلکہ خلوت وجلوت کے رفیق اور مہمات ملکی میں مشیر خاص بھی تھے۔ انکی سیادت وبزرگی پر شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر کا اسقدر اعتقاد تھا کہ ایک موقع پر جب مہم سر ہوئی تھی تو بادشاہ نے انہیں لکھا کہ "آں فدوی خود سید کریم النفس است اگر بحضور قلب دعا کنند گنجایش دارد" ان کا پورا خطاب تھا "نواب عمدۃ الملک امیر الامراء آصف الدولہ اسد خان بہادر

عکس تحریر عمدة الملک نواب [illegible] خان امیر الامرا

دربارهٔ جاگیر دیوان سید محمود

متعلق صـ ۲۱۳

امارت و ایالت پناه ایالت و حشمت دستگاه نصرت و جلالت انتباه

خان عالیشان بلند مکان دام ظله و جاهه [illegible]

بر ضمیر محبت پذیر مخفی و مستور نماند که درینولا دلیل [illegible] سید محمود ظاهر نمود که سابقا

از جهت قصبه [illegible] از توابع سرکار سنبهل که جاگیر [illegible] تعلق است از طرف جد او

سرکار مذکور کوتوال در قصبه مزبور مقرر بود و تا حال در قصبه مزبور در سبب جاگیر از موکل

[illegible] تنخواه شده از سرکار نامدار خان کوتوال خود را از انجا برطرف ساخت

و حال آنکه آن ایالت پناه کوتوال خود را بر خلاف معمول در انجا تعین کرده [illegible]

هر دو باب برطرف نمودن کوتوال [illegible] آن حشمت دستگاه نگاشتن باید لهذا [illegible]

چون قصبه [illegible] مزبور جاگیر موکل [illegible] تعلق دارد و امارت پناه نامدار خان سابقا

کوتوال انجا را برطرف ساخته بود [illegible] آن دستگاه [illegible] کوتوال مزبور را برطرف نمایند

زیاده چه نوشته شود [illegible] تحریر [illegible] ربیع الاول [illegible]

کہ درباب برطرف نمودن کوتوال بآں حشمت دستگاہ نگارش یابد لہذا نگاشتہ می آید

کہ چون قصبہ پرگنہ مزبور بجاگیر موکل کہ مہین شریکیست تعلق

دارد وامارت پناہ نامدار خان کوتوال آنجا را برطرف ساختہ بود آں امارت دستگاہ

نیز کوتوال مزبور را برطرف نمایند زیادہ چہ نوشتہ شود عواقب امور بخیر و خوبی مقرون باد

۱۷ ربیع الاول سنہ ۱۲ قلمی شدہ" سمہ

اس سے ثابت ہے کہ اُس زمانہ میں دیوان سید محمود کے خاندان کو خاص قصبہ امروہہ میں حاکمانہ اقتدار حاصل تھا۔ عہد عالمگیری تک کی متعدد قدیم دستاویزات خاکسار مؤلف کے پاس موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ شہر کے باشندوں کے نزاعی معاملات 'عام اس سے کہ وہ سادات و شرفا کے ہوں یا اہل حرفہ کے' اولاد شاہ ولایتؒ کے ہوں یا دوسرے خاندانوں کے' دیوان سید محمود اور ان کے اخلاف کے "چبوترہ" یعنی عدالت میں تصفیہ کی غرض سے پیش ہوتے تھے۔ گویا یہ حضرات موجودہ زمانہ کے آنریری و اسپیشل مجسٹریٹ کے فرائض بھی انجام دیتے تھے اور شہر کا انتظام بھی ان کے سپرد تھا۔

ذیل میں ایک دستاویز "صورت حال" کی نقل درج کی جاتی ہے جس سے معلوم ہوگا کہ ہر قسم کے نزاعی معاملات ابتداءً بغرض تصفیہ ان حضرات کے یہاں پیش ہوتے تھے۔ اس دستاویز میں جس معاملہ کا ذکر ہے وہ ابتداءً سید عبدالمعالی بن دیوان سید محمود کی عدالت میں پیش ہوا تھا:۔

میران سید عبدالمعالی

(مہر: الحسنی ابن سید محمود ۱۰۷۹ عبدالمعالی)

ذکر بیت در بیان آنکہ چوں سید اشرف ولد مرحومی میر سید عبدالقادر

بحضور سیادت و نقابت پناہ آمدہ

(بسلسلہ گذشتہ) فدوی خاص" عالمگیری عہد کے بعد شاہ عالم بہادر شاہ نے انہیں وکیل مطلق کا منصب عطا کیا جو وزارت عظمیٰ کے درجہ سے بڑھا ہوا تھا۔ سنہ ۱۱۲۹ھ میں بعمر نوّے سال انتقال کیا۔

لہ (صفحہ ۳۱۰) عہد مغلیہ میں ہر پرگنہ میں دو حاکم اعلیٰ ہوتے تھے۔ اندرون شہر کے حاکم کو **کوتوال** اور بیرون شہر کے حاکم کو **فوجدار** کہتے تھے یعنی موجودہ زمانہ کے سٹی مجسٹریٹ کو کوتوال کہلاتا تھا اور سب ڈویژنل افسر فوجدار۔

ظاهر ساخت که شبنداس نام کاتبه زمین سرائے بنده بدست داؤد کلال ساکن
مرادآباد فروخته است سیادت و نقابت پناه میران مزبور کاتبه
مذکور را بحضور خود طلبیدند۔ آمده رجوع شد و داؤد کلال و کشر
کلالان امرو سه دیگر همراه او آمدند چوں سیادت و نقابت پناه
میران مسطور استفسار این معنی کردند کاتبه مذکور جواب داد که درآں زمین خانه
پدر بنده و دو سه برادران دیگر موروثی بودند و بنده تا ایں مدت در لشکر بود چوں
زمین ازآن ماست فروخته ایم سید اشرف گفت که آنها همه رعیت ما بودند
سیادت و نقابت پناه میران مذکور بکاتبه مذکور حکم کردند که آں دو سه برادران
دیگر که هستند آنها نیز بیایند هرچه دعوی داشته باشند بکنند۔ کاتبه جواب داد
که آنها مردند و او لاد ایشان دو کس مانده اند در لشکر اند بنا برآں اقرار افتاد
که ایں زمین موافق شریعت غرا در بیع نمی آید تمسک که ناتحقیق و خلاف شرع
شده است آنرا پاره باید ساخت چوں داؤد کلال حاضر بود از و تمسک طلب
کردند نداد و گفت که بمرادآباد فرستاده ایم و در اینجا نیست هر چند که تاکید کردند
هرگز نداد بنابرایں چند کلمه صورت مجلس نوشته شد که تمسک موافق شریعت غرا
نامسطور و منسوخ است و سید اشرف و شبنداس و آں دو کس دیگر که در لشکر اند
جانبین در محکمهٔ عدالت العالیه رجوع شوند شخصے را که از روئے
شرع شریف حق ثابت شود بموجب سند عدالت العالیه آمده
دخل خود نماید تا زمانیکه سند عدالت العالیه کسے نیارد
جائے مسطور بدستور سابق بماند خرید و فروخت منظور نیست هر کرا از ایں حال آگاهی
اطلاع باشد در ذیل ایں گواهی خود نویسد یا نوشتن اجازت فرماید تا عندالله ماجور
و عندالناس مشکور گردد تحریر فی التاریخ ۷ ربیع المرجب سنه ۸ ھ

گواه شد [illegible]

گواه شد [illegible]

شہنشاہ اکبر کے زمانہ سے مولانا سید محمد میرعدل اور سید مبارک ان دونوں بھائیوں کی اولاد کو حق زمینداری خالصہ و آبادی شہر کا حاصل تھا۔ شہر کی آبادی کے متعلق یہ تصریح بھی کر سادات و شرفا کی املاک کے علاوہ بازاروں، سرایوں اور میلوں وغیرہ کا حق زمینداری ان کا سمجھا جائے۔ یہ حقوق اس خاندان کو روہیلوں کے زمانہ حکومت تک بدستور حاصل ہے۔ نواب دوندے خاں کے حسب ذیل پروانہ سے اس بیان کی تصدیق ہوتی ہے:۔

نقـــــــــــــل

پروانہ بمہر خان صاحب دوندے خان بہادر آنکہ

متصدیان مہمات حال و استقبال قصبہ امروہہ سرکار سنبھل مضاف صوبہ دارالخلافہ شاہجہان آباد بدانند چوں ارث زمینداری خالصہ و آبادی شہر بہ نبائران میر سید محمد (میرعدل) و میر سید مبارک مغفور و مبرور است وہمیشہ بہ امور متعلقہ مداخلت نشد معزالیہا قائم و مستحکم ماندہ

لہ مؤلف تاریخ واسطیہ نے صفحات نمبر ۲۹،۲۸ پر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ یہ حق زمینداری تمام سادات اولاد شاہ ولایتؒ کو حاصل تھا اور یہ کہ "اولاد شاہ ولایتؒ نے قوم تگا کو اس شہر (امروہہ) کی حکومت و ریاست و دیگر تعلقات وغیرہ سے بشجاعت و دلاوری خارج کر دیا اور خود ان کے جملہ تعلقات و زمینداری شہر و مکانات مسکونہ پر حسب الحکم بادشاہ وقت قابض و متصرف ہوئے۔ سلطان وقت نے زمینداری شہر و جملہ تعلقات آنکا سادات موصوف کو عطا و مرحمت فرمایا اور قوم تگا کو مقام امروہہ سے مطلقاً نکال دینے کا حکم جاری فرمایا" یہ بیان محض لغو و مہمل ہے۔ حضرت شاہ ولایتؒ کی امروہہ میں تشریف آوری بلکہ آپ کی ولادت سے بھی تقریباً نصف صدی پیشتر سے اس شہر پر مسلمانوں کا پورا تسلط و قبضہ تھا اور مسلمانوں کے مختلف خاندان یہاں آباد تھے۔ البتہ عہد اکبری اور اس کے بعد پرگنہ امروہہ کی اراضیات خط و غیرہ کی طواریخیں کا غذات حساب و تحفظ کرنے کا حق جملہ زمینداران کو جن میں زیادہ تر اکثر خاندان کی تھی حسب ضابطہ حاصل رہا ہے۔ اس سے شہر امروہہ کے حق زمینداری سے کوئی واسطہ و تعلق نہیں۔

گا ہے غیر دخیل نشدہ حالاہم بدستور قدیم تعلقات زمینداری معزالیہا بحال و مسلّم
داشتہ باید کہ از فیمابین بحصہ نصفا نصف شوہا در ترکہ وراثت دخیل بودہ بہرچہ از محصول
والواب زمینداری حاصل شود موافق حصہ مسطور مہد بانیدہ باشند واحدے درامور متعلقہ
مشارالیہا تعرض بیجا نرساند و سند مجدد نطلبند و دریں باب تاکید دانستہ حسب المسطور
بعمل آرند۔ تحریر فی التاریخ یازدہم شعبان سنہ جلوس عالمگیر ثانی

دیوان سید محمودؒ کے سب بھائی اور ان کے سب فرزند جاگیردار و منصب دار تھے ان کی نسل میں متعدد اشخاص
نے عہد مغلیہ میں مناصب جلیلہ پائے اور بڑی بڑی جاگیریں حاصل کیں۔ بالخصوص سید یوسف علی خاں[1] بن سید
عبدالعزیز بن دیوان سید محمود مذکور محمد شاہی عہد میں ہزاری ذات چار سو سوار کے منصب دار اور خطاب خانی سے
سرفراز تھے ان کے فرزند سید عاشق علی خاںؒ بھی عہد عالمگیر ثانی میں ہفت صدی ذات پچاس سوار کے
منصبدار اور "خاں" کے خطاب سے ممتاز تھے۔ سید عاشق علی خاں کے فرزند سید عزت علی خاں بھی پانصدیذات[2]
کے منصبدار ہوئے۔ اسی طرح اس خاندان کے دیگر اشخاص یعنی سید حسن علی خاں بن سید یوسف علی خاں
مذکور اور سید رحم علی خاں بن سید عبدالعزیز خاں مذکور اور سید غلام شرف الدین بن سید عبدالباری بن
دیوان سید محمودؒ نامور منصبدار تھے' بڑی بڑی جاگیریں اس خاندان کو ملیں۔

سید شاہ ابوالحسن بن سید محمد میر عدل کی اولاد میں بھی متعدد اشخاص جاگیردار و منصبدار ہوئے۔
ان کے فرزند سید عبدالواسع خود بھی ذی اقتدار اور شاہی منصبدار تھے' ان کے اخلاف میں بھی
بعض اشخاص مثلاً سید کرم علی خاں جاگیردار و منصبدار تھے۔ سید عبدالواسع کے دوسرے بھائی
سید عبدالہادی باوجود امارت فقیر منش تھے ان کی اولاد میں سید عبدالرزاق جن کے نام

---

[1] درسطیہ میں ان کا منصب دو صدیذات تحریر ہے غالباً مؤلف درسطیہ کو انکے فرامین و کاغذات دیکھنے کو نہیں ملے
خاکسار مؤلف کے پاس انکے اصلی فرامین منصب موجود ہیں جن سے منصب کی صحیح تعداد معلوم ہوتی ہے۔

[2] انکا منصب درسطیہ نے پانصدیذات لکھا لیکن یہ صحیح نہیں مؤلف مذکور نے انکے فرزند سید عزت علی خاں کا کوئی تذکرہ
ہی نہیں کیا۔ ان حضرات کے اصلی فرامین منصب خاکسار مؤلف کے پاس موجود ہیں۔

بازار رزاق موسوم ہے، جاگیردار ذی اقتدار تھے۔

خاندان سید مبارک

سید مبارک کے آٹھ فرزند تھے اور آٹھوں شاہی منصبدار ہوئے ان بھائیوں میں سید عبد الغفار سید عبد الجلیل و سید عبد الواحد اور سید عبد الہادی زیادہ نامور ہوئے۔ سید عبد الواحد اور سید عبد الہادی بعہد اکبری اپنے برادران عم زاد سید ابو القاسم و سید ابو المعالی کے ساتھ مہم بنگالہ پر متعین ہوئے تھے۔ سید عبد الہادی نے عنفوان شباب میں کارہائے نمایاں کئے، شجاعت حیدری کے جوہر دکھلائے جس کے صلہ میں منصب بڑھا اور دربار شاہی سے کلمات تحسین و آفریں سے سرفراز کئے گئے۔ فرمان مجریہ ۲۶ ربیع الثانی ۹۸۵ھ کا ایک فقرہ یہاں نقل کرنا بے محل نہ ہوگا[1]

چوں سلالۂ سلسلۂ نقویہ، زبدۂ دودۂ جعفریہ، فرد الحاضر و البادی سید عبد الہادی ولد سید مبارک بجلال اکبر تعالی و تبارک باوجود نو خاستگی کہ ہنوز بطفلی تعبیر میتوان کرد داد جلالت و مردانگی دادہ، جزائے شورہ بختی در کنارش نہادہ ذاتش کہ پنجاہی بود صدو سوار دیگر افزودہ و امید کہ بمنصب اعلی سر فراز گردد

سید عبد الہادی نے عمر کم پائی، ان کے فرزند سید راجے جو جانی بیگم دختر عیوض بیگ کے بطن سے تھے عہد جہانگیر میں پانصدی ذات کے منصبدار اور بڑے جاگیردار تھے۔ ان سے نسل نہیں چلی۔ سید عبد الواحد جو خود بھی نامور منصبدار تھے[2]

---

[1] تاریخ اصغری میں بیان کیا گیا ہے کہ قوم تگا کے راجا ساسا چاندن کو جو امروہہ کا آخری راجہ تھا، سید عبد الہادی نے کسی قصور پر بحکم اکبر بادشاہ گرفتار کرنا چاہا وہ تبر دبیش آیا اور آمادہ جنگ ہوا اور ان کے ہاتھ سے مارا گیا۔ یہ بیان محض بے اصل و بے بنیاد ہے۔ امروہہ میں عہد اکبری سے چار سو برس پہلے سے مسلمانوں کی حکومت تھی اور برابر قائم رہی۔ یہاں اس عہد میں کسی ہندو راجہ کی موجودگی ہرگز قرین قیاس نہیں۔

[2] سید عبد الہادی "کالے پہاڑ" کے نام سے مشہور تھے، کسی غیر کفو کی خاتون غالباً حبشن کے بطن سے تھے۔ بہت دراز قد و قوی الجثہ ہونے کی وجہ سے "کالا پہاڑ" مشہور ہو گئے تھے۔ بعض خاندانی تحریرات میں جو ان کے زمانہ سے بہت بعد کی ہیں ان کے نام کیساتھ "نواب" کا لقب بھی لکھا گیا ہے۔ لیکن اس خطاب کا کوئی ثبوت مجھے نہیں ملا۔

ان کے فرزند سید عبدالوارث بعہدِ جہانگیر بڑے مرتبہ پر پہنچے۔ ابتداءً سنبھل کے فوجدار رہے، پھر قنوج اور اودھ کے حاکم ہوئے۔ انھوں نے بھی عالمِ جوانی میں انتقال کیا۔ ان کے چھوٹے بھائی سید عبدالباقی ان کے قائم مقام ہوئے۔ بڑی کثیر جاگیر عطا ہوئی ان کی نسل سے امروہہ میں کوئی فرد نہیں ہے۔

سید عبدالغفار کے فرزند دیوان سید محمد مختار [illegible]ھ میں دو ہزاری ذات کے منصبدار و خطاب بہادری سے سرفراز تھے۔ کثیر جاگیر انعام میں پائی۔ ان کے چار فرزندوں میں سے سید لطف علی و غضنفر علی بھی منصبدار و جاگیردار تھے، اول الذکر سے عقب نہیں۔ سید غضنفر علی کے ایک فرزند سید وارث علی اور ان کے خلف الصدق سید عبدالولی دونوں باپ بیٹے ہزاری ذات کے منصبدار و جاگیردار ہوئے۔ سید غضنفر علی کے دوسرے فرزند سید ہزبر علی تھے ان کے ایک بیٹے سید علی مرتضیٰ خاں بعہد محمد شاہ بادشاہ ہزاری ذات و خطاب خانی سے سرفراز ہوئے۔ بڑی جاگیر انعام میں پائی ان کے نامور فرزند سید علی اعظم خاں بعہد شاہ عالم ثانی گہر بادشاہ سہ ہزاری ذات و ہشت سوار کے منصب اور خطابات "بہادر" اور "خان" سے سرفراز ہوئے، پندرہ مواضعات جاگیر میں پائے۔ اور ان کے دونوں بیٹوں سید امان علی خاں و سید ضیا علی خاں کو بھی جاگیریں ملیں۔

سید علی مرتضیٰ خاں کے برادر زادہ سید محمد اسد اللہ خاں عرف میر کلو بھی اپنے زمانہ میں نامور منصبدار اور امیر کبیر ہوئے۔ شاہ عالم بادشاہ کے عہد میں ان کا منصب پنجہزاری ذات کا تھا کثیر جاگیر انعام میں ملی۔ ان کے آٹھ فرزند تھے جن میں سے تین بھائی یعنی سید بدرالدین عرف میر لبا ان جن کے نام پر لبا اون گنج منسوب ہے۔ سید ظہور اللہ اور سید نعیم اللہ بھی شاہی منصبدار ہوئے ان کے اور بھائی بھی جاگیردار تھے۔ اس خاندان میں اور اشخاص مثلاً سید شجاعت علی بن سید ہزبر علی کی اولاد میں مولوی سید منور علی اور سید فضل علی عرف کلو میاں منصبدار و جاگیردار تھے۔

سلہ صاحب تحفۃ الاخبار نے ان کا منصب شش ہزاری ذات اور صاحب منوری نے دو ہزاری ذات لکھا ہے جو صحیح نہیں ان کا منصب حقیقتاً سہ ہزاری ذات تھا۔

سعید اعظم علی خان اور سید محمد اسد اللہ خاں عرف میر کلو اپنے زمانہ میں امروہہ کے مشہور اور ممتاز امرا اور بڑے جاگیرداروں میں سے تھے۔ ان کی نسل کے بعض افراد کے پاس اب بھی جزری جاگیر باقی ہے۔

خاندان قاضی سید امیر علی

حضرت شاہ ولایت کے دلد اکبر قاضی سید میر امیر علی کی نسل میں ابتدا ہی سے زیادہ تر مشائخ اور علما و فضلا ہوتے رہے جنھیں طبعاً نہ ملازمت شاہی کی خواہش ہوتی ہے اور نہ مناصب و جاگیروں کے حصول کی آرزو۔ عہد اکبری میں البتہ سید خضر منصبدار ہوئے، صوبہ مالوہ اور سرکار سنبھل میں جاگیر ملی۔ اس خاندان کی دوسری شاخ دیوان سید منجھو اور ان کے اخلاف میں دیوان سید سعید خاں یہ سب حضرات شاہی منصبدار و جاگیردار تھے۔ ان کی نسل میں سید محمد منور اور ان کے فرزند سید محمد شاکر، سید ابدال محمد اور سید عظمت اللہ جاگیردار و منصبدار تھے۔ اول الذکر دونوں حضرات باوجود امارت کے فقر کی جانب مائل تھے۔ سید ابدال محمد کو نواب دوندے خاں اپنا پیر کہتے تھے۔ ان کے فرزند سید نفیس احمد و سید عطا احمد وغیرہ اور ان کے برادر زادگان بھی موروثی منصبدار و جاگیردار رہے۔

خاندان قاضی زادگان

شاہان تغلقیہ کے زمانہ سے اس خاندان کے متعدد اشخاص امروہہ کے قاضی کی حیثیت سے جو اس زمانہ میں ایک معزز جو ذمہ دار عہدہ تھا نسلاً بعد نسل صاحب منصب و جاگیردار ہوتے رہے۔ اس خاندان کی دوسری شاخوں میں قاضیوں کے علاوہ اور بھی چند اشخاص شاہی منصبدار و جاگیردار ہوئے لیکن نہ کوئی بڑا منصبدار ہوا اور نہ کوئی جاگیر ملی۔[1]

---

[1] سید رحیم بخش مؤلف واسطیہ نے جو اسی خاندان قاضی زادگان کی ایک شاخ سے اپنا سلسلہ نسب متصل کرتے ہیں اپنے خاندانی حالات کا تذکرہ بڑے شد و مد اور بہت تفصیل کے ساتھ کیا ہے لیکن افسوس ہے کہ جابجا شدید غلط بیانیاں کی ہیں۔ یہ غلط بیانیاں اگر غلطیوں ہی کی حد تک محدود ہوتیں تو نظر انداز ہونے کے قابل تھیں، لیکن جس شخص نے شہر اور اہل شہر کے تاریخی حالات قلمبند کیے ہوں وہ اگر قصداً اور عمداً غلط بیانی کا

خاندان لوگیاں

اس خاندان میں صرف چھ اشخاص منصبدار ہوئے جن میں سید عبدالرسول عرف میراں خاں ۔ پنجہزاری ذات کے منصبدار اور بڑے جاگیردار تھے ۔ ان کے برادرزادہ سید غلام محی الدین بھی دوہزاری ذات کے منصبدار ہوئے ۔ اور اشخاص کو بھی جاگیریں ملیں ۔

(بقیہ نوٹ صفحہ ۳۱۷) مرتکب ہو تو مقتضائے انصاف وصداقت یہ ہے کہ اس کی غلط بیانیوں بلکہ دروغ بافیوں کے "بیت عنکبوت" کا تار و پود بکھیر دیا جائے ۔

پہلی غلط بیانی ۔ مولف واسطیہ نے اپنی تالیف کے تقریباً ۲۶ صفحات خاص اپنے خاندانی حالات میں رنگے ہیں، ان میں انہوں نے اپنے خاندان کے عروج، امارت و ریاست کی جو حکایتیں درج کی ہیں ان سے مجھے مطلق سروکار نہیں، مثلاً وہ صفحہ ۲۲۶ پر ارقام فرماتے ہیں کہ "اس محلہ (صابون گراں) کو میراں سید یعقوب (رنے)، کہ جو بزمانہ سلطان ابراہیم لودھی و ظہیرالدین بابر بادشاہ میں بڑے عالی منزلت والا مرتبت منصبدار ذی اقتدار گزرے ہیں، آباد کیا تھا، محلات، بنگلے بنائے جو دربار کے نام سے مشہور رہے، یا مثلاً "دیوان خانہ عالی شان" کی "کوٹھریوں کا چھجہ سنگ سرخ کا تھا" و "پیش آں چبوترہ کرسی دار" تھا۔ اور "زیر چبوترہ ایک باغیچہ درختاں بہار بیلوار و اشجار میوہ دار ذائقہ دار" سے "مزین و تعمیر کرایا"۔ مجھے اس سے ہرگز انکار نہیں کہ صاحب تاریخ واسطیہ کے بزرگوں نے جو محلات یا عالی شان دیوانخانے تعمیر کرائے" ان کی کوٹھریوں کا چھجہ سنگ سرخ کا "تھا یا" زیر چبوترہ" کوئی باغیچہ "درختاں بہار بیلوار و اشجار میوہ دار ذائقہ دار" سے "مزین و تعمیر" کرایا تھا یا ان کے بزرگوں میں کوئی صاحب سید سعادت اللہ نام "میراں" یا "دیوان" کے لقب سے ملقب نہ تھے۔ اگرچہ اس لقب کا کوئی ادنیٰ ثبوت بھی انہوں نے پیش نہیں کیا۔ تاہم مجھے ان میں سے کسی بات سے انکار نہیں البتہ صفحہ ۲۳۳ پر جو وہ ایک شخص سید سعادت اللہ کے منصب و جاگیر کا ذکر کرتے ہیں جنہیں وہ اپنے اجداد میں بتاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ سید سعادت اللہ مذکور عالمگیری عہد میں کسی لڑائی میں مارے گئے۔ تو ان کا "منصب و جاگیر بنام اشخاص دیگر تبدیل و تعمیر ہوگیا مگر تنخواہ سی ویک روپیہ سہ پاؤ روپیہ

خاندان سادات جڑودیہ

ان میں بھی تقریباً چھ منصبدار تھے۔ سید رفیع الزماں خاں ولد سید عمر بعہد شاہ عالم عالی گہر بادشاہ یک ہزاری ذات کے منصبدار اور خطاب سے سرفراز ہوئے معقول جاگیر معافی میں ملی۔

(بقیہ نوٹ صفحہ ۳۱۸) سید سعادت اللہ موصوف کی وراثت بنام سید لطف اللہ وغیرہ پنج سالہ و شش سالہ پسران عنایت اللہ موصوف (؟) و بی بی رحمت جہاں و بی بی صاحبنی دختران سعادت اللہ و بی بی پیاری زوجہ" کو بموجب "فرمان والا شان مذکورہ بالا مورخہ ۱۹ سنہ جلوس مقدس" ملی۔ یہی نیز اسی سلسلہ میں صفحات ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸ پر جو "فرمان عطیہ عالمگیر اورنگ زیب بادشاہ" کی جو نقل شائع کی ہے اور اس فرمان میں بھی یومیہ مذکور کی تعداد سی و یک روپیہ و سہ پاؤ تحریر کی ہے اس کے تسلیم کرنے سے انکار او قطعی انکار ہے۔ کیونکہ یومیہ مذکور کی تعداد کے اظہار میں انہوں نے قصداً غلط بیانی کا ارتکاب کیا ہے یہ تعداد ہرگز نہ تھی بلکہ صرف ۱۲ ؍ یومیہ تھی۔ لفظ سی کا اضافہ صاحب واسطیہ کے قلم صداقت رقم کا ایک ادنےٰ کرشمہ ہے۔ آپ یہ خیال نہ فرمائیں کہ شاید یہ کتابت کی غلطی ہو کیونکہ اول تو کتاب کے آخر میں جو نو صفحات کا صحت نامہ شامل کیا گیا ہے اس میں کہیں اس کی تصحیح نہیں کی گئی حالانکہ صفحہ ۲۴۸ پر جہاں اس فرمان کی نقل درج ہے وہاں کتابت کی ایک اور غلطی کی توضیح دی گئی ہے لیکن لفظ سی جس کا دو جگہ سے رقم ہندسہ کے اضافہ کیا گیا ہے، اسے بدستور رہنے دیا گیا ہے۔ اس سے صاف طور سے ظاہر ہے کہ یہ کتابت کی غلطی نہیں بلکہ یہ کارروائی عمداً کی گئی ہے۔ واقعہ صرف اتنا تھا کہ امروہہ کے ایک شخص سید سعادت اللہ نام جنہیں صاحب واسطیہ اپنا جد اعلیٰ بتاتے ہیں، عالمگیری عہد میں فوج شاہی میں ملازم تھے ان کے حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ معمولی سپاہیوں کے زمرہ میں منسلک تھے کسی لڑائی میں جو شاہی فوج اور افغانوں کے مابین ایک پہاڑی (یعنی کتل) پر جو "کتل خیر الدین" یعنی خیر الدین کی پہاڑی کہلاتی تھی، واقع ہوئی تھی، مارے گئے۔ مقتول نے ایک زوجہ، دو بیٹے جن کی عمریں چھ اور پانچ سال کی تھیں اور دو بیٹیاں وارث چھوڑے۔ جیسا کہ اس زمانہ میں عام قاعدہ تھا مقتول کے ورثہ کا روزینہ مقرر ہوا یعنی آٹھ آٹھ آنے یومیہ ان دو خورد سال بچوں کے نام اور چار چار آنے فی کس زوجہ اور دونوں بیٹیوں کے نام یعنی کل

خاندان نخشبی

اس خاندان میں تقریباً ۱۲- اشخاص منصبدار ہوئے جن میں خواجہ احمد خاں و خواجہ خیر اللہ خاں زیادہ نامور تھے - انہیں بھی معقول جاگیریں ملیں -

---

(بقیہ نوٹ صفحہ ۳۱۹) ۱۲؎ یومیہ - جس فرمان کے ذریعہ یہ روزینہ مقرر ہوا تھا اور جس کی نقل صاحب واسطیہ نے بڑے طمطراق کے ساتھ صفحات ۴۲۶ و ۴۲۷ پر درج کی ہے وہ اصل فرمان خاکسار مولف کو دستیاب ہو گیا ہے اور یہ یقیناً وہی فرمان ہے جو صاحب واسطیہ کے زیر تصرف رہا ہے کیونکہ اس میں جہاں جہاں ۱۲؎ کی رقم درج تھی اس کو چاقو سے چھیل دیا گیا ہے لیکن چھیلنے والے نے ہوشیاری سے کام نہیں لیا کیونکہ فرمان مذکور کی عبارت کے تحت میں ۱۲؎ یومیہ کی جو تفصیل درج ہے اس کو مٹایا نہیں گیا جس سے یومیہ مذکور کی تعداد صاف طور سے معلوم ہو جاتی ہے اور شاید اسی بنا پر صاحب واسطیہ نے بھی اس تفصیل کو اپنی کتاب میں درج کرنا پسند نہیں کیا اور صرف یہ کہہ دینے پر اکتفا کیا کہ "اور نیچے اس کے تقسیم سہام درشار اور پشت پر نو مہریں تصدیق اہلکاران مع عبارت تصدیق ثبت ہیں" جی ہاں نو مہریں تو پشت فرمان پر ضرور ثبت ہیں لیکن سوال یہ ہے کہ آپ نے فرمان مذکور کی نقل تو اپنی کتاب میں درج کرنا ضروری سمجھی اس کی کل عبارت بھی نقل کر دی اور "سی و یک روپیہ و سہ پاؤ" کی تعداد بھی لکھ دی اور "تقسیم سہام" سے بھی ناظرین کتاب کو مطلع فرمانا ضروری سمجھا تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ پھر تفصیل کیوں نہ درج فرمائی؟ کیا جس طرح لفظ سی کا اضافہ آپ نے اپنی عالی ہمتی سے کر دیا تھا "تقسیم سہام" نہیں کر سکتے تھے؟ معلوم ہوتا ہے کہ صاحب واسطیہ کو "فن تاریخ" کے سوائے فن ریاضی میں ایسی کوئی مہارت حاصل نہیں تھی بہرحال تاریخ واسطیہ کے ناظرین کی اطلاع کی غرض سے مولف واسطیہ کی فروگذاشت کو خاکسار مولف پورا کرتا ہے۔ تحت فرمان حسب ذیل تفصیلات درج ہیں :-

۱۲؎ بلا قصور

عشاء اللہ ـــــــــ مسماۃ ـــــــــ

وغیرہ پسران ـــ [illegible] ـــ پیاری منکوحہ

نفران ـــ عہ ـــ اسامی ـــ ۱۲؎

خاندان دانشمند

اس خاندان میں تقریباً ۱۶ اشخاص منصبدار و جاگیردار ہوئے جن میں سید تاج محمود خاں و سید محمد فیاض مناصب جلیلہ پر ممتاز تھے۔ بڑی بڑی جاگیریں حاصل کیں۔

(بقیہ نوٹ صفحہ ۳۲۲) موسیٰ الیہ — پسر مشارٌ الیہ

۶ سالہ ۸ر ۵ سالہ ۸ر

مسماۃ — مشار الیہ — مسماۃ

رحمت جہاں وغیرہا دختران دواسی ۴ر صاحبنی ۴ر

اور اگر حسن اتفاق سے یہ اصل فرمان خاکسار مولف کو دستیاب نہ ہوتا تب بھی مولف واسطیہ کی یہ کارستانی اہل نظر سے پوشیدہ نہیں رہ سکتی تھی۔ ۱/۳ ۱۲ روپیہ کے حساب سے روزینہ کی ماہوار مقدار لعایۃ ۹۵ را ور سالانہ رقم اعسائۃ ۱۱۴۰ ہوتی ہے۔ سالانہ رقم کی یہ تعداد ایسی ہے کہ اس عہد میں امرو تبہ کے کسی بڑے سے بڑے جاگیردار کی سالانہ آمدنی بھی اتنی نہ تھی۔ عالمگیری عہد سے تقریباً ایکصدی بعد سید علی اعظم خاں کو حسن خدمات میں جو جاگیر عطا ہوئی تھی جس میں پندرہ مواضعات شامل تھے اسکی مجموعی آمدنی صرف سالانہ ۳۳۴ تھی گویا ان بچوں اور ایک خاتون کے روزینہ کی مجموعی سالانہ رقم کے ثلث سے بھی کم! یا بالفاظ دیگر سید علی اعظم خاں، سید محمد اسد اللہ خاں عرف میر کلو اور ان ہی جیسے ایک ادھ امیر کبیر کی جاگیروں کی مجموعی آمدنی جناب مولف واسطیہ کے اجداد میں سے چھ سالہ و پنج سالہ دو لڑکوں، ان کی دو بہنوں اور ان کی ماں کی مدد معاش میں محض اس لئے مقرر کر دی گئی تھی کہ اس خاندان کا روزی کمانے والا جو معمولی سپاہی تھا کسی لڑائی میں مارا گیا تھا!!

یہ ہے مولف واسطیہ کی صداقت بیانی اور تاریخ نویسی کی حقیقت!! ؏

اتنی سی بات تھی جسے افسانہ کر دیا

دوسری غلط بیانی۔ مولف واسطیہ نے اپنے خاندانی شجرۂ نسب میں سید سعادت اللہ مذکور کے سید عنایت اللہ ایک فرزند قائم کر کے ان کے دو بیٹے سید لطف اللہ اور سید فتح مراد ظاہر کئے

(بقیہ نوٹ صفحہ ۳۲۱) پس حالانکہ محولہ بالا فرمان سے بخوبی ثابت ہے کہ سید لطف اللہ مذکور سید سعادت اللہ مذکور کے پوتے نہیں بلکہ بیٹے تھے (ملاحظہ ہو حصہ سوم) بہرحال وہ ان سید لطف اللہ کے بھائی سید فتح مراد کو اپنا جد امجد بتاتے ہیں اور ان کے متعلق ص۲۳ پر یہ ارقام فرماتے ہیں کہ "ممدوح عہد بادشاہ عالمگیر اورنگ زیب میں بڑے عالی مقدرت والا منزلت منصبدار تھے" اس کا ثبوت وہ اسی صفحہ پر ان الفاظ میں پیش کرتے ہیں کہ "موصوف اپنے زمانہ مقدرت و منصب میں احکامات اپنے بنام اہلکاران شاہی جاری کرتے تھے" اس کے ثبوت میں وہ فرماتے ہیں کہ "چند پروانے ان کے حکمی مولف (یعنی سید رحیم بخش مولف واسطیہ) کی نظر سے گزرے ہیں" چنانچہ اس سلسلہ میں ص۲۳ پر "نقل پروانہ بحکم سید فتح مراد بن سید عنایت اللہ" کے عنوان سے ایک تحریر کی نقل بھی درج کی ہے جو ۲۵ بیگہ اراضی کی واگذاشت کے متعلق ہے جو ان کی جاگیر کے ایک موضع میں شامل تھی اور جو اس زمانہ کے دستور کے مطابق انہوں نے اپنے کارندوں کے نام لکھی تھی۔ اس زمانہ میں یہ عام دستور تھا کہ جو مواضعات کسی جاگیردار کی جاگیر میں شامل ہوتے تھے ان میں اگر دوسرے اشخاص کی اراضیات ملک مدد معاش و سیورغالات عطیہ شاہی بھی پہلے سے شامل ہوتی تھیں یا بعد میں دی جاتی تھیں اور ان کے متعلق کوئی نزاع ہوتا یا جاگیردار کے کارندے ان پر قبضہ کر لیتے تو یہ جاگیردار ان کے ادائے محاصل یا واگذاشت کے متعلق تحریر دیتا تھا جس کی عبارت حسب دستور مقرر تھی۔ سید فتح مراد کے حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کوئی بڑے جاگیردار نہ تھے اور نہ بقول مولف واسطیہ "ممدوح عالمگیر کے بڑے عالی مقدرت والا منزلت منصبدار" تھے بلکہ برخلاف اس کے شاہ عالم بہادر شاہ کے عہد کے معمولی جاگیردار تھے۔

ان کی جاگیر کے موضع کالی سیت میں "مستحقان و سادات آگاہ شاہ قیام الدین محمد درویش" کے خاندان کی کسی خاتون کی ۲۵ بیگہ زمین عطیہ شاہی بھی شامل تھی۔ اس اراضی کے متعلق سید فتح مراد مذکور اس تحریر میں جسے صاحب واسطیہ نے بڑے جلی الفاظ میں "نقل پروانہ بحکم سید فتح مراد" تحریر کیا ہے "اپنے

آپ کے فرزند باکمال شاہ نورالدینؒ کچھ عرصہ سرکار سنبھل کے عہدہ صدارت پر ممتاز رہے۔ ان کے پوتے شیخ محمد عاشق بھی جزو صدر تھے۔ آپ کے دوسرے فرزند شاہ احمدؒ کی اولاد میں کئی اشخاص

(بقیہ نوٹ صفحہ ۳۲۲) کارندوں کو لکھتے ہیں کہ :-

"مشیخت پناہ شیخ علی محمد و شیخ فقیر عالم کو معلوم ہو کہ موازی ۲۹ بیگہ زمین جو حقائق و معارف آگاہ، شاہ قیام الدین محمد درویش کے گھرانے کی بعض مسماۃ کے نام بموجب پروانہ صدر حکام سابق موضع کالی آیٹ میں مقرر تھی اب کچھ مدت سے موضع مذکور اینجانب کی جاگیر میں شامل ہے ابتداءً دو تین فصلوں تک یہ زمین بے کاشت پڑی رہی اور پھر چند فصلوں سے اس زمین کی آمدنی بیوہ وارہ مزبورہ کو نہیں پہنچی اس میں خلل واقع ہوا۔ اس لئے تمہیں لکھا جاتا ہے کہ اینجانب کی اس تحریر کے مطابق اس اراضی کو ان کے حق میں واگذار کردو"۔ الخ

بلفظ بلفظ ترجمہ ہے اس پروانہ کا جسے صاحب واسطیہ نے بڑے طمطراق سے اپنی کتاب میں نقل کیا ہے مگر اس میں انہوں نے اپنی صداقت کا یہ عبرتناک ثبوت پیش کیا ہے کہ "حکام سابق" کے بجائے قصداً اور عمداً "حکم سابق" کے الفاظ تحریر کردئے ہیں۔ یہ بھی حسن اتفاق سمجھئے کہ سید فتح مراد مذکور کی یہ اصل تحریر اور یقیناً وہ ہی تحریر جو صاحب واسطیہ کے زیر تصرف رہی ہے، خاکسار مولف کو دستیاب ہو گئی ہے۔ اس تحریر میں جہاں "بموجب پروانہ صدر حکام سابق" کے الفاظ تحریر ہیں وہاں یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ یہ تحریر صاحب واسطیہ کے جد امجد کا پروانہ اور حکم ہے لفظ حکام کے آخری حصہ یعنی ک ا م کی جگہ کاغذ میں سوراخ کر دیا گیا ہے مگر یہ کارروائی بھی ایسے بھونڈے طریقہ سے کی گئی ہے کہ پڑھنے والا "حکم" کے بجائے اصلی لفظ "حکام" ہی کو پڑھے گا اور اگر یہ لفظ بالکل ہی مٹا دیا جاتا تب بھی اس تحریر کی عبارت ایسی نہیں ہے کہ کوئی پڑھا لکھا شخص "حکام" کے بجائے "حکم" پڑھ سکے مولف واسطیہ نے شاید اسی طرح اپنے ناظرین کتاب اور اہل شہر کو بھی فارسی زبان سے ناآشنا سمجھ لیا تھا کہ "بموجب پروانہ صدور حکام سابق" کے بجائے "حکم سابق" مہمل الفاظ کو کوئی نہ پہچان سکتا۔ پیرہ ارد

صاحب منصب وجاگیر ہوئے یعنی شیخ محمد شاکر بن شیخ ولی محمد بن شاہ احمد مذکور اور ان کے فرزند شیخ رحمت اللہ عرف شیخ بدھا بن شیخ محمد شاکر مذکور ان حضرات کے فرامین واسناد جن سے

(بقیہ نوٹ صـ۳۲۳) "مزبلہ" کے الفاظ صاف بتا رہے ہے کہ یہ زمین عطیہ شاہی تھی۔ صاحب واسطیہ کا مبلغ علم شاید اتنا نہ تھا کہ ترکی زبان کے لفظ یمہ دارہ کے معنی سمجھ سکتے!

ایک اور جگہ یعنی صـ۳۲۴ پر شاہ قیام الدین محمد درویش کے خاندان کا تذکرہ کرتے ہوئے صاحب واسطیہ نے پھر اسی "پروانہ" کا ذکر کیا ہے اور یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے کہ سید فتح مراد جن کو وہ اپنے اجداد میں بیان کرتے ہیں، اتنے بڑے جاگیر دار تھے کہ دوسروں کی مدد معاش میں اراضیات عطا کرتے تھے اور ان کے احکامات "بنام چودھریان ومتصدیان وقانون گویان حال و استقبال" جاری ہوتے تھے۔ حالانکہ یہ بیان ان کا محض لغو اور بے اصل وبے بنیاد ہے۔ لیکن اس سلسلہ میں مولف واسطیہ نے حضرت شاہ قیام الدین محمد رحمۃ اللہ علیہ کے خاندان کا تذکرہ جس طریقہ پر کیا ہے وہ نسلی تعصبات کا نتیجہ ہے۔ شاہ صاحب ممدوح کا خاندان قوم کلال میں شامل تھا، وہ بذات خود اپنے زمانہ کے عمائد میں سے تھے۔ عہد عالمگیری میں مراد آباد کے عہدہ محتسب پر فائز تھے طبیعت کا رجحان فقر کی جانب تھا، یہ معزز عہدہ ترک کرکے درویشی اختیار کر لی تھی۔ آپ کا مفصل تذکرہ حصہ دوئم میں ملاحظہ ہو۔ اس خاندان کے دیرینہ کاغذات سے معلوم ہوتا ہے کہ تمول اور تعزز کے اعتبار سے مولف واسطیہ کے خاندان کے مقابلہ میں یہ خاندان کسی لحاظ سے کم نہ تھا لیکن مولف واسطیہ نے جس پیرایہ میں اس خاندان کا تذکرہ کیا ہے وہ افسوسناک ہے مثلاً صـ۳۲۴ پر وہ لکھتے ہیں کہ شاہ قیام الدین محمدؒ کو "کچھ روزینہ برائے مدد خرچ ملتا تھا" روزینہ کی تعداد نہیں لکھتے، پھر فرماتے ہیں "ایک ملک تعدادی ۲۵ بیگھہ اراضی واقع موضع کالی لیٹ .... حسب پروانہ بمہر سیادت فتح مراد" مقرر تھی یہاں تعداد اراضی ظاہر کرتے ہیں لیکن چند سطروں کے بعد "ایک ملک واقع موضع بھوجپور" کا ذکر کرتے ہیں تو اراضی کی تعداد کا مطلق حوالہ نہیں دیتے۔ کیوں؟ محض اس لئے کہ یہ اراضی ۲۵ بیگھہ نہیں بلکہ ۵۰ بیگھہ تھی۔ روزینہ کی تعداد اس لئے نہیں بتاتے کہ ان کے اجداد کے روزینہ کی اصلی تعداد ۴ ؍ روپیہ

منصب کی صحیح تعداد معلوم ہوتی، باوجود امکانی کوشش کے خاکسار مولف کو نہیں دکھائے گئے۔ میراںؔ علی صاحب نے جو شیخ رحمت اللہ مذکور سے چھٹی پشت میں ہوتے ہیں، خاندان کے اور اشخاص سے تو کاغذات دکھانے کا وعدہ کیا تھا جسے وہ پورا نہ کر سکے لیکن خاکسار مولف جب انکی خدمت میں حاضر ہوا تو کاغذات کے تلف ہو جانے کا عذر فرمایا۔ بہر حال شیخ رحمت اللہ مذکور کی بعض تحریرات خاکسار مولف کے پاس موجود ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ اور ان کے پدر بزرگوار اور ان کے بھائی شاہی منصبدار و جاگیردار تھے۔ یہاں دو تحریروں کی نقول اور ایک کا عکس شائع کیا جاتا ہے۔

(بقیہ نوٹ صفحہ ۳۲۴) اس خاندان کے یومیہ کی تعداد زیادہ تھی۔ وہاں پانچ اشخاص کو عہ یومیہ ملتا تھا۔ جسے صاحب واسطیہ نے ہ/۱۲ یومیہ کر دکھایا تھا اور یہاں تنہا ایک شخص کو عہ لللہ روپیہ یومیہ ملتا تھا۔ اس حرکت سے مولف واسطیہ کا مطلب دوسرے خاندانوں کی تنقیص یا ان کی کم مائیگی کا اظہار ہے۔ اور اپنے خاندان کا فرضی و مصنوعی بلکہ جعلی اعزاز و اکرام، مگر مثل مشہور ہے کہ دروغ کو فروغ نہیں۔ مولف واسطیہ نے مکڑی کے جالے کے مانند اپنے پندار میں دروغ بافی کا ایک "بیت عنکبوت" تیار کیا تھا "اوھن البیت لبیت العنکبوت"، مکڑی کی طرح انہوں نے بھی کیسے کیسے زاویے، دائرے اور بیل بوٹے بنائے تھے جنہیں صداقت کی ایک ہی پھونک نے ھباءً منثورا کر دیا۔ الحق یعلو ولا یعلی۔

مجھے افسوس ہے کہ اس موقع پر یہ بحث چھیڑنی اور ناظرین کو یہ بے مزہ داستان سننی پڑی لیکن ان واقعات کا اظہار اس لئے ضروری تھا کہ جو شخص اپنے خاندانی حالات کے اظہار میں قصداً وعمداً غلط بیانی کا ارتکاب کرتا ہے، لوگوں کو غلط واقعات باور کراتا ہے، کاغذات کے نقل کرنے پر جعلی کارروائیوں تک سے پرہیز نہیں کرتا اسکی تالیف، جو شہر اور اہل شہر کے تاریخی حالات میں ہو کہاں تک قابل اعتبار و اعتماد ہو سکتی ہے؟

نقل اقرارنامہ اقراری شیخ رحمت اللہ وغیرہ نبیرگان حضرت شاہ ابن بدر چشتی قدس سرہٗ

سید علی مرتضیٰ خاں احد ۱۱۲۵

ولی محمد ابن شیخ محمد شاکر احد

اقرار معتبر شرعی کرد مخبر باسم ونسب خود مسمی شیخ رحمت اللہ و شیخ لطف اللہ ابنائے شیخ محمد شاکر بن شیخ ولی محمد ابن شاہ احمد بن حضرت شاہ ابن بدر چشتی قدس سرہ) ساکن قصبہ امروہہ تابع سرکار سنبھل فی حال صحیح اقرار مے بریں وجہ کہ شیخ پیرو شیخ عبد الرحمن دما مقران ہر چہار برادران عینی باخودہا مشترک بود بعقد عنان وبعد فوت مشار الیہما ما مقران باخودہا ہماں عقد شرکت عنان مقرر داشتیم کہ ہر یک ازما..... است وخرج خوراک وپوشاک وشادی وغمی ہمہ مشترک است وانچہ از جنس اسلحہ ودواب ظروف وفروش وزمین وسکنائی وباغات وغیرہ از جنس عروض عقارات از مبلغ آمدنی تحصیل مواضع جاگیر اینجانب بموجب تمسکات باسم ہر یکے ازمایان دیا باسم دیگر یعنی جیو دیعنی ان کے والد شیخ شاکر کہ والی وکیل مطلق اند الطرف مایان زر خرید دگروی باشد ہمہ مشترک علی السویہ باشد ما مقران ہمہ زرخرید وگروی را باخودہا قسمت بالمناصفہ کردہ بگیریم دما وارے کرداہہائے جاگیر بنام کسے ازمایاں بحال ومسلم باشد ہمہ شرکت عنان ہائی است بنابراں ایں چند کلمہ بطریق اقرار نامہ شرکت عنان نوسیالیدہ تا ثانی الحال عند الحاجت سند گردد تحریر فی التاریخ چہارم شہر ربیع الثانی ۱۱۲۰ھ

اس تحریر سے ثابت ہے کہ شیخ محمد شاکر اور ان کے بیٹے جاگیر دار تھے۔ دس سال کے بعد جب شیخ لطف اللہ کا انتقال ہو گیا اور صغر سن فرزند عزیز اللہ عقب چھوڑا تو شیخ رحمت اللہ نے حسب ذیل تحریر بطور محلکہ لکھی اس تحریر میں انہوں نے صاف طور سے اپنے کو منصبدار

عکس محلکہ نوشتہ شیخ رحمۃ اللہ بن شیخ محمد شاکر نبیرہ حضرت شاہ ابن اللہ رح

حکام شیخ رحمت الله متصدیان سرکار دار الامان سرهند [illegible] هزار دام
از پرگنه [illegible] سرکار [illegible] شیخ لطف الله برادر حقیقی
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
عمارات [illegible]
[illegible] شیخ لطف الله [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] دار الاسلام [illegible]

در سرکار والا لکھا ہے :۔

نقل اقرارنامہ اقراری شیخ رحمت اللہ منصبدار شاہی

سید علی مرتضیٰ خاں احمد ۱۱۲۵

ولی محمد ابن شیخ محمد شاکر احمد

منکہ شیخ رحمت اللہ منصبدار سرکار والا ام چون مبلغ نود ہزار دام از پرگنہ امروہہ وغیرہ سرکار سنبھل کہ از انتقال شیخ لطف اللہ برادر حقیقی بندہ کہ در مابیا سئے ور آمدہ بسبب صغر سن عزیز اللہ پسر متوفی بجاگیر بندہ درگاہ تنخواہ

رحمت اللہ

شدہ لہذا نوشتہ میدہم واقراری نمایم کہ ہرگاہ عزیز اللہ مذکور جوان وقابل نوکری سرکار والا باشد دامہائے مذکورہ برائے تنخواہ مرمی الیہ بلاحجت وحیلہ گذاشت نمایم ومادامے کہ دامہائے مذکورہ بجاگیر بندہ تنخواہ است آنچہ کہ از تحصیل مبلغ جاگیر از عروض وعقارات خریدہ نمایم نصفی ازآں من باشد ونصفی ازآں عزیز اللہ مذکور قسمت کردہ بدہم وچنانکہ شیخ لطف اللہ مذکور شریک عنان من مقر بود ہمچناں عزیز اللہ مذکور قائم مقام پدر خود شریک عنان من مقر باشد وخبر خوراک وپوشاک وشادی وغمی ذمہ بندہ است بنا برآں ایں چند کلمہ بطریق مچلکہ نوسیانیدہ دادہ شد تا سند باشد۔ تحریر فی التاریخ ہشتم شہر رجب المرجب سنہ ۴ جلوس والا مطابق سنہ ۱۱۲۶ھ

شیخ رحمت اللہ کے انتقال کے بعد ان کے فرزند شیخ محمد حسین بھی جو میر سہادن کے علم بزرگوار تھے جیسا کہ حسب ذیل اقرارنامہ نوشتہ شیخ عزیز اللہ بن شیخ لطف اللہ سے ثابت ہے جاگیر دار تھے۔ اس اقرارنامہ پر سید مصطفیٰ علی رسید شجاعت علی ساکنان محلہ گذری و سید عنایت غوث کی مہریں بطور شاہد ثبت ہیں :۔

نقل اقرار نامہ شیخ عزیز اللہ بن شیخ لطف اللہ

منکہ شیخ عزیز اللہ ولد شیخ لطف اللہ ساکن قصبہ امروہہ ام چوں بدعوی محال
پدر خود کہ بجاگیر شیخ رحمت اللہ واز محال شیخ رحمت اللہ بجاگیر شیخ
محمد حسین پسرش تنخواہ شدہ با شیخ محمد حسین مذکور مناقشہ داشتم درینولا بحسب
صلاح سادات عظام و مردم مصلحین بتراضی طرفین صلح کردم از دعوی مذکورہ بر فصلانہ
مبلغ چہل وہشت ونیم روپیہ کہ نصف آں بست وچہارم وپاؤ روپیہ از محصول موضع یعقوب پور
علہ پرگنہ امروہہ محال جاگیر مشار الیہ من ابتدائے فصل ربیع پارس ئیل ۱۱۵۲ فصلی پس بعد
ازیں تاریخ ہیچ حقے ودعوے بندہ بوجہے من الوجوہ بابت جاگیر بذمہ شیخ محمد حسین
مذکور نیست ونماندہ اگر احیاناً درصورت وصول فصلانہ مذکور دعوی نمایم باطل گردد انچہ از وجہ
فصلانہ من ابتدائے فصل مذکور بگیرم وانچہ بابت درماہہ نفایت حال از مشار الیہ گرفتہ ام
واپس دہم وبشرط وصول فصلانہ مذکور از دعوی مذکور ابرا کردہ ام درصورت عدم وصول
فصلانہ ابرا نامعتبر دعوی بندہ باقی باشد ودرصورت وصول فصلانہ ابرار بندہ صحیح است
دعوی باقی نیست بنا بریں ایں چند کلمہ بطریق سند نوشتہ دادم تا ثانی الحال
حجت گردد تحریر فی التاریخ غرہ شہر ربیع الثانی سنہ بیست ونہم از جلوس میمنت مانوس مطابق ۱۱۵۰ھ
غرضیکہ حضرت شاہ احمد بن حضرت شاہ آبن بدر چشتی کی اولاد میں یہ سب اشخاص منصبدار
وجاگیردار رہتے۔

حضرت شاہ آبنؒ کے تیسرے فرزند شاہ قطب الدین کی اولاد میں شیخ عبد الباری
بن شیخ عبد الوالی حسب فرمان مجریہ یکشنبہ شہر ربیع الاول سنہ ۳ جلوس مطابق ۱۱۲۶ھ یکصدی
ذات کے منصب وجاگیر پر سرفراز ہوئے اس فرمان میں جو خاکسار مولف کے پاس موجود ہے انکے
نام کے ساتھ یہ الفاظ تحریر ہیں "شیخ عبد الباری ولد شیخ عبد الوالی عموزادہ شیخ رحمت اللہ

ولد شیخ محمد شاکر از بندہائے چوکی خاص بمنصب یکصدی ذات سرفراز باشد" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ رحمت اللہ مذکور عرصہ دراز سے منصب دار اور غالباً کسی اعلیٰ منصب پر سرفراز تھے اس زمانہ میں یہ بھی دستور تھا کہ جس شخص کو جدید منصب ملتا تھا اس کے عطائے منصب و جاگیر کے فرمان پر کسی دوسرے منصب دار کی ضمانت بھی درج ہوتی تھی۔ سید شیر زماں ولد سید محمد خواہرزادہ سید علی مرتضیٰ خاں (مورث خاندان گھڑیا والے) کے منصب کی سند پر بضامنی شیخ رحمت اللہ بن محمد شاکر تحریر ہے۔ یہ بھی ایک اور ثبوت اس امر کا ہے کہ شیخ رحمت اللہ کسی اچھے منصب پر ممتاز تھے۔ ان کے برادر حقیقی شیخ پیر بن شیخ محمد شاکر بھی بڑے جاگیردار تھے اپنے خاندان کی ایک خاتون کو انہوں نے ۹ رجمادی الاول ۳۰؁ جلوس عالمگیری میں اپنی جاگیر میں سے للعہ بیگہ زمین مدد معاش میں دی تھی۔

خاندان صدیقیاں الملقب بہ میرزا

اس خاندان میں چار پانچ اشخاص منصبدار و جاگیر دار ہوئے۔ شیخ محمد فاضل عہد عالمگیر میں یکصد و پنجاہی ذات کے منصبدار تھے۔ ان کی نسل میں شیخ غلام قلندر کو میر ابوالفضل کا خطاب ملا۔ شیخ جلال الدین ابن شیخ کمال الدین پانصدی ذات پنجاہ سوار کے منصب دار و جاگیر دار ہوئے۔ ان کے علاوہ شیخ معظم بعہد شہنشاہ اکبر صدیقیوں کی دوسری شاخ میں منصبدار و جاگیر دار تھے۔

خاندان عباسی

اس خاندان میں سوائے مولانا الہداد عباسی کے جو عہد اکبری کے نامور منصبدار تھے اور کوئی شخص صاحب منصب و جاگیر نہیں ہوا۔ مسٹر نیول مؤلف ڈسٹرکٹ گزیٹیر ۱۹۰۴ء بہ خان عباسی کے تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ

"حافظ عبداللہ کے فرزند ابوالمکارم (شہنشاہ) اورنگ زیب کی فوج میں بھرتی ہوئے۔ یہ مشہور و معروف لشکری جو "جاں نثار خاں" کے خطاب سے زیادہ مشہور ہیں ۱۰۷۶ھ میں شہزادہ معظم کی فوج میں منسلک رہے

دس سال بعد راجپوتانہ کی ایک مہم میں کارنمایاں کئے اور باغی شہزادہ مسمی شہزادہ اکبر کی فوج کو جو تعداد میں بھی زیادہ تھی شکست دی تب وہ (یعنی ابوالمکارم) جلوے طراز میں داخل ہوئے۔ اس کے بعد ۱۶۸۸ء میں قلعہ گوالیار کے قلعہ دار ہوئے اور پھر ۱۶۹۰ء میں خاندیس (یعنی برار) کے گورنری کے عہدہ پر سرفراز ہوئے چونکہ وہ مذہباً سنی تھے اسلئے سادات بارہہ سے ان انزاع ہوا جس کی بنا پر انہیں ۱۷۱۲ء میں اپنے عہدہ سے دستکش ہو کر خانہ نشین ہونا پڑا۔ ان کے فرزند علی اکبر یا کامیاب خاں اور رمضان علی یا داراب خاں حملۂ نادر شاہ کے بعد امروہہ میں سکونت رکھتے تھے۔ موخرالذکر البتہ ملک بنگال کی ایک لڑائی میں مارے گئے''۔

خاکسار مؤلف کو تاریخ نویسی میں اگر صداقت بیانی مطلوب نہ ہو اور جو عبرت آموز مثال مولف واسطیہ نے قائم کی ہے صرف اسی کی تقلید کی جائے تو اپنے خاندانی حالات کے تذکرہ میں کم از کم سرزمین امروہہ پر ہی بغداد کا افسانہ کہن تو ضرور دہرا دینا چاہیے تھا۔ لیکن میں نے بتوفیق ایزدی راست بیانی کو اپنا مسلک قرار دیا ہے۔ مسٹر نیول کی مندرجہ بالا عبارت نقل کر دینے کے بعد خاموش رہنا بھی راست بیانی و صدق مقالی کے مذہب میں گناہ سمجھتا ہوں۔ مندرجہ بالا اقتباس میں ابوالمکارم عباسی کے جو حالات اور کارنامے بیان کئے گئے وہ قطعاً غلط اور بے بنیاد ہیں۔ معلوم ہوتا ہے مسٹر نیول کو کسی نے غلط معلومات بہم پہنچائیں۔ جن خواجہ ابوالمکارم المخاطب بہ جاں نثار خاںؒ کا تذکرہ مستند کتب تاریخ میں ملتا ہے جن کے فرزندوں کے نام داراب خاں و کامیاب خاں ہیں وہ بالکل جدا شخص دہلی کے باشندے تھے اور وہ ابوالمکارم عباسی جن کے فرزند علی اکبر و رمضان علی تھے قطعاً دوسرے شخص امروہہ کے باشندے اور غالباً

سلہ مآثر الامرا۔

معمولی اہلکار شاہی تھے۔ اس ثبوت میں متعدد دیرینہ کاغذات خاکسار مولف کے پاس موجود ہیں۔

اس میں کلام نہیں کہ امروہہ کے خاندان عباسیہ کے مورث اپنے عہد کے ممتاز علماء میں سے تھے۔ علماء کے طبقہ کو طبعاً نہ حصول مناصب کا شوق ہوتا ہے اور نہ وہ ترک علمی دوسرے مشاغل اختیار کرنے کا محرک۔ ابوالمکارم عباسی کے اجداد میں مولانا اکبر ان کے فرزند مولانا احمد اور مولانا احمد کے فرزند ملا صدرالدین عباسی یقیناً اپنے زمانہ کے عالم فاضل تھے لیکن ہر عالم و فاضل کے لئے یہ ضروری نہ تھا کہ وہ بادشاہ یا شاہزادگان کا استاد و اتالیق بھی ہو۔ جہاں تک تاریخی حالات کے تجسس اور دیرینہ کاغذات سے معلوم ہو سکا ان سب حضرات کا قیام امروہہ میں رہا۔ ممکن ہے کہ مولانا احمد اور ان کے فرزند ملا صدرالدین عباسی القبول ڈسٹرکٹ گزیٹیر "عہد جہانگیر و شاہجہاں میں شاہزادگان بنی تیموریہ کے اتالیق ہوں" لیکن دیرینہ کاغذات سے اس کا کوئی ثبوت نہیں ملا۔ البتہ صاحب آئینہ عباسی و صاحب تاریخ اصغری کے بیان کے مطابق مولانا ابن عباسی شاہزادگان تیموریہ کے اتالیق تھے۔ ان کے اخلاف میں مولانا احمد، مولانا عبدالصمد و مولانا فتح محمد بھی دربار شاہی سے منسلک رہے۔ لیکن عہد شاہجہانی کے بعد سے اس خاندان کے علماء کا افادہ درس زیادہ تر امروہہ میں جاری رہا اس زمانہ میں بھی حضرات مسلمانان امروہہ کے دینی مقتدا و پیشوا اور مرجع انام تھے۔ سلطنت اسلامی ان کے اخراجات کی کفیل تھی۔ جس کے ثبوت میں متعدد فرامین اور پروانے خاکسار مولف کے پاس موجود ہیں خاکسار مولف کے اجداد میں مولانا عنایت اللہ اور ان کے فرزند مولانا عبدالرحیم پرگنہ بھوگپور عرف جلال پور میں بعہد فرخ سیری و محمد شاہی معزز عہدوں پر مامور رہے ان کو، ان کے ورثا اور ان کے خاندان کی بعض خواتین کو املاک اور جاگیر پرگنہ مذکور میں ملی۔ اس خاندان کی دوسری شاخوں میں بعض اشخاص معلمی کا پیشہ بھی کرتے تھے جو دور انحطاط و تنزل میں مکتب کے "میاں جی" کے درجہ تک پہنچ گیا تھا اور آج ان کی اکثر نسلوں میں وہ حالت بھی باقی نہیں ہے۔

سلہ آئینہ عباسی صلا ۔ تاریخ اصغری صفحہ ۱۶۹

"دادا کو دیکھا عالم و فاضل تھے مستند
پوتے سے پوچھتے ہیں تو حرف آشنا نہیں"

صاحب تاریخ اصغری لکھتے ہیں کہ[1]

"اکثر لوگ اس خاندان کے صاحب علم اور لائق ہوتے رہے اور بیشتر سادات امروہہ نے ان سے پڑھا لکھا ہے"

دیوان سید محمود اور ان کے سب فرزند مولانا عبد الرشید اور ان کے خاندان کے شاگرد تھے۔ دیوان سید محمود کے اخلاف کی متعدد تحریریں خاکسار مولف کی نظر سے گذری ہیں۔ جن میں ان حضرات کو جا بجا "پیر و مرشد" "قبلہ دو جہاں" وغیرہ القاب سے مخاطب کیا گیا ہے۔ ذرا اس زمانہ کے استاد و شاگرد کے تعلقات کا اندازہ حسب ذیل تحریر سے کیجئے جو سید علی[2] بن دیوان سید محمود نے اپنے استاد مولانا عبد الرفیق عباسی کے مشاہرہ کے متعلق اپنے کارندوں محمد شریف و گنج بہاری کے نام تحریر کی ہے۔ آج بیسوی صدی کے مہذب زمانہ میں اسکول و کالج کے تجربہ پروفیسر و کی ماتحت ان کے شاگردوں کے عقیدت و خلوص کی ایسی کتنی مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں!

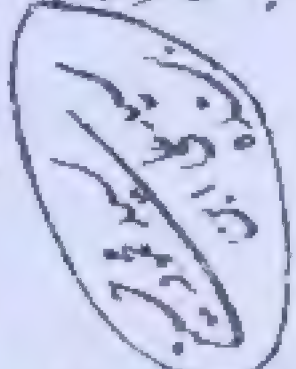

"مشیخت مآب محمد شریف و خیر اندیش گنج بہاری بعنایت و التفات امیدوار گشتہ بدانند کہ چوں برات مولانای محمد رفیق مخدوم زادہ از برات مخدومی مولوی اخوند جیو علیحدہ نمودہ بلا توقف و اہمال میرسانیدہ باشند کہ شہور الخیر ایشاں و رضامندی اینجانب درین معنی است البتہ یک ہزار البتہ برات ایشاں بلا اہمال رسانند کہ تمام رضامندی اینجانب درین است و تعجب تمام دست داد کہ در وصول برات ایشاں تغافل نمایند می باید کہ از ہمہ بیشتر ایشاں را دادہ تا دیگرے را بدہند عجب است پیر و مرشد و استاد

---

[1] تاریخ اصغری صفحہ ۱۰۴ [2] ان کا نام تاریخ واسطیہ نے عدم مبالاۃ کی بنا پر ترک کر دیا سید محمود کے جس فرزند کا نام سید معالی درج کیا ہے ان کا صحیح نام سید عبد المعالی تھا۔

بایاں رائی فہمند دریں صورت زیادہ از زیادہ قلمی میگردد کہ سعادت دارین خود انگاشتہ خدمت ایشاں را صلاح دولت خود دانستہ بلا توقف رسانند رضامندی ایشاں مین رضامندی اینجانب دانند وپٹی موضع نوراممن پور کہ در تنخواہ حضرت قبلہ اخوند جیو مطابق طلب مقرر ساختہ برات مولانای محمد رفیق مخدوم زادہ علیحدہ میرسانیدہ باشند دریں باب تاکید تمام دانستہ دانحراف نورزند تحریر فی التاریخ غرہ شعبان المعظم ۱۱۱۵ھ

خاندان شرفائے کمبوہ

خاندان ساکن محلہ صدو کے بزرگوں میں نامور طبیب اور منصبدار وجاگیردار ہوئے۔ حکیم قوام الدین خاں منصبدار پانصدی ذات عہد محمد شاہ اور ان کے دونوں فرزند حکیم رضی الدین خاں وحکیم امام الدین خاں بھی جاگیردار و منصبدار تھے۔ حکیم امام الدین کا منصب یک ہزار وپانصدی ذات اور حکیم الملک خطاب تھا ان کی اولاد میں بھی بعض اشخاص منصبدار وجاگیردار ہوئے۔

دوسرا خاندان ساکنان محلہ شاہی چبوترہ ہے۔ ان میں بھی کئی خاندان ہیں جن کے بزرگ وقتاً فوقتاً امروہہ میں توطن پذیر ہوئے ایک خاندان دائم خاں ہمادینی دیوان محمد عاقل خاں عالمگیری کا تھا ان میں حکیم منصور علی خاں ولد محمد مسعود تھے ان کے اخلاف کو معقول جاگیریں ملیں۔ دوسرا خاندان فاخر علی خاں بن دیوان محمد عاقل خاں عالمگیری کا ان میں بھی منصبدار وجاگیردار ہوتے۔ ان کے علاوہ خاندان محمد محتشم خاں وغیرہ میں بھی بعض اشخاص صاحب جاگیر ہوئے۔

شرفائے کلال

ان میں درویش علی خاں منصبدار پنجہزاری عہد فرخ سیری کا خاندان ہے۔ ان کو بہت بڑی جاگیر پرگنہ امروہہ سنبھل وغیرہ میں عطا ہوئی تھی۔ ان کے اخلاف میں بھی دو دو ہزاری وہزاری ذات کے منصبدار وجاگیردار ہوئے۔ غدر ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ میں اس خاندان کی جاگیریں ضبط ہوگئیں +

معافیات کی نوعیت

سادات و شرفائے امروہہ کو جو اراضیات سیورغال و مواضعات جاگیر شاہان مغلیہ کی جانب سے عطا ہوئے ان کا بیشتر حصہ علی الدوام والاستمرار کے طریقہ پر دیا گیا تھا۔ جن فرامین و اسناد کے ذریعہ یہ عطیات شاہی دیے گئے ان کی عبارت خود اس امر کی بیّن دلیل ہے کہ یہ معافیات جن خاندانوں کو عطا ہوئیں تھیں ان کی اور ان کی نسلوں کی دائمی پرورش و مدد معاش ان سے مطلوب تھی فرامین میں اس کی صراحت کی گئی تھی کہ یہ عطیات صرف اس شخص اور اسکی اخلاف کی مدد معاش کے لئے ہیں اور ہر طرح کے تغیر و تبدل سے "مصئون و محروس" اور ہر قسم کے محصولات سے "معاف و مرفوع القلم" ہیں۔ مثلاً یہاں اس قسم کے فرامین کے ایک فقرہ کا نقل کرنا بے محل نہ ہوگا۔

"باید کہ فرزندان نامدار کامگار والاتبار و وزرائے عالی مقدار و حکام کرام و عمال کفایت فرجام و متصدیان مہمات دیوانی و متکفلان معاملات سلطانی و جاگیرداران و کروریان حال و استقبال ابداً و مؤبداً و استقرار و استمرار ازیں حکم مقدس و معلّی کوشیدہ دہہائے مواضعات مرقومہ را نسلاً بعد نسلٍ و بطناً بعد بطنٍ خالداً و مخلداً بتصرف آنہا واگذارند و از عوارض تغیر و تبدل مصئون و محروس داشتہ بعلت پیشکش صوبہ داری و فوجداری و مال وجہات و سائر اخراجات مثل تمغلہ و محصلانہ و داروغانہ و ضابطانہ و شکار و بیگار و دہ نیمی و مقدمی و صدہ دوئی و قانون گوئی مزاحم و معترض نشوند و از کل تکالیف دیوانی و مطالبات خاقانی معاف و مرفوع القلم شمارند"

اسناد خمسہ

سلطنت مغلیہ کے بعد جو جو حکومتیں اس علاقہ پر قائم ہوئیں ان سب نے ان معافیات کو بدستور برقرار و بحال رکھا۔ یعنی روہیلہ حکومت، سلطنت اودھ و حکومت برطانیہ۔ معافیات کی بحالی کے متعلق مختلف حکومتوں نے جو اسناد

وقتاً فوقتاً دیں وہ یہ ہیں (۱) پروانہ بجانب نواب علی محمد خاں۔ (۲) پروانہ منجانب نواب دوندے خاں وفرزندان (۳) سند منجانب نواب شجاع الدولہ بہادر (۴) سند منجانب نواب آصف الدولہ بہادر (۵) سند منجانب نواب وزیر الممالک بمہر مسٹر بالفور مرقومہ ۱۷۹۴ء۔ ان پانچ اسناد کو "اسناد خمسہ" کہا جاتا ہے۔

روہیلوں کی حکومت نے ابتداءً امروہہ کی جاگیروں پر ملازمان و متصدیان حکومت کی تنخواہوں کا بار ڈال دیا تھا لیکن **دوندے خاں** کے حسب ذیل پروانہ کے بموجب سادات و شرفائے امروہہ کی جاگیریں واگذار کی گئیں:-

نقل

پروانہ بمہر خان عالی شان دوندے خاں بہادر آنکہ

معتمد الخدمت محمد دیندار در پناہ الٰہی باشند۔

دریں ولا کہ دیہات امروہہ واجب پور جاگیر سادات وغیرہ سکنہ امروہہ و بارہہ کہ بعلت اجارہ و تنخواہ ساہوکاراں و متصدیان وغیرہ بآں معتمد الخدمت تفویض یافتہ بود چوں پاس خاطر سادات بہمہ وجوہ منظور ماست جمیع دیہات جاگیرات دائمہ ایشاں را واگذاشت نمودہ شد و در مقدمہ اجارہ وغیرہ سادات معزالیہا را تنگ نگردانیدہ در آنچہ بہبود خودہا دانند بعمل آرند از سرکار بوجہے من الوجوہ تعرض و مزاحمت آں متعہدات نیست لہٰذا قلمی می‌گردد کہ بمجرد وصول پروانہ آں معتمد الخدمت از دیہات جمیع سادات وغیرہ بابت پرگنات مذبورہ بعلت مرقومات مزاحمت ننمودہ در تصرف جاگیرداران واگذارند و اگر احیاناً بہ کسے عنوان عذر درمیان خواہ آمد و در حق خود بہتر نداند، رضا نامہ سادات نویسانیدہ بحضور ابلاغ دارند، دریں باب تاکید دانند زیادہ۔

نواب وزیر الممالک کی جانب سے بھی ۱۲۰۲ھ میں جو آخری پروانہ واگذاشت جاگیرات واملاک معافی کے صادر ہوا اس کی نقل ذیل میں درج کیجاتی ہے :۔

رفعت و عوالی پناہ مہدی علی خاں محفوظ باشند۔

جاگیرات دیہہ سادات و شرفائے امروہہ کہ از عہد نواب صاحب غفراں مآب نیاز مقرر و معاف و مرفوع القلم است بدستور سابق معاف دانستہ نائبان مال و سائر امروہہ تقید نمایند کہ خلاف معمول از جاگیرات دیہہ مذکور تعرض نہ نمایند۔ موافق معمول گذشتہ و پیوستہ بعمل آوردہ از پروانجات علیحدہ علیحدہ اسم باسم تکرار وحجت نیارند واز دستکاب واخذ بہنیث و فرمائشات دیہات را خراب و ویراں نسازند و اظہار مخالفان و غرض گویان بنوع نباید نمود۔ دریں باب تقید مزید دانستہ حسب المسطور عمل آرند۔ دویم ربیع الاول ۱۲۰۲ھ ۔

ایسٹ انڈیا کمپنی اور معافیات کی تحقیقات

۱۸۰۱ء میں جب روہیلکھنڈ ایسٹ انڈیا کمپنی کے زیر حکومت آگیا تو دوسرے ہی سال یعنی ۱۸۰۲ء میں مسٹر لیسٹر[1] نے تمام علاقہ میں بذات خود دورہ کرکے مالیات کا جائزہ لیا اس کو بندوبست اول کہنا مناسب ہوگا۔ لیکن تھوڑے ہی عرصہ کے بعد (نواب) امیر خاں کے حملہ کی وجہ سے وہ سب انتظام درہم وبرہم ہوگیا تو ۱۸۰۳ء میں بندوبست دویم شروع ہوا جو ۱۸۰۷ء میں ختم ہوا۔ پھر تیسرا بندوبست مسٹر لائڈ[2] نے ۱۸۰۸ء میں شروع کیا جو ۱۸۱۲ء تک جاری رہا۔ اس زمانہ میں معافیات علی حالہ قائم و برقرار رہیں۔ ۱۸۱۶ء میں مسٹر انڈروز جن کو اس زمانہ کے محاورہ میں "قاضی صاحبان انگریز" سے تعبیر کیا گیا تھا بتقریب دورہ "مع صاحبزادے

---

[1] M. Leycester ، [2] M. Loyd

بستی فنشر صاحب "امروہہ آئے اور سید امان علی خاں (گھڑیال والے) کے مکان پر مقیم ہوئے، اس وقت معافیات کی تحقیقات شروع ہوئی اور "اسناد خمسہ" ملاحظہ کی گئیں۔

اس سلسلہ میں صاحب موصوف کے نائب کا مندرجہ ذیل پروانہ موسومہ سید امان علیخاں (گھڑیال والے) جن کو اس زمانہ کی تحریرات میں "نواب" کے خطاب سے مخاطب کیا جاتا تھا، دلچسپی سے پڑھا جائیگا:۔

"نواب صاحب مشفق مہربان سلامت،

وقت کوچ دائرہ دولت حضور کہ آں مہربان فرستادن مختارکار مع اسناد مقرری اقرار بالمشافہہ حضور نمودہ بودند، ہنوز کدام کس را روانہ حضور نساختند، دریں صورت کمال استعجاب است درحالیکہ آں مہربان ایں طور خلاف وعدہ نمایند پس دیگر اشخاص چرا زیادہ تر مرتکب لیت ولعل نگردند۔ لہذا نظر بہ ہرج کار سرکار قلمی میگردد کہ آں مہربان برفور ورود پروانہ کدام شخص مختارکار خود را مع اصل اسناد مقرری برائے ملاحظہ روانہ حضور سازند کہ بوا دید روانگی مختارکار آں مہربان اشخاص دیگر ہم اسناد مقرری خود ہا بحضور بگذارند و ہرج کار سرکار روند چہ۔ برائے اطلاع قلمی آمد، مرقوم بست و پنجم مارچ ۱۸۱۸ء

دستخط آر۔ ایس۔ الیگزنڈر"

غرضکہ بموجب قانون دوئم ۱۸۱۹ء معافیات کی تحقیقات شروع ہوئی، امروہہ کے معافی داروں کا وفد بمقام پانی پت نواب گورنر جنرل کی خدمت میں باریاب ہوا، بچھراؤں وغیرہ کے معافیدار شریک حال تھے، اکثر اشخاص دہلی تک ساتھ رہے۔ چنانچہ بہت سے دیہات برائے دوام واگذاشت ہوئے لیکن افسوس اس زمانہ میں معافیداروں نے عاقبت اندیشی سے کام نہ لیا اگر اسی زمانہ میں اسکی کوشش کی جاتی کہ یہ معافیات جس غرض و منشا سے شاہان اسلام نے

عطاکی تھیں اس کا ہمیشہ کے لئے تحفظ و انتظام ہو جاتا اور کوئی ایسا قانون نافذ ہو جاتا کہ معافیات بیع و شرا اور انتقال در انتقال کے انقلابات سے مستثنےٰ کردی جاتیں۔ اور جس طرح تعلقداران اودھ کے متعلق خاص قانون ہے یا پنجاب میں ایکٹ اراضیات نافذ ہے اسی طرح امروہہ کی معافیات کو جو "نسلاً بعد نسلٍ وبطناً بعد بطنٍ" کی تصریح کے ساتھ دی گئی تھیں جن کے دائمی حیثیت "حالاً و مآلاً" کے الفاظ میں بیان کی گئی تھی جن کو "عوارض تغیر و تبدل" سے مستثنےٰ "مصؤن محروس" رکھنے کی تاکید تھی جو ہر قسم کے محصولات سے "معاف و مرفوع القلم" تھیں اور جن کے عطا کرنے کی غرض و غایت یہی تھی کہ جن اشخاص نے اپنی جانبازیوں و جانفروشیوں یا کمالات اور کارناموں سے سلطنت کی خدمات لائقہ انجام دی تھیں وہ اور انکی نسلیں ان سے دائمی طور پر متمتع ہوں۔ ان کا بالآخر یہ حشر نہ ہوتا کہ قرضہ و سود در سود کی بلا میں گرفتار ہو کر ان خاندانوں سے نکلکر جن کی نسلوں کی پرورش ان سے مطلوب تھی غیروں کے قبضہ میں چلی جائیں۔

۱۹۱۱ء میں امروہہ کے جاگیرداروں نے ایک تحریر کے ذریعہ جس کی نقل ذیل میں درج کی جاتی ہے۔ باہم یہ معاہدہ کیا تھا کہ جاگیر کے فروخت کرنے کی اگر نوبت پیش آئیگی تو اپنے عزیزوں، رشتہ داروں اور خاندان کے افراد یا بدرجہ اقل اپنے ہم قوموں اور ہم وطنوں کے ہاتھ فروخت کرینگے کسی غیر اور اجنبی شخص کے ہاتھ جائیداد فروخت نہ کی جائیگی۔ اس معاہدہ پر سادات و شرفائے امروہہ میں سے اکثر جاگیرداروں کے دستخط ثبت ہیں مثلاً سید قمر علی خاں (دربار کلاں)، سید اعظم خاں (محلہ گذری)، سید دوست علی (کٹکوئی)، سید فیض احمد (لکڑہ)، وغیرہ کے نیز لالہ محکم چند قانون گوئی کے اس پر دستخط ہیں۔

عرشِ آرام گاہ

نقل

بمہر خادم شرع قاضی سید الٰہ بخش حکومت پناہ ننھے خاں و دیگر جمیع سادات و شرفا — آنکہ

ما یانکہ جمیع سادات و شرفائے منصبداراں و جاگیرداراں سکنہ امروہہ تابع سرکار سنبھل

مضاف صوبہ دار الخلافہ شاہجہاں آباد ایم چوں سررشتہ حضور معلی بعہد عہد حضرت مرزا احمد درست نماندہ و روزے بتقضائے الٰہی وفات ہر یک خواہد شد لہذا بنا بر رفع تکرار و مناقشہ یکدیگر فی مابین قرار یافتہ کہ جاگیر کسانیکہ از عہد مزبور تا حال در تصرف او ماندہ مالک است اسناد تغیری کسے سوائے گذاشت از وقت حضرت معتبر نیست، بعد متوفی وارث او بموجب دستخط حضرت قرار بالاتفاق یعنی اگر اولاد پسر و نبیرہ و اگر ایشاں نباشند پدر و الآخر شیا و برادر و اگر اینہا نباشند نواسہ و اگر ایں ہم نباشد برادر زادہ است و اگر اینہا نیز نباشد ہر کہ ذی حق و قریب تر باشد قابض و متصرف باشد و اگر بر تقدیر کسے جاگیر دار و زمیندار بسبب ضرورت جاگیر و زمینداری تعلقہ خود گذاشت و بیع و شرا کردن خواہد بدست احق و قریب خود نماید و اگر احق و قریب را مقدور نباشد بدست سادات و شرفائے ہم وطن، غرضیکہ بدست غیر و اجنبی گذاشت و بیع نسازد و شخصے کہ در اسناد تنخواہی عہد سابق شریک توجیہ بودہ دخل و تصرف نیافتہ اگر فی الحال بدعوئ شراکت توجیہ پیش آید باطل نامسموع باشد بموجبیکہ در عمل افغاناں الی آن قبضہ و تصرف شدہ آمدہ آں را تغیر و تبدل ندہند۔ دریں باب حجت و تقریر کسے پذیرا نباشد۔ تحریر بتاریخ یازدہم شہر ربیع الاول سنہ ۱۱۰۰ ہجری"

سلطنت مغلیہ کے بعد جو اور حکومتیں وقتاً فوقتاً قائم ہوئیں انہوں نے بھی ان معافیات کو بدستور بحال و برقرار رکھا۔ ایسٹ انڈیا کمپنی نے یہ علاقہ ازروئے معاہدہ حاصل کیا تھا اس لئے وہ اپنی پیش رو حکومت کے ان احکامات کی پابند تھی جو "حکام کرام و عمال کفایت فرجام و کروریان حال و استقبال" کے نام جاری ہوئے تھے اور جن کی پابندی کے لئے "ابداً و مؤبداً" کے الفاظ فرامین میں درج کئے گئے تھے اور اس پر اس کی ذمہ داری عائد ہوتی تھی کہ اس کے "استقرار و استمرار" کا لحاظ رکھتی۔ لیکن افسوس ایسی کوئی کارروائی نہیں کی گئی۔ ایسا کوئی قانون نافذ نہ ہوا اور اس کا نتیجہ وہی ہوا جو ان حالات کے اندر ہر جگہ ہوا ہے یعنی آیندہ نسلوں کی غفلت و عیش و پرستی اور نااہلی کی وجہ سے بڑی بڑی جاگیریں تباہ و برباد ہو گئیں۔ بڑے بڑے

گھرانے حرفِ غلط کی طرح مٹ گئے۔ پشتینی رئیس فقیر بے نوا ہو گئے۔ بہت سے اب نانِ شبینہ کو محتاج ہیں ؎

جن کی عمارتیں بہ فلک سرکشیدہ تھیں — نسلوں میں ان کی رہنے کا اب جھونپڑا نہیں
جن کے گھروں میں مخمل رومی فرش تھے — اب ان کے پاس بیٹھنے کو بوریا نہیں
تنور گرم رہتے تھے جن کے شبانہ روز — نوبت یہ ہے کہ چولھے پہ ان کے توا نہیں

معافیداروں اور جاگیرداروں کی تباہی

انتزاع سلطنت اسلامی کے بعد تک امروہہ کے سادات و شرفا کے قبضہ و ملکیت میں تقریباً سات سو مواضعات جاگیر و معافی میں تھے جو زیادہ تر پرگنہ امروہہ، سنبھل، رجب پور، اعظم پور، پاستہ، بچھراؤں، اسلام پور بہرو، مراد آباد، ٹھاکر دوارہ اور بجنور میں تھے تقریباً ایک صدی کے اندر اندر ان سات سو مواضعات میں سے چھ سو سے زیادہ مواضعات تو ان پاس سے قطعاً نکل گئے۔ بقیہ تقریباً سو مواضعات میں سے باستثنائے معدودے چند مسلّم مواضعات کے جزوی حصص باقی ہیں۔ ان میں بھی اکثر پر قرضہ کا بار ہے۔

معافیداران امروہہ کی جائدادوں کی تباہی کا مرقع مولف ڈسٹرکٹ گزیٹر نے ان الفاظ میں کھینچا ہے۔ [1]

> "امروہہ کے معافیدار زیادہ تر سادات ہیں ان کی جائدادیں اکثر معافیدارایاں ہیں لیکن من حیث الجماعت سادات مفلوک الحال ہیں اور یہ نتیجہ ہے اس امر کا کہ نسلاً بعد نسلٍ ان کی جائیدادیں متواتر تقسیم ہوتی چلی آتی ہیں۔ یہ لوگ تقریباً سب کے سب بہت زیادہ مقروض ہیں اور حالانکہ بہت سے سیدوں کے پاس رشتہ حیات قائم رکھنے کو بھی کافی آمدنی نہیں مگر یہ لوگ "رئیس" کہلانے کے بہت زیادہ دیوانے ہیں"

---

[1] ڈسٹرکٹ گزیٹر ص ۹۷

روسائے سادات امروہہ کی تباہی کی داستان نہایت درد انگیز اور عبرت آموز ہے۔ مال و دولت کی بہتات نے پچھلی نسلوں میں سے اکثر کو اپنے نفس میں قابلیت پیدا کرنے سے باز رکھا، جائداد کا کاروبار زیادہ تر چالاک، حریص اور خودغرض کارندوں کے ہاتھ میں رہا۔ جن اشخاص نے جاہل آناؤں کی گودوں میں پرورش پائی ہو، جو آغاز جوانی تک ان کے گھونٹے سے لگے رہے ہوں، وہ جب ترکہ پدری کے مالک ہوئے تو جو تباہی نہ آنی تھی وہ آئی اور جو نہ ہونا تھا وہ ہوا۔ کارندوں اور ملازمین نے خوب لوٹا کھسوٹا۔ بعض رؤسا کے ادنیٰ ادنیٰ ملازم، حمال اور تو ڑنے تک اپنے آقاؤں کی بدانتظامی اور بے وقوفی کی بدولت دولتمند بن گئے۔ ادنیٰ نوکروں اور خدمتگاروں کی اولاد آج رئیس، زمیندار و معافیدار ہے، اور آقاؤں کی اولاد نان شبینہ کو محتاج !
فاعتبروا یا اولی الابصار !!

امروہہ کے مسلمانوں کی جاگیروں اور جائدادوں کا کثیر حصہ ان کی غفلت، بدانتظامی فضول خرچی کی بدولت ساہوکاروں اور بنیوں کے قرضہ اور سود در سود کی بلا میں پھنس کر ضائع ہوا کسی دل جلے نے نصف صدی پیشتر کی حالت کا خاکہ ایک نظم میں کھینچا ہے جس کا پہلا مصرعہ ہے "قابض ہوئے جو ترکہ مورث پہ اک جناب" اس میں ایک نوجوان رئیس کی حالت کا اظہار کیا گیا ہے کہ عیاشی اور عیش پرستی کی فضول خرچیوں میں جب جائداد کی آمدنی کافی نہ ہوئی تو قرضہ کی فکر ہوئی۔ فن شعر کے اعتبار سے نہیں بلکہ عبرت کے لحاظ سے پڑھئے کہ کس طرح آنکھیں بند کرکے ساہوکاروں سے قرضہ لیا جاتا تھا ؎

چاروں طرف سے قرض کی ہونے لگی جو مار — تب فکر یہ ہوئی کہ کہیں سے لو اب اُدھار
بنیئے بھی ان کی فکر میں رہتے تھے تین چار — چمٹے وہ اس طرح کے کہ تو دے کے بیس ہزار

بیٹھے گھات میں تھیلوں پہ وہ اپنے پڑے ہوئے
خوش ہو کے قرض دینے کو پھر اٹھ کھڑے ہوئے

بنیئے بھی وہ کہ جن کا نہ چاٹا رہا درخت — کوڑی نہ چھوڑیں سود کی لینے کے ایسے سخت

صدہا بنے گھروں کو بگاڑا تھا ایک لخت　　　قرضہ وہ ان سے لیتا تھا اٹھے تھا جن کا بخت
ممکن نہیں تھا ان کا جو پا جائے کوئی پھیر
بچتا نہیں تھا قرضہ میں جسکو وہ لائے گھیر

بنیوں کی سمت جاتا تھا کوئی جوان کا بار　　　بٹھلا کے اس کو پوچھتے تھے ان کا تار بہار
اس طرح سے لگاتے تھے سب انکی وہ بتہار　　　جب گھر کو وہ چلا تو دیا تیل کا اچار
کہتے تھے سیکھی کبھی تم پھر بھی آئیو
(شیخ جی)
کچھ کرج لیں میاں جی تو ہم سے دلائیو
(قرض)

کچھ خرچ کی طرف سے ہوئے جبکہ پھر ملول　　　بنیہ گئے بلانے کو وہ شیخ جی جہول
لالہ بھی بیٹھے آن کے دھوتی کی جھاڑ دھول　　　یہ بولے قرض دو گے؟ وہ بولے کہ ہے کبول
(قبول)
من مانتا جو لوگے تمہیں کرج دیں گے ہم
(قرض)
وکّت کی بات کچھ نہیں جب دو گے لیں گے ہم
(وقت)

گہ آتے سیل چین کبھی لالہ خاکچند　　　لے بیٹھتے اپنے مال سے پھر قرض یہ دوچند
القصہ ان کے مال کو پہپہہ ہو گیا گزند　　　اور قرض خواہوں میں ہوئے مشہور نادہند
بنیوں کی ڈگریاں ہوئیں ہر اینٹ اینٹ پر
سود کا پھیر تو لگ گیا پیوند پیٹ پر

سادات و شرفا امروہہ

غرضیکہ امروہہ کے اکثر مسلمان جاگیرداروں کی املاک وجاگیر و جائیداد کا جزو کثیر زیادہ تر بد انتظامی غفلت مدہوشی و عیاشی کی بدولت آخر اور سود در سود کی بلا میں گرفتار ہو کران کے پاس سے نکلتا اور رفتہ رفتہ دوسری قوم کے قبضہ میں جاتا رہا۔ گذشتہ ستر اسی برس میں انتقال جائداد کی رفتار نہایت تیزی اور اسی نسبت سے ان میں افلاس و ناداری بڑھتی گئی۔ سادات و شرفا کے بعض چوٹی کے گھرانے ہمیشہ کے لئے تباہ و برباد ہو گئے۔ یہ سچ ہے کہ دولت ہمیشہ کسی قوم میں نہیں رہتی

یہ چلتی پھرتی چھاؤں ہے، آج کہیں اور کل کہیں، لیکن رونا یہ ہے کہ مال و دولت کے ساتھ ساتھ وہ اوصاف بھی رخصت ہوگئے جو کسی قوم و ملت کی قومی زندگی میں بمنزلہ روح کے ہوتے ہیں ؎

عزت غیرت بھی دلیل اپنی شرافت کی نہ مال — چھپتی ہے جس سے دولت وہ شرافت ہم میں بھی
ننگ تھا ہم کو مشقت سے نہ مزدوری سے عار — جو بزرگی تھی مشقت کی بدولت ہم میں بھی

یہ اور اس قسم کے دیگر اوصاف حسنہ ایک ایک کرکے معدوم ہوگئے۔ سیرتیں بدل گئیں، صورتیں مسخ ہوگئیں۔ اب نہ چھوٹوں میں وہ ادب باقی رہا نہ بزرگوں میں شفقت، عزیزوں میں الفت ہے نہ بھائیوں میں محبت، شریفوں میں غیرت نہ حمیت، اسلامی اخوۃ اور قومی مودۃ کا صرف نام باقی ہے، دو مسلمان ایسے کم ملیں گے جن میں بے غرضانہ خلوص و محبت ہو، اور قومی بھلائی کا ملکر کام کرسکیں، اگر میل ملاپ ہے بھی تو۔ "غرض کی تواضع غرض کی مدارا" یا یہ حالت تھی کہ ہم میں ثقہ و نیک کردار تو درکنار بداطوار و اوباش تک محبت و یگانگت کے تعلقات کو نباہتے تھے۔ مولانا حالی نے اس کا صحیح خاکہ کھینچا ہے ؎

جس سے کرتے تھے محبت بے ریا کرتے تھے ہم — جس سے ہوتی تھی شکایت برملا کرتے تھے ہم
شکوہ ہوتا تھا تو اکثر منہ پہ کہہ دیتے تھے ہم — شکر کرتے تھے تو غیبت میں سوا کرتے تھے ہم
دوست بن جاتے تھے جس سے کرتے تھے نباہ — عہد کرتے تھے تو عہدوں کو وفا کرتے تھے ہم
جن کے ہوجاتے تھے ساتھی انکا ہم دیتے تھے ساتھ — رنج و راحت میں شریک انکے رہا کرتے تھے ہم
کرتے تھے عسرت میں انکے واسطے فکر معاش — ان کی بیماری میں تدبیر دوا کرتے تھے ہم
کام میں یاروں کے اپنے کام سب دیتے تھے چھوڑ — اپنے روزے اور نمازیں تک قضا کرتے تھے ہم
یار کوئی مر کے اپنے سے بچھڑ جاتا تھا جب — یار کی اولاد پر جانیں فدا کرتے تھے ہم
سنتے تھے اپنے بڑوں کا جن سے پیار اور اتحاد — ان کی نسلوں سے وہی رسمیں ادا کرتے تھے ہم
دشمنوں کی زد میں دیتے تھے نہ آنے کو دوست — ٹوک دیتے تھے ہمیں جب کچھ خطا کرتے تھے ہم
آج وہ کام آئے اپنے کل ہم ان کے کام آئے — بارہا باہم سلوک ایسا کیا کرتے تھے ہم

برعکس اس کے اب نسلی تعصبات اور مذہبی اختلافات کا یہ عالم ہے کہ ایک دوسرے کا دشمن بنا ہوا ہے۔ بدعتی اور وہابی کے لغو اور مہمل جھگڑے اس شدت سے شاید کہیں بھی نہ ہونگے جس شدت کے ساتھ کچھ عرصہ سے امروہہ میں شروع ہوئے ہیں۔ منبع فساد زیادہ تر وہ لوگ ہیں جنہیں علم وعمل سے خود کوئی واسطہ اور تعلق نہیں، اگر کسی نے خیر سے دو ایک کتابیں اردو فارسی کی الٹی سیدھی پڑھ لی ہیں تو وہ سمجھتا ہے کہ مجھے اجتہاد کا درجہ حاصل ہو گیا، علم غیب وامکان کذب اور اسی طرح کے بیکار و بے نتیجہ مباحث پر کج بحثی کرتے اور سیدھے سادھے مسلمانوں میں اختلاف پیدا کر کے جنت و دوزخ کے ٹھیکیدار بن گئے ہیں۔ کسی کو کافر و مردود کہہ کے دوزخ میں بھیجتے اور کسی کو جنت کا سارٹیفکٹ عطا کرتے ہیں۔ جس طرح پہلوانوں کے اکھاڑے اور دنگل ایک دوسرے کے مدمقابل ہوتے ہیں یا جس طرح لکھنؤ میں انیسیئے اور دبیرئے دو مخالف ٹولیاں شاعروں کی بن گئی تھیں جو ایک دوسرے کی تنقیص و تفضیح میں شاعری کا کمال دکھاتے تھے بعینہٖ اسی طرح یہاں بھی مذہبی دیوانوں کی ٹولیاں ہیں۔ باہر سے کرائے کے واعظ بلوائے جاتے ہیں انہیں تو اپنے حلوے مانڈے سے کام ہوتا ہے۔ اسلامی اخوۃ کا مردہ دوزخ میں جاتے یا بہشت میں، وہ تو تعصبات لایعنی کے خوفناک شعلے بھڑکا کے اور لطیف و مرغن غذائیں کھا کے واپس چلے جاتے ہیں لیکن امروہہ کے مذہبی دیوانے آپس کی تو تو میں میں برابر مصروف رہتے ہیں، کوئی کہتا ہے کہ ہمارے مولوی صاحب نے کیسی معرکۃ الآرا تقریر کی، دوسرا اکڑ کے جواب دیتا ہے کہ واہ ہمارے حضرت نے کیا نکتہ کی بات بیان کی لیکن ان احمقوں کو کیا معلوم کہ یہ لڑانے والے واعظ خود حقیقت سے ناآشنا ہیں؟ چوں ندید ند حقیقت رہ افسانہ زدند۔ ایسے ہی علماء کے متعلق ایک صاحب نے سچ کہا ہے ؎

چار عالم جس جگہ بیٹھیں کھڑے ہوں سو فساد — جب یہ صاحب جاگتے ہوں فتنہ سو سکتا نہیں
دل سے استفسار پر پایا یہ سنجیدہ جواب — ریلیں اور عالم نہ ٹکرائیں یہ ہو سکتا نہیں

الغرض وہ سادات عظام کا گروہ ہو یا شرفائے کرام کا۔ ذرا ذرا فروعی معاملات پر

داستاں کلیا ہوتی رہتی ہے۔ ان ہی میں ایسے بھی ہیں کہ طبیعت میں شرافت کا جوہر اور نہ نفس میں قابلیت، آبائے کرام کے کارنامے اور پدرم سلطان بود کی داستانیں الاپتے پھرتے ہیں اور خود ہیچ ہیں۔ بعض شریف خاندانوں کے افراد کا مذاق طبیعت دیکھیے، انگریزوں کا بیرا[ؔ] بننے اور خانساماں گری کو معراج کمال سمجھتے ہیں، ان کا اترن پہن کر اکڑتے پھرتے ہیں۔ میں کسی پیشہ کو بشرطیکہ اکل حلال ہو، ذلیل نہیں سمجھتا۔ اگر کسی شریف زادے نے انگریزوں کی خانگی خدمت کا پیشہ کسی مجبوری سے کر لیا تو خیر کیا مضائقہ لیکن بدمذاقی دیکھیے اپنی اولاد کو بھی اسی دھرّے پہ ڈالتے ہیں، یہ لوگ انگریزوں کے بیرا اور خانساماں، جو کماتے ہیں اس کا جزوی حصہ بھی اپنی اولاد کی تعلیم پر صرف کریں۔ انہیں کوئی صنعت سکھا دیں تو اپنی برادری اور سوسائٹی کا اچھا عنصر بنیں اور "نام نیک رفتگاں" کو بھی ضائع نہ ہونے دیں۔ بعض ایسے ہیں جنہیں اسلاف پرستی کا مرض لاحق ہو گیا ہے اور مثل زن بیوہ آبائے کرام کے نام پہ ہاتھ پیر توڑ کر بیٹھ رہتے ہیں۔ ان کے علاوہ کچھ ایسے بھی ہیں کہ اپنے آباؤ اجداد سے منکر ہو کر کسی دوسرے مشہور خاندان سے سلسلۂ نسب ملانے میں انہیں تامل نہیں۔ ان ہی میں وہ بھی ہیں کہ چند پیسوں پر جھوٹی گواہی دینے میں انہیں باک نہیں۔ یتیموں کا مال یہ کھاتے، وقف کی آمدنی یہ ہضم کر جاتے ہیں۔ غرضیکہ آوے کا آوا بگڑا ہوا ہے، مٹ گئے، تباہ و برباد ہو گئے، مگر مزاجوں میں اب تک وہی تعصبات، نسبی فخر مباہات کی رعونت باقی ہے۔ سیادت و شیخت، شرافت اور بزرگی کے دعویدار ہیں اور اپنے سامنے دوسروں کی کچھ حقیقت نہیں سمجھتے۔ سادات امروہہ میں بالخصوص کبر و نخوت کے عجیب و غریب نمونے ملتے ہیں ؎

ہو گئی ہیں رسیاں جل جل کے سب خاک سیاہ — لیک نکلے ہوں کسی کے بل جلے پر کیا مجال
نازش بیجا بڑوں پہ اور خود نااہل ہیں — راگنی بے وقت کی، بے تک نہ اس میں سُر نہ تال
اینٹھنے گھٹتے ہیں احمق ماش کے آٹے کی طرح — گر کہیں سے اتفاقاً مل گئی کھانے کو دال

ؔ Bearer

اُٹھ گیا امروہہ سے اب اتفاق و اتحاد — اور اسی نا اتفاقی کے ہیں یہ سارے وبال
اب یہ حالت ہے کہ گویا ایک کا دشمن ہر ایک — بس چلے اور دسترس پائے تو کر ڈالے حلال
ایسے سفاکوں سے کس کی آبرو محفوظ ہے — شیر مادر ہے جو پا جائیں کسی کا مفت مال
جنگ ہوتی دیکھ، مذہب آن کو داپیچ میں — تا نہ رہنے پائے کوئی آشتی کا احتمال
یہ وہ حضرت ہیں لگے رہتے ہیں ہر دم تاک میں — مکر و تلبیس و فریب و زور کا پھیلائے جال
کیا ہوا ہم میں اگر آسودہ ہوں بھی بعض بعض — کیا ہوا ہم میں اگر خوشحال ہوں بھی خال خال
بالیقیں آدھے سے زائد مبتلائے مخمصہ — جن کو جو کچھ وقت پر ملجائے کھالیں حلال
دن کو کھا لیتے ہیں موٹا جھوٹا آدھے پاؤ پیٹ — رات کو فاقے سے سو رہتے ہیں سب اہل و عیال
یا گھروں سے ہو کے مضطر عورتیں پردہ نشیں — بھیک کی خاطر نکل پڑتی ہیں برقع سر پہ ڈال
اس قدر دبلے کہ تن پر نام کو بوٹی نہیں — حلقے آنکھوں میں پڑے، پچکے ہوئے اندر کو گال
ہڈیوں کے ڈھانچ باقی رہ گئے ہیں سوکھ کر — پیٹ دیکھو کھول کر جیسے کوئی خالی کھال
ہو چکے دورے وہ عبد اللہ و احمد بخش کے — اب ہیں ماتا دین، تلسی داس، دینا و شام لال

میں اس سے منکر نہیں کہ امروہہ کے سادات و شرفا میں ایسے گھرانے بھی ہیں جن میں علم و فضل بھی ہے اور دولت و تمول بھی، ذی علم، نیک کردار، غیور و باحمیت، سنجیدہ و بااخلاق افراد بھی موجود ہیں لیکن خال خال، مستثنیات سے بحث نہیں، سوال عمومیت کا ہے۔ اقلیت کا تذکرہ نہیں، اکثریت کا ذکر ہے، اور اس لحاظ سے حالت اندوہناک ہے۔ میں یہ دعویٰ بھی نہیں کرتا کہ گذشتہ زمانے کے لوگوں میں کوئی عیب نہ تھا اور ہمارا ہی زمانہ بدیوں سے بھرا ہوا ہے' کوئی وقت اور کوئی زمانہ عیب سے خالی نہیں ہوتا، فرق صرف اتنا ہے کہ اس زمانہ کے نیک کردار آج کے نیک کرداروں سے، اس زمانہ کے بدکردار آج کے بدکرداروں سے اچھے تھے۔ بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ اس زمانہ کے دشمن آج کے دوستوں سے بہتر تھے، قول کے پابند اور بات کے پکے تھے ۔۔

جیسے رہزن اور لٹیرے تھے ہمارے راستباز رہنماؤں میں نہیں پائے ہم آج ان کی نظیر

سادات و شرفائے امروہہ کے اسلاف کرام کے عام حالات زندگی اور ان کے علمی و عملی کارناموں کے مقابلہ میں ان کے موجودہ اخلاق کی پستی اور بدحالی پر جب نظر کی جاتی ہے تو ایک حساس دل غم و اندوہ سے بھر جاتا ہے۔ ان ہی سادات، ان ہی شیوخ اور ان ہی شرفائے امروہہ کے بزرگوں کے گذشتہ علم و فضل، ان کے گذشتہ فضل و کمال، ان کے گذشتہ جاہ و جلال، ان کی گذشتہ عظمت و اُبہت، ان کی گذشتہ شجاعت و شہامت، ان کی گذشتہ شوکت و صولت، ان کی گذشتہ تمکنت و رفعت، غرضیکہ ان کے گذشتہ عادات و اطوار، اخلاق و شمائل، صفات و خصائل، کے دھندلے نشان بھی اب ڈھونڈھے نہیں ملتے۔ لیکن ان کے حالات زندگی آج بھی چشم تصور کے سامنے ان کی جیتی جاگتی تصویریں پیش کر دیتے ہیں جن کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں نہ حد سے بڑھا ہوا تعصّب تھا، نہ مقدار سے زیادہ تشخّص، نہ افراط تھی نہ تفریط، نہ بے سبب نفرت تھی نہ بے وجہ عداوت، نہ نسلی تعصبات تھے نہ اس طرح کے مذہبی اختلافات، نہ خودپسندی تھی نہ خودبینی، نہ کھنچی ہوئی جاہ پسندی تھی نہ کہیں گھٹی ہوئی حوصلہ مندی، نہ جھوٹا فخر تھا نہ بیجا تعلّی، نہ نسب پر ناز تھا نہ کمال پہ مباہات، نہ اعتدال سے زائد فروتنی تھی نہ اندازے سے افزوں سرکشی، وہ مسلمانوں کا یا یوں کہیے کہ انسانوں کا اچھا نمونہ تھے۔ ہندوستان میں اسلامی سلطنت اور مسلمانوں کے سیاسی اقتدار کا خاتمہ کیا ہوا رفتہ رفتہ ان کے تہذیب و تمدن اور اس اسلامی ماحول کا بھی خاتمہ ہو گیا جو "مشرقی تہذیب" سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ امروہہ کے مسلمانوں بالخصوص سادات و شرفا کے خاندانوں پر جن کے اسلاف اپنے علمی و عملی کارناموں اور گوناگوں اوصاف کی بدولت شانِ امتیاز رکھتے تھے۔ آج تنزل و ادبار کی گھنگھور گھٹا چھائی ہوئی ہے انہیں اگر اپنی اس حالت زار کا صحیح احساس ہو تو اب بھی آیندہ نسلوں کی حالت بہتر بنانے کی صورتیں نکل سکتی ہیں۔ اسی جذبہ سے متاثر ہو کر میں نے یہ داستان غم چھیڑی ہے اور قصداً ان کی برائیوں کا دکھڑا بیان کیا ہے یہ ضرورت

کہ "عین الرضا" خوشنودی کی آنکھ، ہر فرد بشر کو پسندیدہ ہے اور "عین السخط" کی نقادیوں سے سب گھبراتے ہیں۔

وعین الرضا عن کل عیب کلیلۃ ولکن عین السخط تبدی المساویا

خوشنودی کی آنکھ عیب کے دیکھنے سے قاصر رہتی ہے وہ تو غصہ ہی کی آنکھ ہے جس کو برائی نظر آتی ہے

کاش میرا یہ نالۂ غم انگیز عزیزوں کو چونکانے کا باعث ہو، میں نہایت دلسوزی سے عرض کرتا ہوں کہ۔ اے سادات و شرفائے امروہہ! کیا تمہارے بزرگوں کی روحیں تمہاری اس حالت زار پر بے چین و بے قرار نہیں ہونگی؟ جس تہذیب و تمدن پر، جن باکمال بزرگوں پر، جن واجب الاحترام اسلاف پر تمہیں ناز ہے، جن کے تم نام لیوا ہو: خدارا اٹھو اور ان کے نقوش قدم پر، جو انقلاب زمانہ سے مٹتے جاتے ہیں، چلکر اپنی گرتی حالت کو سنبھالو!

تا چند رہو گے مست و سرشار؟ اٹھو! کہ سحر ہوئی نمودار
سوچو تو ذرا! کہ حال کیا ہے؟ کس خواب میں ہو، خیال کیا ہے؟
غفلت میں جو شب بسر ہوئی ہے لو اب تو اٹھو! سحر ہوئی ہے
کچھ تم کو خبر ہے، یا نہیں ہے؟ کچھ دل پہ اثر ہے، یا نہیں ہے؟
اغیار کے طنز کو بھی سن کر لگتے نہیں کیا جگر پہ نشتر
دیکھو تو ذرا یہ حالتِ زار کیوں قید بلا میں ہو گرفتار؟
ہو گردِ رہِ صفت پسیں کیوں؟ اس بزم میں خوار ہو تمہیں کیوں؟
کیوں تیر ستم کے ہو نشانہ؟ بگڑا ہے تمہیں سے کیوں زمانہ؟
کس نے تمہیں اوج سے اتارا؟ اقبال نے کیوں کیا کنارا؟
کیوں بار ہو تم دلِ زمیں پر؟ کیوں برق بلا گری تمہیں پر؟
کس پیچ میں رہ گئے ہو پھنسکر؟ کیا ہے کہ اجڑ گئے ہو بسکر؟
شکوے ہیں جو بے زری کے تمکو لالے ہیں جو نوکری کے تم کو

حرفت کو جو کر چکے ہو غارت — برباد جو ہو چکی تجارت
ہر علم و ہنر سے بے خبر ہو — صنعت میں جو تم شکستہ پر ہو
مدخل جو نہیں کمال میں کچھ — وسعت جو نہیں خیال میں کچھ
رونا ہے تمہیں اب آج جن کا — خود کردہ ہیں کیا علاج ان کا
غفلت میں جو خوب سو چکے ہو — ہونا جو نہ تھا، وہ ہو چکے ہو
دنیا کے نہ کام کے، نہ دیں کے — افسوس! رہے نہ تم کہیں کے
نکبت کی گھٹا ہے سر پہ چھائی — افلاس کی ہر طرف دہائی
اب عیش نصیب ہے، نہ آرام — گھر گھر میں مچا ہوا ہے کہرام
برباد پڑے ہیں کارخانے — نکبت نے مٹا دیئے گھرانے
رونق کا اثر، نہ عیش کی بو — اک خاک سی اڑ رہی ہے ہر سو
امید کے دن کی ہو چکی شام — خورشید اب آ گیا لب بام
اب وقت اخیر ہے خبر لو — جو کچھ کرنا ہے اب بھی کر لو
دعوے ہیں تو کچھ ہنر دکھاؤ — ہمت کے قدم ذرا بڑھاؤ
اندازِ عرب اگر ہے خو میں — باقی ہے وہ جوش اگر لہو میں
کر دو جو گذشتہ کی تلافی — ثابت ہو زمانے پر کہ اب بھی
گو دورِ فلک ہوا دگرگوں — پھر بھی تو رگوں میں ہے وہی خوں
اسلاف کے وہ اثر ہیں اب بھی — اس راکھ میں کچھ شرر ہیں اب بھی
اِس حال میں بھی روش وہی ہے — دن ڈھل بھی گیا طپش وہی ہے
اس جام میں ہے شراب باقی — اب تک ہے گہر میں آب باقی

گو خوار ہیں، طرز و خو وہی ہے
مرجھا گئے پھول، بو وہی ہے

اسلامی اوقاف

اسلامی شریعت میں وقف جس خیر و برکت کا اصول ہے وہ محتاج تشریح نہیں انتزاع سلطنت اسلامی کے بعد سے اسلامی اوقاف کی نگرانی کا عرصہ دراز تک منجانب حکومت کوئی انتظام نہ ہو سکا نتیجہ یہ ہوا کہ ہندوستان کے طول و عرض میں ہزاروں اوقاف متولیوں کی بدانتظامی یا بدنیتی کی بدولت نیست و نابود ہو گئے۔ امروہہ کے متعدد اوقاف کا بھی یہی حال ہوا۔ ان کی تباہی کا تذکرہ اندوہناک ہے۔ دیرینہ کاغذات سے جن اوقاف کا پتہ چلتا ہے۔ ان میں سے بعض کا آج وجود بھی باقی نہیں۔ مشائخ کی درگاہوں، خانقاہوں، مساجد و مدارس کے متعدد اوقاف میں سے، جو اسلامی عہد میں قائم ہوئے، آج صرف دو تین وقف باقی ہیں۔ انکی انتظامی حالت بھی درست نہیں لیکن بہت سے متوسط درجہ کے اوقاف متولیوں یا ان کے جانشینوں کے تغلب و تصرف کا شکار ہو گئے۔ جو اوقاف دست برد زمانہ سے باقی بچے ہیں ان کی تنظیم کا کام کسی صحیح اصول کے ماتحت کیا جائے تو واقفین کے منشاء کے مطابق مسلمانوں کے بہت سے قومی کاموں کی فلاح و بہتری کا ذریعہ پیدا ہو سکتا ہے۔ امروہہ میں سنّی و شیعہ اوقاف کی مجموعی تعداد ۶۲ ہے جن کی سالانہ آمدنی جو محض مصارف خیر سے متعلق ہے۔ تقریباً ساٹھ ہزار روپیہ ہے۔ ذیل میں سنّی و شیعہ اوقاف کی فہرستیں درج کی جاتی ہیں۔ مجھے اس کا دعویٰ نہیں کہ یہ فہرستیں مکمل ہیں، بہت ممکن ہے کہ بعض اوقاف کا اندراج عدم معلومات کی بنا پر نہ ہو سکا ہو، ناظرین سے التماس ہے کہ وہ اپنی معلومات سے خاکسار مولف کو مستفید فرمائیں۔

سنّیوں کے اوقاف

مندرجہ ذیل فہرست کے مطابق ان کی تعداد ۳۶ ہے۔ اور سالانہ آمدنی جو محض مصارف خیر سے متعلق ہے تقریباً مبلغ ۲۷۰۰۰ ہے۔ ان میں چھ اوقاف ایسے شامل ہیں جن کا ثبوت تو مستند دیرینہ کاغذات

میں ملتا ہے لیکن ان کا وجود اب باقی نہیں۔ ان میں سے بعض پر کچھ اشخاص مالکانہ حیثیت سے قابض ہو گئے۔ ابتدائی بندوبستوں کے کاغذات میں ان کا اندراج وقف کی حیثیت سے کیا گیا تھا لیکن بعد میں جن لوگوں کے نام کسی غلطی کی بنا پر مالکانہ حیثیت سے درج ہو گئے انہوں نے یا ان کے ورثاء نے یا تو انہیں خورد برد کر کے ختم کر دیا یا اب تک یہ لوگ مالکانہ حیثیت سے قابض ہیں۔ یہ کام وقف کمیٹی کا ہے کہ وہ ان اوقاف کو ناجائز قبضہ سے نکالے تاکہ واقف کے منشاء اور اغراض وقف کے مطابق ان کی آمدنی صرف ہو۔

اس سلسلہ میں وقف کمیٹی کو ما ﷺ کہ اراضی متعلقہ روضہ حضرت شاہ آتنؒ، مام ﷺ کہ اراضی درگاہ حضرت شاہ عبدالمجید علویؒ، پیشہ کہ اراضی متعلقہ عرس حضرت شاہ ولایتؒ اسی طرح بعض مساجد کی متعلقہ اراضیات مثلاً ضکہ اراضی مسجد عباسیاں کی جانب خاص طور سے متوجہ ہونا چاہیئے۔

اس موقع پر ایک اور وقف کا تذکرہ شاید بے محل نہ ہوگا۔ حضرت شاہ عبدالہادی صدیقی قدس سرہ کے فرزند شیخ ظہور اللہ عرف شیخ کڈہو نے یکم ربیع الاول ۱۹۰۶ھ کو بعض اراضیات جن کی مجموعی تعداد دیرینہ کاغذات سے ما ﷺ بگھہ خام معلوم ہوتی ہے اپنے پدر بزرگوار حضرت شاہ عبدالہادیؒ کے "مصارف عرس و آذوقہ آیندہ روندہ مجمع فقرا" کے لئے، نیز ایک دوسری دستاویز مرقومہ ۱۹ محرم الحرام ۱۱۹۰ھ کے ذریعہ ایک قطعہ باغ برائے "مصارف مرحوم مقبرہ و مصارف صادر و وارد زائرین" وقف کی تھی۔ وقف نامہ کی نقل ذیل میں درج کرتا ہوں:۔

نقل وقف نامہ شیخ ظہور اللہ صدیقی

(دستخط و مہر حضرت شاہ عبدالہادیؒ)

غرض این نوشتہ آنکہ اقراری نماید و اعتراف میکند شیخ ظہور اللہ عرف شیخ کڈہو سکنہ قصبہ امروہہ من اعمال سرکار سنبھل بریں وجہ کہ منقرز مین مزروعہ معلومۃ الحدود مملوکہ خود بیرون احاطہ خندق بیرون روضہ مقدس والد خود ؒ

کہ بجیرّ رابطہ فرزندی واسطۂ رسوخ عبودیت و غلامی دارد محض بنا بر مصارف اخراجات روشنی وغیرہ لوازم عرس و آذوقہ آیندہ و روندہ مجمع فقراء کہ ہر سال بطور عرس فراہم می آیند خیر بدہ در حین حیات خود مقرر داشتہ است من بعد منمقر اینائے منمقر چہ از اناث و چہ از ذکور کہ ہر یکے مسمی شیخ عبد الباری و شیخ دوست محمد و محمد عظیم و نجیب اللہ و حفیظ اللہ و حمد اللہ اند محصول زرعی سوائے اثمار و فواکہ اشجار زمین مذکور را مخصوص برائے ہمیں وجوہ دانستہ دست تصرف خود ہا را بہ حاصل آراضی مذکورہ دراز نسازند و بجز ایں وجوہ مذکورہ ما سبق کہ آرزوئے کلی منمقر آن است بوجہے از ما یحتاج خود ہا نگذارند و اگر مصارف بر مداخل فوق باشد از نزد خود ہا ہر یکے د ر افزایند و اگر نتوانند بر آں اکتفا نمایند و در بیع و قسمت آراضی مذکورہ باہم قصد نکنند الا بمحافظت و اہتمام و ہر کسے از اشخاص اسمار مذکورہ بالا ما وارثان اینہا نظر بر ثواب متابعت حکم والد خود نماید بموجب کلام الٰہی "وقضیٰ ربک ان لا تعبدوا الا ایاہ و بالوالدین احسانا" کہ در دنیا موجب دولت است و در عقبیٰ سبب نجات و سعادت مثوّب و برخلاف آں بعذاب دنیا کہ فلاکت است و عقاب عقبیٰ کہ نارضامندی خالق است معذّب گردد و نعوذ باللہ منہا و من سوء انفاس الطامع بنا براں ایں چند کلمہ بر سبیل ہدایت ایشاں براہ رشاد بقلم آید او سبحانہ توفیق متابعت و تخویف معاقبت بخشاد بفضلہ و کرمہ بتاریخ غرہ ربیع الاول سنہ ۱۱۹۲ھ مرقوم گردد۔

العبد شیخ ظہور اللہ مذکور — العبد شیخ عبد الباری مذکور — العبد شیخ محمد عظیم مذکور — العبد شیخ نجیب اللہ مذکور

العبد شیخ دوست محمد مذکور — العبد شیخ حفیظ اللہ مذکور — العبد[۱] علامت دستخط شیخ حمد اللہ مذکور

---

۱ ان کے علاوہ اس دستاویز پر اور بھی متعدد اشخاص کے دستخط بطور شاہد ثبت ہیں۔

وقف نامہ کی عبارت سے آپ نے اندازہ کیا ہوگا کہ واقف نے اپنے اخلاف کو کن الفاظ میں تاکید کی تھی کہ اراضیات موقوفہ پر "دست تصرف دراز" نہ کریں، اسی غرض سے انہوں نے اپنے سب بیٹوں کے دستخط بھی وقف نامہ پر ثبت کرائے تھے۔ وقف نامہ کی عبارت کے آخری فقرے واقف کی دلی کیفیت کا اظہار صاف طور سے کر رہے ہیں کہ "من سوء انفاس الطامع" سے محفوظ رکھنے کا انہیں کس درجہ خیال تھا لیکن افسوس کہ سوائے درگاہ کی زمین کے دیگر اراضیات زرعی کی جو موقوفہ تھیں، یہ حیثیت اب باقی نہیں۔ غالباً ۱۸۶۲ء سے ان پر بعض اہل خاندان مالکانہ تصرف رکھتے ہیں ان حضرات کو اس وقف کا اگر علم نہیں اور کسی غلطی کی بنا پر ان کے ناموں کا اندراج مالکانہ حیثیت سے سرکاری کاغذات میں ہوگیا ہے تو کیا وہ اس علم کے بعد اپنے واجب الاحترام مورث کے منشاء وقف کو پورا کرنے کا اہتمام کریں گے؟

اس کے علاوہ ایک اور وقف، جو امروہہ کا سب سے بڑا وقف ہے، سید بنیاد علیخاں دگھڑیال والوں کے خاندان کا ہے، اس کی مختصر کیفیت یہ ہے کہ سید علی اعظم خاں گھڑیال والے کے دو فرزند تھے، ایک سید بنیاد علی خاں اور دوسرے سید امان علی خاں، ان دونوں بھائیوں کی املاک اور جاگیریں تقریباً مساوی تھیں۔ سید بنیاد علی خاں کے کوئی اولاد نہ تھی، سید امان علیخاں کے دو فرزند سید علی احسن خاں اور سید علی مظفر خاں ہوئے۔ اول الذکر سے بھی نسل نہیں چلی۔ سید علی مظفر خاں کی نسل میں موجودہ خاندان ہے۔ سید بنیاد علی خاں مذکور، اصل واقف طبعاً صوفی منش، علم دوست اور علوم دینیات سے خود بھی بہرہ وافر رکھتے تھے، بعض مسائل شرعیہ کے متعلق علمائے اہل سنت والجماعت کے فتاوی پر، جو خاکسار مولف کے پاس موجود ہیں، ان کی مہریں ثبت ہیں۔ ۱۸۲۶ء میں انہوں نے اپنی کل جائداد صحرائی و سکنائی کو ان اغراض کیلئے وقف کیا جن کی تصریح تولیت نامہ میں کی گئی ہے اور اپنے برادر زادگان سید علی احسن خاں اور سید علی مظفر خاں کو نسلاً بعد نسلٍ و بطناً بعد بطنٍ متولی اور منتظم بنایا۔ ذیل میں تولیت نامہ کی نقل جس سے وقف کی نوعیت اور اغراض کا صحیح اندازہ ہو سکتا ہے درج کرتا ہوں:۔

نقل وقف نامہ سید محمد بنیاد علیخاں گھڑیال والے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وافوض امری الی اللہ ان اللہ بصیر بالعباد و حسبی اللہ نعم الوکیل
نعم المولیٰ و نعم النصیر انک ولی فی الدنیا والاخرۃ الٰہی انت حی القیوم ابداً مویداً

اقرار معتبر شرعی صحیح کردہ مخبر باسم و نسب خود سید محمد بنیاد علی خاں بن سید
محمد علی اعظم خاں بن سید محمد علی مرتضیٰ خاں از والد زمان نواب[1] سید عبد الہادی خان
بہادر مرحوم و مغفور ساکن قصبہ امروہہ تابع سرکار سنبھل مضاف صوبہ دارالخلافہ شاہجہاں آباد
فی حال تصحیح اقرار شرعاً بدیں وجہ کہ چوں منقر ہمگیں و تمامی دیہات معافی و زمینداری و
اراضیات و املاک واقع پرگنہ امروہہ و سنبھل تپور، سیوہارہ وغیرہ متعلقہ ضلع مراد آباد
و بجنور و تولیات و اراضیات سکنائی و حصص سرایات و بازار واقع آبادی قصبہ امروہہ
مذکور و قطعات اراضیات مزروعہ و باغات سردرختی واقع سواد قصبہ مذکور و زمینداری
قصبہ خاص و دیہات خالصہ معلوم الحدود مفصلہ ذیل و جملہ اثاث البیت از قسم ظروف و
فروش و اسلحہ و کتب وغیرہ مندرجہ فرد علیحدہ مملوکات و مقبوضات خود را وقف فی
سبیل اللہ و ثواب آں بنام جملہ دوستان خدائے تعالیٰ نمودہ بطور
تولیت و منتظمی برآں قبض و دخل خود واز ولج و حرمہا و اولاد خود کہ پیدا
شود داشتہ۔ حاصلات آنرا در مصارف دین دنیوی یعنی ریاست بلوازمات دارین می
آرم فی الحال من مقر در حالت صحت ذات و ثبات عقل و ہوش و حواس خود طائعاً و راغباً
بلا اکراہ و اجبار سید محمد علی احسن خاں و سید علی مظفر خاں برادر زادگان
خود را کہ بہر کیف استحقاق دارند متولی و منتظم آں نسلاً بعد نسل و بطناً بعد بطن دائماً

۱؎ خاندان والے ان کے نام کے ساتھ "نواب" لکھتے ہیں لیکن سرکاری کاغذات سے اس خطاب کا کوئی ثبوت نہیں ملا۔

ابداً غیر منقطع ولا منفصل علی سبیل الاستمرار والاستقلال گردانیدم واگرچه بالفعل تولیت
وانتظام کل اشیاء موقوفه بدست خود وازواج خود مقرر داشته بودم لیکن حسب صلاح
وتفویض من مقر وازواج من مقر متوسلان مذکوران جمله کار وانتظام ریاست واخراجات
اشیاء موقوفه وسبیل ایصال زرهاقیات محال وغیره وبطریق نیابت وقائم مقامی
بلادعوی حق که از طرف من مقر وازواج وحرمهای من مقر باشد بموجب اقرارنامه
مرقومه ومقبوله خودها محرره بست ودوم شهر ذیقعد سنه ۱۲۷۲ھ مدام می نموده باشند
وباید که خرچ ذات من مقر مع ازواج وحرمها که حال موجود اند وآینده را خواهند
بود از آمدنی بسوات موضع گمسانی وبا مختار پور نواده می نموده باشند
واز مابقی جائداد خرچ سادات وعلماء وفقراء وحکماء واقرباء واعزا
باعزاز واکرام وصرف مساکین ومحتاجین ومسافرین ومتعلقین وملازمین
ومتوسلین قدیم وجدید وشرفاء مهاجرین وانصار وغیره ومصارف ریاست
ودربارداری وتیاری اسباب ولوازمات دارین واخراجات آینده وروند
واخراجات عدالتها از اضلاع تا الصدور نسبت اشیاء موقوفه وخرچ دربار
سلاطین وامرا وخرچ لنگر فی سبیل الله ودیگر اخراجات ضروری بقدر آمدنی
محال موقوفه می نموده باشند وحساب وکتاب هر مقدمه متعلقه اشیاء موقوفه
مذکوره بکان من مقر نمایند وزر رهن بعض اشیاء موقوفه از جائداد مرهونه ادا
نموده جائداد مرهونه را نیز انفکاک نمایند وزر قرضه وغیره ذمه هر کسی که گرفتنی اینجانب از
مدتی واجبیت وحقیت ثابت وتحقق شود سهل ترین نمط وصول سازند وبهر کسی
که جائداد نوکری معین است وتا حیات خواهم کرد آنرا بحال داشته راضی دارند ورنه
صاحب جائداد بشرط خیرخواهی وحاضرباشی از آمدنی جائداد مذکوره تا حیات خود به
تصرف خود خواهد آورد وحق نیابت خودها بموجب آمدنی اشیاء موقوفه

خرچ مناسب بلوازمات دارین در ہر فصل وسال بشرط ادائے اقرار ہائے مرقومہ خود ہا باجازت من مقر می گرفتہ باشند ودر ہر فصل وسال رسید وراضی نامہ دادہ باشند وجملہ کارا شیاء موقوفہ از ملازمین من مقر کہ از سادات وشرفاء اہل سنت وجماعت ودوستان اہل بیت ودوستان این خاندان اند بہر وجہ وہمہ جا گرفتہ باشند ومفسدان وبدکاران دخل ندہند واعمال حسنہ بظاہر وباطن واسلام واعتقاد درست واطاعت وبندگی خدائے تعالیٰ بموجب آیہ کریمہ اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم بہر وجہ وہمہ جا علی الدوام می کردہ باشند ومن مقر وازواج من مقر وحرمہا را راضی دارند وآیندہ بجمیع الوجوہ بر تمامی اشیاء موقوفہ مذکورہ قائم مقامی بجائے من مقر قابض ودخیل بودہ مدام حاصلات آنرا بالاستقلال بمصارف مذکورہ می آوردہ باشند تا فی الحال اگر احدے ہیچگونہ دعوے واستحقاقے حیلۃً خواہ صریحۃً بنسبت کل اشیاء موقوفہ مذکورہ از متولیان مذکوران ومن بقوم مقامہا نزاعے وخصومتے وموافذہ ومطالبہ بمیان آرد علی الدوام عند اللہ وعند الناس وعند شرع شریف وعدالت عالیہ وپنچایت کاذب ودروغی باشد غرضکہ متولیان مذکوران قائم مقام من مقر وازواج من مقر قابض ومنتظم اشیاء موقوفہ مذکورہ مدام ہر امور خواہند ماند ودیگر کدام کس را بوجہ من الوجوہ وبسببے من الاسباب واسطہ وسروکارے نیست ونخواہد بود۔ فقط

بنابراں این چند کلمہ بطریق تولیت نامہ نوشتہ دادہ شد کہ تا فی الحال سند شود وعند الحاجت بکار آید۔

دیہات معافی پرگنہ امروہہ وغیرہ

۱	۲	۳
الہ داد پور کلاں	شاہ محمد پور نواد مع زمینداری	علی نگر ٹی مجھولہ پرگنہ امروہہ حال متعلق پرگنہ ہردوار تحصیل جاند پور
۲ بسوہ ۱۰ بسوانسی	۵ بسوہ	۱۰ بسوہ

۴ حسین پور معہ زمینداری — ۲۰ بسوہ

۵ باری پور معہ ملک زمینداری معافی — ۸ بسوہ ۵ بسوہ ۴ بسوانسی

۶ مختار پور معہ زمینداری — ۱۰ بسوہ

۷ نوادہ معہ زمینداری — ۱۰ بسوہ

۸ مجھولا معہ پٹی علی نگر — ۹ بسوہ

۹ سرسہ گوجر معہ حق زمینداری — ۱۰ بسوہ ۱۲ بسوانسی

۱۰ سرسہ منہیار معہ زمینداری — ۲۰ بسوہ

۱۱ مجھولہ — ۸ بسوہ

۱۲ پٹی علی نگر مذکورہ بالا — ۱۰ بسوہ

۱۳ مگسانی معافی — ۱۰ بسوہ

۱۴ رائے پور کلاں معافی معہ زمینداری — ۱۲ بسوہ ۴ بسوانسی

۱۵ بنہیلہ — ۴ بسوہ

۱۶ نگلی اسد اللہ معافی زمینداری — ۱ بسوہ ۵ بسوہ

۱۷ پٹی علیحدہ موضع اتراسی موسومہ امان نگر معافی و زمینداری — ۵ بسوہ

۱۸ آکسی معافی معہ سورت — ۱۶ بسوہ

۱۹ بکنالہ — ۴ بسوہ ۱۳ بسوانسی

۲۰ ٹھاٹھہ مع حق زمینداری — ۱۷ بسوہ

۲۱ بادشاہ پور معافی — ۱۹ بسوہ ۱۳ بسوانسی

۲۲ سعد اللہ پور معہ حصہ زمینداری — ۱ بسوہ

۲۳ راجے پور معہ حصہ زمینداری — ۶ بسوہ ۵ بسوانسی

۲۴ صالح پور عرف سولر پرگنہ سیوہارہ دہ معافی — ۴ بسوہ

دیہات و املاک

زمینداری موضع گندوپال — حصہ

زمینداری موضع کورالا معہ ملک

زمینداری موضع حاکم پور — حصہ

زمینداری جلال آباد حصہ

زمینداری موضع زمان پور — حصہ

زمینداری قصبہ امروہہ خاص — ۵ بسوہ

زمینداری موضع زاہد پور — حصہ

زمینداری موضع خان پور — حصہ

زمینداری موضع جوگی پورہ — حصہ

زمینداری موضع رسول پور — حصہ

ملک قاضی سرائے حصہ

حویلیات و مکانات واقع آبادی قصبہ امروہہ خاص

دیوانخانہ و محلسرائے مسکونہ من مقر موسومہ — نصف

حویلی قدیم واقعہ محلہ گذری معہ دیوانخانہ — نصف

حصہ حویلی متروکہ سید منیر علی مرحوم خریدہ شدہ منمقر واقع محلہ گندری — اراضی مکان پیش دروازہ دیوانخانہ میر کلو نصف

سرائے مع گنج بازار زر خرید از وارثان سید غلام علی نصف — حصہ بازار گندری — اراضی واقع محلہ نوبت خانہ قدیم زر خرید از سید حسین علی

حصہ اراضی دربار سید عبدالباقی زرخرید سید بہادر علی دربار والہ — متصل حویلی سید بہادر علی خرید از وارثان سید عبدالباقی

حصہ کارواں سرائے — اراضی کشتہ سید غلام علی والہ زر خرید — اراضی راجو سرائے — اراضی متصل حویلی سید مرد علی متولی

اراضی سرائے باسدریو معہ چاہ پختہ — اراضی کوشہ دکوٹ) — اراضی پشت محلسرائے فیل خانہ سکونت گاذران

حصہ بازار و سرائے و دکاکین از متروکہ سید منیر علی مذکور رسیدہ — اراضی واقع محلہ چکلی از ترکہ سید منیر علی مذکور رسیدہ

باغات قصبہ مذکور حصہ نصف منمقر

ستی والا — لال باغ — رانی والہ — باغ دونڈہ — مختار والہ — وارث والہ — فیض باغ — بانس والہ

باغ تودہ شاملات

اراضیات واقع سواد قصبہ

اعظم سرائے — قطعات حاتم والہ — قانونی والہ — سرائے شاہ محمدی معہ دیوار پختہ احاطہ — باغ کمند والہ مع اراضی بیرون احاطہ مذکور

حصہ نولکھا — نصف چکھن والہ

تحریر بتاریخ ۲۲ ماہ شہر ذیقعدہ ۱۲۶۱ھ

مندرجہ بالا فہرست جائداد موقوفہ سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اگر یہ سب جائداد صحیح سالم رہتی، کوئی حصہ اس کا ضائع نہ ہوتا اور خوش انتظامی کے ساتھ متولی اس کا اہتمام کرتے تو موجودہ زمانہ میں اس کی آمدنی پچاس ہزار سالانہ سے کم نہ ہوتی۔ لیکن افسوس ہے کہ موقوفہ اشیاء میں سے "اثاث البیت از قسم ظروف و فروش و اسلحہ و کتب وغیرہ" تو تقریباً کل اور جائداد صحرائی و سکنائی میں سے بھی معقول حصہ متولیوں کی غفلت اور بد انتظامی کی بدولت ضائع ہو گیا تاہم اب بھی تقریباً تیس ہزار روپیہ سالانہ آمدنی اس وقف کی ہے۔

۱۸۶۳ء تک اس وقف کے متولی و منتظم اس وقف کو مصارف خیر کے لئے سمجھتے تھے جیسا کہ مندرجہ ذیل فقرہ سے ظاہر ہے جو سید محمد علی مظفر خاں وغیرہ مدعا علیہم کے جواب دعویٰ

بمقدمہ مسماۃ عجائب النساء مدعیہ میں تحریر ہے :۔

"یہ کہ محمد بنیاد علی خاں نے بحیات اپنی جملہ جائداد کو وقف فی سبیل اللہ کر کے مدعا علیہم کو بہ نظر جاری رکھنے مصارف خیر کے متولی قرار دیا۔ اور بست دوم ذیقعدہ ۱۲۶۱ھ کو وثیقہ تولیت نامہ بمواہیر مردم برادری و روساء شہر کے لکھ دیا ہے کہ مدعا علیہم بذریعہ تولیت نامہ کے قابض ہیں نہ بوجہ وراثت کے۔

اب کچھ مدت سے اس کو وقف علی الاولاد کہا جاتا ہے لیکن مندرجہ بالا تولیت نامہ کی عبارت سے اس خیال کی تائید ہرگز نہیں ہوتی ___

سید بنیاد علی خاں اصل واقف کے حالات زندگی، رجحان طبیعت، علمی ذوق، نیز اس زمانہ میں جب یہ وقف کیا گیا تھا، واقف کے برادر زادگان کی مالی حالت کو بھی پیش نظر رکھا جائے، جنہیں متولی اور منتظم بنایا گیا تھا اور جو تقریباً اسی قدر جائداد کے مالک و قابض تھے جو وقف کی گئی تھی تو سوائے اس کے کوئی دوسرا نتیجہ نکالنا قرین انصاف نہیں کہ واقف کا اپنی جملہ جائداد کے وقف کرنے سے یہ مقصد و منشاء ہرگز نہ تھا اور نہ ان حالات میں ہو سکتا تھا کہ آئندہ زمانہ میں متولیوں کے ورثا اپنے کو اس وقف پر مالکانہ حیثیت سے قابض و متصرف سمجھنے لگیں اور وقف کی آمدنی کلیتاً یا اس کا جزو کثیر ان کے ذاتی اخراجات اور معاش میں صرف ہو اور جو مصارف خیر یعنی "خرچ سادات و علماء و فقراء و حکماء و اقربا باعزاز و اکرام" یا "صرف مساکین و محتاجین و مسافرین" یا "تیاری اسباب بلوازمات دارین" یا "خرچ لنگر فی سبیل اللہ" وغیرہ تصریحاً تولیت نامہ میں مندرج ہیں ان پر مطلق خرچ نہ ہو اور اگر ہو بھی تو برائے نام!

خاکسار مولف کو موجودہ افراد خاندان میں سے اکثر کی خدمت میں نیازمندی کا تعلق حاصل ہے، ان حضرات نے دوران گفتگو میں بار بار ہائیکورٹ کی تجویز کا حوالہ دیا ہے۔ مجھے

---

[1] فیصلہ صدر دیوانی عدالت آگرہ مورخہ ۲۹ ۱۸۵۱ء بمقدمہ محمد علی مظفر خاں وغیرہ مدعا علیہم اپیلانٹان بنام مسماۃ عجائب النساء مدعیہ رسپانڈنٹ منفصلہ ۲۱ جولائی ۱۸۵۱ء۔

اس معاملہ میں دنیاوی حکومت کے قانون یا کسی عدالت کے فیصلہ کی صحت و عدم صحت پر رائے زنی کرنا ہرگز مقصود نہیں، تاریخی حالات کے تجسس و تلاش میں اس وقف کے حالات بھی معلوم کرنے کا موقع ملا، تولیت نامہ کی نقل بھی بدقت تمام حاصل کی گئی، دیگر تحریرات بھی نظر سے گذریں جن کے مطالعہ، نیز واقف کی خصوصیات اور عام خاندانی حالات کو پیش نظر رکھکر یہ نتیجہ اخذ کرتا ہوں کہ یہ وقف بھی عام اوقاف کی طرح وقف فی سبیل اللہ اور مصارف خیر سے متعلق ہے، اس کو وقف علی الاولاد سے تعبیر کرنا ہرگز صحیح نہیں۔ تولیت نامہ کی رو سے سید علی مظفر خاں کے اخلاف اس کے نسلاً بعد نسل متولی و منتظم ضرور ہیں۔ متولیوں کو ان تمام مدات میں، جن کی تصریح تولیت نامہ مذکورہ میں کی گئی ہے۔ نیز ان شرائط اور پابندیوں کے ساتھ وقف کی آمدنی کو خرچ کرنا لازم ہے جو اقرار نامہ "منقولہ و مقبولہ" سید علی احسن خاں و سید علی مظفر خاں میں درج ہیں جس کا تذکرہ تولیت نامہ میں متعدد جگہ کیا گیا ہے۔ افسوس کہ اس اقرار نامہ کی نقل جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ کسی زمانہ میں تلف ہو گیا، خاکسار مؤلف کو حاصل نہیں ہوئی، اس اقرار نامہ کی اصل یا نقل اگر دستیاب ہو جائے تو اب بھی وقف کی نوعیت اور اصل حالت پر کافی روشنی پڑ سکتی ہے اور یہ بھی معلوم ہو سکتا ہے کہ واقف نے متولیوں کو کن شرائط کا پابند کیا تھا، ان کے "حق نیابت" کے لئے کیا رقم مقرر تھی، نیز دیگر مدات میں وقف کی آمدنی کا کتنا حصہ متعین کیا گیا تھا۔ بعض اشخاص تولیت نامہ مذکورہ کے آخری فقرے کا یہ مطلب اخذ کرتے ہیں کہ متولی و منتظم پر وقف کے باضابطہ حساب رکھنے کی کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی۔ وہ ہر طرح مجاز و مختار ہیں کہ وقف کی آمدنی جس طرح چاہیں خرچ کریں۔ لیکن خود تولیت نامہ کی عبارت سے اس خیال کی تائید نہیں ہوتی۔ یہ فقرہ حقیقتاً ان اشخاص کے دعوے سے متعلق ہے جو اشیاء موقوفہ پر بطور حق وراثت کسی وقت میں کوئی مطالبہ پیش کریں یا متولی و منتظم سے حساب فہمی چاہیں یا اس بارے میں کوئی مواخذہ کریں لیکن متولی و منتظم ہرگز اس کے مجاز نہیں اور نہ ہو سکتے ہیں کہ واقف کے منشاء کے خلاف اشیاء موقوفہ کو آپس میں تقسیم کریں اور مالکانہ حیثیت سے اس پر قابض و متصرف ہوں

وقف ہونے کے بعد جائداد موقوفہ پر حسب شریعت اسلامی کسی خاندان کے یا کسی انسان کے تمام حقوق مالکانہ ختم ہو جاتے ہیں اور مالکانہ حق تو صرف خالق اکبر ہی کو حاصل رہتا ہے۔ اس لئے دنیاوی ہائیکورٹوں کے فیصلوں اور تجویزوں کے مقابلہ میں صرف اسی ہائیکورٹ کی نظیر قابل تسلیم و تعمیل ہونی چاہیئے جو حقیقی معنی میں ہائی کورٹ ہے اور وہ یہ کہ واقف نے جن اغراض کے لئے یہ وقف کیا تھا، جن کی تصریح وثیقہ نامہ میں کی گئی ہے، متولی و منتظم نے اقرار نامہ مذکورہ میں جن شرائط اور پابندیوں کا اپنے کو پابند کیا تھا ان ہی اغراض اور ان ہی شرائط کے مطابق وقف کی آمدنی صرف کی جائے، جائداد موقوفہ کی بہتری و افزائش کی پوری کوشش ہو، حساب باقاعدہ رکھا جائے اور متولی و منتظم اپنی حیثیت متولیانہ و منتظمانہ سمجھیں نہ مالکانہ!

مندرجہ بالا اوقاف کے علاوہ چند اوقاف البتہ وقف علی الاولاد ہیں، ان میں جو مدات مصارف خیر سے متعلق ہیں ان کی تصریح فہرست میں کر دی گئی ہے:۔

سنیوں کے اوقاف

نمبر شمار	نام واقف	کب وقف کیا	تفصیل جائداد موقوفہ	سالانہ آمدنی	نام متولی	اغراض وقف
۱	سلطنت مغلیہ	عہد اکبری	اراضی ما فشکہ پختہ متصل روضہ حضرت شاہ ابن رح	تخمیناً ننتسماً	اولاد و احفاد حضرت شاہ ابن رح	برائے مصارف عرس و خانقاہ حضرت شاہ ابن بدر چشتی رح
۲	"	"	اراضی ... پختہ موضع پیر کی سرائے	... ما ر	اولاد شیخ عمر حسین بن شیخ پیر رح	خدمت مسجد عمرہ شیخ عمر حسین واقع محلہ کنگوئی
۳	"	عہد شاہجہانی	ما فشکہ پختہ یعنی بانگیہ موضع سیکلا و میرانپور، ما فشکہ موضع مرہواد موضع مرکنی	... ء	اولاد شیخ فیض اللہ بہادر و احفاد حضرت شاہ عبد المجید علوی رح	برائے اخراجات خانقاہ و عرس شاہ عبد المجید علوی رح و آیندہ روندہ و فقرا

نمبر شمار	نام واقف	کب تخف کیا	تفصیل جائداد موقوفہ	سالانہ آمدنی	نام متولی	اغراض وقف
۴	″	عہد عالمگیری	اراضی خشکہ پختہ سواد قصبہ امروہہ	ما ۱۰/	اولاد مولانا عبدالرشید عباسی	خدمت مسجد معروف مولانا عباسی (واقع محلہ مولانا)
۵	سید ابدال محمد سید محمد شاکر پسران سید محمد منور و سید سیف علی وغیرہ پسران سید رحمت اللہ	۱۱۵۸ھ	سترہ ہزار دام موضع پاپڑی پرگنہ رجب پور	۴۲۵ للعہ سعہ	سید مظہر علی پیرزادہ از فرزندان سید جمال	برائے خرچ خانقاہ حضرت شاہ عبدالمجید علوی رح
۶	سید ابدال محمد		۶۶۰ بیگہ زمین موضع جلال پور وکینچ و محمود پور و نصیر نگلہ و دیرہ وجیدہ ۲۵ بیگہ خام موضع جلال پور مذکور	۲۰۰۰ عسہ	کچھ عرصہ سے شیعہ حضرات قابض ہیں اور سید نفیس الحسن منوی ہیں	در وجہ کفاف موذن و امام و جاروب کش و سکان مسجد و مسافرین و آیندہ و روند
۷	مولوی سید منور علی وغیرہ پسران سید شجاعت علی		زمینداری موضع مجاہد پور پرگنہ امروہہ	۲۵۰ ما ھہ	اہل خاندان	مصارف خیر و خدمت مسجد محلہ گذری قدیم
۸	سید امان اللہ نبیرہ سید غلام مرتضیٰ بن دیوان سید محمود	تقریباً ۱۱۷۵ھ	اراضی موضع گوہاور جیت پرگنہ بڑ پور تحصیل دھام پور	۲۰۰ ما	سید قدیر الله الحسینی	اخراجات مسجد سرائے سید امان اللہ مذکور (یعنی سرائے کہنہ)
۹	سید اسد اللہ خاں عرف میر کلو	۱۰ رشعبان ۱۱۶۳ھ	موضع جہرن	۶۰۰۰ سہ	سید سبط رسول	در وجہ کفاف موذن امام و مدرس و طلبا و حفاظ و تدریس علوم دینی و اشتغال حدیث

نمبر شمار	نام واقف	کب وقف کیا	تفصیل جائداد موقوفہ	سالانہ آمدنی	نام متولی	اغراض وقف
۱۰	شیخ ظہور اللہ صدیقی بن حضرت شاہ عبد الباری	۱۹ محرم ۱۱۹۲ھ یکم ربیع الاول ۱۱۹۲ھ	اراضیات مزروعہ و باغ متصل روضہ حضرت شاہ عبد الہادی ؒ مافیہ بیگہ خام	۲۰۰ عہ	اولاد شیخ ظہور اللہ مذکور	مصارف عرس و خوراک مقبرہ حضرت شاہ عبد الہادی و آمد و رفت صادر و وارد زائرین
۱۱	حکومت نواب وزیر الممالک اودھ	۱۰ جمادی الثانی ۱۲۱۵ھ	۸ بیگہ پختہ از سواد موضع داؤد سرائے علاقہ چبوترہ خالصہ تعلقہ	تخمیناً عشہ	خدام درگاہ شاہ ولایت	ہمیشہ برائے مصارف عرس درگاہ حضرت شاہ ولایت ؒ برائے عبد القادر خادم درگاہ
۱۲	شاہ دوست محمد صدیقی ؒ	۱۲۲۳ھ	۱۲۱ بیگہ پختہ اراضی ۱۸ بسوہ موضع براہی پرگنہ سنبھل	۶۰۰ سکہ	شاہ سلیمان احمد صدیقی	برائے عرس شاہ عبد الہادی و شاہ دوست محمد و خوراک آیندہ روندہ داخلین سلسلہ و مصارف خانقاہ و مسجد
۱۳	سید محمد نیاز علیخان	۲۲ ذیقعدہ ۱۲۶۱ھ	۱۴ مواضعات مستقل و غیر مستقل (مختلف پرگنہ جات) و اراضیات و باغات و سرایات و دکاکین بازار و حویلیات مکانات قصبہ امروہہ	۳۰۰۰۰ عہ	اولاد سید امان علی خاں	موضع گمسانی یا کھاپور زادہ بلا شرکت خرچ ذاتی و باقی برائے خرچ سادات و علما و فقرا و حکما و اقربا و اعزا با عزاز و اکرام و صرف سالکین و محتاجین و مسافرین و مستحقین ملازمین و متوسلین قدیم و جدید از شرکاء

مع صاحب الضیار وغیرہ مصارف ریاست و دربار داری و تیاری اسباب جواز ملتہ داری و خرچ لنگر فی سبیل اللہ وغیرہ ۔

نمبر شمار	نام واقف	کب وقف کیا	تفصیل جائداد موقوفہ	سالانہ آمدنی	نام متولی	اغراض وقف
۱۴	مسماة ریو بنت سید رمضان علی نبیرہ سید مصطفےٰ علی بن سید سبزہ علی		حقیت موضع باگڑپور پرگنہ مرادآباد	تخمیناً ۵۰۰ ؍	شرف احمد خاں	برائے مصارف مسجد معمرہ مسماة مذکورہ (واقع محلہ گذری)
۱۵	منجانب حکومت بمعاوضہ یومیہ مقررہ سلطنت اسلامی		۲ بسکہ اراضی موضع نوراین پور	١٥ ؍	قدرت اللہ خاں	مصارف مسجد معمرہ شیخ عمر حسین (بہلول خاں والی)
۱۶	خاندان شیخ عبدالمناف صدیقی		آمدنی دوکانات متعلق مسجد	تخمیناً ۴۰۰ ؍	حاجی خورشید علی صدیقی	مصارف مسجد معمرہ شیخ عبدالمناف صدیقی (واقع محلہ گھیر مناف)
۱۷	صوفی خدابخش عباسی و دیگر اشخاص	باوقات مختلف	اراضیات قصبہ و موضع گوارٹیا وغیرہ	تخمیناً ۲۰۰ ؍	مولانا حافظ عبدالرحمن	مصارف مسجد جامع (واقعہ محلہ مولانا)
۱۸	شیخ حسین بخش	سنہ ۱۳۰۱ھ	۲ بسوہ موضع قائم پور و اراضی موضع اتراسی	۲۵۰ ؍	سید قدیر اللہ الحسینی	مصارف مسجد بصری بیگم
۱۹	مسماة سراج النسا زوجہ پیر محمد علیجاں		حقیت موضع مراہٹ	۳۵۰ ؍	پیر رئیس الدین احمد (علی جان منزل)	مصارف خیر امداد غربا و مساکین
۲۰	سادات محلہ شاہ علی سرائے		اراضیات قصبہ وغیرہ	۱۰۰ ؍	اہل خاندان	مصارف مسجد شاہ علی سرائے
۲۱	مسماة وجیہ النسا زوجہ عبدالغفار خاں	سنہ ۱۵۱۰ء	اراضیات موضع اقتصار پور بھوڑ پرگنہ حسن پور وغیرہ	۵۰ ؍	شیخ گلزار احمد (محلہ کٹکوئی)	خدمت مسجد شاہ حنیف اللہ و اخراجات خانقاہ واقف وغیرہ

نمبر شمار	نام واقف	کب وقف کیا	تفصیل جائداد موقوفہ	سالانہ آمدنی	نام متولی	اغراض وقف
۲۲	حافظ عباس علیخاںؒ		اراضیات قصبہ	تخمیناً ۳۰۰	مولوی احمد حسین خاں	مصارف مسجد حافظ عباس علی خاںؒ
۲۳	نواب وقار الملک مرحوم	۲ر جون ۱۹۱۵ء	ملک پہاڑ سو و حقیت ڈھائی شیخو پورہ، کورال، ہادی پور و ناظر پور وغیرہ و باغات وغیرہ	۴۰۰۰ [illegible]	نواب زادہ مشتاق احمد بیرسٹرایٹ لا	[illegible] سالانہ مصارف خیر امداد مدارس و مساجد و بقیہ وقف علی الاولاد
۲۴	پیر محمد احسن خاں	جولائی ۱۹۱۵ء	موضع ہانتی محال نگاری	تخمیناً ۳۰۰۰	پیر حمید احمد	نصف آمدنی برائے مصارف خیر امداد مدارس و طلبا و غربا و نصف وقف علی الاولاد
۲۵	پیر محمد محسن الدین	اکتوبر ۱۹۱۵ء		تخمیناً ۲۰۰۰	پیر محمد محسن الدین	تقریباً [illegible] سالانہ برائے مصارف خیر و بقیہ وقف علی الاولاد
۲۶	مولوی بشیر احمد فاروقی وغیرہ		اراضیات و دوکانات	تخمیناً ۳۰۰	آل محمد سلمہ	مصارف مسجد معروف شیخ احمد الدین فاروقی واقع محلہ شیخزادگان (محلہ شہید)
۲۷	رحیم بخش ولد حسین بخش	۲۶ر جون ۱۹۲۰ء	اراضیات موضع لوراہن پور، محمد پور، اکبر پور، رائے و چک عثمان پور وغیرہ و دکانات	تخمیناً ۴۰۰۰	غلام مصطفیٰ	[illegible] سالانہ مصارف خیر امداد مساجد اور باقی وقف علی الاولاد
۲۸	والدہ زبیر خاں		اراضیات موضع [illegible] پرگنہ امروہہ	۱۵۰	نور شاہ خاں	خدمت مسجد معروف شیخ [illegible] رسول خاں [illegible]

نمبر شمار	نام واقف	کب وقف کیا	تفصیل جائداد موقوفہ	سالانہ آمدنی	نام متولی	اغراض وقف
٢٩	شیخ عبدالحق بن شیخ فیروز علی		اراضیات موضع چپادی وغیرہ	تخمیناً [illegible]	شیخ اعجاز الحق (محلہ گھیر مناف)	برائے مصارف فاتحہ حضور سرور کائناتؐ و اعراس سلسلہ حضرت غوث الاعظمؒ حضرت معین الدین اجمیریؒ حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ، بابا فرید شکر گنجؒ و حضرت شاہ ولایتؒ وغیرہ
٣٠	زوجہ سید بشیر اللہ		اراضیات موضع جانگی پور	تخمیناً [illegible]	سید قمر النبی	مصارف مسجد بتی متصل بازار کلاں
٣١	یسین علی		قطعہ باغ ترشادہ	تخمیناً [illegible]	حکیم خلیل احمد (محلہ کٹکوئی)	مصارف مسجد معمرہ شیخ عمر حسین واقع محلہ کٹکوئی
٣٢	حاجی علی بخش	٢٢ نومبر سنہ ١٩٠٢ء	اراضیات قصبہ ۱ بیگہ ۴ بسوہ	تخمیناً [illegible]	وزیر احمد لوگزہ	مصارف درگاہ شاہ قیام الدینؒ
٣٣	مولوی احمد حسین خاں		آمدنی باغات	[illegible]	مولوی احمد حسین خاں	مصارف مسجد و روضہ حافظ عباس علیخاںؒ
٣٤	منشی محمد حسنین وغیرہ		اراضیات واقع امروہہ و ہاپوڑ	تخمیناً [illegible]	منشی محمد حسنین وغیرہ	صرف مسجد شاہ ابو بنا فاضلؒ
٣٥	ستری ہدایت اللہ	سنہ ١٩٢٣ء	آمدنی دوکانات	[illegible]		صرف مسجد محلہ بتی
٣٦	حاجی کلیم اللہ عباسی		اراضی قصبہ	تخمیناً [illegible]	منشی سردار احمد عباسی	صرف مسجد مولوی عبدالحی
٣٧	یسین خاں	سنہ ١٣٣٢ھ	اراضیات قصبہ وغیرہ	تخمیناً [illegible]	عبدالقیوم خاں	صرف مسجد محلہ کٹکوئی

شیعوں کے اوقاف

مندرجہ ذیل فہرست کے مطابق ان کی تعداد ۲۷ ہے اور مجموعی سالانہ آمدنی تقریباً پچیس ہزار روپیہ ہے۔ ان میں بیشتر اوقاف امام باڑوں کے ہیں، تقریباً آٹھ ہزار روپیہ سالانہ کے اوقاف مدارس دینیہ، امام المدارس اور شیعہ کالج لکھنؤ کے متعلق ہیں، باقی مساجد اور دیگر مصارف خیر کے لئے سید آبدال محمد کے وقف کو کچھ عرصہ سے شیعہ وقف بتایا جاتا ہے لیکن حقیقت حال یہ ہے کہ نہ واقف مذہباً شیعہ تھے اور نہ یہ وقف شیعہ مذہب کے مقاصد واغراض کے لئے کیا گیا تھا، اس پر تفصیلی بحث مسجد سید آبدال محمدؒ کے سلسلہ میں کی گئی ہے لیکن اس موقع پر ایک اور وقف کا جو شیعوں کا وقف ہے اور امام باڑہ شیش محلؒ سے متعلق ہے تذکرہ بے محل نہ ہوگا۔ مسماۃ علیم النساء عرف مینڈھی بنت شیخ سعادت علی زوجہ شیخ غلام علی انصاری بن خلیفہ عبداللہ انصاری نے یکم اگست ۱۸۸۳ء کو حسب ذیل وقف نامہ کے ذریعہ اپنی کل جائداد صحرائی وسکنائی وقف کی:۔

نقل وقف نامہ مسماۃ علیم النساء عرف مینڈھی

اقرار معتبر شرعی کرتی ہوں میں مسماۃ علیم النساء عرف مینڈھی بنت شیخ سعادت علی زوجہ شیخ غلام علی انصاری مرحوم قوم شیخ سکنہ امروہہ ضلع مرادآباد متعلقہ صدر الہ آباد جو کہ ایک منزل مکان امام باڑہ مشتمل بر عمارت دو درد الان شمال رویہ جانب غرب وایک کوٹھری بازوئے آں مع حصہ تہ خانہ واراضی زیر علہ وصحن ودروازہ کہ قدیم الایام رو برو دے شوہر مجھ مقرہ سے مکان مذکور میں تعزیہ داری ومجالس ماتم داری جناب امام حسین علیہ السلام کی ہوتی ہے اور وہ موقوفہ ہے اور ایک منزل حویلی اندرونی شمال رویہ مسکونہ من مقرہ مشتمل بر یک دالان شمال رویہ و دو کوٹھری جانبین وایک مطبخ غرب رویہ مع اراضی تحت عمارت وصحن وراستہ دہ خانہ ودروازہ پختہ جلوخانہ تا ہمہ پختہ مسقف بچوب وکڑی وچہات وچہادوں وچوکھٹ وکواڑ مع اراضی زیر علہ وصحن ودروازہ آمد ورفت وجملہ حق حقوق متعلقہ واضافیہ وداخلی وخارجی آنہا واقع محلہ چاہ غوری من محلات امروہہ

موازی چور آسی بیگہ دو بسوہ خام اراضی حصہ نصفی حقیت خود مقبوضہ و مرہونہ بموجب دستاویز رہن نامہ اقراری من مقرہ بمختاری شبیر علی مختار عام موسومہ مسماۃ نظام النساء بنت بشارت علی زوجہ الٰہی بخش و رحیم بخش ولد وزیر علی مرتہنان تعدادی ۶۰۰؍ روپیہ مورخہ ۲۰؍ اگست سنہ ۱۶ء از جملہ ایک سو اڑسٹھ بیگہ چار بسوہ خام اراضی زرعی موسومہ ملک انپاوالی واقع موضع ہادی پور کلاں پرگنہ امروہہ مملوکہ و مقبوضہ من مقرہ محدودات بحدود مفصلہ ذیل مالیتی مبلغ دو ہزار روپیہ تخمیناً جو ترکہ شوہر سے قبض و دخل میں مجھ مقرہ کے ہے اب میں نے جائداد مذکورہ کو قربتاً الی اللہ ہمیشہ کو واسطہ تعزیہ داری و صرف اخراجات مجالس ماتم داری حضرت امام حسین علیہ السلام کے وقف موبد کر کے واسطے انتظام و انصرام جائداد مذکورہ موقوفہ کے مسمیان سید زاہد حسین ولد سید ارشاد علی و سید جعفر حسن ولد سید مسیح قوم سید پیشہ معافی و شیخ سبحان بخش بن کریم بخش قوم شیخ پیشہ نوکری ساکنان امروہہ کو متولی مقرر کر کے قائم مقام ذات اپنی کا کیا، چاہیئے کہ متولیان مذکوران امام باڑہ مذکور میں حسب دستور قدیم تعزیہ داری اور مجالس عزا اور ماتم داری جناب امام حسین علیہ السلام کی اور حویلی اندرونی مذکورہ میں قبض و دخل اپنا رکھکر مہمانداری مستورات کی جو واسطے سماعت مرثیہ کے آتی ہیں اور آمدنی ملک مذکور سے صرف مجالس مذکورہ کا کرتے رہیں اور جس قدر آمدنی ملک خرچ مجالس سے بچے اس کو فراہم کر کے زر رہن اراضی ملک مرہونہ کا ادا کر دیں اور بعد ادائے زر رہن مذکورہ کے کل آمدنی ملک مذکورہ مستخلصہ و مقبوضہ کی تعزیہ داری و روضہ و مجالس اسی امام باڑہ مذکور میں صرف کیا کریں اور چونکہ روضہ اربعین قدیم سے اس امام باڑہ ممدوحہ میں اٹھتا ہے آئندہ کو بھی بدستور قدیم ہمیشہ روضہ اربعین کو اٹھایا کریں اور حتی الامکان ترقی مراسم تعزیہ داری و مجالس امام عالی مقام ممدوح میں سعی و کوشش رکھیں اور خورد و نوش اور صرف میت مجھ مقرہ کا اور بھی خرچ عدالت جو ضرور یہ بابت اس جائداد کے کسی طرح کا واقع ہو آمدنی ملک مذکورہ سے کریں اور متولیان مذکوران اپنی طرف سے ملک مذکور کا جس کے نام چاہیں ٹھیکہ یا نقشی یا جمع بندی بسبت چاہیں کریں اور یہ بھی متولیان کو اختیار ہوگا کہ جس کو واسطے اہتمام و انتظام و انصرام امور مذکورہ بالا کے لائق سمجھیں اپنی حیات میں متولی جائداد

مذکورہ کا کریں مگر شرط یہ ہے کہ متولی و مہتمم جائداد مذکورہ کا مذہب شیعہ اثنا عشری رکھتا ہو اور کسی وقت میں کسی متولی کو اختیار بیع یا رہن یا ہبہ یا کفالت یا انتقال کسی نوع جائداد مذکورہ کا حاصل نہ ہوگا۔ اگر کوئی متولی کسی طرح کا انتقال عارضی یا دوامی بجز تبدیل تولیت کے کرے گا وہ باطل و ناجائز ہوگا۔ اگر بتقدیر کوئی متولی کسی زمانہ میں من جملہ اس جائداد کے جزو یا کل کسی حیلہ سے بیع یا رہن یا ہبہ کرے یا متولی سوائے مذہب اثنا عشریہ کے کرے تو جملہ اشخاص مذہب اثنا عشریہ کو اختیار کلیہ حاصل ہے کہ اس کو منسوخ کرادیں اور متولیان خلیفہ محمد سلیمان اور ان کی اولاد کو بداخلت اہتمام مجالس و روضہ و راہ آمد رفت سے جو راستہ ان کے مکان مسکونہ کا قدیمی ہے اس میں متولیان یا وارثان مقرہ میں سے کسی وقت میں مزاحمت و امتناع نہ کریں گے اور ہمشیرہ اور اولاد ہمشیرہ مقرہ سے اہتمام مہمانداری اندرونی و بیرونی اگر بخوشی خاطر اپنی کریں لیتے رہیں اور بعد تحریر اس وثیقہ کے مجھ مقرہ کو یا کسی قائم مقام میرے کو اختیار تنسیخ وثیقہ ہذا کا اختیار واپسی یا معزولی متولیان مذکوران کا یا تحریر وقف نامہ و تولیت نامہ دیگر بنام دیگر اشخاص کے اور استحقاق تملیک حاصل نہ ہوگا، کوئی وارث یا قائم مقام میرا امورات مذکورہ مصدرہ میں کسی طرح کا مانع و مزاحم نہ ہوئے لہٰذا یہ تولیت نامہ بابت جائداد موقوفہ مذکورہ کے لکھ دیا کہ سند ہو اور بروقت کام آوے۔ فقط تحریر بتاریخ یکم ماہ اگست ۱۹۰۳ء

۳ر اگست ۱۹۰۳ء کو وقف نامہ مندرجہ بالا کی رجسٹری ہوئی۔ حسب ذیل عبارت تصدیق رجسٹری پشت دستاویز وقف نامہ پر درج ہے:۔

یہ دستاویز آواری مسماۃ علیم النساء عرف مینڈھی کی دفتر رجسٹرار پرگنہ امروہہ ضلع مرادآباد میں بروز دوشنبہ بتاریخ ۳ر اگست ۱۹۰۳ء مابین ۱۰-۱۱ گھنٹہ بجے دن کے واسطے رجسٹری کے مسمی سبحان بخش ولد کریم بخش قوم شیخ پیشہ روزگار ساکن محلہ سرائے کہنہ من محلات امروہہ مذکور نے، جس کے حق میں یہ دستاویز تحریر ہے، پیش کر کے بیان کیا کہ تصدیق اس دستاویز کی خود مقرہ مذکورہ سے اس کے مسکن پر فرمائی جاوے۔

العبــــــــد
شیخ سبحان بخش بقلم خود

(دستخط) الیسری اسسٹنٹ سب رجسٹرار

" آج بتاریخ و روز مذکورہ بالا مابین ۵ و ۶ گھنٹہ بجے دن کے ہم خود بجلد چاہ غوری میں محلات امروہہ مسکن پر مسماۃ علیم النسا عرف مینڈھی مقرہ مذکورہ کے واسطے تصدیق کرنے اس دستاویز کے اور واسطے حصول اطمینان کے آئے تو مسماۃ علیم النسا عرف مینڈھی مذکورہ نے اندرون دروازہ مسقف شرق رویہ حویلی مسکونہ اپنی کے پس کواڑ ہا کھڑے ہو کر حرف بحرف جملہ مضمون اس دستاویز کو سنکر بآواز بلند تکمیل و تحریر اس دستاویز سے اقبال کیا اور کہا کہ میں نے یہ دستاویز اپنی خوشی سے لکھوائی ہے اور سب عبارت و مضمون مندرجہ دستاویز کو لفظ بلفظ تصدیق کیا اور کہا کہ بعد تکمیل رجسٹری کے یہ دستاویز حکیم نیاز علی خاں کو دیدی جائے۔ فقط دستخط مقرہ کے ذیل میں ثبت ہیں۔ فقط ایسری پرشاد سب رجسٹرار۔ العبد

مسماۃ علیم النسا عرف مینڈھی بقلم نیاز علی خاں

بعدہ حکیم نیاز علی خاں[1] ولد حکیم نثار علی خاں قوم شیخ پیشہ معافی ساکن محلہ سدّو منحلات امروہہ و پیر تنویر علی[2] ولد پیر گنج بخش قوم پیرزادہ پیشہ معافی محلہ سدّو مذکور نے شناخت مسماۃ علیم النسا عرف مینڈھی مقرہ مذکورہ کی اندر دروازہ مذکور کے جاکر کی اور بیان کیا کہ مظہرہ وہی مسماۃ مقرہ مذکورہ ہے دوسری کوئی نہیں اور ہم حکیم نیاز علی خاں مذکور سے واقف ہیں اور پیر تنویر علی مذکور کی شناخت میر سید باقر نذر ولد سید احمد نذر قوم سید پیشہ روزگار محرر رجسٹری امروہہ محلہ ہٹی منحلات امروہہ مذکور نے جس کو ہم پہچانتے ہیں کری۔ (دستخط) ایسری پرشاد سب رجسٹرار۔"

غالباً اس وقف کا حسب ضابطہ عملدرآمد نہیں ہو سکا۔ منشی شبیر علی[3] بن شیخ امانت علی جو مسماۃ علیم النسا عرف مینڈھی کے حقیقی بھانجے ہیں مختار عام کی حیثیت سے اسکا اہتمام کرتے رہے۔

---

[1] یعنی پدر بزرگوار حکیم راحت علی خاں صاحب۔

[2] یعنی جد امجد پیر تمیز علی صاحب پنشنر سب رجسٹرار۔

[3] مسماۃ علیم النسا عرف مینڈھی اور مسماۃ کوڑی دو حقیقی بہنیں تھیں۔ اول الذکر شیخ غلام علی بن حفیظ عبد اللہ انصاری کی زوجہ تھیں، ان کے کوئی اولاد نہ تھی۔ خلیفہ عبد اللہ انصاری کے (بہ شیوخ انصاری کے اس)

شیعوں کے اوقاف

نمبر شمار	نام واقف	کب وقف کیا	تفصیل جائداد	سالانہ آمدنی	نام متولی	اغراض وقف
۱	سید تحسین علی (دربار کلاں)	۲۰ اکتوبر ۱۸۶۵ء	اراضی موضع لوہری پور پرگنہ چاندپور	۲۰۰ ما ر	سید اعزاز علی (دربار کلاں)	مصارف امام بارہ دوست علی و امام باڑہ مسماۃ بدلی
۲	مسماۃ صغیر النساء	۴ مارچ ۱۸۶۹ء	اراضی موضع سرسہ خمار	المار	سید انیس حسن (محلہ گندری)	برائے مصارف مسماۃ صغیرن

(بقیہ نوٹ ص۳۷۰) خاندان سے تھے جس میں مولوی منظہر علی انصاری کا خاندان ہے، اشرفائے کبرہ شیعی مذہب ساکنان محلہ صدّو سے تعلقات یگانگت تھے۔ وہاں وہ درس بھی دیتے تھے ان حضرات کی صحبت میں انہوں نے بھی مذہب شیعہ اختیار کر لیا تھا۔ اور اپنے مکان مسکونہ میں تعزیہ داری شروع کی، بعد میں اسے ترمیم کرایا جو "شیش محل" کے نام سے مشہور ہوا۔ مسماۃ مینڈی ان ہی حسن لطیفہ عبداللہ انصاری کی بہو تھیں۔ مسماۃ مینڈھی کی حقیقی بہن مسماۃ کوڑی تھیں جو شیخ امانت علی بن شیخ ولایت علی ساکن محلہ مولانا کے عقد میں آئیں۔ منشی شبیر علی ان ہی مسماۃ کوڑی کے فرزند ہیں۔ یہ محلہ مولانا کی سکونت ترک کرکے اپنی خالہ کے یہاں چلے آئے۔ منشی شبیر علی کے بنی اعمام میں منشی محمود حسن بن شیخ کرامت علی بن شیخ ولایت علی مذکور کا خاندان ہے یہ حضرات شیوخ صدیقی ڈکوری مشہور ہیں لیکن اب بعض اشخاص اپنا نسب فاروقی بھی بتاتے ہیں "شیش محل" کے احاطہ میں ایک مکان میاں منگھا انصاری کا تھا وہ غدر ۱۸۵۷ء کی دار و گیر میں ماخوذ ہوئے اور مکان ضبط کیا گیا جو شیخ محمد حسین ساکن محلہ گھیر منان نے خرید لیا تھا بعد میں ان سے شیخ ضیاء علی انصاری وکیل نے خرید کیا، اب اس میں مولوی محمد اسمٰعیل انصاری رہتے ہیں دوسرا مکان خلیفہ سلیمان کا تھا جن کے فرزند شیخ محمد اصغر ہیں، انہوں نے یہ مکان منشی عبدالرب شکیب بن منشی شبیر علی مذکور کے لائق فرزند شیخ ضیاء الرب بی۔ اے (علیگ) ڈسپرنٹنڈنٹ محکمہ صنعت و حرفت کے ہاتھ فروخت کر دیا جسے انہوں نے بعد ترمیم از سرنو تعمیر کرایا ہے۔

نمبر شمار	نام واقف	کب وقف کیا	تفصیل جائداد	سالانہ آمدنی	نام متولی	اغراض وقف
۳	مسماۃ ملک النساء زوجہ شیخ امانت علی و حکیم امجد علی خاں و مسماۃ ریاست النساء	۱۹ر مارچ ۱۸۶۰ء یکم مارچ ۱۸۶۷ء ۲ر جنوری ۱۹۰۲ء	اراضی شوہ و چکساشوہ، ٹکیاد چک ٹکیا، پرگنہ امروہہ و بادن پور پرگنہ حسن پور	۱۰۰۰ الـ ؍	حکیم راحت علیخاں (محلہ صدور)	برائے مصارف امام باڑہ بہیمی
۴	مسماۃ علیم النساء و عرف مینڈھی زوجہ شیخ غلام علی بن خلیفہ عبد اللہ انصاری	یکم اگست ۱۸۶۳ء	۱۲۳ لکہ اراضی ملک موضع بادی پور و مکانات	۱۰۰ مار	سید زاہد حسین و سید جعفر حسین و شیخ سبحان بخش	برائے تعزیہ داری و اخراجات مجالس امام باڑہ شیش محل
۵	سید غلام حسنین خاں و صادق حسین خاں (دانشمند)	۱۳ر ستمبر ۱۸۶۸ء ۲۵ر مارچ ۱۸۶۳ء	اراضی رجب پور و اراضی سکنائی محلہ دانشمنداں و باغیچہ بنگلہ والا پرگنہ امروہہ و نیچولی و رسول پور پرگنہ مذکور	۱۶۰۰ السما ؍	سید اختر حسنین خاں (محلہ دانشمنداں)	مصارف امام باڑہ زنانہ سید اختر حسنین خاں
(۶)	سید محمد حسن خاں و سید علی حسن خاں و سید حامد حسن خاں	۱۱ر مئی ۱۹۰۶ء	رجب پور کلاں باغ امروہہ	۶۰۰ سما	سید فیاض حسن خاں وغیرہ	برائے مصارف حکام رسی و دربار داری و فاتحہ بزرگان
۷	سید نور الحسن و مسماۃ کنیز رقیہ و سید ولایت حسین	۲۴ر نومبر ۱۸۸۲ء	جلیل پور اقبال و حسن پور کٹیہ و مجھولی رسولپور پرگنہ امروہہ	۴۰۰۰ للعہ	محمد مہدی رضا و محمد طاہر حسن (متنازعہ)	اخراجات مجالس امام باڑہ مسماۃ نذیر النساء (محلہ دانشمنداں)

اغراض وقف	نام متولی	سالانہ آمدنی	تفصیل جائداد	کب وقف کیا	نام واقف	نمبر شمار
مسجد سید داد علی واقع امروہہ محلہ بگلہ	سید نورین احمد	۴۵ للعہ	زمینداری یک ثمن موضع سلطان پور	وقف نامہ موجود نہیں	سید داد علی	۸
اخراجات امام باڑہ و مسجد متصل امام باڑہ	سید نورین احمد (محلہ بگلہ)	۱۵۰۰ الصہ ؍؍	ارضی موسومہ بازار سید داد علی واقع امروہہ محلہ بگلہ	۲۲ مارچ ۱۸۸۵ء	سید محمد باقر و سید مقبول احمد وغیرہ	۹
مصارف امام باڑہ خاتون دولت و اعانت مسافرین	مولانا حاجی سید مرتضیٰ حسین (دانشمنداں)	۳۵۰ ساصہ ؍؍	رسولپور حزرہ مجھولی و مجھولی پرگنہ امروہہ	۱۷ نومبر ۱۸۸۵ء	سید قربان حسین (محلہ دانشمنداں)	۱۰
مصارف امام باڑہ مسماۃ بھیونی (محلہ دانشمنداں)	سید معجز حسن (محلہ دانشمنداں)	۲۰۰ ما	ارضی ملک کوکرتہنڈی پرگنہ مراد آباد	۸ فروری ۱۸۸۹ء	مسماۃ بتول دولت عرف بھیونی محلہ دانشمنداں	۱۱
مصارف امام باڑہ مسماۃ نعیم النساء مشہور رانڈوں والا (محلہ دانشمنداں)	سید حکیم رضا محلہ دانشمنداں	۱۰۰۰ الــ ؍؍	نگری پرگنہ حسن پور و چودہر پور و جہاولی و نیاض نگر و سید ولی و چک جہاولی پرگنہ امروہہ	۲۹ ستمبر ۱۸۵۸ء	سید علی احمد محلہ دانشمنداں	۱۲
مدرسہ امام المدارس	مولوی سید محمد مجتبیٰ عرف مولوی سید چاند محلہ بگلہ	۱۰۰۰ الــ ؍؍	قاسم پور پرگنہ امروہہ ٹپنڈنشرہ پرگنہ حسن پور دگو گڑھیا پرگنہ ٹھاکر دوارہ	۴ جولائی ۱۹۰۱ء ۵ جولائی ۱۹۰۱ء ۵ اکتوبر ۱۹۱۰ء ۲۱ مارچ ۱۹۱۰ء	سید مقبول احمد سید محمد باقر وغیرہ (محلہ بگلہ)	۱۳
امام باڑہ و مسجد امام باڑہ سید دولت علی (محلہ کشکوئی)	سید سجاد حسین (محلہ کشکوئی)	۲۰۰ ما	پیپلی ننگا پرگنہ حسن پور و گنمسور پور پرگنہ امروہہ	۲۰ جون ۱۹۰۳ء	مسماۃ سکینہ زہرا (محلہ کشکوئی)	۱۴

نمبر شمار	نام واقف	تاریخ وقف نامہ	تفصیل جائداد	سالانہ آمدنی	نام متولی	اغراض وقف
۱۵	سماۃ اجرہ خاتون (محلہ گذری)	۹ جون ۱۹۰۲ء	اراضی موضع چبلا پور و پچودہر پور پرگنہ امروہہ لطیف پور وگت ولی پرگنہ ٹھاکردوارہ	۷۰۰ معمار	سید محمد حسنین (محلہ گذری)	برائے مصارف علوم دینیہ مذہب امامیہ
۱۶	سید نور الحسن (محلہ دانشمندان)	۲۸ دسمبر ۱۹۰۴ء	اراضی موضع کھیڑو و ماندن کھیڑو و چھبائی جلیل پور بقال کلاں پٹی وارام سرائے پرگنہ امروہہ وغیرہ	۳۰۰۰ سمار ۳۰۰۰	محمد مہدی رضا و محمد طاہر حسن (متنازعہ)	مدرسہ نور المدارس
۱۷	سماۃ ریاست النسا زوجہ نور الحسن مذکور	۲۹ دسمبر ۱۹۰۴ء	جلالپور و جلیل پور بقال و اراضی قصبہ امروہہ	سمار	〃	〃
۱۸	سماۃ بشارت النسا (محلہ بھوکر)	۷ جولائی ۱۹۰۵ء	کنپورہ و اکبر پور پرگنہ امروہہ	۲۰۰ مار	سید انیس الحسن (محلہ بھوکر)	مصارف امام باڑہ محلہ بھوکر امداد حاجیان و زواران مذہب امامیہ
۱۹	سید محمد جواد (محلہ گذری)	یکم مئی ۱۹۰۵ء	موضع ناجپنی پرگنہ سنبھل	۶۰۰ سمار	سکریٹری شیعہ کالج لکھنؤ	شیعہ کالج لکھنؤ
۲۰	سید شاکر حسین (محلہ بھوکر)	۴ اکتوبر ۱۹۱۱ء	کنپورہ پرگنہ امروہہ	۱۰۰ مار	سید ابرار حسین (محلہ بھوکر)	امام باڑہ زنانہ سماۃ قمر النسا
۲۱	سید مدد علی (محلہ کشکوئی)	۲ شوال ۱۳۲۸ھ	اراضی موضع مہوہ پرگنہ امروہہ	۳۰۰ سمار	سید نہال محمد (محلہ کشکوئی)	امام باڑہ و مسجد امام باڑہ (محلہ کشکوئی)

نمبر شمار	نام واقف	کب وقف کیا	تفصیل جائداد	سالانہ آمدنی	نام متولی	اغراض وقف
۲۲	سید نذر حسن (محلہ گذری)	۲۰ جون ۱۹۱۲ء	دہنوری و رسول پور و مجھولی پرگنہ امروہہ	٦٠٠ سمار	سید احمد حسین (محلہ گذری)	مصارف علوم دینیہ مذہب امامیہ
۲۳	مسماۃ حاجرہ خاتون (محلہ دربار کلاں)	۲۲ جون ۱۹۲۶ء	موضع پانتی پرگنہ امروہہ	الماقسہ	مولوی سید محمد صاحب (محلہ شفاعت پوتہ)	امام باڑہ مسماۃ راحت بی بی و امام باڑہ دربار کلاں
۲۴	مسماۃ سعیدہ خاتون (محلہ کٹکوہ)	۱۱ مارچ ۱۹۲۳ء	موضع عالمپور و پھیکچ پرگنہ امروہہ	٦٠٠ سمار	〃	امام باڑہ کلاں محلہ کٹکوہ و امداد فقرا و مساکین و مشاہد مقدسہ
۲۵	سید محمد نعیم و مسماۃ خوب دولت و مسماۃ ہدایت النسا	۱۲ جنوری ۱۹۲۵ء	امیٹرہ و کوڑی و محمد پور بنگر پرگنہ امروہہ	۱٦٠٠ السمار	سید نبی ہادی کمیر کرم علیخاں	امام باڑہ و مسجد (محلہ سٹھی)
۲٦	حاجی محمد اشرف		جبار پور و جوئی کمن پور پرگنہ امروہہ	۲۵۰ ۱۲ صہ	مولوی سید محمد عبادت	مصارف اشرف المساجد (جامع مسجد شیعیان)
۲۷	حاجی محمد اشرف (عظیم آبادی)		ملک دہنو پورہ پرگنہ مراد آباد و مجھولی پرگنہ امروہہ	۱۵۰ ماصہ	سید زوار حسین	〃
			میزان کل	۲۴۰۴۰ [illegible]		

فقرائے زاویوں اور تکیوں کے اوقاف

مشائخ کی خانقاہوں کے علاوہ امروہہ میں فقرا کی مختلف جماعتوں کے زاویے اور تکئے بھی تھے ان فقرا میں سب سے قدیم جماعتیں حیدری اور جلالی فقیروں کی تھیں مشہور سیاح ابن بطوطہ

کی آمد کے زمانہ (یعنی ۱۳۴۲ء) میں یہاں حیدری فقیروں کی جماعت موجود تھی انکے متعلق ابن بطوطہ کا بیان ہے:-

"اس شہر (یعنی امروہہ) میں میرے پاس حیدری فقیروں کی ایک جماعت آئی انہوں نے پہلے
توسماع سُنا اور پھر آگ جلوائی اور آگ میں گھس گئے اور ان کو آگ سے کچھ نقصان نہ پہنچا" [۱]

جلالی فقیروں کی یادگار کے طور سے محلہ مجددہ کا ایک حصہ "نیب جلالیاں" کے نام سے مشہور ہے اور اب بھی کچھ افراد جلالی فقیر کہلاتے ہیں جو اب زیادہ تر باجہ بجانے کا پیشہ کرتے ہیں۔ حیدری فقیروں کی جماعت شیخ قطب الدین حیدری یا شیخ حید خراسانی سے منسوب ہے اور جلالیہ فقیر سید جلال الدین بخاری سے۔ [۲]

کرک علی شاہ کا تکیہ جو درگاہ شاہ ولایتؒ کے متصل ہے اور کچھ عرصہ پیشتر تک آباد تھا حیدری فقیروں کا تکیہ تھا ۱۱۷۲ھ میں شاہ روح القدس درویش نے اس تکیہ کو خوب رونق دی تھی۔ سید لطف علی بن سید طفیل محمد اور سید میر علی بن سید غلام علی (ساکنان محلہ حقانی) نیز بزرگان سادات محلہ لکڑہ نے کچھ اراضی شاہ موصوف کو "برائے احداث و بنائے جائے دامکن آرام گاہ فقراء و مساکین صادر و وارد" کیلئے ہبہ کی تھی، اس تکیہ کے متعلق اور بھی متعدد اراضیات زرعی وقف تھیں جو بعد میں بددیانت متولیوں نے فروخت کردیں۔ کرک علی شاہ متبنائے پیر شوق علی شاہ متبنائے پیر قطب علی شاہ کے زمانہ ۱۳۰۲ھ تک یہ تکیہ خوب آباد تھا۔ اب ویران پڑا ہے شہر کے اور تکیوں کا بھی یہی حال ہے +

---

[۱] سفرنامہ ابن بطوطہ [۲] حیدری وجلالی ومداری ورفاعی فقراء کے یہ کل فرقے جاہل اور غیر مہذب ہیں اور جن مشائخ کی جانب منسوب ہیں اعمال اور عقیدے کے لحاظ سے ان کو کوئی مناسبت نہیں، حیدریوں میں بھنگ کا استعمال عام ہے، یہ عرف عام میں ملنگ کہلاتے ہیں اس زمانہ میں انکی تعداد بہت کم ہوگئی ہے لیکن سابق میں انکی جو حالت تھی اس کا اندازہ صاحب دبستان کی تحریر سے ہوتا ہے وہ لکھتے ہیں کہ:-

"جلالیان سب شیخین (رمانند بد (نقض) کنند و نماز نہ گذارند و روزہ ندانند و ریاضت و شغلی کہ صوفیہ راست ندانند و بنگ بسیار خورند و شتق مار و کژدم خوردن رسانند و چوں کاملان ایشاں ماررا چند سرپائے او را بجانیہ دفرو برند و گویند ماہی مرتضیٰ علی است و کژدم خورند و گویند چہینگہ علی ست و مانند مداریاں برہنہ باشند و چوں مداریاں در سرما سخت چیزے نہ پوشند و پیش آتش نشینند، جلالیاں زرو لیدہ مو نباشند و اکثر چار ضرب زنند و گرد جہاں گردند الخ"

امروہہ کے میلے اور تیوہار

ہندوؤں کے میلے اور تیوہار

سلونو:۔ ساون کے مہینہ کی آخری تاریخ ہوتا ہے، برہمنوں کا خاص تیوہار ہے، راکھی اور پوجا کی رسمیں گھروں پر ادا کی جاتی ہیں، تالاب بالندیو پر میلہ بھی لگتا ہے۔

رام ڈول:۔ یہ تیوہار کنہیا جی کے جنم کی خوشی کا تیوہار ہے، اس کا دوسرا نام جنم اشٹمی ہے، بھادوں بدی اشٹمی کو ہوتا ہے دوسرے دن تمام مندروں میں جلوس جاتا ہے۔

دسہرہ:۔ یہ تیوہار اس سفر کی یادگار کے طور سے منایا جاتا ہے جو رام چندر جی نے راون کے مارنے کے لئے رامیشور سے لنکا کا کیا تھا۔ کنوار بدی دسویں کو ہوتا ہے، درگا پوجا بھی اسی تیوہار کو کہتے ہیں۔ تقریباً ایک ہفتہ کو چہ گھتربالیں میں (ڈرامہ) ہوتی ہے پھر آٹھ روز تک رام لیلا کا میلہ ہوتا ہے جس میں بڑا ہجوم ہوتا ہے، گھروں پر پوجا ہوتی ہے۔ اس تیوہار میں کسان اور دیہاتی زمینداروں کو قسط کا روپیہ ادا کرتے ہیں۔

دیوالی:۔ آدھے کارتک[1] کی آخری تاریخ میں ہوتا ہے۔ اس میں دولت کی دیوی لکشمی کا پوجن ہوتا ہے۔ اس دن امروہہ کے ہندو دوکاندار اپنی دوکانیں آراستہ کرتے، کوزہ گر اور حلوائی مٹی اور مٹھائی کی مورتیں بناتے ہیں، رات کو بازاروں اور مکانوں میں چراغاں ہوتا ہے۔

ہولی:۔ یہ تیوہار ہندوؤں کا نوروز ہے۔ سال کے ختم ہونے کے آخری دن یعنی پھاگن کے آخری دن شروع ہوتا ہے۔ موسم بہار کے آنے سے پہلے نئے تاج کا ہوتن ہوتا ہے اس کو نگ کہتے ہیں۔ لوگ گنوں کو جن میں گیہوں اور دوسرے غلہ کے پودوں کی بالیں بندھی ہوتی ہیں آگ کے ڈھیر کے گرد گھوم گرم کرتے ہیں۔ مختلف مقامات پر ایندھن کا انبار لگا کر رات کو اس میں آگ دیجاتی ہے اس کو ہولی جلنا کہتے

---

[1] اصل لفظ "کارتک" ہے لوگ غلطی سے "کاتک" کہتے ہیں۔

ہیں۔ دن میں ہندو آپس میں ہولی کھیلتے ہیں، رنگ کی پچکاریاں بھر بھر کر ایک دوسرے پر چھڑکتے اور گلال ملتے ہیں۔ دیہات کے ہندو ٹولیاں بنا بنا کر ناچتے گاتے خوشی مناتے ہیں یہ ہندؤں کے نوروز کا دن ہوتا ہے، مختلف مقامات پر سوانگ بھی بنتے ہیں جسے قدیم زمانہ کا ڈرامہ سمجھئے۔

ظاہر دیوان کی چھڑیاں

چھڑیوں کے میلے بھی اسی مہینہ میں لگتے ہیں جس میں تیجوں اور سلونو کے تیوہار ہوتے ہیں۔ پہلے دن محلہ احمد نگر میں دوسرے دن کسٹکوئی پر فصیل کے دروازے آگے، تیسرے دن بساون گنج میں اور چوتھے دن یعنی میلہ کی آخری تاریخ میں باغیں کے کنویں پر۔ اس دن دیہاتیوں اور عوام کا بڑا ہجوم ہوتا ہے اور صبح سے شام تک میلہ رہتا ہے۔

ظاہر دیوان کی چھڑیوں کے میلہ کی وجہ تسمیہ تاریخی دلچسپی سے خالی نہیں اسلئے یہاں اسکا مختصراً بیان نامناسب نہ ہوگا۔ "ظاہر دیوان" کو مختلف مقامات پر مختلف ناموں سے یاد کیا جاتا ہے۔ نواح دہلی اور علاقہ شمالی دوآبہ میں "گوگا پیر" اور جنوب میں "ظاہر پیر" کہتے ہیں۔ "بارہ ماسہ" میں اسکے کارنامہ بیان کئے گئے ہیں۔ صاحب "قانون اسلام" اور مشہور فرانسیسی مستشرق گارسن دتاسی اس کی قبر ملک دوآبہ میں بتاتے ہیں لیکن اصل یہ ہے کہ اس کی قبر ضلع حصار کے جنوب مغرب میں "ددریرہ" مقام پر ہے۔ اس کے متعلق یہ روایت بیان کی جاتی ہے کہ یہ شخص واجا نامی ایک چوہان راجپوت کا بیٹا تھا، بعض لوگ اسکے باپ کا نام جیوار اور ماں کا نام "بچل" بتاتے ہیں، بہرحال باپ کا نام جو کچھ بھی ہو کہا جاتا ہے کہ "گوگا پیر" کے دو بھائی اور تھے اور یہ خود ان کی پیدائش کے بہت عرصہ بعد "گورکھ ناتھ" کی دعا سے پیدا ہوا تھا، اپنی قوم کا حکمراں تھا اور اسکا علاقہ ہانسی سے گڑھ تک تھا۔ پرتھی راج کا ہمعصر بھی اسے بتایا جاتا ہے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ مسلمانوں سے اسنے بڑی گھمسان لڑائیاں لڑی ہیں، مگر معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس زمانہ سے بہت پہلے ہوا ہے کیونکہ اسکے کارناموں کے منظوم قصوں میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ معہ اپنے ۴۵ بیٹوں اور ۶۰ بھتیجوں کے سلطان محمود غزنوی کے مقابلہ میں گارا ندی کے کنارے پر مارا گیا۔ اسی کے ساتھ یہ روایت بھی بیان کیجاتی

ہے کہ علاقہ کی تقسیم میں اس نے اپنے بھائیوں سے جھگڑا کرکے انھیں قتل کر دیا پھر ماں کی بددعا سے بچنے کے لئے کسی جنگل میں چلا گیا اور وہاں پہنچکر چاہتا تھا کہ کسی طرح مع اپنے گھوڑے کے زمین میں دھنس جائے[1] کہ یہ آواز کان میں آئی کہ "اگر تو کلمہ پڑھ کے مسلمان ہو جائے تو تیری خواہش پوری ہو سکتی ہے" چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا۔ غرضکہ اس عجیب و غریب ہستی کے متعلق مختلف روایتیں مشہور ہیں۔ ہندؤں کے مختلف طبقوں کے لوگ اس کو مانتے ہیں۔ بھادوں کے مہینہ میں چمار دھانگی بھی اس کے نام کے جھنڈے اٹھاتے ہیں۔ ہندؤں کی دوسری قوم والے بالخصوص بعض اگروال بنئے بھی اس کے معتقد ہیں اوجین میں "گوگا شہید" کا مندر بھی ہے۔ بھادوں کے مہینہ میں ان ایّام کی نویں تاریخ جس میں چاند نہیں نکلتا اس کی یادگار منائی جاتی ہے۔ اس کے معتقد بالعموم سیاہ جھنڈے نکالتے ہیں۔

مسلمانوں کے میلے اور تیوہار

۱۔ گیارہویں:۔ یعنی عرس حضرت غوث الاعظم محی الدین شیخ عبدالقادر جیلانی۔ گیارہویں ربیع الثانی کو محلہ چلہ میں دھوم دھام سے ہوتا ہے۔ امروہہ میں اس عرس کو ابتدائً شیخ جان محمدؒ نے تقریباً سنہ ۱۰۳۰ھ میں شروع کیا تھا صاحب اسرار یہ کا بیان ہے کہ:۔

"شیخ جان محمد ...... از مریدان شیخ عبداللہ ہٹہ ..... چند سال است
که عرس غوث اعظمؒ می کند، اجتماع فقرا خوشتر می شود و سرود خوشتر"

بعد میں اس عرس کو حضرت شاہ گدا قادریؒ کی اولاد نے اور رونق دی، بالخصوص سید سراج الدین ثانی بن سید نوراللہ کے زمانہ میں یہ عرس بڑے پیمانہ پر ہوتا تھا، ان کے اخلاف میں سید نوازش علی عرف شاہ بدھا متوفی سنہ ۱۲۵۲ھ نے جن کے کوئی اولاد نہ تھی اور جو بذات خود صوفی مشرب تھے اپنی کل جائداد

---

[1] ظاہر دیوان کے گھوڑے کا نام "جوادیا" مشہور ہے۔ قصّوں میں بیان کیا جاتا ہے کہ ظاہر دیوان کے اولاد نہ تھی۔ اس کے دیوتا نے جو کی دو بالیں دیں جن میں سے ایک اس نے اپنی زوجہ کو دیدی اور دوسری

معرانی و سکانی مصارف عُرس کے لئے وقف کردی تھی اب اس جائداد موقوفہ میں سوائے ایک مکان کے جس میں زنانہ میلہ لگتا ہے اور کچھ باقی نہیں۔

۹ ربیع الثانی سے ۱۱ ماہ مذکور تک عرس ہوتا ہے شہر کے عوام کا ہجوم ہوتا ہے،

۲۔ غازی میاں کے نیزے

ابتدائً یہ میلہ میر لساون کے کوٹلہ کے متصل لگتا تھا کوٹلہ مذکور کے انہدام کے بعد سے چبوترہ پر موضع پورن پور کے میلہ کے دوسرے روز اس بدھ کو لگتا ہے جو ہولی جلنے کے بعد آتا ہے۔

غازی میاںؒ کے نیزے شمالی ہند کے اکثر مقامات پر جیٹھ کے مہینہ میں اُٹھتے ہیں حقیقتاً یہ بھی ہندی عوام الناس کے میلے ہیں اور باوجودیکہ سالار مسعود غازیؒ جن کی یادگار میں یا بالفاظ صحیح جن کی شادی کی یادگار میں یہ میلہ لگتا ہے کو عمری کے زمانہ میں شوق جہاد میں ہندوستان آئے اور ہندوؤں سے لڑکر شہید ہوئے بایں ہمہ ہندوؤں کی بعض نیچ اقوام بھی ان کو اپنا پیر مانتی ہیں۔ [1] سب سے بڑا میلہ بہرائچ میں جہاں سالار موصوف کا مزار ہے ہر سال دھوم دھام سے لگتا ہے۔ "آرائش محل" کی روایت کے مطابق قصبہ ردولی ضلع بارہ بنکی کے ایک تیلی نے ابتداءً غازی موصوف کے شادی بیاہ اور برات کی رسم کی ابتدا کی تھی۔ اس میلہ میں چونکہ ہندوانہ اور مشرکانہ رسوم زیادہ ہونے لگی تھیں اسلئے سلطان سکندر لودھی نے جو دیندار بادشاہ تھا اور خود بھی علم سے بہرہ وافر رکھتا تھا اس کے سد باب کی تدابیر اختیار کیں مگر کامیابی نہوئی۔

امروہہ کے میلے میں اب زیادہ اژدہام نہیں ہوتا۔ زیادہ تر عوام الناس شریک ہوتے ہیں۔

۳۔ شاہ مدار کی نیرق:۔ یہ میلہ جمادی الاولیٰ کی چوتھی تاریخ حضرت شاہ آبنؒ کے روضہ کے متصل لگتا ہے اس روز وہاں پر مرغ ذبح ہوتے ہیں۔ شاہ بدیع الدین مدارؒ

(بہ سلسلۂ گذشتہ) اپنی گھوڑی کو اس سے یہ "جوادیا" نامی گھوڑا پیدا ہوا۔ [1] (صفحہ ۲۸۰) بعض قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ موصوف حضرت شاہ آبن بدر چشتیؒ کی نسل سے تھے مطبوعہ شجرہ میں آپکا نام درج نہیں ہے تاہم قدیم دستاویزات سے آپکا سلسلۂ نسب اسطرح ثابت ہوتا ہے شیخ جان محمد بن شیخ سلطان محمد بن شیخ کبیر بن شاہ احمد بن شاہ آبنؒ

جن کی یادگار میں یہ میلہ شمالی ہند کے اکثر مقامات پر لگتا ہے، اصلاً حلب کے باشندے اور نسباً یہودی تھے۔ اسلام قبول کرنے کے بعد مشائخ کبار میں سے ہوئے۔ سلطان ابراہیم شرقی کے زمانہ میں ہندوستان آئے اور ۸۴۰ھ میں واصل بحق ہوئے۔ "ساکن بہشت" تاریخ وصال ہے، مزار پُرانوار مکن پور میں ہے۔ عوام کے خیال میں وہ اب تک زندہ ہیں اسلئے "زندہ شاہ مدار" کہلاتے ہیں۔ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ وہ حبس دم پر عامل تھے اسلئے نہایت طویل عمر پائی۔ مدار فیکٹری کا خلیفہ ان ہی سے موسوم ہے۔

۴۔ عرسِ حضرت شاہ ولایتؒ:۔ سابق میں یہ عرس دھوم دھام اور بہت کچھ اہتمام سے ہوتا تھا، مصارف عرس کے لئے کچھ اراضیات سلطنت اسلامی کی عطیہ تھیں لیکن جب سے اہل خاندان کی اکثریت نے اختلاف مذہبی کی بنا پر عرس کے اہتمام سے دلچسپی لینا ترک کر دی، موقوفہ اراضیات بھی باقی نہ رہیں تو عرس کی سابقہ حیثیت بھی باقی نہ رہی۔ اس کے بعد سے درگاہ کے مجاور، ٹرہ تلے والے کائستھ اور شہر کے قسائی اور تیلی وغیرہ جن کو اس درگاہ سے موروثی عقیدت ہے، عرس کا اہتمام کرتے ہیں۔ انیسویں سے اکیسویں رجب تک تین دن عرس ہوتا ہے، میلہ بھی لگتا ہے اور عوام الناس کا مجمع بھی خاصہ ہو جاتا ہے کچھ اہل خاندان اور شرفائے شہر بھی شریک ہوتے ہیں۔

۵۔ عرسِ حضرت شاہ عبدالہادیؒ:۔ ماہ شوال میں ہر سے مر تاریخ تک عرس ہوتا ہے میلہ بھی لگتا ہے، جیسا کہ کسی دوسری جگہ بیان کیا گیا ہے آپ کے صاحبزادے شیخ ظہور اللہ عرف شیخ لڈو نے نا حکہ اراضی مصارف عرس کے لئے وقف کی تھی۔ عرس کا اہتمام اہل خاندان کرتے ہیں۔ مجمع بھی کافی ہو جاتا ہے۔

۶۔ عرسِ حضرت شاہ ابنؒ:۔ ماہ ذی الحجہ میں گیارہویں سے پندرہویں تاریخ تک پانچ روز عرس ہوتا ہے۔ گیارہویں و بارہویں صدی ہجری میں یہ عرس بڑے پیمانہ پر ہوتا تھا، بیرونجات سے مرید و معتقد بکثرت آتے تھے۔ صاحب اسرار یہ تقریباً ہر سال عرس میں شریک ہوتے وہ شاہ محمد دائم عالم کے

(متعلق صفحہ ۳۸۰) [۱] یعنی سید بدرالدین عرف میر بساون بن سید محمد اشرف خان عرف میر کلو [۲] مسلم بنگلہ سری اسٹیٹ۔

تذکرہ میں اس عرس کی کیفیت ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں :-

امروز مریدان خانوادۂ ایشان کہ در ہنگامۂ عرس **شیخ ابن** جمع می شوند ہزاران اند بل از شمار زیادہ و این معاملہ روز افزون است ۔	آجکل اس خاندان بزرگ کے مریدوں کی تعداد جو حضرت **شیخ ابنؒ** کے عرس کے موقع پر جمع ہوتے ہیں ہزاروں کی ہے بلکہ شمار سے بھی زیادہ ہے اور روز بروز بڑھتی جاتی ہے ۔

قدیم تحریرات سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس زمانہ میں زائرین و داخلین سلسلۂ ہندوستان کے دور دراز مقامات سے عرس کی شرکت کے لئے آتے تھے، جن کے قیام کے لئے متصل روضۂ منورہ مکانات موجود تھے ۔ حضرت خواجہ باقی باللہؒ المعروف بہ خواجہ بیرنگ کے فرزند باکمال خواجہ عبداللہ جو سید کمال محمد مؤلف اسرار یہ کے شیخ اور پیر طریقت تھے، نیز اسی مرتبہ کے چند اور بزرگ عرس کے موقع پر امروہہ تشریف لاتے اور حال و قال کی مجالس میں شریک ہوتے، صاحب اسرار یہ نے بعض ایسے حضرات کا بھی ذکر کیا ہے جو جونپور جیسے دُور دراز مقامات سے شرکت عرس کے لئے امروہہ آیا کرتے تھے مثلاً **سید ضیاء الدین** جونپوریؒ کے تذکرہ میں، جو اپنے زمانہ کے عالم فاضل اور عارف باللہ تھے، وہ لکھتے ہیں :-[1]

"من آں **سید ضیاء الدین** را در امروہہ دیدہ ام ہنگامۂ عرس **شیخ ابن** سر و پا برہنہ"	میں نے ان **سید ضیاء الدین** کو اولاً امروہہ میں (حضرت) **شیخ ابنؒ** کے عرس کے موقع پر دیکھا تھا، سر و پا برہنہ تھے ۔

مصارف عرس و خانقاہ کے لئے اراضیات اسلامی سلطنت کی عطیّہ تھیں، عرس کا انتظام اہل خاندان کرتے رہے ہیں، بزرگان سادات دربار کلاں دکنٹرہ غلام علی بھی برنبائے عقیدت اہتمام میں شرکت کرتے تھے ۔ امروہہ کے دوسرے مشائخ کے عرسوں کی طرح بعض اقوام اہل حرفہ کو اس خانوادہ مشائخ سے عقیدت و ارادت چلی آتی ہے اسی بنا پر دکھنی جولاہے اب تک عرس کی ایک شب کا اہتمام کرتے ہیں ۔

---

[1] اسراریہ قلمی صفحہ ۱۰۲۸ ۔

پچھلی صدی سے عرس میں بے رونق ہوگئی تھی اب چند سال سے اہل خاندان کی کمیٹی نے ازدیادِ رونق کا انتظام کیا ہے اجتماع بھی کافی ہوتا ہے اور میلہ بھی لگتا ہے۔ بیرونجات سے بھی کچھ لوگ شرکت کی غرض سے آتے ہیں۔ ان ہی ایام میں خانقاہ میں تبرکات کی زیارت بھی ہوتی ہے جس میں زیادہ تر حضرت بابا فرید شکر گنج کے تبرکات ہیں اور کچھ حضرت شاہ آبن بدر چشتیؒ کے۔

۷۔ شب برات:۔ تقریباً اسّی برس پہلے امروہہ میں یہ تہوار بڑے اہتمام سے منایا جاتا تھا، ہر خاندان اور ہر محلہ میں ہفتوں پہلے سے آتشبازی کے سامان تیار ہوتے تھے، مختلف ٹولیاں آتشبازی کی ریچ کھیلتیں اور ایک دوسرے پر سبقت لیجانے کی کوشش کرتیں لیکن یہ سب دولت کے کھیل تھے۔ جب مرفہ حالی کا وہ سابقہ حال باقی نہ رہا تو آتشبازی بھی سرد پڑ گئی۔

۸۔ عید الفطر:۔ تقریباً سوا صدی پیشتر تک امروہہ کے سب مسلمان اس یوم سعید میں ایک ہی مقام پر نماز عید کے لئے مجتمع ہوتے۔ شہر کے قاضی مختصر سے جلوس کے ساتھ نماز پڑھانے عید گاہ آتے۔ شروع شروع میں جو حضرات شیعہ مسلک کے متبع تھے وہ بھی عام مسلمانوں کے ساتھ عید کی نماز میں شرکت کرتے لیکن بعد میں جب عقائد کی کشمکش نے باہمی مخالفتوں کی شکل اختیار کرلی تو عیدین کے ادائے فرائض میں بھی جدائی ہوئی حتیٰ کہ بعد میں شیعہ حضرات کا عیدگاہ جانا حکومت کے حکم سے ممنوع ہوگیا اور وہ اپنی جامع مسجد (اشرف المساجد محلہ شفاعت پوتہ) میں عیدین کی نماز پڑھنے لگے۔ عید گاہ میں شہر اور مضافات کے مسلمانوں کا اجتماع کثیر ہوتا ہے۔ پندرہ بیس ہزار کا مجمع بالعموم ہوجاتا ہے جس کے لئے عیدگاہ کا وسیع صحن فراخ سیڑھیاں قطعاً ناکافی ہوتی ہیں، نیچے فرش خاک پر لوگوں کو نماز پڑھنی پڑتی ہے، عیدگاہ کے بانی شیخ غلام محمد کی طرح اب اگر کوئی صاحب ہمت امروہہ میں نہیں تو کیا صوفی خدا بخش عباسی کی طرح بھی جنھوں نے بعد میں اس کی مرمت کرائی تھی چند اشخاص نہیں جو عیدگاہ کے صحن کو وسیع نہ کرا سکیں تو کم از کم سامنے کی زمین ہی کو ہموار کرکے پختہ کردی جائے تاکہ نمازیوں کو ناہموار اور ریتیلی زمین پر بیٹھنے کی اذیت نہ رہے۔ عید کے دن محلہ شیخ زادگان (محلہ جھنڈا شہید) میں حضرت بابا فرید الدین شکر گنج کی اولاد ان کے پیر طریقت حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ کے تبرکات کی زیارت

کی زیارت کی تقریب میں مردانہ و زنانہ مجلسیں منعقد کرتی ہے۔

۹ عیدالضحیٰ :۔ عیدین کی نماز سنی عیدگاہ میں اور شیعہ اشرف المساجد (شفاعت پوتہ) میں ادا کرتے ہیں قربانی زیادہ تر گائے کی ہوتی ہے۔ کچھ لوگ مینڈھے اور بکرے کی بھی قربانی کرتے ہیں۔

۱۰ عشرہ محرم :۔ امروہہ کی عزاداری دور دور مشہور ہے امام باڑے بڑے اہتمام سے آراستہ کئے جاتے ہیں عورت، مرد، بچے، بوڑھے اور جوان سب غم امام میں سر و پا برہنہ ماتم کرتے، نالہ و بکا کی آوازیں دور دور تک جاتی ہیں۔

۳ محرم سے ۸ محرم تک حسب ذیل امام باڑوں کے علم و تعزیہ نکلتے ہیں:۔ امام باڑہ ولیاں[1] (محلہ بچھریہ)، امام باڑہ حضرت شاہ[2] (محلہ مجھر یشہ)، مغلوں کا امام باڑہ (محلہ منڈو)، امام باڑہ نورن ——— امام باڑہ کٹرہ غلام علی امام باڑہ چاند بورج[2] (قاضی زادہ)۔ نویں محرم کو امام باڑہ دربار کلاں سے نشان اٹھکر امام باڑہ دوست علی واقع محلہ کنگوئی میں جاتے ہیں اور دسویں محرم کو محلہ شفاعت پوتہ سے تربت و تخت و مسند تکیہ مع روشن چوکی وغیرہ نکلتے ہیں اور امام باڑہ میر آسیاں کے سامنے ہوکر قصائی خانہ سے محلہ کو واپس جاتے ہیں محلہ قاضی زادہ میں تسبیح کی زیارت ہوتی ہے اور امام باڑہ ششی و محلہ دانشمندان سے بھی ترتیب نکلتی ہیں۔ علاوہ ازیں مختلف محلوں سے روضے (تعزیئے) نکلتے ہیں۔ ان سب تاریخوں کے علموں، تعزیوں وغیرہ کی تعداد و تفصیل حسب روبکار مسٹر ہارڈی کلکٹر و مجسٹریٹ ضلع مرادآباد مجریہ ۲۳ جنوری ۱۸۹۵ء متعین و مقرر ہے۔ اور ان کے متعلق حکم ہے کہ بعد گشت قبل غروب آفتاب اپنی جگہ پر واپس پہنچ جائیں۔

۱۱ چہلم :۔ دسویں ماہ صفر سے انیسویں تک اربعین کی مجلسیں ہوتی ہیں۔ سابق میں لکھنؤ وغیرہ سے ذاکر آتے تھے اب بھی بعض حضرات بیرونجات سے آکر مجلسیں پڑھتے ہیں مجالس کے بعد بیسویں صفر کو تعزیئے اٹھتے ہیں یعنی روضہ محلہ دانشمندان بلا آرائش اور اسیطرح کا روضہ محلہ چاہ غوری (شیش محل[1]) سے اٹھتا ہے اور معینہ راستوں سے کربلا میں پہنچکر دفن ہوتے ہیں۔

[1] جیسا کہ کسی دوسری جگہ بیان کیا گیا ہے خلیفہ عبد اللہ انصاری نے تقریباً ۱۲۳۰ھ میں مذہب امامیہ اثنا عشریہ اختیار کیا تھا اور اپنے مردانہ مکان میں عزاداری شروع کی تھی جسے انہوں نے آراستہ کرکے "شیش محل" نام رکھا تھا۔ خلیفہ غلام علی انصاری انکے فرزند لاولد فوت ہوگئے۔ انکی زوجہ مساۃ مینڈہی نے کچھ جائداد اس امام باڑہ کیلئے وقف کی جسکا باضابطہ عملدرآمد ہوا۔ مساۃ مینڈہی کی خواہرزادہ منشی شیر علی بن شیخ امانت علی اسکا انتظام کرتے ہیں۔

فہرست اسمائے خادمانِ شرع شریف (قاضیان) امروہہ

نمبر شمار	نام	ولدیت	بادشاہ وقت	سند تقرر	کیفیت
۱	قاضی نظام الدین قریشی	قاضی محمد قریشی	سلطان غیاث الدین بلبن		
۲	قاضی سید امیر علی	حضرت شاہ ولایت	سلطان محمد تغلق		
۳	قاضی سید بدھ		سلطان فیروز شاہ تغلق		قاضی سید بدھ نسباً حسینی تھے جو لوگ انہیں حضرت شاہ ولایت کی نسل میں کہتے ہیں یہ محض غلط ہے۔ مؤلف تاریخ واسطیہ نے اس خاندان کا شجرۂ نسب جو قاضی سید قاضی کبیر اور اس خاندان کی دوسری شاخوں کا درج کیا ہے وہ ہرگز صحیح نہیں۔ ملاحظہ ہو حصّہ دوئم و سوئم۔
۴	قاضی سید منیر	قاضی سید بدھ	سلطان فیروز شاہ تغلق کے زمانے سے شروع عہد سکندر تک		

نمبر شمار	نام	ولدیت	بادشاہ وقت	سنہ تقرر	کیفیت
۵	قاضی سید اشرف	قاضی سید منیر	سلطان محمود شاہ تغلق کے زمانہ سے عہد محمود خلجی تک		
۶	قاضی سید ظہیر	قاضی سید اشرف			
۷	قاضی سید حسین	قاضی سید ظہیر			
۸	قاضی سید امین	قاضی سید ظہیر			
۹	قاضی سید سالار	قاضی سید محسن			
۱۰	قاضی سید الہدیہ	قاضی خدادیہ عرف قاضی سایاں		سنہ ۹۷۳ھ	
۱۱	قاضی سید کبیر	قاضی سید سالار	شہنشاہ اکبر	سنہ ۹۸۳ھ	
۱۲	قاضی سید طاہر	؍؍	؍؍	سنہ ۹۹۶ھ	

عدد شمار	نام	ولدیت	بادشاہ وقت	سنہ تقرر	کیفیت
۱۳	قاضی سید یوسف	قاضی سید سالار	شہنشاہ جہانگیر	سنہ ۱۰۳۰ھ	
۱۴	قاضی سید عبد الرسول	قاضی سید کبیر	شاہجہان	سنہ ۱۰۳۸ھ	
۱۵	قاضی سید راجے	قاضی سید طاہر	شہنشاہ عالمگیر	سنہ ۱۰۷۳ھ	شریک حاصلات عہدہ قضاء امروہہ۔
۱۶	قاضی سید ولی محمد	قاضی سید عبد الرسول	"	سنہ ۱۰۸۶ھ	برطرف شدہ غرہ ربیع الثانی سنہ ۲۲ جلوس عالمگیری
۱۷	قاضی سید یار محمد	"	"	سنہ ۱۰۹۰ھ	
۱۸	قاضی سید تاج الدین	قاضی سید راجے	"	سنہ ۱۰۹۸ھ	شریک حاصلات عہدہ قضاء امروہہ
۱۹	قاضی سید مراد	قاضی سید یار محمد	محمد شاہ بادشاہ	سنہ ۱۱۳۸ھ	
۲۰	قاضی سید محمد طفیل	"	"	سنہ ۱۱۵۴ھ	
۲۱	قاضی سید عنایت غوث	قاضی سید محمد مراد	احمد شاہ بادشاہ	سنہ ۱۱۸۱ھ	
۲۲	قاضی سید عنایت اللہ	سید محمد شاکر بن قاضی سید ولی محمد	نواب آصف الدولہ	سنہ ۱۱۸۶ھ	

شمار نسبی	نام	ولدیت	بادشاہ وقت	سنہ تقرر	کیفیت
۲۳	قاضی سید اللہ بخش	قاضی سید محمد طفیل	نواب آصف الدولہ	سنہ ۱۱۹۲ھ	
۲۴	قاضی سید رحمان بخش	قاضی سید اللہ بخش	"	سنہ ۱۲۰۶ھ	
۲۵	قاضی سید سبحان بخش	"	ایسٹ انڈیا کمپنی	سنہ ۱۲۳۴ھ ۲ جون ۱۸۱۹ع	قاضی و امین پرگنہ امروہہ ۔
۲۶	قاضی سید ولایت بخش	قاضی سید سبحان بخش	"	۱۶ محرم سنہ ۱۲۵۳ھ ۲۰ اپریل سنہ ۱۸۳۶ع	"
۲۷	قاضی سید ایزد بخش	قاضی سید ولایت بخش	"	۲۲ ذیقعدہ سنہ [illegible]ھ ۱۵ مارچ سنہ [illegible]ع	
۲۸	قاضی احمد علی عباسی	مولوی سعد اللہ عباسی		سنہ ۱۲۴۰ھ	نائب قاضی و حکاک "
۲۹	قاضی نبی بخش عباسی	خویش قاضی احمد علی عباسی			قاضی نکاح خوان اہل تشیع
۳۰	قاضی امین عباسی	قاضی نبی بخش عباسی			"

ماخذ تالیف

نمبر شمار	نام کتاب	[illegible]	[illegible]	[illegible]	نام مصنف
۱	المعارف	انساب	عربی	مطبوعہ	ابو محمد عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ دینوری متوفی سنہ ۲۷۶ھ
۲	فتوح البلدان	تاریخ وجغرافیہ	"	"	امام ابو العباس احمد بن یحییٰ بن جابر بغدادی، بلاذری متوفی سنہ ۲۷۹ھ
۳	تقویم البلدان	"	"	"	ابو الفدا حموی
۴	عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب	انساب	"	"	سید جمال الدین احمد داؤدی حسنی متوفی سنہ ۸۲۸ھ
۵	مناحۃ الطرب فی تقدمۃ العرب	تاریخ "	"	"	نوفل آفندی طرابلسی
۶	تحفۃ النظار فی غرائب الامصار مشہور بہ رحلہ ابن بطوطہ	سفرنامہ	"	"	ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ الملقب بہ شمس الدین ابن بطوطہ طنجی متوفی سنہ ۷۷۹ھ
۷	رسالہ زینبیہ	تاریخ	"	"	علامہ جلال الدین سیوطی متوفی سنہ ۹۱۱ھ
۸	ینابیع المودۃ از جامع صغیر	"	"	"	"
۹	اسعاف الراغبین	"	"	"	مطبوعہ مصر
۱۰	کنز العمال	"	"	"	"
۱۱	لسان العرب	لغات	"	"	"
۱۲	تاریخ فیروز شاہی	تاریخ	فارسی	"	ضیاء الدین برنی متوفی سنہ ۷۶۱ھ
۱۳	"	"	"	"	سراج عفیف
۱۴	فتوحات فیروز شاہی	"	"	"	سلطان فیروز شاہ تغلق

نمبر شمار	نام کتاب	بلحاظ مضمون	بلحاظ زبان	قلمی یا مطبوعہ	نام مصنف
١٥	تاریخ مبارک شاہی	تاریخ	فارسی	مطبوعہ	یحیٰی بن احمد بن عبد اللہ سرہندی
١٦	تاریخ فرشتہ	"	"	"	محمد قاسم فرشتہ
١٧	تاریخ وصاف	"	"	"	عبد اللہ بن فضل اللہ شیرازی
١٨	منتخب التواریخ	"	"	"	ملّا عبد القادر بدایونی
١٩	آئین اکبری	"	"	"	علّامہ ابو الفضل بن شیخ مبارک
٢٠	شاہجہان نامہ	"	"	"	ملّا عبد الحمید لاہوری
٢١	عمل صالح	تاریخ	فارسی	مطبوعہ	محمد صالح کنبوہ منصبدار عہد شاہجہانی
٢٢	تزک جہانگیری	"	"	"	شہنشاہ جہانگیر
٢٣	مرآت آفتاب نما	"	"	"	سید عبد الرحمن المخاطب بہ شاہنواز خان المتخلص
٢٤	مثنوی دولرانی	مثنوی	"	"	حضرت امیر خسرو علیہ الرحمۃ
٢٥	مآثر الامراد	تاریخ وسیر	"	"	شاہنواز خان
٢٦	ثمرات القدس من شجرات الانس	"	"	قلمی	لال بیگ بخشی شاہزادہ مراد
٢٧	استرآباد	"	"	"	کمال محمد بن سید لال از اولاد شاہ ولاامرہ
٢٨	تاریخ سندھ	تاریخ	"	"	سید معصوم المتخلص بہ نامی بن سید صفائی الحسینی
٢٩	مقاصد العارفین	تذکرہ مشائخ	"	"	حضرت شاہ عضد الدین جعفری
٣٠	مآثر عالمگیری	تاریخ	"	"	مستعد خان
٣١	مآثر الکرام	سیر	"	مطبوعہ	علّامہ میر غلام علی آزاد بلگرامی
٣٢	عماد السعادت	تاریخ	"	"	سید غلام علی خان

نمبر	نام کتاب	فن	زبان	کیفیت	نام مصنف
٣٣	جام جہان نما	"	"	قلمی	محمد قدرت اللہ صدیقی
٣٤	جواہر فریدی	تذکرہ	"		"
٣٥	طبقات ناصری	تاریخ	"	مطبوعہ	قاضی صدر جہاں منہاج الدین سراج جوزجانی
٣٦	آثار الصنادید	"	اردو	"	سر سید احمد خان علیہ الرحمۃ
٣٧	سیرۃ النبی	سیر	"	"	علامہ شبلی نعمانی مرحوم
٣٨	گل رعنا	تذکرہ	"	"	مولوی حکیم سید عبد الحی مرحوم
٣٩	تمدن عرب	تاریخ	"	"	جرجی زیدان
٤٠	تزک بابری	"	"	"	ترجمہ
٤١	سفرنامہ مولوی سمیع اللہ خان	سفرنامہ	"	"	
٤٢	کنز التاریخ	تاریخ	"	"	مولوی رضی الدین بسمل
٤٣	آئینہ عباسی	"	"	"	مولوی محب علی خان عباسی
٤٤	نخبۃ التواریخ	"	فارسی	"	مولوی آل حسن نخشبی
٤٥	تاریخ اصغری	"	اردو	"	سید اصغر حسین امروہوی
٤٦	فرہنگ آصفیہ	لغات	"	"	مولوی سید احمد دہلوی
٤٧	فرہنگ محتشمی	"	فارسی	"	
٤٨	تحفۃ الکرام	تاریخ	"	"	میر علی شیر سندھی
٤٩	حملہ حیدری	"	"	"	سید مصطفی ایرانی
٥٠	سیرۃ العباس	"	اردو	"	مولوی حکیم فرید احمد عباسی
٥١	مقدمہ تاریخ ابن خلدون	"	"	"	ترجمہ کتاب العبر فی دیوان المبتدا والخبر فی ایام العرب والبربر

نام کتاب معہ نام مصنف	نمبر شمار
Imperial Gazetteer of India Vol. II.	۵۲
District Gazetteer of Moradabad.	۵۳
Journal of the U. P. Provinces Historical - Society.	۵۴
Historical Memoirs of Bullandshehr by E. S. Growse.	۵۵
History of India by Sir Henry M. Elliot and Dawson.	۵۶
Memoirs of the History, Folk-lore and Distribution of the races of the N. W. Provinces by Sir H. M. Elliot, K.C.B.	۵۷
The Preaching of Islam by T. W. Arnold	۵۸
District Gazetteer, Shahjehanpur (1883)	۵۹
The Civilization of Ancient India (R. C. Dutt.)	۶۰
Geneologische Tebellen (Wästenfeld)	۶۱
Francis Johnson's Dictionary.	۶۲

قطعۂ تاریخ

طبعزاد سید سالم حسین صاحب سالم امروہوی

(از اولادِ دیوانِ سید محمود نبیرۂ سید محمد میر عدل)

لو دیکھو یہ ہے بوستانِ حقیقت
لگایا نیا گلستانِ حقیقت

درایت کے سب حق ادا کر دئیے ہیں
بدل معترف ہو لسانِ حقیقت

سِیَر کا تواریخ کا ہے خلاصہ
ذرا دیکھ لیں واقفانِ حقیقت

فصاحت، سلاست کے دریا بہائے
میں کہتا ہوں اسکو زبانِ حقیقت

نسب میں بھٹکتے تھے امروہہ والے
چلو مل گیا اب نشانِ حقیقت

صداقت سے مملو یہ تاریخ لکھی
اسے کہتے ہیں دیکھو شانِ حقیقت

بڑی جانچ کی تم نے محمود احمد
بلا شبہ ہو ہمہ دانِ حقیقت

حقیقت میں تم نے وہ تاریخ لکھی
کہ حیرت میں ہو آسمانِ حقیقت

بڑی مشکلیں اور بڑے مرحلے تھے
یہ تاریخ ہے ہفتخوانِ حقیقت

کیا کام وہ تم نے محمود احمد
کہ ہو مرحبا بر زبانِ حقیقت

حقیقت میں تم نے وہ تاریخ لکھی
کہ چھانا ہو تم نے جہانِ حقیقت

وہ تاریخ لکھی نہیں جس کا ثانی
یہ بتلا رہا ہے گمانِ حقیقت

یہ ہے واقعی قابلِ دید نسخہ
حقیقت میں ہو داستانِ حقیقت

یہ سطریں ہیں یا لعل و گوہر کی لڑیاں
کہ کوزہ میں ہو بند جانِ حقیقت

بجا ہے کہوں گر اسے بزمِ اعلیٰ
کہ ہیں جلوہ گر کاملانِ حقیقت

کئے تم نے باطل جہالت کے قصے
بنایا ہے اس کو بیانِ حقیقت

جو کی فکر سالم نے ' ہاتف پکارا
یہ ہے بے بہا ارمغانِ حقیقت

۳۰ ۶ ۹

صحت نامہ

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۷	۱۷	بلاذی	بلاذری
۷	۲۱	متاین	سلتین
۸	۱	المسمعی	السمعی
۹	۱۳	آنچہ	انخچہ
۳۷	۱۹	شہ ۲۸ھ	سنہ ۲۸ھ
۳۹	۱۸	جداوت	عداوت
۴۲	۲۱	معاملا	معاملات
۴۴	۱۹	ہد	تعہد
۴۵	۲۱	بطور سیورغال و	بطور سیورغال و ملک و مدد معاش ملے ہوئے تھے
۶۴	۹	فزغ	فروغ
۷۴	۷	گلال	کلال
۷۶	۱۹	کوچ	کوچ کیا
۷۹	۸	گلال	کلال
	۱۳	موجود نہ تھا	موجود تھا
۱۳۲	۲	دو کھلے	در کھلے
۱۳۴	۴	یہ حالت	بہ حالت
۱۳۸	۲۱	حتہ بدجانا	حلقہ بندھ جاتا
۱۵۲	۶	۶۶۷، ۷۱	۶۶۷ و ۷۲
۱۶۶	۱۳	الصبیرا شہ موشی	ابہیرا یعنی مویشی
۱۸۴	۶	ٹھرودہ	جھرودہ
۱۸۴	۱۶	ایک جداگانہ	ایک جداگانہ قبیلہ
۱۸۴	۱۸	ہوتی ہیں	ہوتی نہیں
۱۸۶	۱۶	یہ	بہ
۲۱۷	۵	یہی ہے کہ	یہی ہے.
۲۳۰	۷	ربع سکوں	ربع مسکوں
۲۹۴	۴	طبعاً	طبعاً
۲۹۹	۱۳	آئین کہری سیورغال	آئین کہری یا سیورغال
۳۰۱	۱	آراضیات	اراضیات
۳۰۵	۳	آراضیات	اراضیات
۳۰۷	۱۹	رىادہ	زیادہ
۳۱۹	۱۱	کتابت آخر	کتاب کے آخر
۳۲۰	۷	۳عمر	۱۲عمر

چند مفید اور دلچسپ کتابیں

تذکرۃ الکرام:- (تاریخ امروہہ کا دوسرا حصہ) اس کتاب میں تقریباً تین سو ارباب کمال مثلاً اولیا، علما و فضلا، اطبا و شعرا اور عہد مغلیہ کے نامور صوبیداروں، فوجی جنرلوں کے سوانح حیات اور خاندانی حالات تحقیق اور تلاش کے ساتھ درج کئے گئے ہیں۔ ان میں ارباب کمال ساتویں صدی ہجری سے پچھلی صدی تک کے مشاہیر اور زمانہ حال کے بعض ممتاز ارباب کمال و زعمائے ملت جلوہ افروز ہیں۔ یہ کتاب حقیقتاً مسلمانوں کے گزشتہ تہذیب و تمدن کا مرقع اور اس باعظمت کارواں کا اصلی فوٹو ہے جس کے نقش پا بھی اب انقلاب زمانہ کی بدولت مٹ چکے ہیں اور چشم تصور سے بھی اوجھل ہیں لیکن جس کی یاد اب تک حساس دلوں میں موجود ہے۔ باینہمہ نیک توقع ہے کہ یہ تذکرے ان کے اخلاف اور عام میں آج بھی اپنی حالت اور اصلاح کا احساس و جذبہ پیدا کرنے کا موثر ذریعہ بن سکتے ہیں۔ کتاب زیر طبع ہے۔

تحقیق الانساب:- (تاریخ امروہہ کا تیسرا حصہ) اس حصہ میں تاریخ اور علم الانساب کی روشنی میں امروہہ کے مختلف خاندانوں کے نسبی معاملات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ حصہ اول میں ہندو مسلم اور دعوے کے عنوان سے ہندو غیر مسلم پیشہ ور اقوام کے انساب پر مجمل بحث ہو چکی ہے لیکن اس حصہ میں زیادہ تر خاندانوں کے انساب پر دلچسپ اور مفصل بحث کی گئی ہے۔ متعدد قدیم تحریرات اور دیرینہ دستاویزات کے فوٹو اس میں شامل کئے گئے ہیں۔ کتاب زیر ترتیب ہے۔

لحن داؤدی: علی گڑھ کالج کے دور اولین کے نامور ادیب اور امروہہ کے مایہ ناز گریجویٹ مولوی محمد داؤد عباسی بی۔اے (علیگ) مرحوم و مغفور کے کلام منظوم کا مجموعہ۔ رئیس الاحرار مولانا محمد علی (آکسن) نے اس پر ایک دلچسپ تقریظ لکھی ہے جس کے پڑھنے سے سر سید علیہ الرحمۃ کے زمانہ کے علی گڑھ کا سماں نظروں کے سامنے آجاتا ہے۔ اسی کے ساتھ بلبل حریت جناب مولانا شوکت علی نے "علی گڑھ کالج کی ایک عجیب و غریب ہستی" کے عنوان سے مولوی محمد داؤد مرحوم کی شخصیت، خصوصیات اور اپنے زمانہ طالب علمی کی پر لطف صحبتوں کا تذکرہ اپنے مخصوص انداز میں کیا ہے۔ کاغذ نفیس و لکھائی باعث دیدہ زیب۔ داؤد مرحوم کا فوٹو بھی شامل ہے۔

قیمت صرف ایک روپیہ

المشتہر

محمود احمد عباسی۔ داؤد منزل امروہہ (یو۔پی)

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۳۸	۸	مہمانیانہ	ضیافۃ
۳۸	۲ حاشیہ	صفحہ ۳۸	
۳۹	۵	سنہ ۷۵۲ھ / ۱۳۴۴ء	سنہ ۷۵۲ھ / ۱۳۵۱ء
۳۹	۱۰	اور نیو	اور نیوں
۳۹	۱ حاشیہ	صفحہ ۳۹	
۳۹	۲ ″	عداوت	عداوت
۳۹	۵ ″	از معاملا	از معاملات
۴۱	۷	سنہ ۷۹۱ھ / ۱۳۹۴ء	سنہ ۷۹۱ھ / ۱۳۸۹ء
۴۱	۱۴	سنہ ۸۱۵ھ / ۱۴۲۲ء	سنہ ۸۱۵ھ / ۱۴۱۲ء
۴۳	۲	سنہ ۱۲۳۴ء	سنہ ۱۴۳۴ء
۴۳	۱۵	خمس وتسمانہ	خمس وتسعمائۃ
۴۴	۱۲	سنہ ۹۳۲ھ / ۱۵۲۹ء	سنہ ۹۳۲ھ / ۱۵۲۶ء
۴۴	۱۹	بہد	بعہد
۴۵	۶	حاکموں کے برسرمقابلہ	حاکموں سے برسرمقابلہ
۴۵	۲ حاشیہ	بطور سیورغال و	بطور سیورغال ومدد معاش ملے ہوئے تھے
۴۶	۱ ″	صفحہ ۴۶	
۴۷	۲	مولنا عبدالملک نجبتی	مولنا عبدالملک بخشی
۴۷	۳	دانشمند مولنا سید شرف بن سعید	دانشمند بن سید سعید خاں
۴۷	۲ حاشیہ	تعنیات	تعیین
۴۸	۸	سنہ ۱۰۶۹ھ	سنہ ۱۰۶۸ھ

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۴۸	۸ و ۹	سنہ ۱۱۲۶ھ ۱۷۱۴ء	سنہ ۱۱۲۶ھ ۱۷۱۵ء
۴۸	۲ حاشیہ	زسیداں جود	زمیداں وجود
۵۰	۱۰	قمرالدین خاں چین بہادر	قمرالدین خاں چین بہادر
۵۰	۱۲ و ۱۵	تعینات	متعین
۵۱	۳ حاشیہ	مرفع الحال	مرفہ الحال
۵۱	۴ "	بحقیقۃ حال	بحقیقۃ الحال
۵۲	۱۰	فیض اللہ خاں پسر نواب دوندے خاں	فیض اللہ خاں چہ پسر نواب علی محمد خاں
۵۴	۳	سنہ ۱۱۹۳ھ ۱۷۸۵ء	سنہ ۱۱۹۳ھ ۱۷۸۰ء
۵۶	۱۴	تعینات	متعین
۷۴	۷	بشارت علیخاں گلال	بشارت علی خاں کلال
۷۶	۱۷	باغبان	باغیان
۷۶	۱۹	کوچ	کوچ کیا
۷۹	۲۲	آزادانہ رہیں	آزاد نہ رہیں
۷۹	۸	شیخ گلال بیٹے درویش علیخاں مرحوم	شیخ کلال میں سے بسرگان درویش علی خاں مرحوم
۸۰	۱۱	سعداللہ خان	سعداللہ خاں
۹۱	۸	بعض و عناد	بغض و عناد
۹۲	۹	البتہ عرصہ تک	البتہ ایک عرصہ تک
۹۲	۲۲	ایک دو ذبیح	ایک مدو ذبیح
۹۲	۲ حاشیہ	یکم اُردی بہشت	بیکم اُردی بہشت
۹۳	۲ "	حال	الحال

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۹۳	۳ حاشیہ	"بائیں"	"بائیں یا دائیں"
۹۳	۵ حاشیہ	زینہ دارد	زینہ داردا
۹۴	۱	جوتہ پر	جوتہ پر
۹۴	۲	المبارکۃ	المبارک
۱۰۲	۷	انہدام	ہدم
۱۰۴	۹	خدمت	خدمہ
۱۰۴	۱۰	شصت ہفت	شصت وہفت
۱۰۵	۲ حاشیہ	ہرگز صحیح	ہرگز صحیح نہیں
۱۰۶	۱۳	کتبہ	کتبے
۱۰۷	۱	سنہ ۱۱۸۱ھ	سنہ ۱۱۲۱ھ
۱۰۷	۸	اس مسجد کو	اس مسجد پر
۱۰۷	۹	اس پایہ	
۱۰۸	۳	تھے لیکن تھا جو حیات خاں حاکم سنبل کے خسر تھے	حیات خاں جو تھے خاں حاکم سنبل کے خسر تھے
۱۰۸	۷	انہوں نے تعمیر کرایا تھا	انہوں نے اپنے داماد کے نام سے تعمیر کرایا تھا
۱۰۹	۱۲	جانب غربب	جانب غرب
۱۱۳	۱۵	سید اعجاز حسین	سید اعجاز حسین
۱۱۴	۱۳	آراضی	اراضی
۱۲۰	۵	کہ مقام سے	کہ ایک مقام سے
۱۲۳	۱۹	عبد المنات	عبد منات

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۳۰	۱ حاشیہ	تاریخ اصغری میں انکے منصب کی تعداد چہار صدی لکھی ہے الخ	تاریخ اصغری کے حاشیہ صفحہ۱۹۵ پر انکے منصب کی تعداد ششصدی چہار صد سوار لکھی ہے لیکن یہ صحیح نہیں، انکا منصب ہزاری تہا۔
۱۳۱	۹	عالمگیری واقعاً	عالمگیری میں واقعاً
۱۳۲	۱	چو کچھ	جو کچھ
۱۳۲	۲	دَو کہلے	در کہلے
۱۳۲	۷	شگوفہ گُل	شگوفہ و گل
۱۳۲	۳ حاشیہ	شیخ غلام محمد	شیخ غلام احمد
۱۳۲	۴ ″	بہت پیشتر سے	بہت پیشتر
۱۳۴	۴	یہ حالت	بہ حالت
۱۳۵	۱۹	چیزوں کی نسبت	چیزیں چڑہانے ہیں جن کی
۱۳۷	۱۵	اہنوں غفلت	اہنوں نے غفلت
۱۳۸	۲۱	حقہ بندہ جانا	حلقہ بندہ جاتا
۱۴۳	۱	سنہ۱۳۰۱ جب	سنہ۱۳۰۱ میں جب
۱۴۵	۱۸	درس تدریس	درس و تدریس
۱۵۲	۹	۷۱ و ۶۶۷	۷۲ و ۶۶۷
۱۵۳	۳	۲۰ و ۴۶۴	۲۰ و ۴۶۳
۱۵۲	۱۱	چیرمین	وائس چیرمین
۱۶۳	۱۸	یہ خطاب	بہ خطاب
۱۶۶	۱۲	ابہیرا نموشی	ابہیرا لبنی مولتی

صحیح	غلط	سطر	صفحہ
۵۴۴۵۴ کل باشندوں کی تعداد میں ۲،۵،۰۰ تھی	۵۴۴۵۴ تھی	۱۸	۱۰۰
اہل بیت	اہل البیت	۵	۱۰۱
سے حبیب السیر	سے نفائس کبری صفحہ	حاشیہ	۱۰۱
والمالک	والمالک	۵	۱۰۲
السرور والشرف	السور والشرف	۱۳	۱۰۲
معروف المعنی	ملزادف المعنی	۱۳	۱۰۲
ضاحبۃ الطرب	ضاحبۃ الطرب	۱۷	۱۰۲
العصر الشرف	العصر الشریف	۱۸	۱۰۳
حسیناً ام حسیناً	حسناً ام حسیناً	۸	۱۰۳
(عسقلانی)	(عقلانی)	۱	۱۰۴
سید الشباب	سید الشاب	۱۶	۱۰۴
ینابیع المودۃ	ینابع المودۃ	حاشیہ	۱۰۴
وصنوابیہ	وصوابیہ	۳	۱۰۵
فی دوحۃ علیاء	فی دوحۃ العلیاء	۱۱	۱۰۵
الملاقۃ میزتک	الملاقت میزتک	۱	۱۰۵
علوی	عثلوی	۱۳	۱۰۲
[illegible]	[illegible]	۱۹	[illegible]
[illegible]	[illegible]	۴	۱۰۳
[illegible]	[illegible]	۱۲	۱۰۳
[illegible]	[illegible]	۱۰	۱۰۳

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۸۶	۱۶	ملقب یہ	ملقب بہ
۱۹۱	۳	انکے فرزند مولنا رکن الدین	انکے پوتے مولنا رکن الدین
۱۹۳	۲	شیخ قطب الدین بن شیخ عطاء اللہ بن شیخ داؤد محمد	شیخ قطب الدین بن شیخ نور محمد
۱۹۶	۱۳	وہ قبر بالا	وہ قبہ بالا
۱۹۷	۱	جو قوم	جو اُسارا
۱۹۸	۲۰	سبط علی	سبط نبی
۲۰۰	۱۷	خیاط (فارسی)	خیّاط (عربی)
۲۰۶	۱ حاشیہ	قسیٔ سے	قساوۃ
۲۰۸	۱۰	خدمت	خدمۃ
۲۱۵	۱۵	غزورسنے انہیں	غزورسنے
۲۱۷	۵	یہی ہے کہ	یہی ہے
۲۲۲	۱۱	اونٹ کے گوشت فروش	اونٹ کے ذبح کرنے والے
۲۲۷	۲	صغا	ضغا
۲۲۷	۳	دمشقی	دمشقیٰ
۲۳۰	۷	ربع مسکون	ربع مسکون
۲۳۳	۲۱	اسطباغ	اصطباغ
۲۳۶	۲۰	برہمنوں	برہمنوں کے
۲۳۷	۱۱	کس حد مماثلت	کس حد تک مماثلت
۲۳۹	۳۰	تحفۃ الاکرام	تحفۃ الکرام
۲۵۳	۹	کبّھی	کبھی

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۲۵۳	۱۵	جریہ	خزیہ
۲۵۴	۱	یا زیشی سے	یا قریشی
۲۶۱	۱۷	سیداشرف بن سعید خاں	
۲۶۶	۱۸	ابتام	اہتام
۲۷۳	۴ حاشیہ	زبجۃ المرجان	سبحۃ المرجان
۲۷۴	۸	صوبہ داری الہ آباد نیز	صوبہ داری الہ آباد نیز بہ
۲۷۶	۲۹	شیعت	شیعیت
۲۷۸	۲	مرقوم	مرحوم
۲۸۲	۱۱	شیعت	شیعیت
۲۸۸	۵	الغ خاں الماس بیگ دیہ تینوں	الغ خاں الماس بیگ ملک معزالدین دیہ تینوں
۲۸۹	۱۲	سنہ ۷۴۲	سنہ ۷۴۱
۲۸۹	۲۰	بارہ برس پہلے	دو ایک برس پہلے
۲۹۲	۳ حاشیہ	اسکے باغات	اسکے علاوہ باغات
۲۹۳	۴	طعاً	طبعاً
۲۹۶	۱۸	زمین سفزود	زمین سفزوز
۲۹۷	۱ حاشیہ	۵۲ تاریخ فیروز شاہی	۵۲ اسرار یہ قلمی
۲۹۸	۱۷	ان پشت ہا پشت	ان میں پشت ہا پشت
۲۹۹	۱۳	آئین اکبری سیورغال	آئین اکبری میں سیورغال
۳۰۱	۱	آراضیات	اراضیات
۳۰۵	۳	آراضیات	

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۳۰۸	۵	صدیقیان۔ ۷	صدیقیان
۳۱۳	۴	حاصل ہے	حاصل رہے
۳۱۴	۱۷	سید عبدالہادی	سید عبدالباری
۳۱۷	۱	سید اعظم علی خاں	سید علی اعظم خاں
۳۱۸	۲۱	تبدیل وتمیر ہوگیا	تبدیل وتغیر ہوگیا
۳۱۹	۱۱	کتابت کے آخر	کتاب کے آخر
۳۲۳	۵ و ۶	صدور حکام سابق	صدور و حکام سابق
۳۲۹	۵	گھڑیا والے	گھڑیال والے
۳۳۰	۶	ان نزاع ہوا	ان کا نزاع ہوا
۳۴۱	۴	گھونٹے	گھٹنے
۳۴۱	۶	فاعبترو	فاعتبروا
۳۴۳	۳	شرفت	شرافت
۳۴۴	۷	دوزج	دوزخ
۳۵۰	۹	ادہناک	اندوہناک
۳۷۱	۱۲ حاشیہ	انہوں نے یہ مکان	یہ مکان اب
۳۷۱	۱۳ ۶	فروخت کردیا	فروخت ہوگیا ہے
۳۷۵	۲۰	مشہوسیاح	مشہور سیاح
۳۸۸	۸	خویش قاضی احمد علی	نبیسہ قاضی احمد علی

ڈاکٹر سراج الدین ہاشمی، میری نظر میں

امروہہ کی علمی و ادبی سرزمین نے ہزاروں کی تعداد میں وہ لعل و گہر پیدا کیے جنھوں نے اپنے علمی وادبی، سماجی وفلاحی کارناموں سے ایک عالم کو متاثر کیا ہے، امروہہ کی ان ہی علمی وادبی، سماجی وفلاحی کام کرنے والی نمایاں شخصیات میں ایک بہت ہی معتبر نام ہے حکیم ڈاکٹر سراج الدین ہاشمی صاحب کا۔

ڈاکٹر حکیم سراج الدین ہاشمی ایک معزز ومحترم صاحب وجاہت اور صاحب عزت ووقار عباسی الہاشمی خانوادے کے چشم وچراغ ہیں، جس کی نسبی نسبت عم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، صحابی رسول خدا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے واسطے سے آقائے دو جہاں رحمت اللعالمین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے۔

حکیم سراج الدین ہاشمی کے والد گرامی الحاج حکیم مہتاب الدین ہاشمی موسس ہاشمی دواخانہ محلہ قاضی زادہ، امروہہ (گولڈ میڈیلسٹ) سرزمین امروہہ کی ایک نمایاں سماجی و فلاحی خدمات انجام دینے والی شخصیت تھے، جو اپنے وقت کی سب سے اہم سیاسی جماعت کانگریس کے سرکردہ اور سماجی رکن رہے تھے، قوم ووطن کی بے لوث خدمت کرتے تھے، موصوف بہت سی اخلاقی خوبیوں کے مالک تھے، قوم ووطن کی خدمت اور مخلوق خدا کے ساتھ ایثار وقربانی کا جذبہ وراثت میں ملا تھا۔

اسی علم پرور اور محب قوم ووطن گھرانے میں ۳۰ر جون ۱۹۶۸ء کو حکیم سراج الدین ہاشمی نے آنکھ کھولی اور ماں کی گود سے ہی رواج زمانہ کے مطابق مروجہ تعلیم وتربیت پانی شروع کی، آپ کی والدہ ماجدہ محترمہ شاکرہ خاتون ایک دینی وقومی درد رکھنے والی باسلیقہ اور

ذی علم خاتون ہیں جنھوں نے صرف حکیم سراج الدین ہاشمی کی ہی نہیں بلکہ اپنے سبھی فرزندوں کی تعلیم وتربیت دینی ماحول میں اعلیٰ روحانی، اخلاقی وسماجی قدروں کے ساتھ انجام دی۔ اس تربیت کی وجہ سے ہی آج آپ کے پانچوں فرزند اسلامی اقدار واخلاق اور ہندوستانی روایات سے آراستہ ہیں۔ حکیم سراج الدین ہاشمی نے ہائی اسکول، انٹرمیڈیٹ اور بی اے کے بعد چھ مضامین میں مثلاً اردو، ہندی، ہسٹری، سیاسیات اور سوشولوجی میں ایم اے اور اردو زبان میں مشہور فکشن نگار راجندر سنگھ بیدی کی شخصیت وفن پر ''تخلیقات بیدی کا تہذیبی وثقافتی مطالعہ'' کے عنوان سے پی. ایچ. ڈی. کی ڈگری حاصل کی۔ اس کے علاوہ ''ڈیم یو ایم'' ''آیورویدرتن'' ''سرٹیفکیٹ ان ہیومین رائٹس''، ''معلم اردو''، ''مولوی''، ''عالم''، ''بی. ایس. ڈبلو'' وغیرہ کی ڈگریاں اور سرٹیفکیٹس حاصل کیے۔

حکیم سراج الدین ہاشمی طالب علمی کے زمانے ہی سے ایک ذہین، بیدار مغز اور فعال طالب علم رہے، اساتذہ کا ادب واحترام اور اپنے ساتھیوں کی دامے درمے سخنے خدمت گذاری کی عادت انہیں ان کے والدین سے ورثہ میں ملی تھی، وہ کالج کے زمانے میں ایک نمایاں طالب علم کی حیثیت سے سامنے آئے، کالج کے کلچرس پروگرام میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ اسکولی زمانہ میں اسکاوٹ رہے، اپنی بیڈمنٹن ٹیم کے کپتان رہے، کالج میں ہونے والے تعلیمی پروگراموں مثلاً ڈراموں، تقریری وتحریری مقابلوں میں خوب حصہ لیا اور امتیازی انعامات جیتے۔ این سی سی میں شامل رہے، اس سلسلے میں این. ایس. یو. آئی. میں شامل ہوکر سماج میں پھیلی برائیوں کو دور کرنے میں ہمہ تن مصروف رہے۔ اسی لیے برائیوں کا خاتمہ کرنا، سماج میں اعلیٰ اخلاقی اور اسلامی ماحول کا نفاذ کرنا، ان کی اولین ترجیحات میں شامل ہے۔ اپنی والدہ ماجدہ کی مثبت اور اسلامی اخلاقیات سے لبریز تربیت کے سبب عورتوں پر ہونے والے مظالم، ظلم وزیادتی کے خاتمے کے لیے ہمہ وقت کوشاں رہتے ہیں اور اس بارے میں بے دریغ جانی ومالی تعاون دیتے ہیں، اس فلاحی کام میں آپ کی شریک حیات محترمہ سعیدہ ہاشمی (پوسٹ گریجویٹ انفارمیشن ٹیکنولوجی اینڈ ہیومینٹیز) آپ کے قدم بہ قدم ہیں اور ہر قسم کی سماجی وفلاحی کاموں میں خوب خوب حصہ لیتی ہیں اور مالی تعاون کرتی

ہیں۔ پسماندہ اور پچھڑے ہوئے لوگوں کی مدد، عورتوں کی صحت و تندرستی، ایڈس کے بارے میں عورتوں کو خبردار کرنا، غریب و نادار بچوں کی تعلیم و تربیت و پرورش کے سلسلے میں مدد و معاونت کرنا، وہ اپنا پہلا فرض مانتی ہیں، اس سماجی، فلاحی و بہبود کے کام میں وہ تقریباً گذشتہ بیس برسوں سے پوری تندہی سے گامزن ہیں۔

اسی طرح حکیم سراج الدین ہاشمی صاحب کی والدہ محترمہ شاکرہ خاتون بھی ایک اسلامی ذہن وفکر رکھنے والی اپنے پرایوں سے محبت وایثار وقربانی کا جذبہ رکھنے والی مخیّر اور بااخلاق خاتون ہیں، انھوں نے اپنے بچوں کی دیکھ بھال، تعلیم و تربیت کے ساتھ ہی اپنی پوری زندگی پسماندہ طبقات غریب و نادار بچوں، عورتوں کی خدمت اور سوسائٹی میں پھیلی ہوئی برائیوں کے لیے وقف کر رکھی ہے، آج آپ ''ہاشمی ہیومن ریسورسز اینڈ ڈیولپمنٹ سوسائٹی'' کی چیئر پرسن کے معزز و باوقار عہدے پا فائز ہیں، اللہ انہیں تادیر صحت وسلامتی کے ساتھ بقید حیات رکھے، آمین۔

حکیم سراج الدین ہاشمی بحیثیت طبیب ایک مشہور ومعروف حکیم مانے جاتے ہیں، جب وہ دسویں کلاس میں پڑھتے تھے تبھی سے ان کے دل میں ایک کامیاب طبیب بننے کی آرزو پیدا ہوئی، آج آپ اپنی محنت، لگن اور والدہ کی دعاؤں کے صدقے میں ایک کامیاب طبیب ہیں، اس میدان میں بھی وہ خدمت خلق کو اوّلیت دیتے ہیں، ایک بار احقر کو اپنا تعارف کراتے ہوئے خود ہی کہا تھا:

> ''میں نے حکیم بننے کا فیصلہ اس وقت کیا تھا جب میں دسویں درجہ کا طالب علم تھا، میری تعلیم و تربیت نے میرے اندر چھپی ہوئی طب یونانی کی طلب کو اور جلا بخشی، عام انسانوں کو سستا اور پر اثر علاج مہیا کرانے کے لیے میں نے ہندوستان میں جڑی بوٹیوں سے علاج کی جو روایت چلی آرہی تھی اس کو اور مزید پُر اثر بنا دیا، میرا یقین کامل ہے کہ ہمارے طریقۂ علاج سے ہندوستان ہی نہیں بلکہ بین

الاقوامی سطح پر ہزار ہا لوگ فیض یاب ہو رہے ہیں۔"

بلاشبہ آج کل "ہاشمی دواخانہ"، بین الاقوامی شہرت کا حامل دواخانہ شمار کیا جاتا ہے جس کو آپ کے والد محترم حکیم مہتاب الدین ہاشمی نے ۱۹۳۰ء میں باقاعدہ ہاشمی دواخانہ کی حیثیت سے قائم کیا تھا، اس کی شہرت و بلندی اور کامیابی میں حکیم سراج الدین ہاشمی کے برادر خرد الحاج حکیم تاج الدین ہاشمی کی حذاقت و ذہانت، طبی شغف کا بڑا دخل ہے، الحاج حکیم تاج الدین ہاشمی بھی ایک اسلامی مزاج اور ملی وقومی درد رکھنے والی شخصیت کے مالک، بڑے مخیّر اور اسلامی اخلاق والے ہیں۔ پوشیدہ امراض کے لاکھوں مایوس مریض آپ کی طبی حذاقت و ژرف نگاہی سے فیض پاتے ہیں۔

تعلیمی خدمات: امروہہ جیسی علم پرور اور ادب نواز بستی میں جہاں مسلمانوں کی آبادی کے بعد سے ہی علم وفن کا چرچا رہا اور ضرورت زمانہ کے تحت یہاں ایک نہیں بلکہ تین تین بڑے بڑے دینی مدارس مدرسہ اسلامیہ عربیہ واقع جامع مسجد، امروہہ، دارالعلوم عربیہ اسلامیہ چلہ اور مدرسہ محمدیہ حنفیہ شاہی چبوترہ مشرقی علوم وفنون کے سوتے بہار ہے تھے مگر دنیاوی مروجہ تعلیم کے لیے ہندو اور مسلمانوں کے لیے صرف ایک ہی ادارہ جگدیش سرن ہندو ڈگری کالج تھا، جو اتنی بڑی آبادی کے لیے انتہائی ناکافی تھا، دوسرے بعض شر پسند طلباء کی وجہ سے مسلم طالبات کو خاصی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔

امروہہ میں صاحب علم اور سرمایہ داروں کی بھی کمی نہیں تھی لیکن افسوس اس طرف کسی نے کوئی بھی توجہ نہیں دی، اگرچہ امروہہ کے بیدار معزز صاحبان علم جیسے استاد مکرم قاضی عزیز احمد عباسی مرحوم و محترم ڈاکٹر احسان احمد صاحب مرحوم ساکن محلہ نوبت خانہ، امروہہ بانی "مرکز تعلیم امروہہ" اور حکیم مہتاب الدین ہاشمی صاحب مسلمانوں کی نئی نسل کے تعلیمی معیار کو اونچا اٹھانے بالخصوص تعلیم نسواں کے لیے خاصے فکرمند رہتے تھے تو ایک وقت یہ آیا کہ امروہہ کے اسی ہمدرد قوم وملت حکیم مہتاب الدین ہاشمی کے لائق فرزند حکیم ڈاکٹر سراج الدین ہاشمی نے سرسید احمد خاں کی طرح نامساعد حالات اور پوری طرح بے سروسامانی کے باوجود اپنے والد کے خواب کو شرمندۂ تعبیر کرنے بلکہ مسلمانان امروہہ کی

ایک انتہائی علمی ضرورت کو پورا کرنے کا مصمم ارادہ کیا اور اس سلسلے میں سب سے پہلے اپنے والد گرامی کے تعلیم نسواں کے مشن کی شروعات کے طور پر سن دو ہزار میں ''ہاشمی گرلس جونیئر ہائی اسکول'' کی بنیاد ڈالی جو دیکھتے ہی دیکھتے آپ کے جذبۂ قومی، ایثار و قربانی اور والدہ ماجدہ کی دعاؤں سے ''امروہہ مسلم گرلس انٹر کالج'' (واقع محمد صدو) میں تبدیل ہو گیا، جہاں اہل امروہہ بلکہ اطراف امروہہ کی ہزاروں بیٹیاں پوری طرح محفوظ ماحول میں اپنا مستقبل روشن کر رہی ہیں، اب تعلیم نسواں کا یہ کارواں بڑی تیز رفتاری کے ساتھ کامیابی کی راہوں پر گامزن ہے، آج ڈاکٹر حکیم سراج الدین ہاشمی اور ان کے چھوٹے بھائی حکیم تاج الدین ہاشمی کی قربانیوں اور بے لوث جذبہ قومی وحب الوطنی نے نہ صرف امروہہ بلکہ دور دراز کے علاقوں کو بھی مکمل طور پر سیراب، سرسبز و شاداب کیا کہ گھر گھر گلی محلے علم کی جوت جگا دی، میرا تو خیال ہے کہ اگر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی نہ ہوتی تو آج مسلمان تعلیمی میدان میں اور بھی سو سال پیچھے ہوتے اور سچر کمیٹی کی موجودہ رپورٹ مسلمانوں میں تعلیم کو زیرو پوائنٹ زیرو ہی دکھاتی مگر خدا بھلا کرے اس محسن قوم وملت سر سید احمد خاں مرحوم کا انھوں نے اپنی زندگی مسلمانوں کی تعلیم کے لیے وقف کر دی، اسی طرح امروہہ کے بھی ایک بیدار مغز، محب قوم نے تعلیم نسواں کا وہ ماحول پیدا کیا جس کی روشنی وتابانی سے نہ صرف امروہہ بلکہ قرب و جوار کے علاقے بھی اس کی سیرابی سے اپنے روشن مستقبل کی طرف رواں دواں چلے جا رہے ہیں۔

ڈاکٹر حکیم سراج الدین ہاشمی صاحب کی انتھک محنت، بے لوث لگن اور رات دن کی ایثار و قربانی سے جب تعلیم نسواں کا یہ علمی کارواں آگے بڑا تو حکیم سراج الدین ہاشمی نے ''ہاشمی گرلس پوسٹ گریجویٹ ڈگری کالج قائم کیا۔ جہاں وسیع پیمانے پر مسلمان طالبات کو اسلامی ماحول میں زیور علم سے آراستہ کیا جاتا ہے، ہاشمی صاحب کی تعلیمی مہارت، خلوص نیت کے سبب ہر سال کالج کا رزلٹ نمایاں رہتا ہے اور یہاں کی اکثر طالبات و ٹیچرس کو ان کی بہتر کارکردگی کے عوض ''شیروانی ایوارڈ'' سے نوازا جا چکا ہے۔ اس کے علاوہ حکیم سراج الدین ہاشمی نے ''ہاشمی لاء کالج'' واقع دھنورہ روڈ امروہہ، ''ہاشمی بی ایڈ کالج''،

''مولانا آزاد ہاشمی پبلک لائبریری (واقع ہاشمی بی جی کالج بجنور روڈ امروہہ)''مدرسہ بنی ہاشم (واقع محلّہ قاضی زادہ، امروہہ) وغیرہ تعلیمی ادارے قائم کیے، جو بڑے پیانے پر علمی خدمات کے ساتھ ساتھ پڑھے لکھے بے روزگار مرد وخواتین کو روزگار فراہم کر رہے ہیں اور ان تمام اداروں کی عمارتیں اور سہولیات تو صرف دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔

بلاشبہ یہ حکیم سراج الدین ہاشمی کے جذبۂ قومی، اور علم وفن سے عشق اور تعلیم نسواں کے کارواں کو ہم دوش ثریا کرنے کا جذبہ ہی ہے کہ آج ایک فردِ واحد یعنی تنہا سراج الدین ہاشمی نے ملک وقوم کے لیے اتنے اہم ادارے قائم کر کے بنا کسی لوبھ لالچ اور غیر جانبدارانہ طور پر فراہم کیے۔

''خدا رحمت کند این عاشق پاک طینت را''

ان قومی وعلمی خدمات پر اگر میں انہیں ''ثانی سرسید'' کہوں تو میرا یہ کہنا صدفی صد بجا ہوگا اور کوئی علم دشمن ہی ان خدماتِ علمی سے اپنی آنکھیں بند کر سکتا ہے، مگر مجھے اس بات پر افسوس نہیں کیونکہ شیخ سعدی علیہ الرحمہ نے فرمایا ہے کہ

ترجمہ: اگر سورج کی ہر چیز کو روشن کر دینے والی روشنی میں چمگادڑ کو کچھ دکھائی نہیں دیتا ہے تو اس میں سورج کا کیا قصور ہے۔

کسی بھی انسان کی ترقی اور عروج سے جلنا اور اس کی مخالفت کرنا، اللہ کی مخالفت کرنا ہے کیونکہ قرآنی فیصلہ ہے، ''عزت و ذلت ہم دیتے ہیں۔'' اب حکیم سراج الدین ہاشمی صاحب کو پروردگارِ عزت وقار نے عزت وشرف سے نوازہ ہے تو دنیا کی کوئی طاقت کچھ نہیں بگاڑ سکتی، یہ بھی قرآنی حکم ہے کہ حاسد ذلیل وخوار ہوتے ہیں۔

''دشمن چہ کند چوں مہربانی باشد دوست''

ترجمہ: دشمن کیا بگاڑ سکتا ہے جب (مہربان) اللہ تعالیٰ دوست ہے۔

بہر حال! معلوم نہیں کہ میرا اشہب قلم اس راہ پر کیوں چل نکلا، علم کی اس ارزانی کے دور میں یہ باتیں تو سبھی جانتے ہیں مجھے لکھنے یا بتانے کی کیا حاجت، مجھے تو صرف حکیم سراج الدین ہاشمی صاحب کا تعارف کرانا مقصود ہے۔

ڈاکٹر حکیم سراج الدین ہاشمی ایک ذہین ہوشیار بیدار ذہن وفکر اور حب الوطنی کے جذبے سے سرشار ایک بہترین سیاست داں اور نہایت سرگرم سماجی کارکن کی حیثیت سے نمایاں مقام رکھتے ہیں اور یہ چسکا انھیں بچپن سے ہے بلکہ وراثت میں ملا ہے، آپ طالب علمی کے وقت سے ہی سیاسی سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے لگے تھے۔ اپنی سیاسی خدمات کو عوام تک پہنچانے کے لیے آپ این ایس یو آئی میں شامل ہو گئے، کرپشن، لال فیتا شاہی، فحاشی اور عریانیت کے خلاف انھوں نے پوری سرگرمی کے ساتھ علم اُٹھایا۔ عوام و خواص کے پیچیدہ مسائل حل کرنے اور کرانے کے لیے انھوں نے سدا جدوجہد کی۔ آپ ۱۹۸۰ء سے ۱۹۸۷ء تک این ایس یو آئی امروہہ کے صدر رہے۔ اس کے بعد ضلع کے نائب صدر رہے۔ ۱۹۸۷ء سے ۱۹۹۰ تک یوتھ کانگریس کے شہر صدر اور ۱۹۹۰ء سے ۱۹۹۲ء تک یوتھ کانگریس کے ضلع صدر رہے۔ ۱۹۹۲ء سے ۱۹۹۶ء تک پھر بحیثیت صدر کانگریس پارٹی اور عوام کی خدمت کی۔ ۱۹۹۶ء سے ۱۹۹۸ء تک کانگریس کے مہامنتری رہے اور ۱۹۹۸ء سے ۲۰۰۱ء تک کانگریس پارٹی کے ضلع نائب صدر رہے۔ آج کل یو پی کانگریس پارٹی کے پی سی سی ممبر ہیں۔ ملک کے مختلف مقامات پر کانگریس پارٹی کے تربیتی کیمپوں میں پوری فعالیت کے ساتھ حصہ لیا۔ اس کے علاوہ آپ بہت سی مذہبی، سماجی، اصلاحی و فلاحی، سرکاری وغیرسرکاری اداروں، تحریکوں، تنظیموں سے وابستہ ہیں، کسی کے ممبر، کسی کے صدر و نائب صدر اور سرگرم کارکن ہیں۔ ملک کی کسی بھی سیاسی پارٹی سے ان کا جڑاؤ صرف قوم اور ملک وملت کی بھرپور خدمت کرنا تھا۔ جو آج بھی جاری وساری ہے، قومی خدمات میں وہ ہمہ تن، تن من دھن سے وقف ہیں۔ اس سلسلے میں آپ ملک کے بڑے بڑے سیاسی لیڈروں اور سیاسی ماہرین ومبصرین سے بھی ملے اور ملک کے پسماندہ اور غریب عوام کی معاشی وعلمی پستی کو دور کرنے کی تدبیر پر تبادلہ خیال کیا۔ اس راہ میں بھی اللہ رب العزت نے انھیں نمایاں کامیابیاں عطا فرمائی ہیں۔

خالق کائنات، اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی بے پناہ عنایات اور نوازشات کے شکرانہ کے طور پر اور اس آیت کریمہ کو نظر میں رکھتے ہوئے کہ ''احسن کما احسن اللہ'' (اللہ کے بندوں پر

احسان کروں جیسا کہ اس نے تمہارے اوپر احسان کیا ہے) حکیم سراج الدین ہاشمی بھی مکمل طور پر مخلوق خداوندِ عالم پر ظاہر و باطن میں خوب احسان کرتے ہیں، غریبوں حاجت مندوں، بے سہارا، دین دکھی مرد و زن کے لیے ان کے دل میں ہمدردی اللہ رب العزت نے کوٹ کوٹ کر بھری ہے۔ جناب شوق امروہوی نے ایک بار مجھے بتایا کہ ''ہزاروں کی تعداد میں غریب، نادار، بے سہارا عورتوں، مردوں اور زیرِ تعلیم لڑکے لڑکیوں کی غائبانہ امداد فرماتے ہیں اور ان کا عام اعلان ہے کہ جو بچیاں فیس ادا نہیں کر سکتیں وہ بلا تکلف ہمارے کالج میں آئیں اور اپنی تعلیم مکمل کریں۔'' راقم الحروف بھی اکثر مستحق طالبات کی سفارش کرتا ہے تو اس کی بھرپور مدد کرتے ہیں بلکہ اپنی جیب خاص سے اس کی سرکاری فیس بھی ادا کر دیتے ہیں۔ میں نے کئی بار اس بات کا شکریہ ادا کیا تو انھوں نے کہا کہ ''میں آپ کا شکرگزار ہوں کہ آپ صحیح اور مستحق لوگوں کی نشاندہی کرتے ہیں۔'' ڈاکٹر حکیم سراج الدین ہاشمی امروہہ کے کئی دینی مدارس کی مکمل سرپرستی کرتے ہیں۔ آپ کئی بار حج کی سعادت عظمیٰ حاصل کر چکے ہیں اور ہر سال عمرے و زیارت حرمین شریفین سے مشرف ہوتے ہیں۔ اپنے کالج کے علاوہ دیگر اداروں کے طلباء و طالبات کی بھی بے دریغ خدمت انجام دیتے ہیں۔ علماء کرام کی اکثر دینی تالیفات کو معقول تعداد میں خرید کر ''انجمن ترقی اردو'' کے بیتر سے مفت تقسیم کراتے ہیں۔ پچھلے سال تقریباً پچیس ہزار روپیہ مالیت کی کتابیں امروہہ کے مشہور و معروف ادارے ''آئی ایم انٹر کالج امروہہ'' کو تحفتاً پیش کیں۔

ڈاکٹر حکیم سراج الدین ہاشمی صاحب کی ان ہی قومی، علمی و ادبی اور سماجی خدمات کو دیکھتے ہوئے ملک و بیرون ملک کی اکثر سیاسی، سماجی، سرکاری و غیر سرکاری تنظیموں نے انھیں اعزازات سے نوازہ آپ کے پی. ایچ. ڈی. کے ریسرچ مقالہ ''تخلیقات بیدی کا تہذیبی و ثقافتی مطالعہ'' جو واقعی ایک اہم اور قابل قدر کارنامہ ہے۔ پر اتر پردیش اردو اکادمی لکھنؤ نے ۲۰۱۱ء میں لکھی جانے والی بہترین تصانیف میں شمار کرتے ہوئے اعزاز سے نوازا۔ جس کی ''سند توصیف'' اور انعام کا چیک وزیر اعلیٰ اتر پردیش نے خود اپنی رہائش گاہ پر بتاریخ ۴ر اگست ۲۰۱۴ء کو اپنے ہاتھوں سے دیا۔ اس سے قبل آپ کو دیگر تعلیمی خدمات کے عوض ''ایف ٹی'' اعزاز

سے ۲۰۱۱ء میں امریکہ بلا کر ایوارڈ سے نوازہ گیا۔ اس کے علاوہ پولیو ریڈیکشن ایوارڈ بذریعہ روٹری انٹرنیشنل اور یونیسیف یونٹ امروہہ، (۲) امن وامان کی بحالی کے لیے ضلع انتظامیہ (۳) اور ماحولیات کو آلودگی سے بچانے کے لیے ضلع انتظامیہ (۴) ایڈز کے سلسلے میں لوگوں کو بیدار کرنے کے لیے ضلع انتظامیہ سے اعزاز واکرام سے نوازہ ہے۔ آپ نے اپنی علمی وادبی دلچسپی کے سبب اور قدرتی مناظر کے مشاہدات، تعلیمی وثقافتی مطالعہ کے لیے مندرجہ ذیل ملکوں کے سفر کیے۔ جن میں امریکہ، جرمنی، تھائی لینڈ، نیپال، سعودی عربیہ، مسقط، بحرین وغیرہ خاص ہیں۔

ہماری بے چاری پیاری پیاری شیریں اردو زبان پر بھی ڈاکٹر حکیم سراج الدین ہاشمی صاحب کے بہت احسانات ہیں آپ نے اردو زبان کی ترقی وترویج واشاعت میں بھی نمایاں خدمات انجام دے رہے ہیں، اپنے کالج، پی جی کالج امروہہ میں اردو زبان کی پڑھائی کا خاص انتظام کیا ہے۔ جس میں طالبات کی خاصی تعداد آپ کے کالج میں ماہر اساتذہ کے زیر نگرانی اردو زبان وبیان کی تعلیم حاصل کر رہی ہیں۔ جس میں نمایاں کارکردگی والی طالبات کو اتر پردیش اردو اکادمی کی جانب سے انعامات سے نوازہ جاتا ہے اور خود ہاشمی صاحب بھی ان طالبات کی بھرپور حوصلہ افزائی فرماتے ہیں۔ آپ ۲۰۱۱ء سے انجمن ترقی اردو ضلع امروہہ کے صدر ہیں تبھی سے انجمن ترقی کو دوبارہ زندگی ملی ہے کیونکہ آج کل ہی کیا سدا سے تمام تنظیمیں سرمایہ کے بل پر چلتی ہیں۔ انجمن ترقی اردو کی بھی سبھی ضروریات کو حکیم سراج الدین ہاشمی صاحب نے بے دریغ سرمایہ صرف کر کے پوری کرتے ہیں۔ امروہہ میں پہلی بار آپ نے باقاعدہ ایک معقول اور قیمتی جگہ ''انجمن ترقی اردو امروہہ'' کے لیے محلہ ملانہ، نزد جامع مسجد، امروہہ میں فراہم کی۔ جہاں ''انجمن ترقی اردو کے سکریٹری جناب مشکور حسن شوق امروہوی اور دیگر اراکین انجمن کے لیے بجلی پانی چائے ناشتہ کا معقول انتظام ہمہ وقت رہتا ہے۔ انجمن ترقی اردو ہند کے صاحبان حل وعقد نے آپ کی خدمات اور دلچسپی کو دیکھتے ہوئے ۲۰۱۲ء میں اتر پردیش کا نائب صدر منتخب کیا۔ اسی انجمن کے دفتر میں آپ نے حج کمیٹی کا بھی ایک دفتر قائم کیا ہے جہاں سے حجاج کرام حج کی ٹریننگ، اور

دیگر معلومات اور سہولیات کا اچھا انتظام کیا جاتا ہے۔ یہاں میرے برادر دینی محترم الحاج عادل رشید صاحب انصاری بڑی سرگرمی کے ساتھ خدمات انجام دیتے ہیں۔ یہ تھا ایک انتہائی مختصر اور سرسری تعارف سرزمین امروہہ کے اس نامور رتن الحاج ڈاکٹر حکیم سراج الدین ہاشمی صاحب کا جس نے اپنے دن رات کی محنت، لگن اور ایثار وقربانی سے اپنے وطن امروہہ کا نام علم وفن اور تعلیمی وسماجی اور سیاسی جریدے پر جلی حروف میں ثبت کر دیا ہے، حکیم سراج الدین ہاشمی کی ان علمی وادبی اور فلاحی خدمات پر تمام ہی اہل امروہہ بلکہ ہر صاحب فن اور محبِ قوم وملّت اور وطن کو فخر وناز ہے۔ بے شبہ محترم ڈاکٹر حکیم سراج الدین ہاشمی صاحب کی ذات گرامی میں اتنی خوبیاں ہیں کہ اگر میں گنواؤں تو گنوا نہ سکوں تو اب میں اپنے صریرِ خامہ کو یہیں خاموش کرتا ہوں۔

ڈاکٹر مصباح احمد صدیقی

گھیر مناف، امروہہ (یو.پی.)

صحت نامہ تذکرۃ الکرام (جلد اول)

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۵	۱	جعفر	جعفرؒ
۵	۷ حاشیہ	شھ	۳ھ
۶	۱۱	(اعنی ہندوستان	(اعنی ہندوستان)
۲۰	۹	اُن کی اولاد	اُن کی اولادیں
۲۷	۱۸	راہ راگمان زد	راراہ گمان زد
۳۰	۱ حاشیہ	سید خواجہ جوجو	سید خواجہ جو
۳۱	۱۳	نہتبوری	رنتھبوری
۳۵	۷	آراضیات	اراضیات
ایضاً	۱۴	از قاضی و قاضی طاہر	از قاضی تاج و قاضی طاہر
۳۸	۱	کب کس سنہ میں	کب اور کس سنہ میں
۳۹	۹	نسب بیعت	نسبت بیعت
۴۷	۹	آراضی	اراضی
۴۸	۱۰	وقائع نگارے	وقائع نگاری
۵۹	۱۱	کساں فسیخ متوطن اند	کساں شیخ متوطن اند
۶۲	۲	سلہ	
۷۰	۵	امام باڑہ کالی گڑھی موسوم ہے	امام باڑہ کالی گڑھی سے موسوم ہے
۷۳	۱۹	پیر محمد بنا	پیر محمد بنا

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۷۷	۱۴	روضۂ مطہرہ رسول اکرم صلعم شوق	روضۂ مطہرہ رسول اکرم صلعم کا شوق
۷۸	۷	وہ کوئی خوش قسمت	وہ کوئی اور خوش قسمت
۸۱	۱۳	ملاحظہ ہو ضمیمہ نمبر	ملاحظہ ہو تحقیق الانساب
۸۸	۱۷	۳۰۔ ننھو شاہ	۳۸۔ ننھو شاہ
۸۹	۲	۳۷۔ منعم شاہ	۳۹۔ منعم شاہ
۸۹	۱۰	۳۸۔ عارف باللہ شیخ فیض اللہ علوی	۴۰۔ عارف باللہ شیخ فیض اللہ علویؒ
۸۹	۱ حاشیہ	مسکن گزین	مسکن گزین ہوکر
۹۰	۴	آتے ہو	آئے ہو
۱۰۰	۱۲	مدتہا	مدتہا
۱۰۶	۳ حاشیہ	میرازند	مترا اند
۱۰۷	۱	کامل شناخت	کامل کی شناخت
۱۰۸	۱۷	بہرہ ور	بہرہ ور
۱۰۹	۸	بدمستان حب،	بدمستان حُب،
۱۰۹	۱۱	بمہر و اسے	بمہر و لطف اسے
۱۲۴	۱۷	سنہ ھ	سنہ ۱۱۲۳ ہجری
۱۲۴	۱ حاشیہ	سلہ	سلہ تذکرہ رفیع الدین خاں
۱۳۱	۱۰	مشہور	مشہد و
۱۴۰	۱۹	آمدنی بہت ہی کم تھی	آمدنی بہت کچھ تھی مگر اپنی ذات پر
۲۱۷	۹	مرادو مرید	مراد و مرید
۲۲۳	۱	اس نسل میں قائم ہے	قائم ہے۔

Prof. SHARIB RUDAULVI COLLECTION

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
(مقدمہ) ۵	۱۹	انیسویں	بیسویں
۶	۱۵	دو برس بعد	کئی برس بعد
۶	۲۱	۱۸۸۱ء میں لکھی گئی	۱۸۸۹ء میں شائع ہوئی
۱۵	۲۱	تعلیہ	تعلقیہ
۱۶	۴	شوزش	شورش
(کتاب) ۴	۴	جمنا کے کنارے	گنگا کے کنارے
۴	۴	کئی کوس دور	بہت دور
۴	۶	[illegible] قبل مسیح	[illegible] قبل مسیح
۴	۲۱	علم ریاضی کی رلخ	
۵	۱	سنہ ۱۱۵۲	سنہ ۱۱۲۹
۷	۴	جناب سالتمآب علیہ وآلہ وسلم	جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم
۷	۱۵	حاصل کیں ۵ھ	خلفائے بنی عباس میں خلیفہ المہدی باللہ نے ۵ھ
۷	۲ حاشیہ	بلاذی	بلاذری
۷	۶	نیلین	سبتین
۸	۳	[illegible] ۱۰۱۴	[illegible] ۱۰۱۴
۱۲	۲ حاشیہ	کتاب الانساب	کتب الانساب
۱۲	۲ ،،	حسن عبداللہ	حسن عبداللہ الاصغر عبداللہ الاکبر
۱۲	۴ ،،	عبداللہ بن محمد	عبداللہ الاصغر بن محمد
۱۲	۲ ،،	معلوم ہوتے ہیں	معلوم ہوتے ہیں (دیکھو حاشیہ ترجمہ سفرنامہ ابن بطوطہ)
۱۲	۵	قدیم	[illegible]

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۵	۱۰	حفیہ	خفیہ
۱۶	۱۰	سنہ ۵۶۵ھ ۱۲۶۶ء	سنہ ۶۶۵ھ ۱۲۶۶ء
۱۹	۱۲ حاشیہ	تصرف وہم اگر بعد ازیں	تصرف دہم........ اگر بعد ازیں
۲۰	۷	خوانند وبخشش	خوانند.......... دبخشش
۲۱	۹	قوج	فوج
۲۱	۱ حاشیہ	آراضی	اراضی
۲۲	۱۷	رویانندہ وعصیاں	رویانندہ عصیاں
۲۳	۱۲	دومن	دہ من
۲۳	۱۷	لطلبند	نطلبند
۲۵	۱۹	ستہر بار	شہریار
۲۶	۱۸	لمنی	بلمنی
۲۷	۲	نیاگوشش	نیاگوش
۲۸	۷ حاشیہ	تعقب	تعاقب
۲۹	۹	سنہ ۷۱۴ھ ۱۳۰۵ء	سنہ ۷۱۴ھ ۱۳۱۵ء
۲۹	۳ حاشیہ	کہ تاریخ فیروز شاہی باضطہ	×
۳۳	۲ ″	تلاشی	جویا
۳۵	۳ ″	استفادہ حاصل کیا	استفادہ کیا
۳۶	۱۲	آپ کی اولاد امجاد	شاہ ولی اللہ کی اولاد امجاد
۳۷	۳ حاشیہ	سنہ ۲۳ھ	[illegible]
۳۸	۲۲	رصلنا	وصلناء

تعلیم سب کے لئے

تعلیم سب کے لئے

ھاشمی گرلس پی جی کالج امروہہ

B.A. | **B.Sc. (Bio + Maths)** | **B.Sc. (Home Science)** | **B.Ed.**

M.A. (English, Hindi, Urdu, Home Science, Geography, Drawing & Painting)

رجسٹریشن شروع

طلبہ و طالبات کے لئے کورسیز

رجسٹریشن شروع

اندرا گاندھی نیشنل اوپن یونیورسٹی (IGNOU)

۱۔ ایم اے ہندی، انگریزی
۲۔ بیچلر پریپیٹری پروگرام (بی پی پی)
۳۔ گریجویشن (بی اے کل مضامین)
۴۔ حقوق انسانی میں سرٹیفکٹ (سند)
۵۔ غذائیت اور تعلیم صحت میں سرٹیفکٹ (سند)
۶۔ ماحولیاتی تعلیم میں سرٹیفکٹ (سند)
۷۔ خوراک و غذائیت میں سرٹیفکٹ (سند)
۸۔ تحفظ صارفین میں سرٹیفکٹ (سند)
۹۔ انگلش اسٹڈیز میں سرٹیفکٹ (سند)
۱۰۔ غذائیت و چائلڈ کیئر میں سرٹیفکٹ (سند)
۱۱۔ ٹرانسلیشن (ترجمہ) میں پوسٹ گریجویٹ میں ڈپلومہ

اتر پردیش راج رشی ٹنڈن اوپن یونیورسٹی الہ آباد (UPRTOU)

۱۔ بی۔ اے آل سبجیکٹ (کل مضامین)
۲۔ جو۔ جی۔ ایس۔ ایس (انڈر گریجویٹ)
۳۔ بی لب (لائبریری کورس)
۴۔ ایم۔ اے آل سبجیکٹ (کل مضامین)
۵۔ حقوق انسانی میں سرٹیفکٹ (سند)
۶۔ فیشن ڈیزائن میں ڈپلومہ
۷۔ ٹیکسٹائل ڈیزائن میں ڈپلومہ
۸۔ ٹورزم اسٹڈیز میں ڈپلومہ
۹۔ یوگا میں سرٹیفکٹ کورس
۱۰۔ ڈیزاسٹر مینجمنٹ میں سرٹیفکٹ (سند)
۱۱۔ خواتین حقوق و تعلیم صحت میں سرٹیفکٹ (سند)
۱۲۔ آبادی و تعلیم صحت میں سرٹیفکٹ (سند)

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

۱۔ انٹرمیڈیٹ (آرٹس)
۲۔ انٹرمیڈیٹ (کامرس)
۳۔ بی اے (آنرس)
۴۔ بی کام (آنرس)
۵۔ بی لب (لائبریری کورس)
۶۔ ڈپلومہ ان ماس کمیونکیشن اینڈ جرنلزم

ھاشمی کالج آف لاء

ایل ایل۔ بی۔ ۳ سال و ۵ سال
بی۔ اے ایل ایل۔ بی۔ ۵ سال
انٹر پاس بی۔ اے۔ ایل ایل۔ بی کریں اور جج بنیں۔
بی۔ اے۔ ایل ایل۔ بی۔ و ایل ایل۔ بی۔ میں داخلے جاری ہیں
ہونہار طلبہ و طالبات کے لئے فری کوچنگ

نیشنل اوپن اسکول NIOS

۸ ویں اور ۹ ویں فیل ہائی اسکول میں داخلہ لیں اور ۱۱ ویں فیل انٹر میں داخلہ لیں
کسی بھی بورڈ سے فیل طلبہ و طالبات درجہ ہائی اسکول و انٹر میں داخلہ لیں۔

ھاشمی گرلس پی جی کالج

ھاشمی نگر، بجنور روڈ امروہہ، 05902-260755, 9760009574, 9058058077

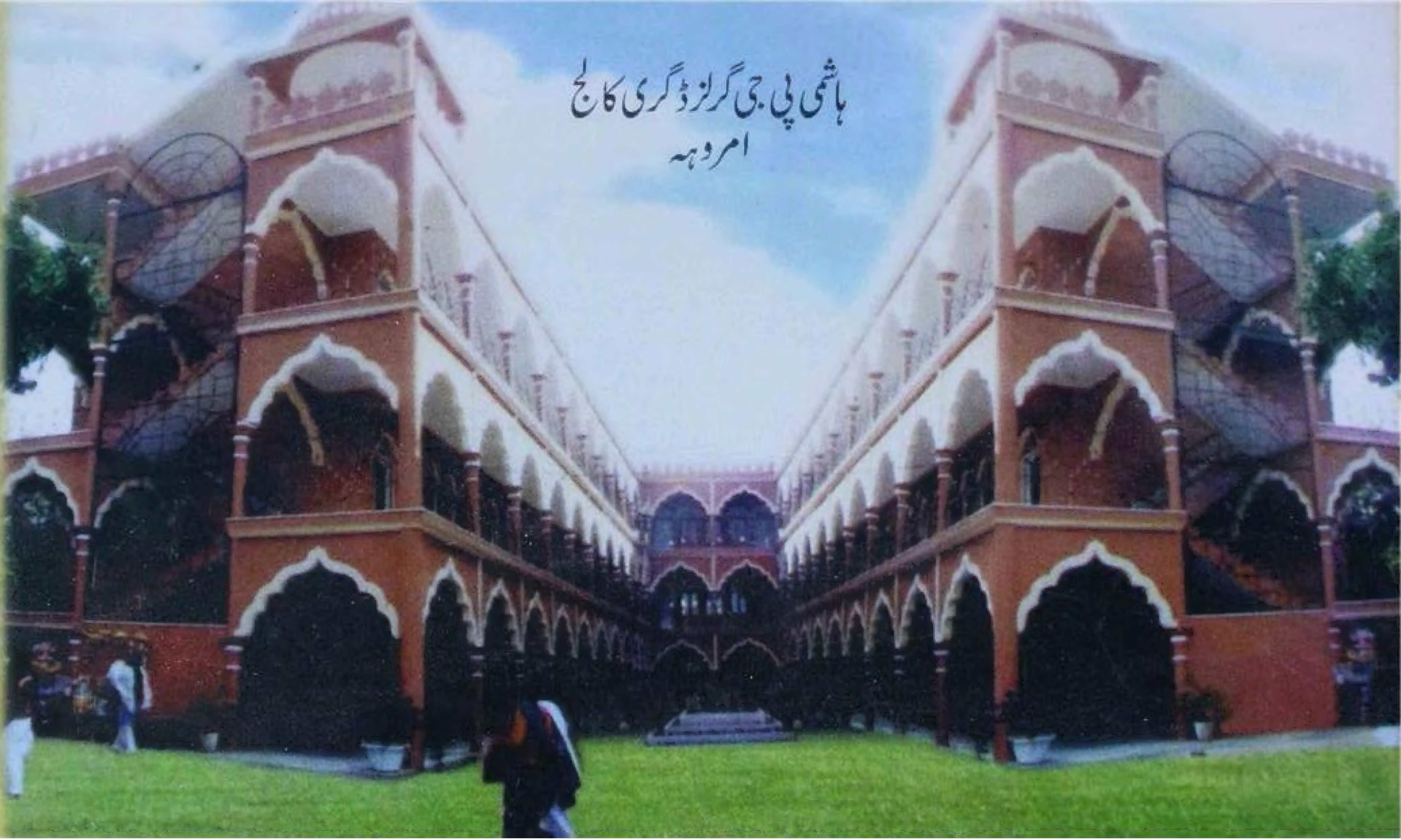
ہاشمی پی.جی گرلز ڈگری کالج
امروہہ